إِنَّ الدِّينَ عِنْدَاللهِ الإِسْلَامُ

الدین کا خصوصی شمارہ

بیس جنّتی صحابہ رضی اللہ عنہم

بیادگار

محسنِ قوم وملّت حضرت اقدس مولانا احمد حسن بھام سملکیؒ (م:۱۳۲۶ھ)

(بانیٔ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک)

زیرِسرپرستی

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

(شیخ الحدیث جامعہ ہذا)

مجلسِ مشاورت

حضرت مولانا احمد صاحب بزرگ سملکی (مہتمم جامعہ ہذا)

حضرت مفتی ابوبکر صاحب پٹنی (استاذ جامعہ ہذا)

حضرت مفتی معاذ صاحب بمبوی (استاذ جامعہ ہذا)

مجلسِ ادارت

محمد اسامہ جھاڑکھنڈی

صابر سورتی

شعیب پالنپوری

اظہار الحق پربھنی

ناشر

شعبۂ تقریر وتحریر

تفصیلات

کتاب کا نام:.....(الدین) بیس جنّتی صحابہ رضی اللہ عنہم

کاوش:.....طلبۂ جامعہ ڈابھیل

زیر سرپرستی:.....حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

حسبِ ایماء:.....حضرت اقدس مولانا احمد بزرگ صاحب دامت برکاتہم

صفحات:.....۷۷۳

سن اشاعت:.....جمادی الاخریٰ ۱۴۳۸ھ مارچ ۲۰۱۷ء

ناشر:.....شعبۂ تقریر وتحریر جامعہ ڈابھیل

اجمالی فہرست

نمبر شمار	عناوین	مضمون نگار	صفحہ
❁	دعائیہ کلمات	حضرت مفتی احمد خانپوری مدظلہ	۳۵
۱	آغازِ سخن	مفتی معاذ بمبوی	۳۷
۲	حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ	اسامہ جھاڑکھنڈی	۴۷
۳	حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ	سلطان ہمت نگری۔سلمان کوکنی	۱۳۳
۴	حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ	ثناءاللہ ایم پی	۱۷۵
۵	حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ	جنید سورتی	۲۰۷
۶	حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ	لقمان احمد آبادی۔شہزاد اورنگ آبادی	۲۲۹
۷	حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ	امان اللہ امریلی	۲۶۳
۸	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ	محمد پٹنی۔عبداللہ بلساڑی	۲۹۳
۹	حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ	زکریا بھوپالی	۳۲۷
۱۰	حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ	عمر اورنگ آبادی	۳۴۹
۱۱	حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ	ثاقب نوادوی	۳۹۳
۱۲	حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ	قاسم مولی پوری	۴۲۹
۱۳	حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ	صابر ظہیر سورتی	۴۵۱
۱۴	حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ	سلمان پالنپوری	۴۸۳

۱۵	حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ	وسیم ویارا	۵۳۵
۱۶	حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ	یاسر دساڑا	۵۶۱
۱۷	حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ	اطہر بمبوی	۵۷۵
۱۸	حضرت بلال بن ابی رباح رضی اللہ عنہ	رضوان آنندی۔تمیم بمبوی	۶۰۷
۱۹	حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ	زاہد کوڈیناری	۶۶۷
۲۰	حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ	نعمان پالنپوری	۶۸۹
۲۱	حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	شاداب احمد نگری۔رفیع اللہ بھاگلپوری	۷۲۵
۞	الدین کی کہانی خود اس کی زبانی	محمد اسامہ جھارکھنڈی	۷۶۴

تفصیلی فہرست

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
	شاعرِ رسول حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ	
۞	حیات وخدمات	۞
۱	نام ونسب اور آپ کا خاندان	۵۰
۲	قَبولِ اسلام اور غزوات میں شرکت۔ واقعۂ قبول اسلام کا پس منظر	۵۱
۳	ہجرتِ نبی اور میزبانی کے لیے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی درخواست	۵۵
۴	مواخات و بھائی چارگی	۵۷
۵	حضرت عبداللہ بن رواحہؓ رَزم میں	۵۸
۶	حضرت عبداللہؓ غزوۂ بدر میں	۵۹
۷	حضرت عبداللہ غزوۂ اُحُد میں	۶۵
۸	حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اسلامی دارالحکومت کے امیر	۶۷
۹	حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور غزوۂ احزاب	۷۰
۱۰	غزوۂ مریسیع سے واپسی پر	۷۲
۱۱	سریۂ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ	۷۳
۱۲	حضرت عبداللہ بن رواحہؓ صلح حدیبیہ اور عمرۃ القضاء میں	۷۸
۱۳	ان ہی لوگوں کے طفیل یہ آسمان وزمین کا نظام قائم ودائم ہے	۸۰
۱۴	سریۂ موتہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت	۸۲

۱۵	خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را	۹۲
۱۶	احوال ومناقب	۹۵
۱۷	حضرت عبداللہؓ اور قرآن	۹۶
۱۸	وہ آیتیں جو آپؓ کے متعلق نازل ہوئیں	۹۶
۱۹	قرآنِ کریم کے معانی میں حضرت عبداللہؓ کی نگاہِ دوررس	۱۰۱
۲۰	فکرِ آخرت اور اس کا استحضار	۱۰۲
۲۱	ایک عجیب لطیفہ	۱۰۳
۲۲	حضرت عبداللہؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایۂ شفقت میں	۱۰۵
۲۳	آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عیادت کے لیے جانا اور دعا دینا	۱۰۵
۲۴	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے کچھ نمونے	۱۰۶
۲۵	اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جذبۂ بے مثال	۱۰۷
۲۶	نکلتے نکلتے بھی صحبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمنا	۱۰۸
۲۷	حضرت عبداللہؓ کی بے باکی منافقوں کے مقابلے میں	۱۰۸
۲۸	حضرت عبداللہؓ کی مرویات کی ایک جھلک	۱۱۰
۲۹	حضرت عبداللہؓ، صحابہ کے ساتھ	۱۱۱
۳۰	حضرت ابودرداءؓ کے اسلام لانے کا سبب	۱۱۲
۳۱	حضرت ابودرداءؓ کی زبانی	۱۱۴
۳۲	ایک عجیب بات	۱۱۶
۳۳	تربیت کا انداز خود اُن کے تربیت یافتہ کی زبانی	۱۱۶

۳۴	حضرت عبداللہؓ کے متعلق بشارتیں	۱۱۸
۳۵	بزمِ عبداللہ بن رواحہؓ میں کچھ شعری جھلکیاں	۱۱۹
۳۶	آپؓ کے اشعار کی پسندیدگی بہ زبانِ رسالتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۱۲۰
۳۷	شہادتِ حمزہ پر مرثیہ	۱۲۵
۳۸	بدرالصفر اسے فرار کا نقشہ ابنِ رواحہ کی زبانی	۱۲۸
۳۹	شہادت کی تمنا پیرایۂ اشعار میں	۱۲۹
	حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ	
۞	مہد سے لحد تک	۞
۴۰	ولادت، خاندان اور حسب ونسب	۱۳۶
۴۱	یثرب کے مختصر حالات	۱۳۶
۴۲	یثرب میں اسلام کی کرنیں	۱۳۸
۴۳	حضرت ثابت بن قیس اسلام کے سایۂ عاطفت میں	۱۳۹
۴۴	محبوب کی آمد پر	۱۴۰
۴۵	مواخات و بھائی چارگی	۱۴۱
۴۶	غزوات میں شرکت	۱۴۲
۴۷	انصار کا قابلِ صد رشک ایثار	۱۴۳
۴۸	جویریہ بنت حارث کا ام المؤمنین بننا	۱۴۴
۴۹	احسان شناسی کا جذبہ	۱۴۵
۵۰	مرتدّین سے جنگ اور شہادت	۱۴۹

۵۱	موت کے بعد وصیت	۱۵۱
۵۲	آل واولاد	۱۵۲
۵۳	اوصاف وکمالات، فضائل ومناقب	۱۵۳
۵۴	حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق ومحبت اور آپ کا ادب واحترام	۱۵۳
۵۵	خوف وخشیت	۱۵۷
۵۶	ایثار اور مہمان نوازی	۱۵۹
۵۷	تقریر وخطابت	۱۶۱
۵۸	نادرۂ روزگار خطبہ	۱۶۲
۵۹	دونوں خطبوں کا تقابلی جائزہ	۱۶۶
۶۰	ثابت موجود ہیں	۱۶۸
۶۱	خطیبِ رسول سقیفۂ بنوساعدہ میں	۱۶۸
۶۲	تحریر وکتابت	۱۶۹
۶۳	ثابت بن قیسؓ اور قرآن	۱۷۰
۶۴	صرف تقوے کی وجہ سے فوقیت	۱۷۰
۶۵	آیتِ خلع کا نزول	۱۷۲
۶۶	پہاڑوں سے زیادہ مستحکم ایمان	۱۷۲
۶۷	صدقات کی کثرت	۱۷۳
۶۸	بہت اچھے آدمی	۱۷۴
۶۹	خلاصۂ کلام	۱۷۴

حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ

۷۰	نام ونسب	۱۷۸
۷۱	مخالفتِ اسلام	۱۷۹
۷۲	دل بیٹھ گیا جی چھوٹ گیا	۱۸۰
۷۳	غزوۂ بدر اور ابوسفیان کا شکست کی خبر دینا	۱۸۰
۷۴	انوکھا اتفاق	۱۸۲
۷۵	ابوسفیان کی دریدہ دہنی	۱۸۲
۷۶	شاعر رسول حضرت حسانؓ سے تعرّض	۱۸۳
۷۷	قبولِ اسلام	۱۸۴
۷۸	اب میرا کون ہوگا؟	۱۸۵
۷۹	بیوی کا جواب	۱۸۵
۸۰	میری آرزو کا کیا ہوا؟	۱۸۷
۸۱	کتنی بلیغ تھی تیری نظروں کی گفتگو	۱۸۸
۸۲	چچا سے گزارش	۱۸۸
۸۳	اتنا تو احسان کیجئے	۱۸۹
۸۴	مبارک ہو تیرا استقلالِ عزم	۱۹۰
۸۵	پھر گئے نامراد منزل سے	۱۹۱
۸۶	گھٹ کر مرجاؤں اب تو یہ مرضی ہے	۱۹۱
۸۷	تیری خوبیٔ قسمت	۱۹۲

۸۸	کوئی اندازہ کرسکتا ہے	۱۹۳
۸۹	دھوم تھی جس کی عبادت و پارسائی کی	۱۹۴
۹۰	ایک تمنّا	۱۹۵
۹۱	غازی نے چمکتی ہوئی تلوار اٹھالی	۱۹۵
۹۲	الٰہی! مجھے بھی شہادت نصیب ہو	۱۹۶
۹۳	آپ کی شجاعت وثابت قدمی پر دشمن کی گواہی	۱۹۸
۹۴	آپ کی بہادری وثابت قدمی پر چچا عباسؓ کی شہادت	۱۹۹
۹۵	خاکی ہے مگر اس کے انداز ہیں افلاکی	۲۰۰
۹۶	آپ کے اشعار	۲۰۰
۹۷	وفات	۲۰۳
۹۸	ازواج واولاد	۲۰۵
۹۹	پیغام حیات	۲۰۶
	حضرت عُکّاشہ بن محصَن رضی اللہ عنہ	
۱۰۰	نام ونسب اور فضل ومنقبت	۲۱۱
۱۰۱	قبولِ اسلام اور ہجرت	۲۱۲
۱۰۲	قسمت جاگ اٹھی!	۲۱۲
۱۰۳	کتابِ جاں نثاری کا پہلا ورق	۲۱۴
۱۰۴	ٹہنی جو چمکتی ہوئی تلوار ٹھہری	۲۱۵
۱۰۵	باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم	۲۱۶

۱۰۶	اللہ کا ہاتھ ہے مردِ مومن کا ہاتھ	۲۱۷
۱۰۷	تو شاہیں ہے	۲۱۸
۱۰۸	ادائے دل نواز	۲۲۱
۱۰۹	سرفروشی کی تمنا	۲۲۲
۱۱۰	تیغِ ستم کے یادگاروں میں	۲۲۳
۱۱۱	جاں بکف کفن بردوش	۲۲۴
۱۱۲	ایں خانہ ہمہ آفتاب است	۲۲۷
	حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ	
۱۱۳	بچپن کا حادثۂ دلگداز اور عہدِ شباب	۲۳۲
۱۱۴	وطنِ اصلی وسلسلۂ نسب	۲۳۴
۱۱۵	ایک شبہ اور اس کا ازالہ	۲۳۵
۱۱۶	دینِ حق کی تلاش میں	۲۳۵
۱۱۷	اسلام کے سایۂ عاطفت میں	۲۳۷
۱۱۸	اللہ کی خاطر مصیبتیں برداشت کرنا	۲۳۸
۱۱۹	مدینہ کی طرف ہجرت	۲۳۹
۱۲۰	للکارِ صہیبؓ	۲۴۲
۱۲۱	مدینہ میں	۲۴۴
۱۲۲	اعلائے کلمۃ اللہ	۲۴۵
۞	فضائل ومناقب	۞

۱۲۳	آپ کا مقام اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں	۲۴۷
۱۲۴	آپؓ کا مقام صحابہؓ کی نظر میں	۲۵۱
۱۲۵	حضرت عمرؓ کے ساتھ آپؓ کی محبت	۲۵۳
۱۲۶	آپؓ کا مقام محدثین کی نظروں میں	۲۵۴
۱۲۷	مرویات صہیبؓ کی ایک جھلک	۲۵۴
۱۲۸	حلیۂ مبارک واوصافِ حمیدہ	۲۵۶
۱۲۹	آپ کے دولت کدے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ	۲۵۸
۱۳۰	وفات	۲۵۹
۱۳۱	اجمالی خاکہ	۲۶۰
	حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ	
۱۳۲	نام ونسب	۲۶۶
۱۳۳	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رشتۂ قرابت	۲۶۶
۱۳۴	قبول اسلام	۲۶۷
۱۳۵	ابتلاوآزمائش	۲۶۸
۱۳۶	ہجرتِ حبشہ	۲۶۹
۱۳۷	جب یادِ حرم آئے مہکائے بدن میرا	۲۷۰
۱۳۸	انہیں وطن میں نہ ڈھونڈیے کہ اب وہ وطن سے چلے گئے	۲۷۱
۱۳۹	رشتۂ مواخات	۲۷۳
۱۴۰	سریۂ عبداللہ بن جحش	۲۷۴

۱۴۱	ہم ہی سے باقی ہے گل دامنی و کج کلہی	۲۸۱
۱۴۲	غزوۂ بدر	۲۸۱
۱۴۳	عجب چیز ہے لذت آشنائی	۲۸۲
۱۴۴	غزوۂ احد میں حضرت عبداللہؓ کی جاں نثاری	۲۸۴
۱۴۵	رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن	۲۸۵
۱۴۶	تجہیز و تکفین	۲۸۶
۱۴۷	حلیہ مبارک	۲۸۶
۱۴۸	اولاد	۲۸۷
	فضائل ومناقب	
۱۴۹	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رشتہ وقرابت	۲۸۷
۱۵۰	صحابہؓ میں آپ کا مقام	۲۸۷
۱۵۱	زبانِ رسالت سے جنت کی بشارت	۲۸۸
۱۵۲	غزوات میں شرکت	۲۸۸
۱۵۳	اخلاق واطوار	۲۹۰
۱۵۴	عشقِ الٰہی اور محبتِ رسول	۲۹۱
۱۵۵	شوقِ شہادت	۲۹۱
	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ	
۱۵۶	نام ونسب	۲۹۶
۱۵۷	حلیۂ مبارک	۲۹۶

۱۵۸	حالات قبل الاسلام	۲۹۶
۱۵۹	بچپن اور مکہ میں تشریف آوری	۲۹۷
۱۶۰	قبولِ اسلام	۲۹۷
۱۶۱	ہجرتِ مدینہ	۲۹۷
۱۶۲	مواخات و بھائی چارگی	۲۹۸
۱۶۳	غزوات میں شرکت	۲۹۹
۱۶۴	دیگر غزوات میں شرکت	۳۰۲
۱۶۵	دانشمند سفیر	۳۰۳
۱۶۶	حضرت حاطبؓ کی بہادری اور تدبیر	۳۰۴
۱۶۷	نامۂ مبارک	۳۰۹
۱۶۸	مقوقس والیٔ مصر سے گفتگو	۳۱۰
۱۶۹	مقوقس کے تحفے اور جوابی خط	۳۱۲
۱۷۰	حضرت حاطبؓ کی کتاب زندگی کا ایک ورق	۳۱۴
۱۷۱	خفیہ خط اور قاصد کی گرفتاری	۲۱۶
۱۷۲	عفوودرگذر کا سبق	۳۱۷
۱۷۳	تمھارے لیے جنت واجب کردی گئی ہے	۲۱۸
۱۷۴	خلفائے راشدین کے دور میں	۳۱۹
۱۷۵	نماز جنازہ اور مدفن	۳۲۰
۱۷۶	ازواج واولاد	۳۲۰

۱۷۷	اخلاق وعادات	۳۲۱
۱۷۸	ذریعۂ معاش	۳۲۱
۱۷۹	مرویّات	۳۲۲
۱۸۰	آپؓ کے فضائل قرآن وحدیث کی روشنی میں	۳۲۲
۱۸۱	جنت کی بشارت	۳۲۳
۱۸۲	اللہ نے مومن کہا	۳۲۴
۱۸۳	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بات کی تصدیق کی	۳۲۴
۱۸۴	اللہ کی خوشنودی کا پروانہ اور برکت کی دعا	۳۲۵
	حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ	
۞	حیات وخدمات	۞
۱۸۵	نام، نسب، خاندان	۳۳۰
۱۸۶	تربیت	۳۳۰
۱۸۷	اسلام	۳۳۱
۱۸۸	ازواج واولاد	۳۳۱
۱۸۹	آپ کا رہائشی مکان	۳۳۲
۱۹۰	غزوات	۳۳۳
۱۹۱	غزوۂ بدر	۳۳۳
۱۹۲	غزوۂ بنوقریظہ	۳۳۵
۱۹۳	غزوۂ حنین	۳۳۶

۞	اوصاف وکمالات وخصوصیات	۞
۱۹۴	اوصاف وخصائل	۳۳۷
۱۹۵	سرتاجِ انبیا کے جوار میں	۳۳۸
۱۹۶	دخترانِ رسول حضرت حارثہؓ کے مکان میں	۳۳۹
۱۹۷	زوجۂ رسول حضرت حارثہؓ کے مکان میں	۳۳۹
۱۹۸	صاحبزادیٔ رسول کی خاطر اپنا گھر خالی کر دینا	۳۴۰
۱۹۹	باندیٔ رسول حضرت حارثہؓ کے مکان میں	۳۴۱
۲۰۰	جبرئیلؑ کا دیدار اور حضرت حارثہؓ کے لیے بشارت	۳۴۲
۲۰۱	عشقِ رسول اور پیغمبرِ اسلام کی خدمت گزاری	۳۴۳
۲۰۲	والدہ کی خدمت	۳۴۵
۲۰۳	جنت میں قرآنِ کریم کی تلاوت	۳۴۶
۲۰۴	صدقہ وخیرات	۳۴۶
۲۰۵	وفات	۳۴۷

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

۞	حیات وخدمات	۞
۲۰۶	نام ونسب	۳۵۱
۲۰۷	ناز ونعمت کی زندگانی سے غلامانہ زندگی تک	۳۵۲
۲۰۸	خوشگوار زندگی کے عوامل واسباب	۳۵۵
۲۰۹	حضرت زیدؓ کا اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ناقابلِ یقین مگر سچا اظہارِ عشق	۳۵۶

۲۱۰	حضرت زیدؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لے پالک اور متبنّٰی	۳۶۰
۲۱۱	حضرت زیدؓ کا قبولِ اسلام	۳۶۱
۲۱۲	حضرت حمزہؓ سے رشتۂ مواخاۃ	۳۶۲
۲۱۳	امِّ ایمنؓ سے نکاح	۳۶۳
۲۱۴	ہجرت ومواخاتِ ثانیۃ	۳۶۴
۲۱۵	حضرت زینبؓ سے نکاح	۳۶۵
۲۱۶	شہادت	۳۶۶
۲۱۷	آپؓ کے لیے بزبانِ رسالت جنت کی بشارت	۳۶۸
۲۱۸	حضرت زیدؓ کی عمر بوقتِ شہادت	۳۷۰
۲۱۹	حلیہ	۳۷۰
۲۲۰	ازواج واولاد	۳۷۱
۲۲۱	اوصاف وخصائل	۳۷۲
۲۲۲	آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت زیدؓ سے تعلق ومحبت	۳۷۲
۲۲۳	جاں نثاری کا جذبہ اور تعلقِ محبت	۳۷۵
۲۲۴	شجاعت وبہادری اور شوقِ جہاد	۳۷۷
۲۲۵	حضرت زیدؓ کا قائدانہ کردار	۳۸۳
۲۲۶	قابلِ دید مسرّت	۳۸۳
۲۲۷	حضرت زیدا کا برصحابہؓ کی نظر میں	۳۸۴
۲۲۸	قرآنِ کریم پر عمل کا شوق وجذبہ	۳۸۶

۲۲۹	نبوی خصائل وعادات کی اتباع اور پیروی	۳۸۶
۲۳۰	تواضع وانکساری	۳۸۷
۲۳۱	فقر وغنا اور آخرت کا استحضار	۳۸۷
۲۳۲	عبادت واخلاق	۳۸۸
۲۳۳	کرامت کا ایک واقعہ	۳۸۸
۲۳۴	خلاصۂ کلام	۳۹۰
	حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ	
۞	حیات وخدمات	۞
۲۳۵	نام ونسب اور قبیلہ	۳۹۷
۲۳۶	نکاح اور اولاد	۳۹۸
۲۳۷	قبول اسلام	۳۹۸
۲۳۸	بیعت عقبہ ثانیہ اور پیارے حبیب کی ملاقات	۳۹۸
۲۳۹	جوش ایمانی	۳۹۹
۲۴۰	حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد اور ان کی صحبت کا التزام	۴۰۰
۲۴۱	''اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّار'' اور ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' کی جاگتی تصویر	۴۰۱
۲۴۲	سریہ ابن انیس، دشمن رسول خالد بن سفیان کا قتل	۴۰۲
۲۴۳	دشمنِ اسلام ابو رافع یہودی کے ناپاک وجود کا خاتمہ ''ابن انیس رضی اللہ عنہ'' کے ہاتھوں	۴۰۷
۲۴۴	دشمن خدا: اُسَیر بن رزام کے قتل کا سہرا ''ابن انیس رضی اللہ عنہ'' کے سر	۴۱۳

۞	زندگی کے روشن لمحات	۞
۲۴۵	شوقِ جہاد	۴۱۶
۲۴۶	لیلۃ الجہنی	۴۱۷
۲۴۷	اسلامی احکام پر سختی سے کاربند ہونا	۴۱۹
۲۴۸	سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں آپؓ کی قدر و منزلت	۴۱۹
۲۴۹	محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات اور غموں کا پہاڑ ٹوٹنا	۴۲۰
۲۵۰	دورِ خلافت میں بھی مثالی کردار	۴۲۱
۲۵۱	ہدیہ اور جنت کی بشارت	۴۲۲
۲۵۲	نمایاں وصف شجاعت و جواں مردی	۴۲۳
۲۵۳	روایتِ حدیث میں آپ کا مقام	۴۲۴
۲۵۴	وفات	۴۲۶
	حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ	
۲۵۵	نام و نسب	۴۳۱
۲۵۶	واقعہ اسلام	۴۳۲
۲۵۷	اسلام لانے کے بعد	۴۳۷
۲۵۸	جہاد فی سبیل اللہ	۴۳۹
۲۵۹	جنت کی بشارت	۴۴۲
۲۶۰	تجہیز و تکفین	۴۴۲
۲۶۱	اولاد و ازواج	۴۴۵

۲۶۲	فضائل ومناقب	۴۴۵
۲۶۳	کرامات	۴۴۸
۲۶۴	خلاصہ	۴۴۹
	حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ	
۲۶۵	نام ونسب اور خاندان	۴۵۳
۲۶۶	حلیۂ مبارکہ	۴۵۴
۲۶۷	اسلام سے پہلے	۴۵۴
۲۶۸	مدینہ میں نبیٔ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد	۴۵۵
۲۶۹	اسلام کے سایۂ عاطفت میں	۴۵۶
۲۷۰	تمھارا نام عبداللہ بن سلام ہے	۴۵۸
۲۷۱	اہلِ خانہ کو دعوتِ اسلام	۴۵۹
۲۷۲	یہودیوں کو دعوتِ اسلام	۴۶۰
۲۷۳	یہودیوں کے طعنے اور قرآن کی گواہی	۴۶۱
۲۷۴	اسلام پر ثباتِ قدمی کی شہادت خدا اور رسول کی زبانی	۴۶۲
۲۷۵	جذبۂ جہاد اور غزوات میں شرکت	۴۶۳
۲۷۶	غزوۂ بنونضیر اور غزوۂ بنوقریظہ میں آپ کا کردار	۴۶۴
۲۷۷	عہدِ خلافتِ راشدہ میں آپ کا کردار	۴۶۶
۲۷۸	نازک لمحات میں حضرت عثمانؓ کا دفاع	۴۶۷
۲۷۹	آیتِ کریمہ کا پس منظر	۴۶۹

۲۸۰	حضرت علیؓ کے لیے ایک پیشین گوئی	۴۷۱
۲۸۱	آپؓ کی وفات	۴۷۱
۲۸۲	آپؓ کی اولاد	۴۷۱
۲۸۳	آپؓ سے مروی روایات	۴۷۲
۲۸۴	آپؓ کا مقام ومرتبہ	۴۷۳
۲۸۶	ولی ہوتو ایسا ہو	۴۷۴
۲۸۷	من جانب اللہ اصلاح	۴۷۵
۲۸۸	آپؓ کی اتباعِ نبوی کا عالم	۴۷۶
۲۸۹	دینی معاملات میں آپؓ کی سمجھ بوجھ اور اجتہادی شان	۴۷۷
۲۹۰	اوقات کی قدردانی	۴۷۷
۲۹۱	تواضع	۴۷۸
۲۹۲	بشارتِ جنت	۴۷۸
	حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ	
۲۹۳	نام ونسب اور خاندان	۴۸۶
۲۹۴	''یثرب'' مدینۃ النبی کی راہ پر	۴۸۷
۲۹۵	مدینہ میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کی آمدِ باسعادت	۴۸۹
۲۹۶	حضرت سعد بن معاذؓ: اسلام کے سایۂ عاطفت میں	۴۹۱
۲۹۷	تا قیامت تم سے نہ بولوں اگر	۴۹۶
۲۹۸	بت توڑ دیے گئے	۴۹۷

۲۹۹	حضرت سعدؓ کا نمایاں شرف	۴۹۷
۳۰۰	قریشیوں کے اندیشے	۴۹۸
۳۰۱	نبیٔ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت اور مدینہ تشریف آوری	۴۹۹
۳۰۲	مدینہ کے شب وروز	۵۰۰
۳۰۳	مستحکم رشتۂ مواخات	۵۰۱
۳۰۴	حضرت سعدؓ کی ہمت وشجاعت، غیرتِ دینی اور حمیتِ اسلامی	۵۰۲
۳۰۵	غزوۂ بدر کا پس منظر	۵۰۵
۳۰۶	انصارِ مدینہ کی طرف سے حضرت سعدؓ کی جاں نثارانہ تقریر	۵۰۵
۳۰۷	کنٹرول روم	۵۰۸
۳۰۸	بدر میں اوس کی طرف سے علَم برداری کا شرف	۵۰۹
۳۰۹	معرکۂ کارزار اور نتیجۂ جنگ	۵۰۹
۳۱۰	قرآن حضرت سعد بن معاذؓ کی طرفداری میں	۵۱۰
۳۱۱	غزوۂ احد	۵۱۱
۳۱۲	غزوۂ احد کے مشورے میں حضرت سعد بن معاذؓ کی طرف سے تنبیہ	۵۱۱
۳۱۳	آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کی نگہبانی وحفاظت	۵۱۲
۳۱۴	افراتفری اور انتشار کے وقت حضرت سعدؓ کی ثابت قدمی	۵۱۲
۳۱۵	حمراء الاسد میں اپنے قبیلے کے ساتھ نکلنا	۵۱۴
۳۱۶	غزوۂ خندق	۵۱۵
۳۱۷	بنوقریظہ کی بدعہدی پر حضرت سعدؓ کا ان کو سمجھانا	۵۱۵
۳۱۸	حضرت سعدؓ کی غیرتِ ایمانی	۵۱۷

۳۱۹	حضرت سعدؓ کا رجز پڑھنا	۵۱۸
۳۲۰	آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت سعدؓ کے لیے خیمہ نصب کروانا	۵۱۹
۳۲۱	بارگاہِ ایزدی میں حضرت سعدؓ کی دعا	۵۲۰
۳۲۲	غزوۂ بنوقریظہ	۵۲۱
۳۲۳	بنوقریظہ کا محاصرہ اوران کا حضرت سعدؓ کے فیصلہ پراترنا	۵۲۲
۳۲۴	حضرت سعدؓ کی وفات	۵۲۵
۳۲۵	حضرت سعدؓ کی وفات پرآپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کا حزن وملال	۵۲۷
۳۲۶	تجہیز وتکفین	۵۲۹
	فضائل ومناقب	
۳۲۷	حلیۂ مبارک	۵۳۱
۳۲۸	عرشِ الٰہی کا جھوم اٹھنا	۵۳۱
۳۲۹	حضرت سعدؓ کا قضائے الٰہی کے مطابق فیصلہ کرنا	۵۳۲
۳۳۰	حضرت سعدؓ کے تولیے	۵۳۲
۳۳۱	حضرت سعد بن معاذؓ مستجاب الدعوات تھے	۵۳۳
۳۳۲	دیگرمناقب	۵۳۳
۳۳۳	تین خصلتیں	۵۳۴
	حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ	
	حیات وخدمات	
۳۳۴	ولادت باسعادت	۵۳۸

۳۳۵	زمانۂ طفولیت اوراس کا ماحول	۵۳۹
۳۳۶	اسلام قبول کرنے کا واقعہ	۵۳۹
۳۳۷	ہجرت نبوی کے منتظر	۵۴۰
۳۳۸	عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۵۴۲
۳۳۹	حکم جہاد اور آپؓ کا شوقِ شہادت	۵۴۲
۳۴۰	غزوۂ احد	۵۴۲
۳۴۱	غزوۂ خندق	۵۴۳
۳۴۲	غزوۂ بنی مصطلق	۵۴۴
۳۴۳	حضرت زیدؓ کی زندگی کا نمایاں ورق	۵۴۴
۳۴۴	جب تو شرمندہ ہوجائے تو رب تجھے تا قیامت صادق کہدے	۵۴۷
۳۴۵	بیعتِ رضوان کا شرف	۵۴۸
۳۴۶	غزوۂ موتہ	۵۴۹
۳۴۷	خلفائے راشدین کے دور میں آپ کی خدمات	۵۵۰
۳۴۸	آپؓ کی وفات	۵۵۰
۳۴۹	ازواج واولاد	۵۵۱
❁	اوصاف ومناقب	❁
۳۵۰	علمی کمالات	۵۵۱
۳۵۱	تواضع	۵۵۲
۳۵۲	اتباعِ سنت	۵۵۳

۳۵۳	امر بالمعروف نہی عن المنکر	۵۵۳
۳۵۴	جنت کی بشارت	۵۵۵
۳۵۵	ہم عصروں سے آپؓ کے معاملات	۵۵۶
۳۵۶	روایتِ حدیث میں آپ کا مقام	۵۵۶
۳۵۷	مرویات	۵۵۷
۳۵۸	خلاصۂ کلام	۵۵۹
	حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ	
۳۵۹	نام ونسب اور اہل وعیال	۵۶۴
۳۶۰	قبولِ اسلام	۵۶۴
۳۶۱	آپ کی زندگی کے روشن پہلو	۵۶۶
۳۶۲	جنگِ احد کی تیاریاں	۵۶۷
۳۶۳	شجاعت وجوانمردی کا ایک نمونہ	۵۶۸
۳۶۴	جاں نثاری اور فداکاری کی ایک جھلک	۵۶۹
۳۶۵	جنگِ احد	۵۷۰
۳۶۶	جنت کی بشارت	۵۷۲
۳۶۷	شہادت	۵۷۳
	حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ	
۳۶۸	تعارف	۵۷۸
۳۶۹	اسلام سے قبل کے حالات	۵۷۸

۳۷۰	اہلِ خانہ کا قبولِ اسلام اور آپ کی بے خبری	۵۷۹
۳۷۱	عمرو بن جموح کا قرآن سن کر متأثر ہونا	۵۸۱
۳۷۲	مناۃ سے مشورہ	۵۸۳
۳۷۳	مناۃ سے نفرت اور اسلام سے محبت	۵۸۴
۳۷۴	قبولِ اسلام	۵۸۸
۳۷۵	مسلمان شاعر	۵۹۰
۳۷۶	جذبۂ ایمانی اور احساسِ ندامت	۵۹۳
۳۷۷	غزوات اور جذبۂ شہادت	۵۹۴
۳۷۸	غزوۂ احد میں شرکت کی تمنا	۵۹۵
۳۷۹	مجاہد کی دعا	۵۹۶
۳۸۰	آغازِ جنگ	۵۹۸
۳۸۱	جامِ شہادت	۵۹۹
۳۸۲	آپ کی اہلیہ کا مثالی جذبہ	۵۹۹
۳۸۳	دعا قبول ہوگئی	۶۰۰
۳۸۴	گہرے اور مخلص دوست	۶۰۱
۳۸۵	اخلاق	۶۰۲
۳۸۶	کرامت	۶۰۳
۳۸۷	بشارتِ جنت	۶۰۴
۳۸۸	عمرو بن جموح کا پیغام امت کے نام	۶۰۵

حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ

۞	حیات وخدمات	۞
۳۸۹	نام ونسب	۶۰۹
۳۹۰	ولادت وبچپن	۶۱۰
۳۹۱	اسلام سے پہلے	۶۱۰
۳۹۲	سفرِ شام اور قبولِ اسلام	۶۱۲
۳۹۳	دربارِ رسالت میں حاضری	۶۱۵
۳۹۴	ظلم وستم کی داستانِ دلخراش	۶۱۶
۳۹۵	حضرت بلالؓ کی آزادی	۶۱۹
۳۹۶	آزادی کے بعد	۶۲۰
۳۹۷	ہجرتِ مدینہ	۶۲۰
۳۹۸	مدینہ میں آپؓ کی بے قراری	۶۲۳
۳۹۹	مواخاۃ	۶۲۴
۴۰۰	پہلے موذّن	۶۲۵
۴۰۱	غزوات میں شرکت	۶۲۶
۴۰۲	غزوۂ احد اور دیگر غزوات میں آپ کی شرکت	۶۳۰
۴۰۳	فتحِ مکہ	۶۳۱
۴۰۴	دیگر خدمات	۶۳۳
۴۰۵	صدقے کی ترغیب	۶۳۳

۴۰۶	حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک مشرک سے قرض	۶۳۴
۴۰۷	خرید وفروخت کی تعلیم	۶۳۷
۴۰۸	عصائی خدمت اور چندے کے ناظم	۶۳۸
۴۰۹	وصالِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ ایام پہلے	۶۳۹
۴۱۰	آخری دیدار حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۶۴۰
۴۱۱	وصالِ حبیب کے بعد پہلی اذان	۶۴۱
۴۱۲	صدمۂ فراقِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۶۴۲
۴۱۳	دورِ صدیقی	۶۴۳
۴۱۴	عہدِ فاروقی	۶۴۵
۴۱۵	بیت المقدس میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان	۶۴۶
۴۱۶	محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آخری اذان	۶۴۷
۴۱۷	سفرِ آخرت	۶۴۸
۴۱۸	حلیۂ مبارک	۶۴۹
۴۱۹	ازواج واولاد	۶۴۹
۴۲۰	خصوصیات اور فضائل ومناقب	۶۵۱
۴۲۱	سب سے پہلے اسلام کا اظہار کرنے والے	۶۵۲
۴۲۲	حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی خوش الحانی اور مؤذن اول	۶۵۳
۴۲۳	اذان حبشہ والے لے گئے	۶۵۴
۴۲۴	نماز نیند سے بہتر ہے	۶۵۴

۴۲۵	میرا مؤذن بلال	۶۵۴
۴۲۶	اذان کا ثواب دخولِ جنت	۶۵۵
۴۲۷	فضائلِ مؤذن	۶۵۵
۴۲۸	جنت میں قدموں کی آہٹ	۶۵۶
۴۲۹	جنت کی خوشخبری	۶۵۶
۴۳۰	صحابہؓ کی نظر میں آپ کی قدر ومنزلت	۶۵۷
۴۳۱	شیر کا سلام حضرت بلالؓ کے نام	۶۵۸
۴۳۲	بلال کی ناراضگی میں خدا کی ناراضگی	۶۵۹
۴۳۳	صبر اور استقامت	۶۶۰
۴۳۴	غزوۂ خیبر کا واقعہ	۶۶۱
۴۳۵	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصاحبت	۶۶۲
۴۳۶	راست گوئی	۶۶۳
۴۳۷	اصلاحِ معاشرہ کی فکر	۶۶۳
۴۳۸	فقر وفاقہ	۶۶۴
۴۳۹	تواضع وانکساری	۶۶۴
۴۴۰	پیغامِ بلالی	۶۶۵
	حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ	
۴۴۱	نام ونسب	۶۶۹
۴۴۲	اسلام سے پہلے آپ کا مقام	۶۷۰

۴۴۳	قبولِ اسلام، بیعت اور شرفِ نقابت	۶۷۰
۴۴۴	رشتۂ مواخات میں اپنی مثال آپ	۶۷۱
۴۴۵	غزوۂ بدر میں شرکت	۶۷۴
۴۴۶	اصحابِ بدر کی فضیلت	۶۷۵
۴۴۷	غزوۂ احد میں جاں نثاری	۶۷۵
۴۴۸	شہادت ہے مقصود و مطلوبِ مؤمن	۶۷۷
۴۴۹	خدا رحمت کند	۶۷۹
۴۵۰	خاک پوشی	۶۸۰
۴۵۱	شہیدِ عشق کا جسدِ مبارک	۶۸۰
۴۵۲	اولاد و ازواج کے لیے میراث کی آیت کا نزول اور اس کا پس منظر	۶۸۱
۴۵۳	اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاء کا پس منظر	۶۸۲
۴۵۴	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت اور آپ سے مشورہ کرنا	۶۸۳
۴۵۵	خوشا وہ شخص کہ صدیقؓ کو جس پر رشک آیا	۶۸۳
۴۵۶	حضرت ابوبکرؓ کا تعظیماً حضرت سعدؓ کی صاحبزادی کے لیے چادر بچھانا	۶۸۴
۴۵۷	فضائل و مناقب اور اوصاف و کمالات	۶۸۵
۴۵۸	پیغامِ حیات	۶۸۶
	سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ	
۴۵۹	نام و نسب اور ولادت	۶۹۱
۴۶۰	ذاتِ نبوی کے ساتھ آپؓ کی نسبتیں	۶۹۲

۴۶۱	قبولِ اسلام سے پہلے کی زندگی اور آپ کا حلیہ	۶۹۳
۴۶۲	قبولِ اسلام سے پہلے کے خیالات	۶۹۳
۴۶۳	اسلام کے سایۂ عاطفت میں	۶۹۴
۴۶۴	رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت	۶۹۷
۴۶۵	شعبِ ابی طالب کی محصوری	۶۹۹
۴۶۶	ہجرتِ مدینہ	۶۹۹
۴۶۷	اسلامی لشکروں کا امیر بنایا جانا	۷۰۰
۴۶۸	جنگِ بدر میں آپؓ کی شجاعت و بہادری	۷۰۳
۴۶۹	غزوۂ بنی قینقاع	۷۰۶
۴۷۰	جنگِ احد میں آپؓ کی دلیری	۷۰۸
۴۷۱	آپؓ کی شہادت	۷۱۰
۴۷۲	ہندہ کی شرمناک حرکت	۷۱۱
۴۷۳	غم وحزن کے سائے	۷۱۱
۴۷۴	خدا اور اس کے رسول کا شیر	۷۱۳
۴۷۵	آپؓ کی تجہیز وتکفین	۷۱۳
۴۷۶	آپؓ کی نمازِ جنازہ اور تدفین	۷۱۵
۴۷۷	شہدائے احد کے لیے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت	۷۱۵
۴۷۸	مزار مبارک	۷۱۶
۴۷۹	رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حزن وملال	۷۱۶

۴۸۰	حضرت حمزہؓ کے لیے جنت کی بشارت	۷۱۷
۴۸۱	حضرت حمزہؓ کے بارے میں نازل ہونے والی آیتیں	۷۱۸
۴۸۲	آپؓ کی ازواج اور اولاد	۷۱۸
۴۸۳	حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی کی تربیت کے متعلق تین صحابہؓ کے مختلف دعوے	۷۱۹
۴۸۴	حضرت حمزہؓ کی زندگی کا ایک اور ورق	۷۲۰
۴۸۵	آپؓ کی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک درخواست	۷۲۱
۴۸۶	آپؓ کے اخلاق	۷۲۲
۴۸۷	حضرت حمزہؓ سے مروی ایک روایت	۷۲۲
۴۸۸	آپؓ کی دنیا سے بے رغبتی	۷۲۳
	حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	
۴۸۹	نام ونسب	۷۲۸
۴۹۰	زمانۂ طفولیت، شباب اور نکاح	۷۲۸
۴۹۱	قبول اسلام	۷۲۹
۴۹۲	ہجرت حبشہ	۷۳۱
۴۹۳	حبشہ کی طرف روانگی	۷۳۱
۴۹۴	کفار مکّہ کی بے چینی	۷۳۲
۴۹۵	عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ حبشہ میں	۷۳۲
۴۹۶	نجاشی شاہِ حبشہ کے دربار میں	۷۳۳
۴۹۷	عمرو بن عاص کا نجاشی کو پھسلانا	۷۳۳

۴۹۸	نجاشی کی عقل مندی	۷۳۴
۴۹۹	مہاجرین نجاشی کے دربار میں	۷۳۵
۵۰۰	حضرت جعفرؓ کا قرآن سنانا اور نجاشی کا متأثر ہونا	۷۳۹
۵۰۱	عمرو بن عاص کی زردروئی	۷۴۰
۵۰۲	دوبارہ نجاشی کے دربار میں حاضری	۷۴۱
۵۰۳	پریشانی اور مشورہ	۷۴۲
۵۰۴	حق وصداقت کا اعلان	۷۴۲
۵۰۵	درباریوں کا پھنکاریں مارنا اور عمرو بن عاص کی رسوائی	۷۴۳
۵۰۶	نامۂ مبارک اور نجاشی کا اسلام	۷۴۴
۵۰۷	والا نامے کا جواب	۷۴۶
۵۰۸	حبشہ سے مدینہ کی طرف ہجرت اور مواخاۃ	۷۴۷
۵۰۹	حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی حضرت جعفر بن ابی طالبؓ سے ملاقات	۷۴۸
۵۱۰	حضرت عمرؓ اور حضرت اسماءؓ کی گفتگو	۷۴۹
۵۱۱	حضرت اسماءؓ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت	۷۵۰
۵۱۲	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تسلی بخش جواب	۷۵۱
۵۱۳	عمرۃ القضا اور یتیم کی کفالت	۷۵۱
۵۱۴	سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکمت بھرا فیصلہ	۷۵۳
۵۱۵	حزب اللہ کی روانگی	۷۵۴
۵۱۶	معرکے کا آغاز	۷۵۵

۵۱۷	حضرت جعفرؓ کی شجاعت اور شہادت	۷۵۵
۵۱۸	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جاں بازوں کی شہادت کا غم	۷۵۷
۵۱۹	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اہل خانہ کو تسلی دینا	۷۵۷
۵۲۰	بشارتیں اور دعائیں	۷۵۹
۵۲۱	آپؓ کے فضیلت واوصاف اور خصوصیات	۷۶۰
۵۲۲	حضرت جعفرؓ کا مقام حضرت اسماءؓ کی نظر میں	۷۶۱
۵۲۳	عمر شریف اور ازواج واولاد	۷۶۲
۵۲۴	سخاوت وفیاضی	۷۶۲
	''الدین'' کی کہانی خود اس کی زبانی	
۵۲۵	میری تاریخ کا ایک جھروکا	۷۶۴
۵۲۶	میرے اغراض ومقاصد اور کچھ دل کی دھڑکنیں	۷۶۵
۵۲۷	مغربی اقوام کا پھندا: میڈیا	۷۶۷
۵۲۸	آمدم برسرِ مطلب	۷۶۹
۞	اسمائے شرکائے مسابقہ	۷۷۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دعائیہ کلمات

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

(شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل)

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں طلبہ کی تقریری اور تحریری صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے اور پروان چڑھانے کے لیے طویل مدت سے ''شعبۂ تقریر وتحریر'' سرگرمِ عمل ہے۔ تقریر کے تعلق سے تو کافی حد تک فعال تھا؛ البتہ تحریری کاوش خال خال ہی چند سالوں میں رسالہ کی صورت میں منظرِ عام پر آتی تھی۔

پچھلے چند سالوں سے انتظامیہ اور کارکنان نے اس کے دوسرے رخ: تحریر کی طرف بھی توجہ مبذول کی، جس کے نتیجے میں ننھے منے بچوں کے قلم چل پڑے، اور اُن کے آثارِ خامہ ''عزائم'' نامی پرچہ میں چھپ کر منظر عام پر آرہے ہیں۔ تین سالوں سے درجاتِ علیا کے طلبہ کو تفصیلی مقالات کی طرف متوجہ کیا گیا، جس کے نتیجے میں الحمدللہ ہر سال باقاعدگی سے ''الدین'' کا سالنامہ منظر عام پر آنے لگا۔ ماشاءاللہ مقالہ نگاروں نے لائقِ اعتناء کارکردگی کا مظاہرہ کیا، بالخصوص طلبہ کی کردار سازی کو مہمیز کرنے کے لیے شخصیات پر لکھوانے کا سلسلہ نہایت ہی قابل مبارک باد ہے۔

اس سلسلے کی پہلی کڑی ''عشرۂ مبشرہ'' گذشتہ سال طبع ہوکر منصۂ شہود پر آچکی ہے، اور اِمسال ''بیس جنّتی صحابہؓ'' پر یہ مقالے طباعت کے لیے جارہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ: اس مبارک سلسلے کو جاری رکھے، ترقی دے، شرفِ قبولیت سے نوازے، جملہ معاونین کو مزید ہمت وحوصلہ دے اور دنیا و آخرت میں بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائے۔ آمین

اُملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

۱۳/ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۸ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا سے اٹھ جانے کو سات صدیاں بیت چکی تھیں، اس عرصے میں گمراہی وضلالت، نفسانیت واوہام پرستی، اخلاق واعمال کا بگاڑ اور خدائی عطا کردہ صلاحیتوں کا غلط استعمال اور اجتماعی خرابیاں پورے کرۂ ارض کو محیط ہو چکی تھیں، گویا ایک عالم گیر فساد تھا جس کے ختم ہونے کی ساری راہیں مسدود ہو چکی تھیں۔

عرب سمیت پوری سرزمین، انسانیت ومروت سے عاری، ظلم اور قتل وغارت گری کی خوگر اور مَن مانی ونخوت سے لبریز ہو چکی تھی۔ بت پرستی، اوہام پرستی، بدشگونی، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا، عورتوں کو ظلم کا تختۂ مشق بنانا، کمزوروں اور مسافروں کو لوٹ لینا عربوں کی عام عادت تھی، مفاخرت اور شعر گوئی نے ان کے حد سے زیادہ متکبّر بنا رکھا تھا۔

ملکِ فارس میں آگ کے پجاریوں نے معبودِ حقیقی کے دو ٹکڑے کر کے بزعمِ خویش ان کو خیر وشر کے الگ الگ دو مادّوں میں تقسیم کر رکھا تھا، مصیبت بالائے مصیبت یہ کہ کرّۂ ارضی کے ایک وسیع علاقے پر حکمرانی کے نشے نے وہاں کے سلاطین، وزرا اور حکام میں آمریت؛ بلکہ خدائیت کے جذبات پیدا کر دیے تھے۔

ملکِ روم بھی جہالت کی تاریکی میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا، اپنے ہی ہم جنس

انسانوں کو جرمِ ضعیفی کی سزا میں پکڑ کر بیچ ڈالنا فیشن بنا ہوا تھا۔ راہبوں کی خانقاہیں (گرجا گھر) جنسی عیاشی اور بے راہ روی کے اڈوں میں تبدیل ہو چکی تھیں۔

اِن حالات میں کائنات کی اُس برگزیدہ ہستی کا ظہور ہوا جس کی جدوجہد، انتھک محنت اور کدوکاوش کے نتیجے میں یہ گئے گذرے انسان، شرافت ونجابت کا اعلیٰ ترین معیار قرار پائے، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے والے حقوقِ نسواں کے علَم بردار بنے، اونٹوں کے چَرانے والے جہاں بانی کے لائق ٹھہرے، جن سر پھروں پر کوئی حکومت کرنے کو تیار نہ تھا اُن ہی کے سر پر حکومت کے تاج سجائے گئے، جن کی قساوت وسنگ دلی شہرۂ آفاق تھی اُن کی رأفت ونرمی دیکھ کر پتھر بھی موم ہو گئے، زمانۂ جاہلیت ''خیر القرون'' ہو گیا، ''وکنتم علیٰ شفا حفرۃ من النار'' کا منظر نامہ ''للذین أحسنوا الحسنیٰ (الجنۃ) وزیادۃ'' سے بدل گیا، یتیموں اور کمزوروں کے منہ سے لقمے چھیننے والے ''یؤثرون علیٰ أنفسھم ولو کان بھم خصاصۃ'' کا مصداق ٹھہرے۔ ظلم کی جگہ انصاف، ظلمت کی جگہ روشنی اور سرکشی کی جگہ اطاعت وفرماں برداری نے لے لی، اور زمانے بھر کے دھتکارے ہوئے بارگاہ الٰہی میں ایسے مقبول ہوئے کہ ''رضی اللّٰہ عنہ ورضوا عنہ'' کا پروانہ لے اڑے۔ یہ سب اُسی نبیٔ اُمّی کا کرشمہ تھا جسے قرآن نے ''عزیز'' (علیہ ما عنتم)، ''حریص'' (علیکم) اور (بالمؤمنین) ''رؤوف ورحیم'' کے نام سے یاد کیا ہے۔ (صلی اللّٰہ علیہ وآلہ واتباعہ اجمعین وسلم)۔ اس انقلاب کی ایک جھلک

ملاحظہ فرمائیے:

حبشہ کی ظلم و بربریت سے لبریز فضاؤں سے ایک غلام جب خدمتِ نبوی میں پہنچا تو اسے ''مؤذنِ رسول'' ہونے کا شرف حاصل ہوا، جسے گلے لگا کر اس نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کالے گورے کا فرق مٹا دیا۔ نبیٔ رحمت ہی کا صدقہ تھا کہ اس حبشی غلام کو ''سیدنا بلال'' کہہ کر پکارا گیا۔

حد سے گرے ہوئے رومی معاشرے سے ایک آدمی آیا اور نبیٔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہِ کرم کے صدقے ''صہیب رومی'' بنا، جس کے سفرِ ہجرت کی مدح سرائی میں قرآنِ کریم ''ومن الناس من یشري نفسه ابتغاء مرضات اللّٰه'' کا ورد کرتا ہوا نازل ہوا۔

یثرب کا وہ بوڑھا ''عمرو بن جموح'' جس کی ہر سانس اپنے چوبی بت کے سامنے ماتھا ٹیکتے گذرتی تھی، نگاہِ نبوت کے طفیل میدانِ اُحد میں ''إني لمشتاق إلى الجنة'' کا مشتاقانہ نعرہ لگاتا ہوا نظر آیا۔

توریت وانجیل کا ماہر، یہودیوں کا سب سے بڑا عالم ''حصین بن سلام'' (عبداللہ بن سلامؓ) نبوت کے چہرۂ انور کو دیکھ کر کہہ رہا ہے کہ: ''خدا کی قسم! یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا''۔

کہسارِ احد کے دامن میں رسالت کا خون نوش کرنے والا عاشقِ زار ''مالک بن سنان'' ہیں، جسے خود لسانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ میں یاد کیا:

جس کے جسم میں میرا خون شامل ہو گیا اسے جہنم کی آگ چھو نہیں سکتی۔

میدانِ جنگ کے کنارے گڑگڑا کر شہادت کی دعا مانگنے والے ''عبداللہ بن جحش'' ہیں جنھیں گھر بار کے لٹ جانے پر یہ تمغہ ملا تھا: ''عبداللہ! کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے عوض تم کو جنت میں مکان عطا فرمائے''۔

زمانۂ جاہلیت اور زمانۂ اسلام دونوں میں ''خطیب'' کا لقب پانے والے ''ثابت بن قیس'' ہیں، جن کو خود حضور یہ کہہ کر تسلی دیا کرتے تھے: ''ثابت! تم جہنم والوں میں سے نہیں؛ بلکہ جنت والوں میں سے ہو''۔

یہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمِّ بزرگوار سید الشہداء حضرت حمزہ کی نعش ہے، جس کے سرہانے بیٹھ کر زبانِ رسالت ناطق ہے: ''تم پر خدا کی رحمت ہو، جہاں تک مجھے معلوم ہے تم رشتہ داروں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے اور ہمیشہ نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے''۔

نجاشی کے دربار میں حق کی گرجدار آواز کے ساتھ کھڑے ہونے والے ''جعفر بن ابی طالب'' ہیں جو بہ قولِ رسول: ''ملائکہ کے ساتھ جنت میں محوِ پرواز ہیں''۔

مدینہ کی گلیوں میں بیٹھ کر قرآن پڑھنے والے اس ''حارثہ بن نعمان'' کی آواز جنت کے باغات میں سنائی جاتی ہے۔

یہ شاعرِ رسول ''عبداللہ بن رواحہ'' ہیں جن کے اشعار کے متعلق نبیِ امّی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں: ''خدا کی قسم! ان کے اشعار مشرکین کے دلوں پر تیر اور

خنجر کا کام کرتے ہیں''۔

اپنے باپ، چچا اور خاندان کے مقابلے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت وغلامی کو ترجیح دینے والے ''زید بن حارثہ'' کے سوا کس کو یہ شرف حاصل ہے کہ مقدس وحی میں اس کے نام کا تذکرہ ہو!۔

صبح وشام اپنے تیروں سے نبوت کا دل چھلنی کرنے والا ''ابوسفیان بن حارث'' جب دامنِ عفو میں جگہ پا کر صحابی بنتا ہے، تو خود رسالت پکار اٹھتی ہے: ''دیکھو! یہ میرے چچازاد بھائی ابوسفیان ہیں جو سب سے پہلے مسجد میں آتے ہیں اور سب سے اخیر میں مسجد سے نکلتے ہیں''۔

سرفروش وجانباز ''عکّاشہ بن محصَن'' کو کون نہیں جانتا جن کے ہاتھوں میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی ٹہنی شمشیرِ بے نیام بن کر چمکی۔

خبردار! ''حاطب بن ابی بلتعہ'' کے خلوص وایمان میں کوئی شک نہ کرنے پائے کہ خود بدرالدجیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گواہی دے گئے ہیں: ''حاطب بدر کے خوش قسمت شرکا میں سے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے نظرِ رحمت کرتے ہوئے فرمایا: تم جو چاہو کرو، میں نے تمہاری مغفرت کر دی''۔

یہ لاشوں تلے دبا ہوا تڑپتا جسم ''سعد بن ربیع'' کا ہے جو اُکھڑتے سانس اور کپکپاتے لہجہ میں کہہ رہا ہے: ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میرا اسلام عرض کرنا اور کہنا کہ: جنت کی خوشبو پا رہا ہوں''۔ اور میری قوم کو یہ پیغام دے دینا: ''اگر آج خدانخواستہ

رسول اللہ کو کوئی گزند و تکلیف پہنچی اور تم میں سے کوئی ایک بھی زندہ بچا تو اللہ کو ہرگز منہ نہ دکھا سکو گے، ہم نے لیلۃ العقبہ میں رسول اللہ پر فدا ہونے کا حلف اٹھایا تھا''۔

یہ مرضیٔ الٰہی کے مطابق فیصلہ کرنے والے ''صدیق الانصار سعد بن معاذ'' ہیں جن کی موت پر عرشِ الٰہی تھرتھرا رہا ہے۔

دشمن کی سرزمین میں گھس کر ان کو کیفرِ کردار تک پہنچانے والے (آج کی میڈیائی اصطلاح میں ''سرجیکل اسٹرائک'' کے ماہر) ''عبداللہ ابن اُنیس'' سے کون ناواقف ہے! جن کے کارہائے نمایاں سے خوش ہو کر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ایک عصا دیا اور فرمایا: ''اسے محفوظ رکھنا کل جنت میں میرے اور تیرے درمیان یہ بہ طورِ نشانی ہوگا''۔

بنوسلمہ کے نقیب ''عبداللہ بن عمرو بن حرام'' کے متعلق لسانِ نبوت سے صادر ہونے والا ارشاد سنیے گا! ''جابر! غم نہ کرو، خوشخبری سنو، خدائے بزرگ و برتر کبھی کسی سے رُودَرُو کلام نہیں فرمایا؛ مگر تمہارے والد سے بالمشافہ گفتگو فرمائی''۔

اس ننھے سے ''زید بن ارقم'' کے ساتھ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جمالیاتی منظر دیکھیے، حضور مسکراتے جا رہے ہیں اور ان کا کان پکڑ کر ارشاد فرما رہے ہیں: ''لڑکے کا کان سچا تھا، اللہ نے خود اس کی تصدیق فرما دی''۔

قارئینِ کرام! کیا آپ ان بیس جاں نثاروں کے حیرت انگیز اور عبرت خیز احوال و واقعات پڑھنا چاہتے ہیں؟ تو لیجیے! ان کے حالاتِ زندگی پر مشتمل

سوغات حاضرِ خدمت ہے۔

پس منظر مختصراً اِس کتاب کا یہ ہے کہ: سالِ گذشتہ ''شعبۂ تقریر وتحریر'' کے ماتحت ''الدین'' کے پلیٹ فارم سے ایک خصوصی شمارہ بہ نام ''عشرۂ مبشرہ'' شائع کیا گیا تھا، جس میں ایک ہی مجلس میں جنت کی بشارت پانے والے دس رفیع المرتبت صحابۂ کرامؓ کے حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ خدائے کریم ورحیم کا احسان وکرم کہ کتاب توقعات سے زیادہ مقبول ہوئی، اہلِ فکر ونظر نے اسے خوب سراہا اور اکابر نے بے انتہا حوصلہ افزائی فرمائی۔

چناں چہ اسی سلسلہ کو آگے بڑھانے کے لیے استاذِ محترم حضرت مفتی ابوبکر صاحب پٹنی مدظلہ سے مشورہ ہوا، مختلف قسم کی رائیں سامنے آئیں کہ اِن اِن صحابہ کے بارے میں طلبہ سے لکھوایا جائے؛ چناں چہ ایک روز ''الدین'' کے سرپرستِ اعلیٰ حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری - ادام اللّٰہ فیوضہ علینا - کی خدمت میں حاضر ہوئے، استاذِ محترم نے حضرتِ والا سے دریافت کیا کہ: حضرت! صحابہؓ پر مسلسل مقالے لکھوانا طے پایا ہے، عشرۂ مبشرہ کے بعد اب آئندہ کن صحابہ پر تیاری کی جائے؟ حضرت نے ارشاد فرمایا: فضیلت اور مقام ومرتبے کے اعتبار سے اب اصحابِ بدر یین پر لکھوانا چاہیے؛ مگر ایک اَور عنوان بھی ہے: ''عِشرُونَ مُبَشَّرُونَ بِالجَنَّةِ''، اس پر بھی لکھوایا جاسکتا ہے، یہ کہہ کر حضرتِ والا نے ''خلیل احمد جمعہ''

کی قابلِ قدر کتاب ''رِجَالٌ مُبَشَّرُونَ بِالجَنَّةِ''عنایت فرمائی،جس میں ایسے بیس صحابہؓ کا تذکرہ تھا جن کومختلف مواقع پر جنت کی بشارت عنایت کی گئی تھی۔

عنوان طے ہوجانے کے بعد دوماہی سالانہ تعطیلات میں مقالہ نگاری کا ایک مسابقہ ترتیب دیا گیا،جس میں بہت سے طلبہ نے شرکت کی،اورآغازِ سال میں تقریباً پچاس مقالات موصول ہوئے،جن میں سے بیس مقالات کومنتخب کرکے حکّ وفکّ اوراضافے کے بعد شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔خدائے ذوالجلال کا بے پناہ کرم واحسان ہوا کہ''الدین'' کا یہ خصوصی شمارہ''بیس جنّتی صحابہ رضی اللہ عنہم'' کے نام سے طبع ہوکرآپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔

مقالات کی ترتیب میں کسی خاص امر کالحاظ نہیں کیا گیا ہے؛البتہ سرِ ورق پراُن بیس صحابہؓ کے نام سنینِ وفات کی ترتیب پردے دیے گئے ہیں؛تاکہ آئندہ اِسی ترتیب اوراِن ہی خطوط پرکام آگے بڑھایا جاسکے۔

اِس موقع پرقارئین سے ایک اہم التماس یہ ہے کہ:اگران بیس صحابہؓ کے سلسلے میں کوئی اہم کتاب یا کوئی نیا مواد نظر سے گذرے،توبراہِ کرم ہمیں ضرور مطلع فرمائیں؛تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس سے استفادہ کیا جاسکے۔نیز اس کتاب میں اگرکسی قِسم کی کوئی فروگذاشت نظرآئے تومطلع فرماکرممنون ومشکورفرمائیں۔

ہمیں اس کتاب کی ترتیب میں متعدداکابر کی سرپرستی حاصل رہی: ''الدین'' کے سرپرستِ اعلیٰ،مخدومنا المکرم،حضرت اقدس مفتی احمد صاحب

خانپوری -متعنا اللّٰہ بطول حیاتہ- کی توجہات اور دعائیں قدم قدم پر شاملِ حال رہیں۔ اور مزید کرم یہ ہوا کہ، حضرت نے اس حقیر کاوش پر گراں قدر کلمات لکھ کر عنایت فرمائے، جو ہمارے لیے ''سرمایۂ حیات'' سے کم نہیں۔

ہمارے دیرینہ مشفق وکرم فرما حضرت اقدس مولانا احمد بزرگ صاحب دامت برکاتہم (مہتمم جامعہ ڈابھیل) بھی مسلسل اس پر توجہ فرماتے رہے، اور طباعت کے موقع سے گراں قدر رقم دے کر بھرپور تعاون فرمایا۔

ان کے علاوہ استاذی المکرم حضرت مفتی ابوبکر صاحب پٹنی مدظلہ نے اس کتاب کی ترتیب میں نہ صرف حصہ لیا؛ بلکہ از اول تا آخر اس کی نگرانی فرمائی۔ وقتاً فوقتاً کارگزاری لے کر مفید مشوروں سے نوازا، مراجع کی طرف متوجہ فرمایا، اور مقالات منتخب ہوجانے کے بعد اُسے کمپوزنگ کے مرحلے سے گزار کر طباعت کے قابل بنایا؛ غرض یہ کہ شروع دن سے اخیر دن تک استادِ محترم کی رہنمائیاں حاصل رہیں۔

استاذِ محترم ہی کے ایما پر جامعہ کے جواں سال فاضل: مولوی عبداللہ فیصل مالیگانوی اور اُن کے رُفقا نے کمپوزنگ اور تصحیح کے مراحل میں اِمکان بھر معاوَنت کی، اور نہایت اہم اور نازک وقت میں ''الدین'' کے تقاضوں پر لبیک کہتے ہوئے سرگرمِ عمل رہے۔

نیز بعض گنجلک مقامات پر کچھ طلبہ نے برادرِ مکرم مفتی اویس زید مجدہٗ گودھروی (استاذ جامعہ ہذا) سے بھی استفادہ کیا۔

''الدین'' کے مدیر، ذمہ دار اور مقالہ نگار طلبہ کا بھی بیش قیمت تعاون حاصل رہا۔ ان عزیزوں نے درسیات کے ساتھ اپنی ضرورتوں کو مؤخر کر کے اِس جانب بھرپور توجہ کی اور اپنی بساط بھر عمدہ مواد جمع کرنے کی سعیٔ مشکور کی۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اِن چھوٹے بڑے تمام محسنوں کو خوب سے خوب تر جزائے خیر عطا فرمائے، ان کی گراں قدر خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے، اور مزید خدماتِ علمیہ و دینیہ کے لیے مؤفّق فرمائے۔ خصوصاً ہمارے اکابر کے لیے دعا گو ہوں کہ: اللہ تعالیٰ اِن کے سایۂ شفقت کو ہم گنہگاروں کے سروں پر تادیر بہ صحت و عافیت قائم رکھے، اور ہم خُردوں کو ان کی ذاتِ عالی سے بھرپور استفادے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ راقم آثم، مقالہ نگار، معاونین، محسنین اور جملہ قارئین کو صحابۂ کرامؓ کا عاشقِ زار بنائے، اور کل بہ روزِ حشر اُن کے دیوانوں کی صف میں ہمارا بھی نام شامل فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین۔

معاذ عبدالرزاق چارولیہ
خادم شعبۂ تقریر و تحریر
مؤرخہ ۱۳ر جمادی الاخریٰ ۱۴۳۸ھ
بروز دوشنبہ بہ وقت صبح: ۱۱:۳۰

شاعرِ رسول

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

از قلم: محمد اسامہ بن مظہر جھارکھنڈی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شاعرِ رسول حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

کل کا ذکر ہے کہ میں ایک ایسے گلشن میں داخل ہوا، جہاں ہر طرف گل باری وگل بازی کے حسین وجمیل، دل کش ودل رُبا مناظر اٹکھیلیاں کر رہے تھے۔ میں نے چاہا کہ اپنے دامن کو سجانے کے لیے کچھ پھول چُنتا چلوں؛ مگر اُس رونقِ گل زار کو دیکھ کر میری آنکھیں چکا چوند ہوگئیں، میں ایک عجیب سی کشمکش کا شکار ہوگیا اور مجھ پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ تبھی اچانک ہواؤں کے دوش پر آنے والی ایک صدا میرے کانوں سے ٹکرائی:

اٹھائے کچھ ورق لالہ نے، کچھ نرگس نے، کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

میں نے اُس صدا سے مخاطب ہوکر کہا کہ: ہاں ہاں! لیکن

''سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ چھیڑوں داستاں کیسے؟''

غیبی آواز آئی: چلو لکھنا شروع کردو، ہر گل اپنے تئیں ایک گلستان لیے ہوئے ہے۔ چناں چہ اِس رنگا رنگ گلستاں سے ''عبداللہ بن رواحہؓ'' نامی گلِ سرسبد کا انتخاب کیا اور دل نے کہا: چل میرے خامہ بسم اللہ!

حیات وخدمات

نام ونسب اور آپ کا خاندان

آپ کا نام: عبداللہ، لقب: شاعرِ رسول، کنیت: ابومحمد، ابورواحہ اور ابوعمرو ہے۔ آپ کے والد کا نام: رواحہ اور دادا کا نام: ثعلبہ ہے۔ پورا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ بن امرؤالقیس بن عمرو بن امرؤالقیس الاکبر بن مالک الاغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج۔ آپ انصاری صحابی ہیں، آپ کا تعلق انصار کے دو مشہور قبیلوں: اوس وخزرج میں سے ''خزرج'' سے ہے۔ آپ کی والدہ کا نام ونسب: کبشہ بنت واقد بن عمرو بن اطنابہ بن عامر بن زید مناۃ بن مالک الاغر ہے۔ اِن کا تعلق بھی خاندانِ خزرج سے ہے اور بعض روایتوں کے مطابق ان کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہے۔

آپ کی اولاد کے متعلق صاحبِ ''اسد الغابۃ'' وغیرہ نے لکھا ہے کہ: آپ کی اولاد تو تھی؛ مگر اُن سے نسل نہیں چلی۔

[الاصابہ ۲/ ۲۹۸۔ طبقات ابن سعد ۳/ ۷۹۔ سیر الصحابہ ۵/ ۶۱]

آپ کے نسب نامے پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا گھرانہ قبیلۂ خزرج کے معزز ترین گھرانوں میں سے تھا، آپ کا خاندان عزت وشرافت، زِعامت وسرداری، گھڑسواری وسرفروشی اور شعروشاعری میں بہت مشہور وممتاز تھا۔ آپ کے اجداد میں ایک جدِ امجد: ''عمرو بن امرء القیس'' آتے ہیں، اُن کے متعلق

کتابوں میں لکھا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں یہ مرجعِ خلائق تھے، آپسی نزاعات ومعاملات میں لوگ ان ہی سے رجوع کیا کرتے تھے اور یہ لوگوں کے درمیان منصفانہ فیصلہ کرتے تھے۔

ایسے ہی عزت وشرافت والے گھرانے میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے نشو ونما پائی، آپ کی تربیت اور تعمیر وتشکیل میں آپ کی زیرک اور عقل مند والدہ کا بہت بڑا کردار رہا، اُنھوں نے اپنے بیٹے کے دل میں لکھنے پڑھنے کا شوق وذوق اور حوصلہ پیدا کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بچپن ہی میں آپ نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا؛ حالاں کہ اُس زمانے میں عربوں کے یہاں خصوصاً کتابت کا زیادہ رواج نہیں تھا۔ پھر جیسے جیسے پروان چڑھتے گئے عقل وشعور میں اضافہ ہوتا گیا اور جب بھرپور جوانی کی عمر کو پہنچ گئے، تو آپؓ نے شعروشاعری کے میدان میں بھی قدم رکھا اور ایسے زبردست قادرالکلام شاعر بن گئے کہ اپنے زمانے کے شعرا سے ٹکرانے لگے؛ یہاں تک کہ زمانۂ جاہلیت میں اوس اور خزرج کے بیچ ہونے والی جنگوں میں قبیلۂ اوس کے شاعر: قیس بن خطیم پر خوب نقد کرتے اور اپنے اشعار میں اس پر بھرپور طنز ورد فرماتے تھے۔ [اعلام المسلمین، حضرت عبداللہ بن رواحہ: سلسلہ نمبر ۴، ص: ۱۴]

قبولِ اسلام اور غزوات میں شرکت

واقعۂ قبولِ اسلام کا پس منظر

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ آپ اپنے قبیلے

کے ممتاز اور صاحبِ اثر لوگوں میں سے تھے، زمانۂ جاہلیت میں بھی بڑے ذی رتبہ تھے اور اسلام میں بھی۔ دنیوی عزت وشرافت اور مرتبے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فطرتِ سلیمہ سے بھی نوازا تھا؛ یہی وجہ تھی کہ اسلام سے پہلے مدینۂ منورہ میں قبیلۂ اوس وخزرج کے درمیان جو مسلسل جنگیں اور لڑائیاں ہوتی تھیں، اُن سے آپ بہت ہی دل گرفتہ اور غمگین رہا کرتے تھے۔ نیز چوں کہ اُس وقت پورے جزیرۃ العرب میں بت پرستی کا عام ماحول تھا؛ اس لیے اوس وخزرج کے لوگ بھی بت پرستی کے دَلدل میں پھنسے ہوئے تھے؛ مگر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اِس چیز کو بالکل ناپسند سمجھتے اور ہمیشہ اُس سے بیزار رہتے تھے۔

اِدھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکۂ مکرمہ میں دینِ حق کی اشاعت کے لیے سرگرمِ عمل تھے، دن رات آپ کی اِسی سوچ وفکر میں گذرتی، خصوصاً جب حج کا موسم آتا اور عرب کے اطراف وجوانب سے مختلف قبائل کے لوگ حج کرنے کے لیے آتے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوڑ دھوپ اور تیز ہوجاتی، آپ ہر قبیلے کے پاس اِس آسمانی دین کی دعوت لے کر پہنچتے اور ہر ایک کے سامنے دینِ حق کو پیش فرماتے۔

ایک طرف تو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغِ دین کی خاطر کوشاں رہتے اور فرداً فرداً ہر نووارد کو پیغامِ حق سناتے تھے؛ مگر دوسری طرف کم بخت ابوجہل اطراف واکناف سے آئے ہوئے زائرین کو آپ سے متنفّر کرنے کے لیے دور ہی سے چلّاتا تھا کہ:

لوگو! یہاں ایک جادوگر پیدا ہوگیا ہے، جو تم کو تمھارے باپ دادا کے پرانے مذہب سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے، تم لوگ اُس کی باتوں میں نہ آنا۔ مقصد تو تھا لوگوں کو متنفّر کرنا؛ مگر اللہ تعالیٰ کا کرنا کہ اس کے ذریعہ ہر نَو وارد کے دل میں آپ سے ملنے کا شوق پیدا ہوگیا اور اِس طرح دور دور تک آپ کی شہرت پھیلتی چلی گئی۔

ایک دن کا ذِکر ہے کہ مدینہ کے کچھ لوگ بھی حج کے لیے آئے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حسبِ معمول اُن کے سامنے بھی دین کی دعوت پیش کی۔ جب یہ لوگ مدینۂ منورہ پہنچے تو مدینے میں اِس دینِ جدید اور آپ کے نامِ مبارک کا ہلکا سا تذکرہ ہونے لگا، اِس پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے کان کھڑے ہوگئے، انھوں نے جب اسلام اور نبیٔ مبعوث کا تذکرہ سنا، تو ان کے دل میں بھی اسلام گھر کر گیا۔ دوسرے سال جب حج کا موسم آیا، تو مدینہ کے لوگ بھی حج کے لیے مکّہ آئے اور چھ حضرات نے چھپ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی، جس کو ''بیعتِ عَقبۂ اولیٰ'' کہا جاتا ہے۔ اِس موقع پر انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے درخواست کی کہ: ہمارے ساتھ کوئی ایسا شخص بھیج دیجیے جو ہمیں اسلام اور قرآن کی تعلیم دے۔ اِس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ (اور حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ) کو اُن کے ساتھ روانہ کر دیا۔ اِن حضرات کے مدینہ پہنچتے ہی مدینہ کے گھر گھر میں اسلام کی خوشبو پھیل گئی، ہر زبان پر اسلام اور بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکرِ خیر ہونے لگا۔

جب حضرت مصعب بن عمیرؓ نے وہاں پہنچ کر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے سامنے اسلام کی باتیں، اُس کے پیغامات اور اُس کی تعلیمات پیش کیں، تو آپ اِن باتوں کو سن کر حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور اپنے اسلام کا لوگوں کے سامنے کھل کر اعلان کر دیا، چناں چہ پھر آہستہ آہستہ آپؓ کا پورا قبیلہ اسلام کے دامن میں آ گیا۔ اُس وقت تو آپ کی فرحت و مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب آپ کے پورے قبیلے کے ساتھ قبیلۂ اوس نے بھی اسلام قبول کر لیا اور آپس کی آتشی جنگیں ہمیشہ کے لیے فرو ہو گئیں۔ اب حضرت عبداللہ بن رواحہؓ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت اور ملاقات کے لیے بے صبری کے ساتھ موسمِ حج کا انتظار کرنے لگے۔

جب حج کا موسم قریب آیا تو حضرت عبداللہؓ بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ حج کے لیے روانہ ہو گئے۔ چوں کہ ''بیعتِ عَقبۂ اولیٰ'' کے موقع پر آئندہ سال اُسی جگہ آپ سے ملنے کا وعدہ ہوا تھا؛ اس لیے اِس سال ۷۵ / یثربی حضرات (جن میں ۷۳ / مرد اور ۲ / عورتیں تھیں) رات کے وقت سابقہ وعدے کے مطابق اُسی جگہ جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی رات کے سناٹے میں وہاں تشریف لے گئے اور پھر سب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اسلام کی تاریخ میں یہ وہ بیعت تھی جس نے پوری تاریخ کا رُخ موڑ دیا، اسی کو ''بیعتِ عَقبۂ ثانیہ'' کہا جاتا ہے۔

اِس ''بیعتِ عقبۂ ثانیہ'' میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو بھی شرکت کی عظیم سعادت نصیب ہوئی، اِتنا ہی نہیں؛ بلکہ اِس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یثربی اہلِ ایمان میں سے جو بارہ نقباء (سردار، ذمے دار) منتخب کیے اُن میں حضرت عبداللہؓ بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہؓ کو اور حضرت سعد بن ربیع انصاریؓ کو ''بنو حارثہ'' کا نقیب بنایا۔

ہجرتِ نبی اور میزبانی کے لیے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی درخواست

اہلِ ایمان کا یہ قابلِ رشک قافلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر کے مدینہ واپس لوٹ آیا، ایمان اُن کے قلوب میں سرایت کر گیا اور اس کے نور سے اُن کے دل لبریز ہو گئے، بس اب وہ مسلمانوں کی ہجرت کا انتظار کرنے لگے۔ بالآخر جب اللہ کی طرف سے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم ملا، تو مسلمانوں نے سارے دنیوی ساز وسامان کو خیر باد کہتے ہوئے زندگی کی ساری خوشیوں اور رعنائیوں کو قربان کر کے فقط اپنے دین کی حفاظت کے خاطر مدینہ کی جانب ہجرت شروع کر دی اور اِس طرح رفتہ رفتہ مکی اہلِ ایمان کی اچھی خاصی تعداد ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئی۔

اب ہر دل نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے شوق میں بے چین ہو گیا۔ اسی کی تسکین کے لیے مسلمان آپ کے انتظار میں روزانہ صبح سویرے مدینہ سے باہر نکلتے؛ مگر جب راہ تکتے تکتے دھوپ لگنے لگتی تو بے چارے مایوس ہو کر اپنے گھروں کو لوٹ آتے۔ ایک دن اِسی طرح ناامید ہو کر واپس جا ہی رہے

تھے کہ اچانک آواز آئی: ''رسول اللہ تشریف لے آئے، جن کی آمد کا انتظار تھا وہ آ گئے''۔ بس پھر کیا تھا! مسلمانوں کے چہروں پر خوشیوں کی لہر دوڑ گئی، پورا مدینہ مارے خوشی کے جگمگ جگمگ کرنے لگا، چھوٹے چھوٹے بچے اور غلام آواز لگا رہے تھے ''اَللّٰہُ أَکْبَرُ جَاءَ رَسُولُ اللّٰہِ! اَللّٰہُ أَکْبَرُ جَاءَ رَسُولُ اللّٰہِ!'' (آ گئے، آ گئے، محمد رسول اللہ آ گئے!)

ننھی ننھی بچیاں ترانے پڑھ رہی تھیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا		مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا		مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ
أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِينَا		جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ

ترجمہ: آج ہمارے یہاں ثنیۃ الوداع سے مہِ کامل طلوع ہوا ہے؛ لہٰذا جب تک دنیا میں اللہ کا داعی رہے گا اُس کا شکر ہم پر واجب ہے۔ اے وہ نبی جن کو ہمارے پاس بھیجا گیا ہے! آپ بے فکر رہیے، آپ کی ہر بات کو ہم سر آنکھوں پر رکھیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینۂ منورہ میں داخل ہوئے، تو اہلِ مدینہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا گذر جس قبیلے کے پاس سے بھی ہوتا، اُس قبیلے کے لوگ راستے میں آ کر درخواست کرتے کہ: حضور! ہمارے غریب خانے میں تشریف لائیں! مگر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا کر یہ فرماتے

کہ: ''بھائی! شکریہ، اللہ تمھارا بھلا کرے، دیکھو! یہ اونٹنی خدا کی طرف سے مامور ہے، اُسے اپنے حال پر چھوڑ دو''۔ جب یہ اونٹنی چلتے چلتے قبیلۂ بنوحارثہ کے مکانات کے قریب پہنچی، تو اُس قبیلے کے جن افراد نے یہ التجا کی کہ اُنھیں شرفِ میزبانی بخشیں، اُن میں جہاں ایک طرف حضرتِ سعد بن ربیع اور حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہما تھے، وہیں دوسری طرف حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بھی بڑے نمایاں نظر آرہے تھے۔

نبیٔ اکرم، شفیعِ معظّم، جنابِ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر انصار کی طرف سے کیے جانے والے اِس پُرتپاک استقبال اور ایثار و محبت کے جذبے کو خوب سراہتے ہوئے جن قبیلوں کا نام لیا اور اُنھیں خیر و برکت کی دعا دی، اُن میں آپؐ کا قبیلہ بنوحارثہ بھی تھا۔ چناں چہ بخاری شریف میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''خَيْرُ دُوْرِ الْأَنْصَارِ بَنُو النَّجَّارِ، ثُمَّ بَنُو عَبْدِ الْأَشْهَلِ، ثُمَّ بَنُو الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ، ثُمَّ بَنُو سَاعِدَةَ، وَفِي كُلِّ دُوْرِ الْأَنْصَارِ خَيْرٌ'' [صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۳۷۸۹، ۳۸۰۷، ۶۰۵۳، ۳۷۹۰] کہ سب سے بہترین قبیلہ: بنونجار کا ہے، پھر عبدِ اشہل کا، پھر حارث بن خزرج کا، پھر بنوساعدہ کا اور ایسے تو انصار کے ہر ایک قبیلے میں خیر و بھلائی ہے۔ [البدایہ والنہایہ ۳/۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۷]

مواخات و بھائی چارگی

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینۂ منورہ میں قیام پذیر ہونے کے بعد معاشرتی

امور کو منظم کرنا شروع کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمنا تھی کہ پورے معاشرے کی بنیاد عدل وانصاف، مساوات و برابری اور آپسی تعاون و بھائی چارگی پر قائم ہو، جس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے تمام مہاجرین وانصار کے مابین رشتۂ اخوت قائم کیا۔ چناں چہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے ساتھ حضرت مقداد بن عمروؓ کو رشتۂ اخوتِ اسلامی میں پرو دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِس عمل پر صرف حضرت عبداللہؓ ہی نہیں؛ بلکہ تمام ہی انصار بڑے خوش تھے، انصاری صحابہؓ نے اپنی جان و مال کو مہاجرین بھائیوں کے قدموں میں اس طرح ڈال دیا کہ صدیاں بیت چکیں، تاریخ اِس طرح کی قربانیوں، ایثار و محبت اور آپسی تعاون و بھائی چارگی کی نظیر پیش نہیں کر سکی۔ [الاصابہ ۲/ ۲۹۸]

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ رَزم میں

جس دن سے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینۂ منورہ میں قدم رنجہ فرمایا، اُسی دن سے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے آپ کی مجالس کو اپنے دل کے باغ و بہار کا ذریعہ بنالیا، اسی کا نتیجہ تھا کہ آپؓ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتہائی مقرب بن گئے۔ نیز آپؓ نے اپنے ماں شریک بھائی: حضرت ثابت بن قیسؓ کے ساتھ مل کر کتابتِ وحی کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ مختصر یہ کہ آپؓ نے اپنے آپ کو خدمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خدمتِ اسلام کے لیے وقف کر رکھا تھا۔

آپؓ کے شوقِ جہاد کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ غزوۂ بدر سے لے

کر غزوۂ موتہ تک (جس میں آپ نے جامِ شہادت نوش کیا) کوئی غزوہ ایسا نہیں تھا جس میں آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم رکاب ہو کر سرفروشی اور جاں بازی کا حق ادا نہ کیا ہو۔ اِسی جذبے اور شوق وذوق کا اسماء الرجال کے مصنفین نے اِن الفاظ میں تذکرہ کیا ہے: ''كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ أَوَّلَ خَارِجٍ إِلَى الْغَزْوِ، وَآخِرَ قَافِلٍ'' کہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ ہر غزوے میں پیش پیش ہوتے اور واپسی میں سب سے پیچھے پیچھے ہوتے تھے۔ [الاستیعاب فی ہامش الاصابہ ۲/ ۲۸۵]

حضرت عبداللہؓ غزوۂ بدر میں

۲ سنہ ھ کا زمانہ ہے، رمضان کا مبارک مہینہ چل رہا ہے، مسلمانوں اور قریشیوں کا لشکر بدر کے مقام پر جنگ کی تیاری کیے صف بستہ کھڑا ہے، جنگ کا لاوا پھوٹنے سے کچھ پہلے کی بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غنودگی طاری ہونے لگی، اسی حال میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لَا تُقَاتِلُوا حَتّٰى أُوذِنَكُمْ، وَإِنْ كَثَبُوكُمْ فَارْمُوهُمْ، وَلَا تَسُلُّوا السُّيُوفَ حَتّٰى يَغْشَوْكُمْ'' جب تک میرا اشارہ نہ ہو جنگ شروع مت کرنا، ہاں! اگر وہ تمھارے بالکل قریب آجائیں تو پھر تیر اندازی شروع کر دینا؛ اور جب وہ تمھارے بالکل قریب آکر تم پر حملہ آور ہوں تو اپنی شمشیر بے نیام کر لینا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ وہیں موجود تھے، یہ سن کر فرمایا کہ: ''یارسولَ اللہ! دشمن بالکل نزدیک آچکے ہیں، مسلمان بہت پریشان ہیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس وقت لیٹے ہوئے تھے، حضرت ابوبکرؓ کا یہ جملہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ گئے اور اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اُٹھا کر بڑی گریہ وزاری کے ساتھ اللہ سے مدد کی درخواست کرنے لگے: ''اَللّٰھُمَّ إِنْ تُظْھِرْ عَلٰی ھٰذِہِ الْعِصَابَۃِ، یَظْھَرِ الشِّرْکُ، وَلَا یَقُمْ لَکَ دِینٌ'' اے اللہ! اگر تو نے اِس مٹھی بھر جماعت کو مغلوب کر کے ختم کر دیا تو پھر کفر وشرک کا بول بالا ہو جائے گا اور اِس روئے زمین پر تیرے دین کا نام ونشان تک باقی نہیں رہے گا۔ دوسری طرف حضرت ابوبکرؓ فرما رہے تھے: ''خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرما کر آپ کو ضرور خوش کر دیں گے''۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بھی وہیں پر موجود یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے، آپ کا ایمانی ولولہ اور خدا اعتمادی کا جذبہ جوش مار رہا تھا، بالآخر بے قابو ہو کر انھوں نے عرض کیا کہ: ''اللہ کے رسول! ویسے تو میری کیا حیثیت کہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ دوں؛ لیکن ایک بات عرضِ خدمت ہے، وہ یہ کہ: (جب اللہ تعالیٰ نے مدد کا وعدہ فرما دیا ہے، تو پھر) اِس وقت آپ کو پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں''۔ جب اِنھوں نے یہ بات کہی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ابنِ رواحہ! کیا میں اللہ سے اس کے کیے ہوئے وعدے کا مطالبہ نہ کروں؟ ہاں ہاں! مجھے یقین ہے کہ اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا''۔

پھر جب دونوں گروہ آمنے سامنے آ گئے، تو کفار کے لشکر سے تین جنگجو: عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ میدان میں نکل کر آئے اور شور مچانے

لگے کہ: ہے کوئی ہماری ٹکر کا!؟ ہے کوئی ہمارا مقابلہ کرنے والا!؟ اِن سرداران قریش کی دعوتِ مبارزت کا جواب دینے کے لیے مسلمانوں میں سے تین بہادر مجاہد: حضرت عوف بن عفراءؓ، حضرت معاذ بن عفراءؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نکلے؛ لیکن چوں کہ یہ تینوں مجاہدین انصار سے تعلق رکھتے تھے؛ اس لیے انھوں نے پوچھا کہ: تم لوگ کون ہو؟ جواب دیا کہ: ہم انصار سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِس پر وہ کہنے لگے: ہمیں تم سے کوئی سروکار نہیں، ارے محمد! ہماری ٹکر کے اور ہمارے قبیلے کے آدمی بھیجو۔ اِس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین میں سے حضرت عبیدہ بن حارثؓ، حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ اور حضرت علی بن ابی طالبؓ کو بھیجا۔ اِن حضرات نے تینوں دشمنوں کو جہنم رسید کر دیا؛ البتہ حضرت عبیدہؓ زخمی ہو کر مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ [اعلام المسلمین ۴ / ۲۳]

اس کے بعد دونوں لشکروں میں خوب دیر تک گھمسان کا رَن پڑا؛ مگر نتیجہ کیا ہوا؟ دنیا نے دیکھا کہ صنم پرستوں کے عظیم الشان لشکر کو ہر قسم کے ہتھیار و اسلحہ کی فراہمی کے باوجود، خدائے واحد کے متوالوں نے شکستِ فاش کا ایسا مکروہ چہرہ دِکھایا کہ مادیّت کے پرستاروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور اسباب کے پجاری انگشت بدنداں رہ گئے۔

فتح یابی کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات گزارنے کے ارادے سے غروبِ شمس سے پہلے مقامِ ''اُثیل'' تشریف لے گئے، وہاں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے اہلِ مدینہ کو فتح کی خوش خبری سنانے کے لیے حضرت زید بن حارثہؓ کو جنوبی حصۂ شہر کی طرف اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو شمالی آبادی کی طرف بھیجا۔ چناں چہ اتوار کے دن زوال سے پہلے یہ دونوں حضرات نکل گئے اور مقامِ ''عقیق'' پر پہنچ کر دونوں جدا ہو گئے۔ حضرت عبداللہؓ اپنی سواری پر بیٹھ کر شمالی آبادی میں انصار کے گھر گھر پہنچ کر مژدۂ فتح سنا رہے تھے: ''یَامَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! أَبْشِرُوا بِسَلَامَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَقَتْلِ الْمُشْرِكِينَ وَأَسْرِهِمْ'' اے انصار کے لوگو! خوش ہو جاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح یاب ہو کر صحیح سالم واپس تشریف لا رہے ہیں، بڑے بڑے سردارانِ قریش مارے گئے اور کچھ مشرکین قید بھی ہوئے ہیں۔

[رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۵۴]

اس کے بعد نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بروز منگل ۲۲ رمضان المبارک کو مدینہ میں داخل ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ میں پکڑے جانے والے ستر قیدی بھی تھے۔ مدینہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان قیدیوں کے متعلق مشورہ کرنے کے لیے صحابۂ کرامؓ کی ایک میٹنگ بلوائی، جس کے بڑے بڑے چار اراکین تھے: (۱) حضرت ابوبکر صدیقؓ (۲) حضرت عمر بن خطابؓ (۳) حضرت علی بن ابی طالبؓ اور (۴) حضرت عبداللہ بن رواحہؓ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابہؓ سے مشورہ لیا کہ: ''دیکھو! اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو اِن پر قدرت دی ہے، اب آپ ہی لوگ بتائیں، اِن قیدیوں کے بارے میں آپ حضرات کی کیا رائے ہے؟ اِن

کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟'' حضرت ابوبکر صدیقؓ چوں کہ بہت نرم دل انسان تھے؛ اس لیے انھوں نے فرمایا کہ: اللہ کے رسول! یہ لوگ اپنی ہی قوم کے اپنے ہی آدمی ہیں؛ اس لیے میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ان کو چھوڑ دیں، (ہاں! تھوڑا بہت فدیہ لے لیں، یہ اور بات ہے) ہوسکتا ہے کہ اللہ اِنھیں توبہ کی توفیق دے دے اور یہ اسلام کے دائرے میں داخل ہوجائیں۔ دوسری طرف حضرت عمرؓ کفار کے مقابلے میں بڑے سخت تھے؛ اس لیے انھوں نے فرمایا کہ: اللہ کے رسول! یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے آپ کو رسول ماننے سے انکار کیا، اتنا ہی نہیں؛ بلکہ آپ کو اپنے وطنِ عزیز سے نکالا ہے؛ اس لیے میں تو یہ کہتا ہوں کہ اِن کم بختوں کی گردن اڑادی جائے۔

اِدھر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بیٹھے تھے، انھوں نے فرمایا کہ: اللہ کے رسول! آپ اِس وقت جس وادی میں ہیں (یعنی مدینہ میں) وہاں سوکھی لکڑیوں کی بہتات ہے، لکڑیاں اکٹھی کرکے آگ لگا کر پوری وادی کو آگ کے شعلوں سے بھر دیا جائے اور پھر اِن کمینوں کو اٹھا کر اُس میں پھینک دیا جائے۔

یہ باتیں سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجلس سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور سیدھے حجرے میں تشریف لے گئے اور کسی کو کچھ جواب نہیں دیا۔ مجلس میں بیٹھے لوگ آپس میں تبصرہ کرنے لگے، کوئی کہہ رہا تھا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر کی رائے پر عمل کریں گے۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ: نہیں، عمر کی رائے پر عمل کریں گے۔ وہیں پر

ایک گروہ یہ بھی کہہ رہا تھا کہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور عبداللہ بن رواحہ کی رائے پر عمل کریں گے۔ ابھی تو یہ تبصرے ہو ہی رہے تھے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے اور یہ ارشاد فرمایا کہ: ''(بھائیو! دل تو اللہ کے قبضے میں ہے) کچھ لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ اتنا نرم بنا دیتے ہیں کہ وہ دودھ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتے ہیں اور کچھ کے دلوں کو اتنا سخت بنا دیتے ہیں کہ وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں.....''۔

بہر حال! اَخیر میں یہ فیصلہ ہوا کہ فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے؛ مگر ''اللہ کی مرضی سے کون واقف ہے؟'' اِس فیصلے پر اللہ کی طرف سے عتاب ہوا اور یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ ترجمہ: یہ بات کسی نبی کے شایانِ شان نہیں ہے کہ اُس کے پاس قیدی رہیں، جب تک کہ وہ زمین میں (دشمنوں کا) خون اچھی طرح نہ بہا چکا ہو (جس سے ان کا رُعب پوری طرح ٹوٹ جائے) تم دُنیا کا ساز و سامان چاہتے ہو اور اللہ (تمھارے لیے) آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے اور اللہ صاحبِ اقتدار بھی ہے، صاحبِ حکمت بھی۔ اگر اللہ کی طرف سے ایک لکھا ہوا حکم پہلے نہ آ چکا ہوتا تو جو راستہ تم نے اختیار کیا اُس کی وجہ سے تم پر کوئی بڑی سزا آ جاتی۔ (توضیح القرآن، سورۃ الانفال: ۶۷-۶۸) [اعلام المسلمین ۴/۲۶]

خلاصۂ کلام یہ کہ غزوۂ بدر کے پورے واقعے سے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے شوق وذوقِ جہاد، ایمانی حرارت اور خدا اعتمادی کا - اتنا بڑا عنصر کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تسلی بخش کلمات کہہ رہے ہیں - اور دشمنانِ اسلام کے معاملے میں اُن کی سخت مزاجی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت عبداللہ غزوۂ اُحد میں

بدر کی شکست سے قریشِ مکہ کے حوصلے تو پست ہو گئے تھے؛ مگر سال بھر کے بعد جب اِن شکست خوردہ مشرکین نے کچھ ہوش سنبھالا تو اُن کی رگوں میں انتقام کا جذبہ اُبھر رہا تھا، اور غم و غصے کی آگ بھڑک رہی تھی۔ چناں چہ ۳ھ میں تین ہزار جوانوں کا لشکر پورے ساز وسامان کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھا۔ اِدھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہؓ سے مشورہ کرنے کے بعد مجاہدین کی جمعیت کے ساتھ مدینہ سے باہر اُحُد کے مقام پر تشریف لے گئے اور کہسارِ اُحُد کے دامن میں دونوں لشکر باہم ٹکرائے اور دیر تک گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اِس جنگ میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بھی شریکِ جہاد رہے اور بڑا نمایاں کردار ادا کیا، اِن کا نام اُن لوگوں میں آتا ہے جنھوں نے دشمن کے مقابلے میں اُس وقت بھی ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا جب دشمنوں نے تیر اندازوں سے ہونے والی چوک کے سبب آگ وخون کا حملہ کر رکھا تھا، جس کے نتیجے میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زخم آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندانِ مبارک بھی شہید

ہوئے اور تقریباً ستر مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔

جب معرکہ ختم ہوا اور جنگ کے شعلے سرد پڑ گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہدائے اُحُد کی جانچ پڑتال کے لیے میدان ہی میں قیام فرمایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر عمِّ بزرگوار حضرت حمزہؓ کی نعشِ مبارک پر پڑی - جو اِسی لڑائی میں شہید ہوئے تھے اور جن کا دشمنوں نے بے دردی کے ساتھ مُثلہ کیا تھا - تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت ہی زیادہ غمگین ہوئے، اِس غم کے ساتھ کچھ غیظ و غضب کی بھی آمیزش تھی، جس کا اظہار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اِن الفاظ میں کیا: ''مجھے آج تک کبھی اِتنا غصہ نہیں آیا، جتنا آج چچا کی اِس حالت کو دیکھ کر آیا ہے''۔

بہر حال! جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینۂ منورہ واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ انصار کی عورتیں اپنے اپنے شہدا پر ماتم کناں ہیں، تب آپ نے بڑے درد بھرے لہجے میں کہا: ''سب رو رہے ہیں؛ مگر آج حمزہ پر کوئی آنسو بہانے والا نہیں!'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اِس بات کی اطلاع حضرت سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر کو پہنچی تو انھوں نے اپنی عورتوں سے کہا کہ: وہ جا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمِ محترم پر نوحہ خوانی کریں۔ اِدھر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بھی اپنے قبیلے کی عورتوں کو لے کر آ گئے؛ تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اِس غم میں آپؓ بھی شریک ہو جائیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اُن کی نوحہ خوانی کی آواز سنی تو فرمایا کہ: ''اللہ انصار پر رحم فرمائے، یہ انصار کے لوگ غم خواری کرنے میں ذرا دیر نہیں کرتے، اُن عورتوں سے کہو کہ:

نوحہ بند کریں اور اپنے اپنے گھر چلی جائیں، میرا مقصود کوئی نوحہ خوانی کروانا تھوڑی تھا''۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو رونے دھونے اور نوحہ کرنے سے منع فرمادیا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے صرف شمشیر وسنان کے جوہر نہیں دِکھائے؛ بلکہ آپؓ نے اپنی زبان وشاعری کو بھی اِس غزوہ میں شامل فرمایا۔ چناں چہ حضرت حمزہؓ کی شہادت پر آپؓ نے ایک طویل مرثیہ کہا ہے، پورا مرثیہ تو - ان شاء اللہ - ''بزمِ عبداللہ بن رواحہ میں کچھ شعری جھلکیاں'' کے تحت آئے گا، نمونے کے طور پر دو شعر پیشِ خدمت ہے:

بَكَتْ عَيْنِيْ وَحُقَّ لَهَا بُكَاهَا		وَمَا يُغْنِي الْبُكَاءُ وَلَا الْعَوِيْلُ
عَلٰى أَسَدِ الْإِلٰهِ غَدَاةَ قَالُوْا		أَحَمْزَةُ؟ ذَاكُمُ الرَّجُلُ الْقَتِيْلُ

[رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۳۵۶]

ترجمہ: میری آنکھوں نے خوب آنسو بہائے اور اُسے آنسو بہانا بھی چاہیے؛ مگر شیرِ خدا پر آہ وبکا اور ہائے واویلا کا کیا فائدہ، جب کہ لوگوں نے بتایا کہ: کیا حمزہ کو تلاش کررہے ہو؟ دیکھو! وہ رہے شہید ہوکر پڑے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اسلامی دارالحکومت کے امیر

جب ابوسفیان اپنے ہم نواؤں کے ساتھ میدانِ اُحد سے واپس جانے لگا، تو اس نے زور سے چلا کر کہا کہ: ''مسلمانو! اگلے سال ہم پھر تم سے بھڑیں گے

..... بالکل شروع سال میں..... بدرالصفراء کے مقام پر، یہ ہمارا وعدہ رہا''۔
حضرت عمرؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِیما پر جواب دیا کہ: ''ہاں ہاں! ٹھیک ہے، ٹھیک ہے ان شاء اللہ، آجانا''۔ مگر جب وقتِ موعود قریب آیا، تو خود ابوسفیان پیچھے ہٹنے لگا؛ لیکن مرتا کیا نہ کرتا، خود اپنی زبان سے وعدہ کر کے آیا تھا؛ اس لیے اب اُس نے حیلے حوالے کا سہارا لیا۔ اِدھر مسلمان تو اپنی تیاری میں مشغول تھے۔ چناں چہ اُس نے ''نعیم بن مسعود اَشجعی غطفانی'' کو تیار کر کے مدینہ بھیجا کہ وہاں مسلمانوں میں خوب خوف ودہشت پھیلاؤ کہ: مسلمانو! قریشیوں نے تو اِتنا بڑا لشکر تیار کیا ہے کہ تم اُس کی تاب نہیں لا سکتے۔ وہ مدینہ میں گھوم گھوم کر مسلمانوں کے دلوں میں رعب ڈالنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ دیکھا تو آپ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نکلنے میں کوئی پس وپیش کرے۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ: اللہ کے رسول! دینِ اسلام کو غلبہ دینا اور نبی کی مدد کرنا تو خدا کا کام ہے، دشمن نے ہمیں چیلنج دیا ہے، ہم نہیں چاہتے کہ مقابلے پر جانے سے پیچھے ہٹیں؛ ورنہ دشمن یہ سمجھے گا کہ ہم نے چوڑیاں پہن رکھی ہیں، ہم بزدل ہیں؛ اس لیے اللہ کے رسول! آپ تشریف لے چلیے، بہ خدا! اِسی میں بہتری ہے۔ حضراتِ شیخین کی یہ باتیں سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باچھیں کِھل اٹھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اُس ذاتِ پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، کوئی جائے نہ جائے، میں تو جا کر ہی رہوں گا''۔

چناں چہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہِ شعبان ۴ سنہ ھ میں پندرہ سو صحابہ کا لشکر لے کر مقامِ موعود پر پہنچ گئے؛ لیکن دشمن کا ایک آدمی بھی نظر نہ آیا؛ اس لیے لڑائی کی نوبت بھی نہ آسکی؛ کیوں کہ ابوسفیان ایک تو مکہ سے نکلا ہی تھا اَستا پَستا کر، دوسرے یہ کہ اس کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کا انجام کیا ہوگا! جب وہ مقامِ ''ظہران'' کے قریب پہنچا تو اسے یہ سوجھا کہ واپس چلے جانے ہی میں سلامتی ہے۔ چناں چہ اپنے پورے لشکر کو لے کر یہ کہتا ہوا واپس چلا گیا کہ: اِس سال تمھارا جانا ٹھیک نہیں ہے، ہر جگہ قحط پڑا ہوا ہے، ہاں! جب یہ خشک سالی ختم ہوجائے اور ہر طرف ہریالی ہی ہریالی ہو تو پھر آنا، میں تو واپس جارہا ہوں؛ اس لیے تم لوگ بھی چلو۔ مسلمان اپنے ساتھ تجارت کا مال بھی لے کر آئے تھے؛ کہ ''بدرالصفراء'' پر ہر سال عربوں کا بہت بڑا میلہ لگتا تھا، چناں چہ مسلمانوں نے تجارت میں خوب منافع کمائے۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے باہر کسی غزوے میں تشریف لے جاتے، تو نیابت میں مدینہ کا کسی کو والی اور امیر مقرر کرجاتے؛ تاکہ وہ آپ کے غائبانے میں مسجدِ نبوی میں امامت اور دیگر انتظامی امور کی انجام دہی کرسکے۔ چناں چہ اِس غزوۂ بدرالصفراء- جس کو غزوۂ سویق بھی کہا جاتا ہے- کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ- جو اُس وقت اسلام کا دارالحکومت اور پایۂ تخت تھا اُس- کا والی اور امیر مقرر

کیا، جس سے آپؓ کی انتظامی امور میں اہلیت اور لیاقت کا بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کہ مدینہ میں رہتے ہوئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منصبِ نبوت پر بیٹھ کر جو فرائض انجام دیتے تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سپرد کر دیے۔

[سیر اعلام النبلاء ۲/ ۳۴۶، اعلام المسلمین ۴/ ۲۸]

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور غزوۂ احزاب

۵ھ کا ذکر ہے کہ تمام باطل طاقتوں نے متحد ہو کر اپنی پوری پوری قوتیں جمع کر کے یکبارگی مدینۂ طیبہ پر حملے کی ٹھانی اور دس ہزار جنگجوؤں کا لشکرِ جرار ابوسفیان بن حرب کی قیادت میں مسلمانوں کو مٹانے کے لیے مدینۂ طیبہ کی طرف بڑھا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ حضرت سلمانِ فارسیؓ نے رائے دی کہ: ہمیں اپنے ملکِ فارس میں جب کبھی دشمنوں کا اندیشہ اور خطرہ محسوس ہوتا ہے تو ہم خندق کھود لیتے ہیں، یہاں لشکر بہت بڑا ہے؛ اس لیے کھلے میدان میں نکل کر جنگ کرنا مناسب نہیں؛ بلکہ جس طرف سے مدینہ میں گھسنے کا احتمال ہے اس طرف خندق کھود دی جائے۔ یہ مشورہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کو بہت پسند آیا۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین ہزار صحابہؓ کو لے کر خندق کی کھدائی کے لیے خود بھی کمر بستہ ہو گئے۔ چھ دن میں یہ پانچ گز گہری اور دس گز چوڑی خندق اِس طرح تیار ہوئی کہ دشمن کی مجال نہ تھی کہ اُس خندق کو پار کرنے کی جرأت کر سکے۔

غزوۂ خندق کے موقع پر مسلمانوں کو بہت ہی زیادہ تکلیفیں اور مشقتیں جھیلنی پڑیں، بھوک و پیاس کا یہ عالم تھا کہ پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے، گھر سے کبھی کبھار جو تھوڑا بہت کھانا آجاتا بس اُسی پر قناعت کیے رہتے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بھی اِس غزوے میں شریک ہیں اور اِن تمام مشقتوں کو برداشت کرتے ہوئے کھدائی کرنے والوں کے ساتھ خندق کھود رہے ہیں۔ اسی پر بس نہیں؛ بلکہ اپنی زبان کو بھی استعمال کرتے ہیں اور اپنے اشعار سے مسلمانوں میں کام کرنے کی ہمت اور حوصلوں میں امنگ پیدا کرتے ہیں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ: خندق کے موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذاتِ خود مٹی ڈھوتے تھے اور آپ کی زبان پر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے رجزیہ اشعار تھے:

وَاللّٰهِ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا		وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا		وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا
إِنَّ الْأُلَى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا		إِذَا أَرَادُوْا فِتْنَةً أَبَيْنَا

[صحیح بخاری: ۴۱۰۴، باب غزوۃ الخندق]

اے خدا! تیرے سوا ہم کو ہدایت تھی کہاں؟	کیسے پڑھتے ہم نمازیں؟ کیسے دیتے ہم زکوۃ
اے خدا! ہم پر سکینے کا تو فرما دے نزول	دشمن آجائے تو ہم کو کر عطا یارب! ثبات
بے سبب ہم پر یہ دشمن چڑھ آئے ہیں	فتنہ گر ہیں وہ، نہیں بھاتی ہمیں فتنے کی بات

غزوۂ مریسیع سے واپسی پر

درمیان میں ایک دلچسپ واقعہ بھی پڑھتے چلیے۔ یہ شعبان ۵ھ کا واقعہ ہے کہ: حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اپنے ایک رفیق، صحابیٔ جلیل حضرت جابر بن عبداللہؓ کے ہمراہ غزوۂ مریسیع -جس میں اماں عائشہؓ پر تہمت زنی کا مشہور واقعہ پیش آیا تھا- سے واپس لوٹ رہے تھے، درمیانی رات میں یہ دونوں حضرات وادیٔ ''عقیق'' پہنچے، جہاں مسلمانوں کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا اور آرام وراحت کے بعد صبح سویرے مدینے پہنچنے والا تھا؛ مگر حضرت عبداللہؓ لشکر سے پہلے وہاں سے روانہ ہوگئے اور رات ہی کے وقت اپنے گھر پہنچ گئے، جیسے ہی گھر میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی اہلیہ کے ساتھ کوئی لمبا تڑنگا انسان سویا ہوا ہے، انھوں نے اپنے گمان میں یہ سمجھ لیا کہ وہ مرد ہے؛ اس لیے تلوار سونت کر کمرے میں داخل ہوئے، ابھی تلوار چلانے ہی جارہے تھے کہ اُنھیں کچھ یاد آیا اور وار کرنے سے رُک گئے، پھر اپنے پاؤں سے اہلیہ کو ہلایا، جس پر وہ گھبرا کر بیدار ہوگئیں۔ انھوں نے کہا کہ: گھبراؤ نہیں! میں عبداللہ ہوں، یہ تمھارے ساتھ کون ہے؟ زوجہ نے کہا: رُحیلہ ہے، چوں کہ ہمیں آپ لوگوں کے آنے کی اطلاع مل چکی تھی؛ اس لیے میں نے خود اُسے بلایا تھا کہ آکر ذرا میرا سر جھاڑ دے، دیر ہوگئی تو رات یہیں پر ٹھہر گئی۔

الغرض! حضرت عبداللہؓ رات گزار کر صبح کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

ملاقات کے اِرادے سے گھر سے نکلے۔ اُس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بشیر بن سعد انصاریؓ کے درمیان تشریف فرما تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہؓ کو آتے ہوئے دیکھا تو حضرت بشیرؓ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا: ''ابونعمان! دیکھو تو سہی! عبداللہ کا چہرہ بتا رہا ہے کہ رات کے وقت گھر پر آنے سے اُنھیں ناگواری ہوئی ہے''۔ جب حضرت عبداللہؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ: ''عبداللہ! رات کو کیا ہوا تھا؟'' حضرت عبداللہؓ نے پورا واقعہ سنایا، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''آئندہ کبھی بھی رات کے وقت (کہیں سفر سے آرہے ہو تو بغیر اطلاع دیے) گھر کی عورتوں کے پاس مت گھس جانا''۔

یہ پہلا موقع تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو کسی چیز سے منع فرمایا۔ [اعلام المسلمین ۴/ ۳۰-۳۱]

سریۂ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ

شوال ۶ھ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو ایک خاص مہم پر مامور فرمایا، جو ''سریۂ عبداللہ بن رواحہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ اُس کا پس منظر یہ ہے کہ:

خیبر کا ایک یہودی رئیس: ابورافع سلام ابن ابی الحقیق اِسلام کی مخالفت میں اِس قدر بڑھ گیا کہ بنوغطفان کو مدینۂ طیبہ پر حملہ آور ہونے کے لیے بھڑکانے

لگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس کی ریشہ دوانیوں کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان ۶ھ میں حضرت عبداللہ بن عتیک سُلمی کی قیادت میں پانچ آدمیوں کو ابورافع کی گوش مالی کے لیے روانہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن عتیک سُلمی ابورافع کو جہنم رسید کر کے بہ خیر و عافیت مدینہ واپس آ گئے۔ [اعلام المسلمین ۴ / ۳۲ نقلاً عن السیرۃ الحلبیۃ ۳ / ۸۳]

مگر ابورافع کے قتل سے معاملہ سلجھ نہ سکا؛ کیوں کہ اس کا جانشین: اُسَیر بن رِزام۔ جس کو یہودیوں نے ابورافع کے بعد اپنا حاکم بنایا تھا۔ نے اسلام کی عداوت میں بالکل ابورافع کا ہی کردار ادا کیا۔ حاکم بننے کے بعد اس نے یہودیوں کے سامنے کھڑے ہو کر ایک زوردار تقریر کی، جس میں اُس کم بخت نے کہا کہ: ''یہ محمد اور اس کے ساتھی جہاں جاتے ہیں اپنا جادو چلا ہی ڈالتے ہیں، میں اُن کا وہ حشر کروں گا کہ مجھ سے پہلے میرے ساتھیوں میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا ہوگا''۔ لوگوں نے پوچھا کہ: آخر تم ایسا کیا کرو گے جو تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا؟ اُس نے کہا کہ: ''میں غطفان جاؤں گا اور اِس کام کے لیے اُن کو اکٹھا کروں گا''۔ چناں چہ اُس نے غطفان کے لوگوں کو جمع کیا اور پھر تمام یہودیوں کے سامنے کہا کہ: ''ہم سب محمد (کو سبق سکھانے کے لیے اُس) کے گھر میں گھس جائیں گے اور یہ بات تو یقینی ہے کہ اگر کسی کے محلّے یا گھر میں گھس کر لڑا جائے تو اس کے لیے اپنے دشمن کو جواب دینا مہنگا پڑ جاتا ہے اور کچھ نہ کچھ تو اس کا نقصان ہو کر ہی رہتا ہے''۔ اُس کی بات سن کر لوگوں نے کہا کہ: واہ واہ! کیا لاجواب تدبیر ہے!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس کی اِن معاندانہ سرگرمیوں کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولاً حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو تین آدمیوں کے ساتھ تحقیقِ حال کے لیے بھیجا کہ دیکھ کر آؤ، کیا واقعتاً وہ مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو جنگ کے لیے اُکسا رہا ہے؟ انھوں نے جا کر خفیہ طور پر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو اطلاعات ملی تھیں وہ بالکل درست تھیں۔ چناں چہ انھوں نے تین دن کے بعد آ کر تمام حالات بلاکم وکاست حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دیے۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کی سرکوبی کے لیے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو منتخب فرمایا اور تیس سوار اُن کی ماتحتی میں دے کر روانہ کیا۔ حضرت عبداللہؓ خیبر جا کر اُسیر بن رِزام سے ملے اور بڑے حکیمانہ انداز میں اُس سے گفتگو کی، کہا کہ: ہم کو پہلے امان دو، تم سے ایک بات کہنے آئے ہیں۔ وہ بولا: کہو۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا کہ: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو تمھارے پاس بھیجا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِرادہ ہے کہ تم ہمارے ساتھ مدینہ چلو؛ تاکہ تم سے دوٹوک بات کر کے تمھیں خیبر کا رئیس بنا دیں۔ اُسیر بن رِزام تو باتوں میں آ گیا؛ مگر دوسرے یہودیوں نے سخت مخالفت کی اور کہا کہ: یہ محمد کبھی بھی کسی یہودی کو عامل نہیں بنا سکتا۔ تو اُس نے کہا کہ: ہاں! بات تو ٹھیک ہے؛ مگر کیا کریں، لڑائی جھگڑے سے اب ہم سب تنگ آ گئے ہیں، اور ہوسکتا ہے کہ محمد بھی اُکتا گیا ہو۔

بالآخر وہ تیس یہودیوں کو لے کر اُن کے ساتھ ہولیا، راستے میں حضرت

عبداللہ بن رواحہؓ نے ہر ہر یہودی پر ایک مسلمان کو متعین کر دیا۔ اثنائے راہ کوئی ایسی بات ہوئی کہ مسلمانوں اور یہودیوں میں تلوار چل گئی اور اُسیر سمیت سارے یہودی مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ [سیر اعلام النبلاء ۲/ ۳۴۶۔ الاصابہ ۲/ ۲۹۸]

''کوئی ایسی بات ہوئی'' کیا بات ہوئی تھی؟ اِس سلسلے میں تین طرح کی باتیں ملتی ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

[۱] قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ نے ''رحمۃ للعالمین'' میں لکھا ہے کہ: یہ کُشت وخون غلط فہمی کی بنا پر ہوا تھا، یہودیوں نے سمجھا کہ مسلمان اُن کو قتل کرنا چاہتے ہیں اور مسلمانوں نے خیال کیا کہ یہودیوں کی نیت میں فتور ہے۔ اِس بدگمانی کی بنا پر فریقین نے ایک دوسرے پر حملہ کر دیا۔ [خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۰۳]

[۲] ''سیر الصحابہ'' میں مذکور ہے کہ: اُسیر کو کچھ شک ہوا اور اُس نے پلٹنے کا اِرادہ ظاہر کیا، تو مسلمانوں نے دھوکا بازی کے جرم میں سب کی گردنیں اڑا دیں اور یہ اٹھتا ہوا طوفان وہیں دَب کر رہ گیا۔ [سیر الصحابہ (جلد پنجم): سیر انصار دوم: ۵۷]

[۳] تقریباً تمام ہی عربی مآخذ میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ ایک اور روایت ذکر کی گئی ہے، جو راقم الحروف کو قرائن کی بنیاد پر زیادہ صحیح معلوم ہو رہی ہے، وہ یہ ہے کہ:

اُسیر بن رِزام تیس یہودیوں کو لے کر نکلا تو راستے میں ہر ایک یہودی کی سواری پر ایک ایک مسلمان سوار تھا، اُسیر نے اپنے ساتھ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ

کو بٹھایا تھا۔ جب یہ لوگ مقام ''قَرقَرہ'' (جو خیبر سے چھ میل کی دوری پر واقع ہے) پر پہنچے تو اُسیر بن رِزام کو شک ہوا کہ ''دال میں کچھ کالا ہے'' اس کی نیت میں فتور آ گیا، اُس نے حضرت عبداللہؓ کو قتل کرنا چاہا؛ لیکن جیسے ہی اُس نے تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا، حضرت عبداللہؓ نے دیکھ لیا اور اس کے دل کے چور کو بھانپ گئے، فوراً انھوں نے تیزی سے ہاتھ بڑھا کر تلوار لے لی اور یہ کہتے ہوئے اُس کا پاؤں کاٹ دیا کہ: ''او اللہ کے دشمن! اتنی بڑی دھوکے بازی! اتنا بڑا فریب!'' اُسیر اپنے اونٹ سے نیچے گرا، اس کے ہاتھ میں ایک لاٹھی تھی، اُس نے وہ لاٹھی حضرت عبداللہؓ کے سر پر دے ماری، جس سے اُن کے سر پر گہرا زخم آ گیا۔ بس پھر کیا تھا! اِدھر یہودیوں کی فطرت (مکاری وعیاری) ظاہر ہوئی اور اُدھر مسلمان اُن پر ٹوٹ پڑے اور اِس طرح سب یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، صرف ایک تھا جو بچ کر نکل گیا۔

سارے مسلمان صحیح سالم واپس ہونے لگے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے انتظار میں پہلے سے کچھ صحابۂ کرامؓ کو لے کر ثنیہ پہاڑی پر تشریف لائے ہوئے تھے، ان حضرات نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سارا ماجرا بیان کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''(بہت اچھا ہوا کہ) اللہ نے تم کو ظالموں کے چنگل سے نجات عطا فرما دی''۔ اس کے بعد سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہؓ کے سر پر اپنا دستِ مبارک پھیرا، جس کی برکت سے آپ کا زخم ہمیشہ کے لیے ٹھیک ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ صلح حدیبیہ اور عمرۃ القضاء میں

۶ سنہ ھ میں شاہِ امم، سلطانِ مدینہ، محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرے کے ارادے سے مکۃ المکرمہ کا رُخ کیا اور اِحرام باندھا اور ساتھ میں ہدی کا جانور بھی لے لیا؛ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ جنگ کے اِرادے سے نہیں جا رہے ہیں۔ اِس سفر میں تقریباً چودہ سو صحابۂ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم رِکاب تھے، جن میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ جیسے جلیل القدر صحابہ بھی شامل تھے؛ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ کفارِ قریش نے عمرے کی ادائیگی سے روک دیا اور عمرہ کرنے نہیں دیا۔ بالآخر فریقین کے درمیان صلح ہوئی جس کو ''صلحِ حدیبیہ'' کے نام سے جانا جاتا ہے، جس میں یہ تھا کہ: مسلمان اِس وقت واپس جائیں، آئندہ سال عمرے کے لیے آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں نیز ہتھیار لگا کر نہ آئیں، وغیرہ وغیرہ.....

[اعلام المسلمین ۴/ ۳۶، رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۶۴]

اگلے سال ۷ سنہ ھ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیاری شروع کر دی اور یہ اعلان کروا دیا کہ: عمرے کی قضا کرنے کے لیے تیاری کرنا شروع کر دیں اور جو لوگ صلحِ حدیبیہ میں شریک تھے اُن میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہے۔ اِس حکم کے صادر ہوتے ہی صحابۂ کرامؓ سفر کی تیار میں مشغول ہو گئے۔ ۲/ ذی القعدہ ۷ سنہ ھ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرۃ القضا کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے، جب کوکبۂ نبوی

مکہ میں داخل ہوا تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی کی مہار اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے بڑے جوش وجذبے اور غیرت وحمیت کے ساتھ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

خَلُّوْا بَنِی الْکُفَّارِ! عَنْ سَبِیْلِہٖ		قَدْ نَزَّلَ الرَّحْمٰنُ فِیْ تَنْزِیْلِہٖ
بِأَنَّ خَیْرَ الْقَتْلِ فِیْ سَبِیْلِہٖ		خَلُّوْا فَکُلُّ الْخَیْرِ فِیْ رَسُوْلِہٖ
یَارَبِّ! إِنِّیْ مُؤْمِنٌ بِقِیْلِہٖ		أَعْرِفُ حَقَّ اللّٰہِ فِیْ قَبُوْلِہٖ
نَحْنُ قَتَلْنَاکُمْ عَلٰی تَأْوِیْلِہٖ		کَمَا قَتَلْنَاکُمْ عَلٰی تَنْزِیْلِہٖ
ضَرْبًا یُزِیْلُ الْھَامَ عَنْ مَقِیْلِہٖ		وَیُذْھِلُ الْخَلِیْلَ عَنْ خَلِیْلِہٖ

[اعلام المسلمین ۴/ ۳۶ نقلاً عن ابن ہشام (۳/ ۴۱۵) وتفسیر ابن کثیر (۶/ ۳۶۰۹)]

ترجمہ: کافر کے بچو! رسولِ اَقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راستہ چھوڑ دو، (کیوں کہ) خدائے رحمٰن نے اپنی کتابِ مقدس میں فرمادیا ہے کہ: بہترین موت اللہ کے راستے کی موت ہے۔ ہٹ جاؤ؛ اس لیے کہ ہر بھلائی اُس کے رسول کی راہ میں ہے۔ الٰہی! میں اِس نبی کی باتوں کو دل وجان سے مانتا ہوں، میں جانتا ہوں کہ اللہ ملتا ہے تو نبی کی باتوں کو ماننے سے ہی ملتا ہے۔ اے کافرو! جس طرح ہم نے تم سے بہ موجبِ حکمِ الٰہی قتال کیا تھا، اسی طرح آج اُس کے نبی کی تشریف آوری پر تمھیں ایسی مار ماریں گے، کہ سر دھڑ سے الگ ہوجائے گا اور جگری دوست اپنے دوست کو بھلا بیٹھے گا۔

یہ اشعار سن کر سیدنا حضرت عمرؓ بولے کہ: اور واحہ کے بیٹے! اللہ کے حرمِ مقدس میں اور وہ بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تمھاری یہ مجال کہ تم ایسے نامناسب اشعار پڑھ رہے ہو! اِس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''عمر! رہنے دو، عبداللہ کو اپنا کام کرنے دو، میں سن رہا ہوں، خدا کی قسم! اِن کا کلام مشرکین پر تیر و نشتر کا کام کرتا ہے، اِن کے اشعار اُن کے دلوں کو تیروں کی مانند چھلنی کر رہے ہیں، زبان سے الفاظ نہیں؛ بلکہ کمان سے تیر برس رہے ہیں''۔

[سیر اعلام النبلاء ۲/ ۳۴۷۔ الاصابہ ۲/ ۲۹۹]

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہؓ سے فرمایا کہ: تم یہ کہو: ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَه، وَنَصَرَ عَبْدَه، وَأَعَزَّ جُنْدَه وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَه''. ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنے بندے کی مدد کی اور اس کے لشکر کو زور آور کر دیا اور دشمن کے لشکروں کو اُسی اکیلے اللہ ہی نے شکست دے دی۔

حضرت عبداللہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِرشاد کے مطابق پڑھنا شروع کیا، تو تمام صحابہؓ بھی آواز میں آواز ملا کر یہ الفاظ دہرانے لگے، اس سے ایسی گونج پیدا ہوئی کہ فضا میں ارتعاش پیدا ہو گیا اور کفار کے دل دہل گئے۔

[اعلام المسلمین ۴/ ۳۸۔ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۶۵]

ان ہی لوگوں کے طفیل یہ آسمان و زمین کا نظام قائم و دائم ہے

۷ھ میں جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کو فتح کیا۔ جس میں

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بھی شریک تھے۔تو وہاں کے یہودیوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی کہ: اے محمد! ہم لوگ نخلستانوں کے مالک ہیں، ہمارے پاس بہت سارے کھجور کے باغات ہیں، اور اس کے تمام امورِ زِراعت سے ہم لوگ اچھی طرح واقف ہیں؛ اس لیے تم ہمیں کچھ پیداوار کے عِوض بٹائی پر رکھ لو۔ چناں چہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اُن کی درخواست کو منظور فرما کر اُن کے ساتھ ''مساقات'' کا معاملہ کرلیا۔

جب باغات کے پھل دینے کا وقت آتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو مامور فرماتے کہ خیبر جا کر وہاں کی پیداوار کی قیمت کا تخمینہ لگائیں، اُنھوں نے یہ کام نہایت حسن وخوبی سے انجام دیا۔

ایک مرتبہ اُنھوں نے پیداوار کا تخمینہ لگانے کے بعد وہاں کے یہودیوں سے کہا کہ: ''اگر تم لوگ چاہو، تو ایسا کرو کہ یہ ساری پیداوار تم لے لو اور جتنے کا تخمینہ میں نے لگایا ہے اُس کا آدھا میرے حوالے کردو۔ دوسری شکل یہ ہے کہ پوری پیداوار تو مَیں لے لوں اور تخمینے کے مطابق آدھا تم رکھ لو''۔ حضرت عبداللہؓ نے اُن پر چالیس ہزار وَسق کا تخمینہ لگایا تھا۔ اُن یہودیوں نے ایسا کیا کہ اپنی عورتوں کے زیورات جمع کیے اور حضرت عبداللہؓ کو رِشوت کے طور پر دیتے ہوئے کہا کہ: ''یہ سب تم رکھ لو اور ذرا نرمی کا معاملہ کرتے ہوئے حصے میں کچھ تخفیف کردو''۔ اِس پر حضرت عبداللہؓ نے اُن بد باطن یہودیوں سے کہا کہ: ''او یہودیو! خدا کی قسم! یہ

یاد رکھ لو! ویسے تو تم لوگ میری نگاہ میں اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ مبغوض ہو؛ لیکن اِس کے باوجود مَیں تُم پر ظلم نہیں کرسکتا''۔ یہ سن کر اُن یہودیوں نے کہا کہ: ''بس ایسے ہی افراد ہیں جن کی وجہ سے یہ آسمان وزمین قائم ہیں''۔

[رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۶۳۔ اعلام المسلمین ۴ / ۳۴۔۳۵]

سریۂ موتہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت

۸ھ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''موتہ'' - جو دمشق سے پہلے ملکِ شام کی ایک بستی ہے- کی جانب ایک سریہ روانہ کیا، یہ سریہ اپنے تئیں بہت اہمیت کا حامل ہے اور تاریخ کا ایک تاب ناک باب ہے؛ اس لیے کہ اس میں تین تین جرنیل صحابہؓ نے جامِ شہادت نوش کیا۔ تو آیئے! ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ اِس سریہ کا پس منظر کیا ہے؟ یہ کیوں اور کیوں کر پیش آیا؟

۶ھ میں حدیبیہ کے مقام پر ہونے والی صلح کی وجہ سے تمام راستے مامون ہو گئے تھے؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرادہ کیا کہ حق کی یہ آواز دنیا کے بادشاہوں تک بھی پہنچادی جائے۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف بادشاہوں اور حکمرانوں کے پاس تبلیغی اور دعوتی خطوط اِرسال فرمائے۔ اُن میں سے ایک خط حضرت حارث بن عمیر اَزدیؓ کے ہاتھ بُصریٰ کے حاکم: حارث بن شمر غسانی کے نام بھی بھیجا۔ جب یہ ''موتہ'' پہنچے تو وہاں کے رومی افسر: شُرحبیل بن عمرو غسانی نے اُن سے پوچھا کہ: کہاں جارہے ہو؟ حارث بن عمیرؓ نے جواب دیا کہ: شام جارہا

ہوں۔ اُس رومی افسر نے کہا کہ: کہیں تم محمد کے قاصد تو نہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ: ہاں! بالکل ٹھیک سمجھا، میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد ہی ہوں۔ اُس بد بخت افسر نے حضرت حارث بن عمیرؓ کو گرفتار کر کے شہید کر ڈالا؛ حالاں کہ قاصد اور سفیر کا قتل کسی مذہب اور قانون میں جائز نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے قاصد کی مظلومانہ شہادت کی خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کے دن جمادی الاولیٰ ۸ھ میں حضرت حارث بن عمیرؓ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے تین ہزار مجاہدین کا ایک لشکر تجویز فرما کر حضرت زید بن حارثہؓ کی سرکردگی میں روانہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ: ''اگر زید بن حارثہ شہید کر دیے جائیں تو جعفر بن ابی طالب امیرِ لشکر ہوں گے اور جب وہ بھی شہید ہو جائیں تو لشکر کی قیادت کے فرائض عبداللہ بن رواحہ سرانجام دیں گے اور اگر وہ بھی راہِ حق میں شہید ہو جائیں تو پھر مسلمان جس کو دل چاہے امیر بنالیں''۔

[رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۳۶۹۔ اعلام المسلمین ۴/ ۳۹۔ خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص:۳۰۵]

ایک یہودی بھی اُس موقع پر موجود تھا، اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد سنا تو کہا کہ: یہ تینوں تو ضرور مارے جائیں گے؛ کیوں کہ انبیائے کرام کے اِس قسم کے کلام کا یہی مطلب ہوتا ہے۔ تینوں سپہ سالاروں نے کہا کہ: ہم مانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے نبی ہیں، اگر ہمارے مقدر میں شہادت لکھی ہے تو زہے قسمت!

[خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص:۳۰۶]

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سفید جھنڈا بنا کر حضرت زید بن حارثہؓ کے حوالے فرمایا اور خود مع ایک جماعت کے اُن حضرات کو الوداع کرنے کے لیے مدینہ سے باہر ''ثنیہ'' پہاڑی تک تشریف لے گئے۔ اِس موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو وصیت کی تھی، جی چاہتا ہے کہ اُس تاریخی وصیت کی جھلکیاں ناظرین کو دِکھلاتا چلوں۔ حضرت زید بن ارقمؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''میں تمھیں تاکید کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہنا، مسلمانوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور اُن لوگوں سے جنگ کرنا جو اللہ کے منکر ہیں، دھوکا نہ دینا، خیانت نہ کرنا، اور بچوں کو قتل نہ کرنا''۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیرِ لشکر سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''سنو! جب تم اپنے دشمن سے ملو، تو ان کے سامنے تین باتیں پیش کرنا، اگر اُن میں سے کسی ایک کو بھی مان لیں تو پھر آگے لڑائی مت چھیڑنا: [۱] پہلی بات: سب سے پہلے اُنھیں اِسلام کی دعوت دینا، اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو اُن کے اسلام کو تسلیم کرلینا اور اپنے ہاتھوں کو اُن سے روک لینا۔ پھر اُنھیں ہجرت کا حکم کرنا، اگر وہ ہجرت کے لیے تیار ہو جائیں تو ان کو بتا دینا کہ دیکھو! جو حقوق مجاہدین کو ملتے ہیں وہی اُن کو بھی ملیں گے اور جو فرائض مجاہدین پر عائد ہوتے ہیں وہ اُن پر بھی عائد ہوں گے؛ اور اگر وہ اسلام میں تو داخل ہو جائیں؛ مگر اپنے مقام پر رہنا

چاہیں تو اُن سے کہہ دینا کہ: تمھاری حیثیت دیہاتی مسلمانوں کی سی رہے گی، تم پر اللہ کا حکم نافذ ہوگا، نہ تمھیں مالِ فَیٔ میں سے کچھ ملے گا، نہ مالِ غنیمت میں سے۔ اگر چاہیے تو مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کرنا پڑے گا۔ [۲] دوسری بات: اگر وہ ایمان لانے سے انکار کردیں تو اُن سے جزیہ اور ٹیکس کا مطالبہ کرنا، جزیہ دینے پر راضی ہوجائیں تو پھر تم ان کو کچھ مت کہنا۔ [۳] تیسری بات: اگر وہ جزیہ دینا قبول نہ کریں تو اب اللہ سے مدد مانگنا اور اُن سے جنگ کرنا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورے لشکر کو خطاب کر کے فرمایا:

''تم لوگ اللہ کے نام سے لڑائی شروع کرنا اور شام میں اللہ کے اور اپنے دشمن سے جم کر لڑنا، وہاں تمھیں کچھ لوگ ایسے ملیں گے جو اپنے معبدوں میں گوشہ نشین ہوں گے، اُن سے بالکل تعرض نہ کرنا؛ وہیں تمھیں کچھ لوگ ایسے بھی ملیں گے جن کے بھیجوں میں شیطان گُھسا ہوگا، ایسے لوگوں کو تو تلواروں سے برابر سبق سِکھانا۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ کسی عورت کو مت مارنا، نہ بچوں پر تلوار اٹھانا اور نہ بڑے بوڑھوں پر؛ کھجور کے درختوں کو مت گرانا اور عام درختوں کو بھی مت اکھاڑنا، نیز کسی کا گھر بھی مت ڈھانا''۔ [رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۶۷-۳۶۸]

مجاہدین دھیان سے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیمتی نصیحتوں کو سن رہے تھے، حضرت عبداللہؓ بھی اِن عمدہ نصیحتوں سے محظوظ ہو رہے تھے، ان کی دِلی تمنا تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مزید کچھ باتیں اِرشاد فرمائے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت

عبداللہ بن رواحہؓ کو الوداع کہا تو انھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ: اللہ کے رسول! مجھے کچھ ایسی باتیں ارشاد فرما دیجیے جو میں ہمیشہ یاد رکھوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''عبداللہ! تم ایسے ملک میں جا رہے ہو جہاں سجدہ نہیں ہوتا، تم وہاں جا کر خوب سجدے کرنا''۔ انھوں نے پھر درخواست کی کہ: اللہ کے رسول! اور کچھ فرمائیے! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اللہ کو یاد کرتے رہنا؛ کیوں کہ یہی چیز تمھارے مقصود و مطلوب میں معین و مددگار ثابت ہوگی''۔

اس کے بعد حضرت عبداللہؓ جانے کے لیے اٹھے؛ مگر جاتے جاتے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ: اللہ کے رسول! یقیناً اللہ خود طاق ہیں اور طاق کو پسند بھی فرماتے ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''عبداللہ! تم عاجز نہیں ہو، اگر تم سے دس گناہ بھی ہو جائے، تب بھی (مایوس ہو کر) ایک نیکی کرنے سے بھی پیچھے مٹ ہٹنا''۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ: (میری نجات کے لیے اِسی قدر کافی ہے) اب میں اس کے بعد کچھ نہیں پوچھوں گا۔

[اعلام المسلمین ۴/ ۴۲۔ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۶۸]

بہر حال! دربارِ رسالت سے حکم پا کر جب مجاہدین کا یہ قافلہ مدینۂ منورہ سے روانہ ہونے لگا تو مدینہ میں موجود مسلمانوں نے انھیں دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ رخصت کیا کہ: اللہ تمھیں صحیح سالم واپس لائے۔ حضرت عبداللہؓ کو اُسی وقت پورا یقین ہو گیا کہ اب اِس دنیا میں دوبارہ اِن لوگوں سے ملاقات نہ ہوگی،

اِس موقع پر انھوں نے برجستہ یہ اشعار کہے:

لٰكِنَّنِيْ أَسْأَلُ الرَّحْمٰنَ مَغْفِرَةً	وَضَرْبَةً ذَاتَ فَرْعٍ تَقْذِفُ الزَّبَدَا
أَوْ طَعْنَةً بِيَدَيْ حَرَّانَ مُجْهِزَةً	بِحَرْبَةٍ تَنْفُذُ الْأَحْشَاءَ وَالْكَبِدَا
حَتّٰى يَقُوْلُوْا إِذَا مَرُّوْا عَلٰى جَدَثِيْ	أَرْشَدَهُ اللّٰهُ مِنْ غَازٍ وَقَدْ رَشَدَا

[الاستیعاب فی ہامش الاصابہ ۲/ ۲۸۵]

ترجمہ: میں (واپسی نہیں چاہتا؛ بلکہ میں) تو خدائے رحمٰن سے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ ایک ایسی تلوار ہو جس سے میرے خون کے فوارے چھوٹنے لگیں۔ یا کسی پیاسے دشمن کے ہاتھوں ایسا وار ہو جو جلد میرا کام تمام کردے۔ یا ایسا برچھا ہو جو آنتوں اور کلیجہ کو چیرتا ہوا نکل جائے۔ اور جب لوگ میری قبر پر سے گذریں تو یہ کہہ اٹھیں کہ: اللہ تجھ غازی اور مردِ میدان کو رشید اور کامیاب کرے، واقعی تُو تو رشید اور کامیاب ہی تھا۔

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ثنیۃ الوداع سے واپس تشریف لے جانے لگے تو آپؓ کا جی بھر آیا اور زبان پر بے ساختہ یہ شعر جاری ہو گیا:

خَلَفَ السَّلَامُ عَلٰى امْرِءٍ وَدَّعْتُهُ	فِيْ النَّخْلِ خَيْرَ مُشَيِّعٍ وَخَلِيْلِ

''رہے سلام اُس ذاتِ اقدس پر! کہ جس کو میں نے کھجور کے درختوں کے پاس رخصت کیا جو سب سے بہتر رخصت کرنے والے اور سب سے اچھے دوست ہیں''۔ [رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۶۹]

اس کے بعد یہ حضرات روانہ ہو گئے۔ اِدھر شرحبیل کو بھی اِن کی لشکر کشی کا علم ہوا، وہ ایک لاکھ فوج کے ساتھ مقابلے کے لیے تیار ہوا، اسلامی لشکر نے حدودِ شام میں داخل ہوکر ''معان'' کے مقام پر پڑاؤ ڈالا، تو اُنھیں اطلاع ملی کہ خود شاہِ روم ہرقل بھی شرحبیل کی درخواست پر ایک لاکھ فوج ساتھ لیے ہوئے مقابلے کے لیے آ رہا ہے۔ اِس خبر سے اُن حضرات کو تردد ہوا کہ اِتنی بڑی جمعیت کا مقابلہ کرلیا جائے، یا پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی جائے؛ کیوں کہ مقابلہ بہت سخت ہے، رومی فوج دو لاکھ کی تعداد میں اسلحے سے لیس ہوکر میدان میں اتری ہوئی ہے، جب کہ مجاہدین صرف تین ہزار ہیں، جنگی لحاظ سے مسلمان خطرے میں ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ نے یہ صورتِ حال دیکھی تو بڑے جوش کے ساتھ للکار کر فرمایا کہ:

''اے لوگو! تم کس بات سے گھبرا رہے ہو؟ تم کس چیز کے اِرادے سے نکلے ہو؟ تمھارا مطلوب ومقصود تو راہِ حق میں اپنی جانیں قربان کرنا ہے۔ ہم لوگ کبھی مادی قوت اور آدمیوں کی کثرت کے بَل پر نہیں لڑتے، ہم صرف اُس دینِ حق کی خاطر لڑتے ہیں جس نے ہمیں عزت بخشی ہے۔ آگے بڑھو اور انجام سے بے خبر ہوکر میدان میں کود پڑو، نتیجہ جو بھی ہوگا تمھارے حق میں بہتر ہوگا: مارے گئے تو شہید، بچ نکلے تو غازی!'' [سیر اعلام النبلاء ۲/ ۳۴۹۔ خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۰۷]

ان کی پر جوش تقریر نے پورے مجمع کو گرما دیا، مجاہدین کے دلوں میں شوقِ شہادت کے شعلے بھڑکنے لگے اور وہ سر بہ کف انجام کی پرواہ کیے بغیر ''موتہ''

پہنچ کر رومیوں کی مہیب طاغوتی قوت سے بھڑ گئے۔ امیرِ لشکر حضرت زید بن حارثہؓ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور دادِ شجاعت دیتے ہوئے جامِ شہادت نوش کر گئے۔ پھر اسلامی لشکر کا جھنڈا حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے آگے بڑھ کر تھام لیا اور اپنے گھوڑے کے پاؤں خود ہی کاٹ دیے؛ تاکہ واپسی کا خیال بھی دل میں نہ آئے اور پھر کافروں کے مجمع میں جا گھسے۔ جھنڈا اُن کے دائیں ہاتھ میں تھا، کافروں نے داہنا ہاتھ کاٹ دیا تو فوراً بائیں ہاتھ میں لے لیا، انھوں نے وہ بھی کاٹا تو دونوں بازوؤں سے اس کو تھام کر منھ سے مضبوط پکڑ لیا۔ اِتنے میں پیچھے سے ایک شخص نے وار کر کے اُن کے دو ٹکڑے کر دیے اور اس طرح یہ دوسرے سپہ سالار بھی دیوانہ وار لڑتے ہوئے نوّے زخم کھا کر خلدِ بریں کو سِدھار گئے۔

جب یہ شہید ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِرشاد کے مطابق لوگوں نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو آواز دی، وہ لشکر کے ایک کونے میں گوشت کا ٹکڑا کھا رہے تھے؛ کیوں کہ تین دن سے کچھ چکھنے کو بھی نہ ملا تھا، آواز سنتے ہی گوشت کے ٹکڑے کو پھینک کر اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے - کہ زید و جعفر تو شہید ہو جائیں اور تو دنیا میں مشغول رہے - آگے بڑھے اور پھر شمشیر بہ دست علَم لے کر قتال شروع کر دیا۔ لڑتے لڑتے انگلی میں شدید زخم آیا جس کی وجہ سے وہ لٹک گئی، فوراً گھوڑے سے نیچے اترے اور اس کٹی ہوئی انگلی کو پاؤں سے دَبا کر ہاتھ کھینچ لیا، وہ الگ ہو گئی، اس کو پَرے پھینک دیا اور پھر سوار ہو کر آگے بڑھے؛ مگر بہ کثرت خون نکلنے سے

سخت ناتوانی محسوس ہوئی اور دل میں کچھ تردد سا پیدا ہوا کہ کیسے لڑوں؟ نہ ہمت نہ مقابلے کی طاقت؛ لیکن اس تردد کو تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ فوراً اپنے دل کو مخاطب بنا کر کہا کہ: ''او دل! اب کس چیز کا شوق باقی ہے؟ جس کی وجہ سے تردد ہے، کیا بیوی کا ہے؟ تو جا اس کو تین طلاق، یا غلام کا ہے؟ تو وہ سب آزاد، یا باغ کا ہے؟ تو اُسے میں اللہ کے راستے میں صدقہ کرتا ہوں''۔ [اعلام المسلمین ۴/ ۴۷]

اس کے بعد یہ اشعار پڑھے:

أَقْسَمْتُ يَا نَفْسُ! لَتَنْزِلِنَّهْ	لَتَنْزِلِنَّهْ أَوْ لَتُكْرَهِنَّهْ
إِنْ أَجْلَبَ النَّاسُ وَشَدُّوا الرَّنَّهْ	مَالِيْ أَرَاكِ تَكْرَهِيْنَ الْجَنَّهْ
قَدْ طَالَ مَا قَدْ كُنْتِ مُطْمَئِنَّهْ	هَلْ أَنْتِ إِلَّا نُطْفَةٌ فِيْ شَنَّهْ

[سیر اعلام النبلاء ۲/ ۳۴۷، ۳۴۹۔ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۷۰]

ترجمہ: قسم ہے اے نفس! تجھے اترنا ہوگا، خوشی سے اتر یا ناگواری سے اُتر۔ دیکھ! کافر لوگ (مسلمانوں پر) کھنچے ہوئے چیخ و پکار کرتے ہوئے آرہے ہیں، تجھے کیا ہوا کہ جنت کو پسند نہیں کرتا۔ تجھے اطمینان کی زندگی گزارتے ہوئے ایک زمانہ گذر چکا، سوچ تو، آخر تُو ایک قطرۂ منی ہی تو ہے!

اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے نفس کو تلقین کرتے ہوئے یوں کہا:

يَا نَفْسُ إِنْ لَا تُقْتَلِيْ تَمُوْتِيْ	هٰذَا حِمَامُ الْمَوْتِ قَدْ صَلِيْتِ
وَمَا تَمَنَّيْتِ فَقَدْ أُعْطِيْتِ	إِنْ تَفْعَلِيْ فِعْلَهُمَا هُدِيْتِ

وَإِنْ تَأَخَّرْتِ فَقَدْ شَقِيْتِ

[سیر اعلام النبلاء ۲/ ۳۴۹]

اے نفس! اگر تو قتل نہ ہوا تو ویسے بھی آخر مرے گا، دیکھ! یہ موت کا تقدیر میں لکھا ہوا فیصلہ ہے جس میں تجھے جھونک دیا گیا ہے۔ اور جو تیری تمنا تھی وہ پوری ہو رہی ہے، اگر تو نے ان (شہیدوں: زید و جعفر) جیسے کام کیے تو سمجھ لے کہ تو ہدایت یافتہ ہے۔ اور اگر پیچھے ہٹا تو (سن لے کہ) بدبختی تیرا مقدر بن جائے گی۔

اس کے بعد گھوڑے سے اترے، اتنے میں ان کے چچازاد بھائی گوشت کا ایک ٹکڑا لے کر آئے کہ ذرا سا کھالو اور کمر سیدھی کرلو، کئی دنوں سے کچھ کھایا نہیں ہے۔ ابھی تو وہ ٹکڑا لیا کہ اتنے میں ایک جانب سے ہلّے کی آواز آئی، بس اس ٹکڑے کو وہیں پھینک دیا اور تلوار لے کر میدانِ جنگ میں گھس گئے اور دیر تک تلوار اور نیزے سے دادِ شجاعت دیتے رہے۔ اسی دوران دشمن کے کسی سپاہی نے برچھی کا ایسا سخت وار کیا کہ متحارب صفوں کے درمیان گر گئے، سینے سے خون کا فوارہ چھوٹا تو اس کو اپنے ہاتھوں میں لے کر چہرے پر ملا اور مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا: ''يَامَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! ذُبُّوا عَنْ لَحْمِ أَخِيكُمْ'' اے مسلمانو! اپنے بھائی کے گوشت کو بچاؤ۔ (یعنی میری لاش کی حفاظت کرو، کہیں دشمن خراب نہ کردیں) چناں چہ مسلمانوں نے ایک سخت ہلّا بول کر دشمنوں کو پیچھے دھکیل دیا اور آپؓ کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ اسی اثنا میں اُن کی روح قفسِ عنصری سے روضۂ رضوان کو

سِدھار گئی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ان کی شہادت کے بعد حضرت ثابت بن ارقم انصاریؓ نے آگے بڑھ کر اسلامی علَم اٹھایا اور حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا کہ: آپ ہی اس کشتی کو بھنور سے نکالنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اب آگے بڑھیے اور اس ڈولتی ہوئی ناؤ کو کنارے لگانے میں اپنی خداداد صلاحیتوں کو استعمال کیجیے، میری نظر میں آپ سے بہتر اس لشکر کو سنبھالنے کے لیے ہم میں اور کوئی نہیں ہے، میں اور میرے تمام ساتھی متفقہ طور پر آپ کو اپنا امیر تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے قیادت کے فرائض سرانجام دیتے ہوئے جنگی تاریخ میں ایک ایسا انوکھا کارنامہ رقم کیا کہ جس سے جنگی امور کے ماہرین ورطۂ حیرت میں ہیں کہ دو لاکھ مسلح افواج کے مقابلے میں صرف تین ہزار اور وہ بھی بارہ افراد کو چھوڑ کر سب کے سب صحیح سلامت واپس پلٹنے میں کامیاب ہوجائیں!![رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۱۷۳]

نوٹ: خیال رہے کہ اس واقعہ میں گوشت کے ٹکڑے کے تعلق سے دو طرح کی روایتیں ہیں۔ بعض نے ابتدا میں اور بعض نے درمیان میں ذکر کیا ہے۔ راقم الحروف نے دونوں کو جمع کر دیا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ: جس وقت مسلمان ''موتہ'' کے میدان میں موت اور زندگی کی جنگ لڑ رہے تھے، سینکڑوں میل دور

مدینۂ منورہ میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجدِ نبوی کے منبر پر تشریف فرما تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے اشکوں کی لڑیاں بہہ رہی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک پر یہ الفاظ تھے: ''ابھی جھنڈا زید کے ہاتھ میں ہے..... وہ شہید ہو گئے .....اب جعفر نے لیا..... وہ بھی شہید ہو گئے.....اب جھنڈا عبداللہ نے اپنے ہاتھ میں لیا.....مگر.....مگر وہ بھی شہید ہو گئے''۔ آپ کی آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھا۔ ''اب کی بار نشان لیا خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے .....اور..... بالآخر اللہ نے ان کو دشمن کے مقابلے میں فتح عطا فرمائی''۔ گویا میدانِ جنگ کا پورا نقشہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالکل سامنے تھا اور آپ ایک ایک منظر کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔ اربابِ سیر نے اِس واقعے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں شمار کیا ہے۔

[صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۴۲۶۲]

اِسی واقعے کی قدرے تفصیل ذرا علامہ واقدیؒ کی زبانی سنیے! جب مسلمان موتہ کے میدان میں برسرِ پیکار تھے تو اُس کا پورا نقشہ بطورِ معجزہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہوں کے سامنے تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہو کر اِرشاد فرما رہے تھے کہ:

''اسلامی علَم زید بن حارثہ نے لیا تو اُن کے پاس شیطان آیا اور اُن کے دل میں دنیوی زندگی کی محبت اور موت کی نفرت پیدا کرنے لگا، زید نے کہا: اب جب کہ مسلمانوں کے دلوں میں ایمان راسخ ہو چکا ہے، تُو میرے دل میں دُنیا کی محبت

بٹھانا چاہتا ہے؟! یہ کہہ کر آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو دعا دی اور فرمایا کہ: تم لوگ بھی اس کے لیے استغفار کرو، یقیناً وہ تو دوڑتا ہوا جنت میں داخل ہو گیا ہے۔ اس کے بعد جھنڈا جعفر بن ابی طالب نے لیا، اُن کے پاس بھی شیطان آ کر وسوسہ ڈالنے لگا، جعفر نے شیطان کے وسوسے کو جھاڑتے ہوئے قدم آگے بڑھایا، اور وہ بھی دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے حق میں بھی دعا کی اور فرمایا کہ: تم لوگ بھی اپنے بھائی کے لیے مغفرت کی دعا کرو، وہ بھی شہید ہو کر جنت میں داخل ہو گیا ہے، وہ تو جنت میں جہاں چاہے یاقوت کے پَروں کے ذریعے اُڑتا پھرتا ہے۔ اب نِشان عبداللہ بن رواحہ نے اپنے ہاتھ میں لیا اور لڑتے لڑتے وہ بھی شہید ہو کر جنت میں داخل ہو گئے؛ مگر کچھ رُکاوٹ کے بعد۔''

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بات سن کر حضراتِ انصار رضی اللہ عنہم کو بڑا شاق گذرا اور اُن کے چہرے متغیر ہو گئے، کسی نے پوچھا کہ: اللہ کے رسول! کونسی رُکاوٹ آڑے آ گئی تھی؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بس ایک زخم اُن کو لگ گیا تھا، جس سے وہ پیچھے ہٹنے لگے تھے، پھر فوراً اپنے نفس کو مذمت کرتے ہوئے آگے بڑھے؛ یہاں تک کہ بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا اور جنت میں داخل ہو گئے''۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''خواب میں میرے سامنے

جنت کے اندر اِن تینوں کو سونے کی نشستوں پر بٹھا کر لایا گیا، میں نے عبداللہ بن رواحہ کی چارپائی کو اُن کے ساتھیوں سے الگ پایا (دوسرا مطلب: میں نے عبداللہ بن رواحہ کا تخت ہلتے ہوئے پایا)، وہ اس لیے کہ اُن کے دونوں ساتھی تو بلا جھجھک میدان میں کود پڑے تھے؛ لیکن عبداللہ کو ابتداءً ہلکا سا (زخم آنے کی وجہ سے) تردد ہو گیا تھا''۔ [رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۹۳۔ اعلام المسلمین ۴/ ۴۹]

احوال ومناقب

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ وہ ممتاز صحابی ہیں، جن کی زندگی اسلام کے بعد از اول تا آخر پاکیزہ اَعمال، نمایاں کردار اور تاریخی کارناموں سے عبارت ہے۔ ان کے صحیفۂ حیات میں سبقت فی الاسلام، محبت واطاعتِ رسول، غیرتِ دینی، شغفِ عبادت وذکرِ الٰہی، خَشْیَتِ الٰہی اور شوقِ جہاد وشہادت سب سے نمایاں ابواب ہیں۔ ایک محقق آپ کے دینی ومعاشرتی، انفرادی واجتماعی فضائل سن کر اور دیکھ کر آپ کو عظمائے اسلام کے طبقۂ اولیٰ میں شمار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ آپ کی نظر میں دنیا کی سعادت اور نیک بختی کوئی نیک بختی نہ تھی؛ بلکہ اصلی سعادت تو وہ ہے جو آخرت میں ملے، جس کا حصول بغیر تقویٰ کے ممکن نہیں؛ اس لیے آپ دیکھیں گے کہ حضرت عبداللہؓ کے دل ودماغ پر ہر گھڑی آخرت کی فکر سوار، ان کی زبان پر ہر وقت تقویٰ اور اہلِ تقویٰ کی باتیں، عملِ صالح اور صالحین کے تذکرے ہیں، ہمیشہ یہی کہہ رہے ہیں کہ: انسانوں کو خدائے خالق کے سامنے کل قیامت میں پیش

کیا جائے گا؛ ہر ایک کو پُل صراط پر سے گذرنا پڑے گا؛ اللہ نے ہر ہر چیز کو گن گن کر محفوظ کر رکھا ہے؛ موت ایک اٹل حقیقت ہے جس میں کوئی شک نہیں اور ہر شخص کو ضرور اپنے انجام پر نظر رکھنی چاہیے وغیرہ وغیرہ۔ اسی اخروی سعادت کو حاصل کرنے کے لیے ماقبل میں ہم نے دیکھا کہ راہِ شہادت کی طرف اپنے آپ کو دھکیل دھکیل کر لے جا رہے ہیں اور بالآخر سعیٔ مسلسل کے بعد اس کو حاصل کر ہی لیا۔

حضرت عبداللہؓ اور قرآن

آپؓ اگر ایک طرف ماہر شہ سوار، معرکۂ کارزار میں پیش پیش رہنے والے اور شعر و شاعری کے ذریعے دشمنانِ اسلام کو دنداں شکن جواب دینے والے تھے، تو وہیں دوسری طرف قرآن فہمی، احکامِ الٰہی میں غور و خوض اور اس کے ظاہری و باطنی انوارات سے فیض یابی میں بھی نمایاں تھے۔ آیئے! ذرا ہم عبداللہ بن رواحہؓ کے نہاں خانۂ دل میں داخل ہو کر اُن کے ساتھ قرآنِ کریم کے چمن کی سیر کرتے ہیں:

وہ آیتیں جو آپؓ کے متعلق نازل ہوئیں

چناں چہ کچھ آیتیں ہیں جن کے متعلق مفسرین نے کہا ہے کہ: وہ حضرت عبداللہؓ سے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت عبداللہؓ کے دل میں ایمان کی کیا عظمت تھی؟

﴿وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ﴾ ترجمہ: یقیناً ایک مؤمن باندی کسی بھی مشرک عورت سے بہتر ہے، خواہ وہ مشرک عورت تمھیں

پسند آرہی ہو۔ (توضیح القرآن، سورۃ البقرۃ:۲۲۱)

تفسیر کے مشہور مفسر امام سدیؒ فرماتے ہیں کہ: یہ آیت حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے متعلق نازل ہوئی۔ ہوا یہ تھا کہ: ان کی ایک کالی کلوٹی باندی تھی، ایک مرتبہ نہ جانے کیا ہوا کہ غصے میں انھوں نے اُس کو ایک طمانچہ مار دیا، پھر بعد میں خود ان کو شرمندگی ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ کہہ سنایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ: ''عبداللہ! وہ کیسی ہے؟ اس کا حال کیا ہے؟'' انھوں نے کہا کہ: اللہ کے رسول! وہ تو روزہ رکھتی ہے، نماز بھی پابندی سے پڑھتی ہے، وضو بھی اچھی طرح کرتی ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان بھی رکھتی ہے۔ اِس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''پھر تو یہ باندی مؤمن ہے''، اتنا کہنا تھا کہ حضرت عبداللہؓ نے فوراً کہا: اے اللہ کے رسول! اَب تو میں اس کو آزاد کر کے اُس سے شادی کرلوں گا۔ جب انھوں نے آزاد کر کے اس سے شادی کرلی، تو بعض حضرات نے اُن کو بہت طعنے دیے، کہ باندی سے شادی کرلی! اِس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورۂ بالا آیتِ کریمہ نازل فرمائی اور یہ بتلادیا کہ: تم خوبصورتی پر مت مرو؛ بلکہ یہ دیکھو کہ اس کے دل میں ایمان ہے یا نہیں۔

[رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۷۴ نقلاً عن ابن کثیر ۱/ ۲۵۹ والقرطبی ۳/ ۷۹، ۸۰)]

(۲) حضرت عبداللہؓ کی مہمان نوازی

[۱] آپؓ کے متعلق یہ مشہور تھا کہ آپؓ بڑے سخی اور مہمان نواز تھے،

مہمانوں کی تعظیم وتکریم میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے تھے، جو کچھ بروقت میسر ہوتا فوراً خدمت میں پیش کردیتے۔ اسلام لانے کے بعد تو اِس سخاوت ومہمان نوازی میں چار چاند لگ گئے، اب تو اور زیادہ یتیموں اور مسکینوں کو پہنانے اُڑھانے لگے، بھوکوں کو کھلانے پلانے لگے، اور لطف ومہربانی کا خاص خیال رکھنے لگے۔ چناں چہ مروی ہے کہ ایک مرتبہ ان کے گھر پر کوئی مہمان اور کچھ یتیم بچے بیٹھے ہوئے تھے، رات کو جب اپنے کام سے فارغ ہوئے تو ان سے آکر پوچھا کہ: کیا تم لوگوں نے کھالیا؟ اُن لوگوں نے کہا کہ: ہم نے تو آپ کے انتظار میں کھانا نہیں کھایا ہے۔ اس پر اُنھوں نے مارے طیش کے قسم کھالی کہ: بخدا! میں بھی آج رات کھانا نہیں کھاؤں گا۔ اُنھوں نے حلف اٹھایا، تو مہمان اور یتیموں نے بھی کہا کہ: واللہ! ہم بھی نہیں کھائیں گے۔ جب حضرت عبداللہؓ نے یہ ماحول دیکھا کہ یہ لوگ تو کھانا نہیں کھائیں گے، اِن کو میری وجہ سے خواہ مخواہ بھوکا رہنا پڑے گا۔ تو اُنھوں نے پہلے کھانا شروع کیا، اُن کے شروع کرنے پر مہمانوں نے بھی کھانا شروع کردیا۔ صبح کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر سارا ماجرا بیان کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اچھا ہوا کہ تم نے خدائے رحمٰن کی اطاعت کی اور شیطان کی مخالفت کی''۔ اِسی پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ﴾ ترجمہ: اللہ تمھاری لغو قسموں پر تمھاری پکڑ نہیں کرے گا؛ لیکن جو قسمیں تم نے پختگی

کے ساتھ کھائی ہوں، اُن پر تمھاری پکڑ کرے گا۔

(توضیح القرآن، المائدۃ:۸۹) [رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۳۷۶ نقلاً عن القرطبی ۶/ ۲۶۵]

[۲] اسی سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ: ان کے گھر پر ایک مہمان آیا، اُس وقت حضرت عبداللہؓ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے تھے، جب اپنے گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ گھر والوں نے ابھی تک مہمان کو کھانا نہیں کھلایا ہے، اُنھوں نے غصے میں آکر اپنی بیوی سے کہا کہ: تم نے میری وجہ سے میرے مہمان کو کھانا نہیں دیا! جا کھانا مجھ پر حرام (یعنی میں قسم کھاتا ہوں کہ کھانا نہیں کھاؤں گا)، اُن کے قسم کھاتے ہی بیوی نے بھی قسم اُٹھالی کہ: مجھ پر بھی کھانا حرام، میں بھی نہیں کھاؤں گی۔ اِدھر جیسے ہی میاں بیوی نے قسم کھائی، اُدھر مہمان نے بھی یہ منظر دیکھ کر قسم کھالی کہ: میں بھی نہیں کھاؤں گا۔ حضرت عبداللہؓ نے یہ گرما گرم ماحول دیکھا تو کھانے پر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ: چلو بھائی! اللہ کا نام لے کر شروع کرو۔ صبح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جب یہ سارا قصہ بیان کیا، تو یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ﴾ ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ نے جو پاکیزہ چیزیں تمھارے لیے حلال کی ہیں اُن کو حرام قرار نہ دو، اور حد سے تجاوز نہ کرو، یقین جانو کہ اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

(توضیح القرآن، سورۃ المائدۃ:۸۷) [اعلام المسلمین ۴/ ۶۲ نقلاً عن ابن کثیر ۲/ ۶۲۷]

(۳) حضرت عبداللہؓ کی شاعری کی تائید بہ زبانِ الٰہی

تفسیر کی کتابوں میں یہ بات موجود ہے کہ: جب یہ آیتِ کریمہ ﴿وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ﴾ (رہے شاعر لوگ، تو اُن کے پیچھے تو بے راہ لوگ چلتے ہیں۔ [توضیح القرآن، الشعراء: ۲۲۴]) نازل ہوئی تو دربارِ رسالت کے تین شعرا: حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت کعب بن مالکؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بہت ہی زیادہ پریشان ہوئے اور خوفِ الٰہی سے لرز اُٹھے اور روتے ہوئے دربارِ رسالت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اُسے تو علم تھا کہ ہم سب بھی شاعر ہیں! تو پھر.....؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آگے والی آیت نازل فرمائی (یا بعض روایتوں کے مطابق: خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ارے! آگے کی آیت بھی تو پڑھو): ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا﴾ (ہاں مگر وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک عمل کیے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا اور اپنے اُوپر ظلم ہونے کے بعد اُس کا بدلہ لیا۔ [توضیح القرآن، الشعراء: ۲۲۷]) تم بھی تو مشرکین کو جواب دے کر بدلہ لیتے ہو، اور مؤمن تو اپنی جان، اپنی تلوار اور اپنی زبان؛ ہر چیز سے جہاد کرتا ہے، خدا کی قسم! تمھارے اَشعار اُن پر تیر و نشتر کا کام کرتے ہیں۔

[طبقات ابن سعد ۳/۸۱۔ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۷۷]

(۴) حضرت عبداللہؓ کے ایمان کی شہادت بہ زبانِ رسالت

آگے بڑھیے! آیئے میرے ساتھ سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں، دیکھیے! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبداللہؓ کے متعلق کیسی عظیم شہادت دے رہے ہیں۔

جب آیتِ کریمہ: ﴿وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا﴾ (یعنی: اور اگر ہم اُن کے لیے یہ فرض قرار دے دیتے کہ تم اپنے آپ کو قتل کرو، یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اُن میں سے تھوڑے سے لوگوں کے سوا کوئی اِس پر عمل نہ کرتا۔ اور جس بات کی اُنھیں نصیحت کی جارہی ہے اگر یہ لوگ اُس پر عمل کر لیتے تو اُن کے حق میں کہیں بہتر ہوتا اور اُن میں خوب ثابت قدمی پیدا کر دیتا۔ [توضیح القرآن، النساء: ٦٦]) نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کو پڑھ کر سنائی، تو اُسی وقت حضرت عبداللہؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: "لَوْ أَنَّ اللّٰهَ كَتَبَ ذٰلِكَ لَكَانَ هٰذَا مِنْ أُولٰئِكَ الْقَلِيلِ - يَعْنِي ابْنَ رَوَاحَةَ" کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ حکم نازل کر دیتے تو یہ شخص (یعنی عبداللہ بن رواحہؓ) اُن قلیل لوگوں میں سے ہوتے جن کا آیتِ کریمہ میں استثنا کیا گیا ہے۔

[اعلام المسلمین ۴/ ۶۱۔ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۷۵ ۳ نقلاً عن ابن کثیر ۱/ ۵۲۳]

قرآنِ کریم کے معانی میں حضرت عبداللہؓ کی نگاہِ دوررس

حضرت عبداللہؓ کے بارے میں یہ بات بہت معروف ہے کہ قرآنِ کریم

کے معانی کو سمجھنے میں آپؓ نگاہِ دور بیں رکھتے تھے۔ قرآن فہمی میں آپؓ کی گہرائی و گیرائی کا اندازہ اُس روایت سے لگایا جاسکتا ہے جس کو ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے، وہ یہ ہے کہ: قرآنِ مجید کی اِس آیتِ کریمہ ﴿مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا﴾ میں ایک لفظ ہے ''مُّقِيْتًا''، عربی میں اِس کے کئی معانی آتے ہیں، مثلاً: ''اَلْحَفِيْظُ'' (حفاظت کرنے والا)، ''اَلشَّهِيْدُ'' (ہر چیز کو دیکھنے والا، گواہی دینے والا)، ''اَلْحَسِيْبُ'' (حساب لینے والا)، ''اَلْقَدِيْرُ'' (قدرت رکھنے والا) اور ''اَلرَّزَّاقُ'' (روزی پہنچانے والا)؛ مگر جب حضرت عبداللہ سے اِس کا معنی دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب میں اِرشاد فرمایا: ''مُقِيْتٌ لِكُلِّ إِنْسَانٍ بِقَدْرِ عَمَلِهٖ'' یعنی اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اُس کی کوشش اور عمل کے بقدر روزی دیتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ کلمہ ''مُقِيْتٌ'' مشتق ہے ''قُوْتٌ'' سے اور یہ اُس کیفیت کو کہتے ہیں جب انسان اپنے نفس کو قابو میں رکھ کر اُس کی نگرانی کرتے ہوئے اُس کی حفاظت کرتا ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ نفس کو کنٹرول میں کرنا اور اس کو قابو میں رکھنا کوئی آسان کام ہے؟۔ [اعلام المسلمین: ۴/ ۶۴ نقلاً عن الکشاف وابن کثیر]

فکرِ آخرت اور اس کا استحضار

حضرت عبداللہؓ کی زندگی کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں گذرتا تھا جس میں خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کی وجہ سے آپؓ کے آنسو نہ بہتے

ہوں، ہر وقت اللہ کی قدرت اور آیاتِ قرآنیہ اور اس کے معانی ومفاہیم کے دریائے ناپیدا کنار میں غوطہ زن رہتے۔ کچھ آیتیں ایسی تھیں جن پر پہنچ کر آپؓ ہمیشہ روتے روتے ٹھہر جاتے۔ ایک مرتبہ اُن کا سر اُن کی اہلیہ کی گود میں تھا، معلوم نہیں کیا ہوا کہ رونے لگے، اُن کو دیکھ کر اُن کی بیوی بھی رونے لگی۔ اُنھوں نے بیوی سے پوچھا کہ: تم کیوں رو رہی ہو؟ بیوی نے جواب دیا کہ: میں نے آپ کو روتا دیکھا تو مجھے بھی رونا آ گیا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ: مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یاد آ گیا ﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا﴾ (یعنی: اور تم میں سے کوئی نہیں ہے جس کا اُس دوزخ (یعنی پُل صراط) پر سے گذر نہ ہو۔ [توضیح القرآن مع حاشیہ، سورۃ مریم:۷۱]) معلوم نہیں میرا انجام کیا ہوگا؟ میں اُس سے بچ بھی پاؤں گا یا نہیں؟

[اعلام المسلمین ۴/ ۶۰۔ رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۳۷۶ نقلاً عن ابن کثیر ۳/ ۱۳۲]

ایک عجیب لطیفہ

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اپنی بیوی کے پہلو میں لیٹے ہوئے تھے، اُنھوں نے دیکھا کہ بیوی کی آنکھ لگ گئی ہے تو وہ اُٹھ کر چپکے سے اپنی باندی کے پاس پڑوس والے کمرے میں چلے گئے۔ اِتنے میں اُن کی بیوی کی آنکھ کھل گئی، گھبرائی کہ وہ گئے کہاں؟ بستر پر نہیں ہیں!! اُٹھ کر باہر گئیں اور اُن کو دیکھ لیا۔ بس پھر کیا تھا، گھر آئیں اور ہاتھ میں چاقو لے کر باہر نکلیں۔ سامنے سے حضرت عبداللہؓ آ رہے تھے، اُنھوں نے دیکھا کہ مہارانی جی تو چاقو لے کر آ رہی ہیں!

آخر کیا بات ہے؟ پوچھا کہ: یہ چاقو لے کر کہاں جا رہی ہو؟ بیوی نے کہا کہ: یہ سب میں کیا دیکھ رہی ہوں! واللہ! جہاں میں آپ کو دیکھ کر گئی تھی اَبھی اگر آپ وہیں ملتے تو اُسی حالت میں پیچھے سے چاقو گھونپ دیتی۔ پوچھا کہ: تم نے مجھے کہاں دیکھا؟ بیوی نے کہا: آپ نے آزاد بیوی کے ہوتے ہوئے باندی کو ترجیح دی؟ حضرت عبداللہؓ نے کنایتاً اِنکار کر دیا۔ بیوی نے کہا: اگر آپ کی بات سچ ہے تو قرآن کی کوئی آیت پڑھ کر سنایئے! (یہ اس لیے کہا کہ جنبی شخص قرآن نہیں پڑھ سکتا) اِس پر اُن کو ایک عجیب ترکیب سوجھی، اُنھوں نے بروقت شعر پڑھ کر سنایا:

شَهِدْتُ بِأَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ	وَأَنَّ النَّارَ مَثْوَى الْكَافِرِيْنَا

یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کا وعدہ سچ ہے اور یہ کہ جہنم کافروں کا ٹھکانہ ہے۔

بیوی نے کہا کہ: اور کوئی آیت پڑھ کر سناؤ، تو اُنھوں نے مزید دو اشعار کہے:

وَأَنَّ الْعَرْشَ فَوْقَ الْمَاءِ حَقٌّ	وَفَوْقَ الْعَرْشِ رَبُّ الْعَالَمِيْنَا
وَتَحْمِلُهُ مَلَائِكَةٌ كِرَامٌ	مَلَائِكَةُ الْإِلٰهِ مُقَرَّبِيْنَا

[سیر اعلام النبلاء ۲/ ۳۴۷۔ الاستیعاب فی ہامش الاصابہ ۲/ ۲۸۷]

میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ عرش پانی کے اوپر تیر رہا ہے اور عرش کے اوپر سارے جہاں کا پروردگار ہے، اُس عرش کو اللہ کے مقرب اور معزز فرشتے اُٹھائے ہوئے ہیں۔

اُن کی بیوی چوں کہ قرآن پڑھی ہوئی نہیں تھیں، سمجھیں کہ قرآن کی آیت

پڑھ رہے ہیں؛ اس لیے کہنے لگیں کہ: اللہ نے بالکل سچ فرمایا، میری نظر نے غلطی کی۔ صبح آپؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرانے لگے اور اِتنا مُسکرائے کہ آپ کے دندانِ مبارک نظر آنے لگے۔

حضرت عبداللہؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایۂ شفقت میں

تمام اہلِ سیر نے تواتر کے ساتھ یہ بات بیان کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ سے بے حد محبت تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن پر بڑی شفقت کا معاملہ فرماتے تھے۔ ذیل میں اس کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عیادت کے لیے جانا اور دعا دینا

ایک مرتبہ حضرت عبداللہؓ سخت بیمار ہو گئے؛ یہاں تک کہ اُن پر غشی طاری ہونے لگی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو اُن کی عِیادت کے لیے تشریف لے گئے اور اُن کے پاس کھڑے ہو کر یہ دعا مانگی: ''اَللّٰھم إِنْ کَانَ قَدْ حَضَرَ أَجَلُهُ فَیَسِّرْ عَلَیْهِ، وَإِنْ لَمْ یَکُنْ حَضَرَ أَجَلُهُ فَاشْفِهِ'' اے اللہ! اگر اِن کی موت آ چکی ہو تو اِن کے لیے (موت کی سختیاں) آسان فرما دے؛ ورنہ- اے اللہ!- تو اِنھیں شفا دے دے۔

جب بیماری سے کچھ راحت ملی تو اُنھوں نے عرض کیا کہ: یا رسولَ اللہ! جس وقت میری والدہ کہہ رہی تھیں کہ: ہائے پہاڑ! ہائے میرا سہارا! اُس وقت ایک فرشتہ لوہے کا گُرز اٹھا کر کہتا تھا کہ: بتا کیا تو واقعی ایسا ہے؟ اگر میں ''ہاں'' کہہ

دیتا تو وہ میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا۔

[طبقات ابن سعد ۳/ ۸۲۔ سیر اعلام النبلاء ۲/ ۳۴۶۔ الاصابہ ۲/ ۲۹۸۔۲۹۹]

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ: ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، اُس وقت وہ اپنے بستر پر لیٹے ہوئے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''تم لوگوں کو معلوم ہے کہ میری اُمت کے شہدا کون ہیں؟'' لوگوں نے بتایا کہ: کسی مسلمان کا قتل ہو جانا: شہادت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تب تو میری امت کے شہدا کی تعداد بہت کم ہو جائے گی۔ (سن لو!) جو ناحق مقتول ہو جائے وہ بھی شہید ہے، پیٹ کی بیماری میں مر جائے وہ بھی شہید، ڈوب کر مر جائے وہ بھی شہید اور عورت اپنے پیٹ کے بچے کی وجہ سے مر جائے تو وہ بھی شہید ہے''۔ [طبقات ابن سعد ۳/ ۸۱]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے کچھ نمونے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبداللہؓ سے اتنی محبت کرتے تھے کہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے متعلق فرمایا: ''نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ'' کہ عبداللہ بن رواحہؓ بہت اچھے آدمی ہیں۔ [الاصابہ ۲/ ۲۹۸]

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں حضرت عبداللہ کا مرتبہ اِتنا اونچا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے لیے ''أَخِيْ'' (میرا بھائی) کا لفظ استعمال فرمایا، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و شفقت کا بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ چناں چہ آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''رَحِمَ اللّٰہُ أَخِي عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ رَوَاحَۃَ، کَانَ أَیْنَمَا أَدْرَکَتْہُ الصَّلَاۃُ أَنَاخَ'' اللہ میرے بھائی: عبداللہ بن رواحہ پر رحم فرمائے، وہ جہاں بھی جاتے ہیں، اگر نماز کا وقت آجائے تو فوراً اپنی سواری سے اتر کر نماز ادا کرتے ہیں۔ [رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۸۷ ۳ نقلاً عن الطبرانی]

سکے کا ایک رُخ تو آپ نے دیکھ لیا، اب سکّے کا دوسرا رُخ بھی دیکھتے چلیے، کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت، الفت اور عقیدت کا جذبہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے نہاں خانۂ دل میں کتنا کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا!

اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جذبۂ بے مثال

ایک مرتبہ حضرت عبداللہؓ بڑے ذوق وشوق سے مسجدِ نبوی کی طرف آرہے تھے، اُس وقت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ اِرشاد فرمارہے تھے، یہ ابھی دروازے کے باہر ہی تھے کہ عین اُس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ جملہ نکلا کہ ''بیٹھ جاؤ، کھڑے مت رہو!'' (یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا تھا جو مسجد کے اندر کھڑے تھے)۔ یہ حکم سنتے ہی اُن کے قدم زمین میں گڑ گئے اور فوراً وہیں جوں کے توں بیٹھ گئے۔

دردمندوں سے نہ پوچھ، کہاں بیٹھ گئے
تیری محفل میں غنیمت ہے جہاں بیٹھ گئے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبے سے فارغ ہوئے تو کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے

اُن کا حال بیان کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اس جاں نثار صحابی کی یہ ادا بہت پسند آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش ہو کر ان کے حق میں دعا فرمائی: ''زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا عَلٰى طَوَاعِيَةِ اللّٰهِ وَطَوَاعِيَةِ رَسُوْلِهٖ'' اللہ تعالیٰ تمھارے، اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کے جذبے میں مزید اضافہ فرمائے۔

[سیر اعلام النبلاء ۲/ ۳۴۶۔ الاصابہ ۲/ ۲۹۸]

نکلتے نکلتے بھی صحبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمنا

حضرت عبداللہؓ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ کٹھن سے کٹھن وقت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ ماقبل میں گذر چکا ہے کہ سریۂ موتہ کے لیے روانگی جمعہ کے دن ہوئی۔ چناں چہ پورا لشکر نمازِ جمعہ سے پہلے مدینہ سے نکل کر ''جُرف'' کے مقام پر پہنچ چکا تھا؛ مگر حضرت عبداللہؓ مدینہ ہی میں رہے اور جمعہ کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ادا کی۔ جب نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو دیکھا تو دریافت فرمایا کہ: ''تم کیوں ابھی تک نہیں گئے؟'' اُنھوں نے کہا کہ: میں آپ کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کرنا چاہتا تھا۔ اُسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: ''لَغَدْوَةٌ أَوْ رَوْحَةٌ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا'' ایک صبح یا ایک شام اللہ کے راستے میں گزارنا؛ یہ دنیا اور دنیا کی ساری چیزوں سے بہتر ہے۔

[رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۷۸]

حضرت عبداللہؓ کی بے باکی منافقوں کے مقابلے میں

صحیح بخاری میں ہے کہ: ایک مرتبہ (قیامِ مدینہ کے ابتدائی ایام میں) نبیٔ

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سواری پر سوار ہوکر سید الخزرج: حضرت سعد بن عُبادہؓ کی عیادت کے لیے تشریف لے جارہے تھے، راستے میں ایک مجلس میں کچھ مسلمان، منافقین اور مشرکین یکجا بیٹھے ہوئے تھے، اُن میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بھی موجود تھے اور منافقوں کا سردار، مسلمانوں کا دشمنِ عیار ومکار: عبداللہ بن اُبی بن سلول بھی تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری وہاں سے گذری تو اُس نے اپنی ناک پر چادر رکھ کر کبیدہ خاطری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ: یہاں گرد مت اُڑاؤ، اپنا گدھا پَرے ہٹاؤ، اِس کی بدبو نے میرا دماغ خراب کردیا ہے۔ اُس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ مجلس کو سلام کیا اور سواری سے اُتر کر اُنھیں وحدانیت کی دعوت دینے لگے۔ اِس پر عبداللہ بن اُبی نے بڑی تُنک مزاجی سے کہا کہ: محمد! تمھاری باتیں مجھے اچھی نہیں لگتی ہیں، اگر تمھاری بات سچ ہے تو جا کر اُن لوگوں کو سناؤ جو خود چل کر تمھارے پاس آئیں، یہاں آکر ہمیں پریشان نہ کرو۔

حضرت عبداللہؓ بھی یہ منظر دیکھ رہے تھے، اِبنِ اُبی کی گستاخانہ باتیں سن کر تڑپ اٹھے، اُن سے رہا نہیں گیا، بڑے جوش کے ساتھ کہنے لگے کہ: ''یارسولَ اللہ! (ہمارے ماں باپ آپ پر قربان!) آپ ضرور ہماری مجلس میں تشریف لائیے، آپ کا ہر حکم سر آنکھوں پر'' (آپ کی تشریف آوری سے تو ہماری قسمت جاگ اُٹھی ہے، آپ کے چہرۂ انور کا دیدار ہمارے لیے سرمایۂ حیات ہے، آبِ کوثر سے دُھلی ہوئی آپ کی باتیں ہمارے لیے مصر کی ڈَلیاں ہیں، آپ کے وُجودِ

اَطہر کی خوش بو سے سرزمینِ مدینہ معطر ہوگئی ہے)۔[بخاری شریف، رقم الحدیث:۲۶۹۱]

یہ دراصل ابنِ اُبی کے سِفلی جذبات واحساسات پر حضرت عبداللہؓ کی طرف سے ایک تازیانہ برسایا گیا تھا؛ تاکہ دشمن کو معلوم ہوجائے کہ سرورِ دوجہاں کے شیدائی اپنے دلوں میں کیا جذبۂ عشق رکھتے ہیں اور عقیدت ومحبت کا والہانہ انداز کیسا ہوا کرتا ہے؟۔

حضرت عبداللہؓ کی مرویات کی ایک جھلک

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے صحیفۂ حیات کی ورق گردانی سے آپ نے معلوم کرلیا ہوگا کہ اُن کو سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس درجہ محبت وعقیدت تھی۔اُن کی محبت کا تو یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا کی زیارت سے طبیعت کبھی سیر نہیں ہوتی تھی، اپنے ایک شعر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہوکر اپنے دِلی جذبات کا یوں اظہار کرتے ہیں:

لَوْلَمْ تَكُنْ فِيهِ اٰيَاتٌ مُبَيِّنَةٌ	كَانَتْ بَدِيْهَتُهُ تُنْبِئُكَ بِالْخَبَرِ

یارسولَ اللہ! اگر آپ میں کھلی ہوئی نشانیاں نہ بھی ہوتیں جب بھی آپ کا روئے انور رسالت کی خبر دینے اور آپ کو رسولِ برحق ثابت کرنے کے لیے کافی تھا۔ [الاصابۃ ۲/۲۹۹۔خیر البشر کے چالیس جاں نثار،ص:۳۱۳]

ظاہر سی بات ہے کہ اِس قدر محبت، ہر وقت مجلس میں حاضری اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ہر بات پر عمل کرنے کا جذبہ؛ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے

کہ آپؓ کے پاس احادیث کا عظیم ذخیرہ ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت آپؓ سے روایت نقل کرتی ہے، جن میں حضرات: عبداللہ بن عباسؓ، اسامہ بن زیدؓ، انس بن مالکؓ، نعمان بن بشیر اور ابو ہریرہؓ وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ تابعین میں سے بھی بہت سوں نے اُن سے مرسلاً روایت کی ہیں، جن میں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؒ، عکرمہؒ اور عطاء بن یسارؒ وغیرہ حضرات کا نام آتا ہے۔

چناں چہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالے سے امام دارقطنیؒ نے ایک روایت ذکر کی ہے: حضرت ابن عباسؓ نقل کرتے ہیں کہ: عبداللہ بن رواحہؓ نے فرمایا: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں جنابت کی حالت میں قرآنِ کریم پڑھنے سے منع فرمایا ہے''۔

اسی طرح حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؒ کی ایک روایت مسندِ احمد میں آئی ہے جو اُنھوں نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ سے مرسلاً نقل کی ہے۔ راقم الحروف نے اِس کو تفصیل کے ساتھ باب: حیات وخدمات اول میں ''غزوۂ مریسیع سے واپسی پر'' کے عنوان کے تحت ذکر کر دیا ہے۔

حضرت عبداللہؓ، صحابہ کے ساتھ

وہ ایسی محفل سجانا چاہتا ہے جس پر ملائکہ بھی فخر کرتے ہیں

حضرت عبداللہ کو ذکرِ الٰہی سے بڑا شغف تھا اور مجالسِ وعظ وذکر میں بیٹھ

کر اُن کو بے انتہا روحانی لذت حاصل ہوتی تھی۔ چناں چہ اُن کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب وہ کسی صحابی سے ملتے تو اُس سے کہتے کہ: ''آؤ بھائی! تھوڑی دیر کے لیے اپنے رب پر ایمان لائیں''۔ ایک دن یہی بات اُنھوں نے ایک صاحب سے کہی، تو اُن کو سخت ناگواری ہوئی اور اُنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ: اللہ کے رسول! یہ ابنِ رواحہ بڑا عجیب آدمی ہے، یہ ہمیں کچھ دیر کے لیے ایمان لانے کو کہتا ہے؛ حالاں کہ ہم مستقل آپ پر ایمان لا چکے ہیں، بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ کچھ دیر کے لیے ایمان کی تجدید کر لیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ: ''اللہ ابنِ رواحہ کے دامن کو اپنی رحمت سے بھر دے، دراصل وہ ایسی محفل سجانا چاہتا ہے جس پر ملائکہ بھی فخر کرتے ہیں''۔ [الاصابہ ۲/۲۹۸]

حضرت ابودرداءؓ کے اسلام لانے کا سبب

اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہؓ کو جو زورِ بیان عطا کیا تھا اس کے ذریعے وہ لوگوں کے سامنے دینِ اسلام کی خوبیوں اور اس کے فضائل بیان کر کر کے اُنھیں اسلام میں داخل ہونے کی ترغیب بھی دیا کرتے تھے۔ حضرت ابودرداءؓ - جو ایک جلیل القدر صحابی ہیں - کے اسلام لانے کا سبب یہی حضرت عبداللہ بن رواحہؓ ہی ہیں۔

چناں چہ امام حاکمؒ نے اپنی مستدرک میں نقل کیا ہے کہ: حضرت ابودرداءؓ - جنھوں نے اپنے گھر والوں میں سب سے اخیر میں اسلام قبول کیا - نے

اپنے گھر میں ایک بُت بنا رکھا تھا اور ہمیشہ اس کے پاس ''دھرنا'' دیے رہتے تھے، حضرت عبداللہؓ جب کبھی اپنے زمانۂ جاہلیت کے اس جگری دوست کو اِسلام کی دعوت دیتے تو وہ ہمیشہ انکار کر دیتے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت عبداللہؓ اُن کے پاس جا رہے تھے، راستے میں اُن کی نگاہ جب حضرت ابودرداءؓ پر پڑی تو اُنھوں نے راستہ بدل دیا اور فوراً اُن کے گھر پہنچے، گھر میں اُن کی اہلیہ سر جھاڑ رہی تھی۔ حضرت عبداللہؓ نے پوچھا کہ: ابودرداء کہاں ہیں؟ اُن کی بیوی نے جواب دیا کہ: تمھارے بھائی ابھی ہی گھر سے نکلے ہیں۔ بس وہ حضرت ابودرداء کے اُس خاص کمرے میں گئے جہاں اُنھوں نے مورتی رکھی ہوئی تھی اور جا کر اُس مورتی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے، اُس وقت اُن کی زبان پر یہ جملہ تھا: ''أَلَا كُلُّ مَا يُدْعىٰ مَعَ اللّٰهِ بَاطِلٌ'' کہ اللہ کے سوا سارے معبود بے حیثیت و بے حقیقت ہیں۔ اور پھر کمرے سے باہر آئے۔

اُن کی بیوی چوں کہ بت کے توڑنے کی آواز سن چکی تھیں؛ اس لیے کہنے لگیں: او ابنِ رواحہ! یہ تم نے کیا کیا! اب تو ابودرداء مجھے نہیں چھوڑیں گے۔ حضرت عبداللہؓ فوراً وہاں سے کھسک گئے۔ تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ ابودرداءؓ واپس تشریف لے آئے، اُنھوں نے دیکھا کہ اُن کی بیوی بہت ڈری سہمی ہے اور رو رہی ہے۔ پوچھا کہ: تمھیں کیا ہوا؟ کیوں رو رہی ہو؟ کہنے لگیں کہ: تمھارے دوست عبداللہ نے دیکھو تو سہی کہ کیا کیا ہے؟ بت کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے

ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابودرداءؓ بہت غصے ہوئے؛ لیکن معاً اُن کے دل میں خیال آیا کہ: اگر اِس بُت میں تھوڑی بھی سوجھ بوجھ ہوتی تو کم از کم یہ اپنا دِفاع تو کرتا!۔

اس کے بعد اُنھوں نے اپنی بیوی سے کہا: میرے لیے غسل کا پانی تیار کرو۔ اُنھوں نے غسل کیا اور کپڑے پہن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے اِرادے سے چل پڑے۔ حضرت عبداللہؓ نے اُن کو آتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے کہ: اللہ کے رسول! دیکھیے! ابودرداء آرہے ہیں، مجھے پورا یقین ہے کہ یہ میری ہی تلاش میں آرہے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: نہیں عبداللہ! وہ تو اسلام قبول کرنے کے اِرادے سے آرہے ہیں؛ اس لیے کہ میرے اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ ابودرداء کو ضرور اسلام میں داخل کروں گا۔ چناں چہ وہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

[اعلام المسلمین ۴/ ۶۶۔ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۸۲۔۳۸۳]

حضرت ابودرداءؓ کی زبانی

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت ابودرداءؓ کے دل میں ہمیشہ کے لیے آپؓ کی عظمت بیٹھ گئی اور وہ آپؓ کے احسان کا اِن الفاظ میں اعتراف کیا کرتے تھے کہ: ''میں اِس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میرا کوئی دن ایسا گذرے جس میں مَیں عبداللہ بن رواحہؓ کو یاد نہ کروں''۔ غرض ہر مجلس اور ہر محفل میں اُن کا تذکرہ کرتے، اُن کے مناقب وفضائل کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے اور سب سے

عجیب بات یہ کہ جب کبھی کوئی نیک عمل کرتے تو اُن کی کوشش یہ ہوتی کہ اُن کے اعمال بے داغ و بے رِیا اور موافقِ شرع ہوں؛ اس لیے کہ وہ خود فرماتے تھے: لوگو! تمھارے اعمال تمھارے مردوں کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، جس سے اُنھیں کبھی خوشی ہوتی ہے اور کبھی تکلیف ہوتی ہے؛ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ جب میرے اعمال میرے بھائی کے سامنے پیش کیے جائیں تو اُنھیں شرمندگی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔ [رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۸۳-۳۸۴]

یہی حضرت ابودرداءؓ ہیں جو حضرت عبداللہؓ کے ذکرِ الٰہی کو اِن الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ: عبداللہ جب کبھی مجھ سے ملتے، تو کہتے کہ: عویمر! آؤ بیٹھو! ذرا کچھ دیر مذاکرہ کریں۔ چناں چہ ہم بیٹھ کر آپس میں مذاکرہ کرنے لگتے، وہ فرماتے کہ: یہ ایمانی مجلس ہے، ایمان کی مثال تو تمھارے کُرتے کی طرح ہے، کہ اگر وہ پہلے سے تمھارے جسم پر نہیں ہے تو تم اُسے اپنے جسم پر چڑھا لیتے ہو اور اگر پہلے سے پہن رکھا ہے تو اُتار دیتے ہو؛ کیوں کہ دل تو ہانڈی میں آنے والے اُبال سے بھی زیادہ الٹنے پلٹنے والا ہے۔ [رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۲۸۴۔ اعلام المسلمین ۴/ ۵۸]

عبادتِ الٰہی میں انہماک کا یہ عالم تھا کہ سخت سے سخت گرمی میں بھی روزہ ترک نہ کرتے تھے؛ حتی کہ سفر میں بھی روزہ دار رہتے تھے۔ خود حضرت ابودرداءؓ ہی کی روایت ہے کہ: ایک مرتبہ ہم لوگ رمضان کے مہینے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم رکاب تھے، سفر میں یوں بھی روزے کی رخصت ہوتی ہے اور اِس سفر میں

گرمی کی وہ شدت تھی کہ روزہ رکھنے کا تصور بھی محال تھا، اِس کے باوجود پورے لشکر میں سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عبداللہ بن رواحہؓ روزے سے تھے۔

[بخاری: ۱۹۴۵۔ مسلم: ۱۱۲۲]

ایک عجیب بات

حضراتِ صحابہؓ کے متعلق منقول ہے کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے حضرت عبداللہؓ کے طریقے کو اپنانا چاہتے تھے اور ہر دَم اُن کے اعمال کے متعلق دریافت کرتے تھے رہتے تھے۔ چناں چہ حضرت عبداللہؓ کی شہادت کے بعد ایک صحابی نے اُن کی بیوی سے نکاح کیا، نکاح کے بعد اُن سے کہنے لگے کہ: تمھیں معلوم ہے، میں نے تم سے کیوں نکاح کیا؟ اس لیے کیا؛ تاکہ تم مجھے بتاؤ کہ حضرت عبداللہؓ گھر میں کیا کیا عمل کرتے تھے؟ اُن کی بیوی نے جہاں بہت ساری باتیں بتلائیں، وہیں اُن سے یہ بھی کہا کہ: حضرت عبداللہؓ کا معمول تھا کہ وہ گھر سے نکلتے وقت اور واپس آتے وقت دو دو رکعت نماز ضرور پڑھتے، اُنھوں نے کبھی اپنے اس معمول کی خلاف ورزی نہیں کی۔ [الاصابہ ۲/۲۹۹]

تربیت کا انداز خود اُن کے تربیت یافتہ کی زبانی

اِدھر حضرت زید بن ارقمؓ کو دیکھیے! جب اُن کے سامنے حضرت عبداللہؓ کا نام آتا تو اُن کے لیے رحمت کی دعا کرتے اور یہ جملہ اِرشاد فرماتے: میں حضرت

عبداللہ کی زیرِ تربیت تھا، واللہ! میری آنکھ نے آج تک کوئی سرپرست ایسا نہیں دیکھا جو کسی یتیم کی سرپرستی اُن سے بہتر طریقے پر کرتا ہو۔[رجال مبشرون بالجنۃ،ص:۳۸۵]

حضرت حسان بن ثابتؓ نے شہدائے موتہ پر ایک مرثیہ کہا تھا جس میں حضرت عبداللہؓ کے متعلق فرمایا:

ثُمَّ جُودِيْ لِلْخَزْرَجِيِّ بِدَمْعٍ	سَيِّدًا كَانَ ثُمَّ غَيْرَ نَزُوْرِ

[اعلام المسلمین ۴/۵۱]

اے میری آنکھ! تو اِس خزرجی شخص (عبداللہ بن رواحہؓ) پر خوب آنسو بہا، جو (اپنی قوم کا) سردار تھا، سردار ہی نہیں؛ بلکہ بڑا دل رکھنے والا بھی تھا۔

اسی طرح ایک اور شاعر نے بھی- جو سریۂ موتہ سے فتح کے بعد لوٹ کر آئے تھے- شہدائے موتہ کے متعلق ایک مرثیہ کہا ہے، جس میں اُنھوں نے فرمایا:

كَفٰى حُزْنًا أَنِّيْ رَجَعْتُ وَجَعْفَرُ	وَزَيْدٌ وَعَبْدُ اللّٰهِ فِيْ رَمْسِ أَقْبُرِ
قَضَوْا نَحْبَهُمْ لَمَّا مَضَوْا لِسَبِيْلِهِمْ	وَخَلَّفْتُ لِلْبَلْوٰى مَعَ الْمُتَغَبِّرِ

[اعلام المسلمین ۴/۵۲۔رجال مبشرون بالجنۃ،ص:۳۷۲]

میرے غم کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ میں (شہادت حاصل کیے بغیر) لوٹ کر آ گیا اور جعفر، زید اور عبداللہ بن رواحہ (درجۂ شہادت حاصل کر کے) قبر کی مَنوں مٹی تلے دَب گئے۔ اُنھوں نے تو آگے بڑھ کر اپنی اپنی منتیں پوری کر لیں، مگر مَیں مصیبت کا شکار بننے کے لیے پیچھے رہ گیا۔

حضرت عبداللہؓ کے متعلق بشارتیں

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰي مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ ترجمہ: واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال اِس بات کے بدلے خرید لیے ہیں کہ جنت اُن ہی کی ہے، وہ اللہ کے راستے میں جنگ کرتے ہیں جس کے نتیجے میں مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں، یہ ایک سچا وعدہ ہے جس کی ذمہ داری اللہ نے تورات اور انجیل میں بھی لی ہے اور قرآن میں بھی۔ اور کون ہے جو اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہو؛ لہٰذا اپنے اُس سودے پر خوشی مناؤ جو تم نے اللہ سے کرلیا ہے اور یہی بڑی زبردست کامیابی ہے۔ (توضیح القرآن، التوبہ:۱۱۱)

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی زندگی کو ذرا اِس آیتِ کریمہ کے آئینے میں دیکھیے، واللہ! آیتِ کریمہ کا ہر ہر لفظ آپ کو اُن کی ذات پر اور اُن کی زندگی پر پورا اُترتا ہوا نظر آئے گا۔

آپ کو وہ روایت ضرور یاد ہوگی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر اور حدیبیہ میں شامل ہونے والوں کے متعلق جنت کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا تھا: ”لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ وَالْحُدَيْبِيَةِ“ جن جن لوگوں نے بدر اور حدیبیہ

میں شرکت کی ہے اُن میں سے کوئی دوزخ میں نہیں جائے گا۔

[رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۹۲]

آپ کے سامنے طبقات ابن سعد کی روایت بھی ہونی چاہیے، جس میں حضرت ابومیسرہؓ فرماتے ہیں کہ: جب حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ- رضی اللہ عنہم اجمعین- موتہ کے میدان میں شہید ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہوکر اِن تینوں کے لیے فرداً فرداً نام لے لے کر مغفرت کی دعا فرمائی۔ [خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۱۰]

بَس اخیر میں اُن کی فضیلت وشرافت کے لیے اِتنا کہے دیتا ہوں کہ: حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کا شمار عہدِ نبوت کے اُن شہدائے اسلام میں ہوتا ہے جن کی شہادت کی گواہی خود بہ زبانِ رسالت دی گئی ہے؛ اسی لیے ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں کہ: ''یہ وہ خوش نصیب صحابی ہیں جن کا جنتی ہونا ایک قطعی اور یقینی امر ہے''۔

[رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۹۳۔ اعلام المسلمین ۴/ ۶۷]

بزمِ عبداللہ بن رواحہؓ میں کچھ شعری جھلکیاں

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے اِس دینِ محمدی کی خدمت کے میدان میں جہاں سیف وسنان کو استعمال کیا، وہیں اِس راہ میں اُنھوں نے قلم ولسان کے بھی جوہر دِکھائے۔ ماقبل میں ہم نے سیف وسنان اور قلم (کہ کاتبِ وحی تھے) کے جوہر دیکھے، اب آیئے! ذرا کچھ دیر بزمِ شعروشاعری میں اُن کی شیریں کلام اور

عمدہ اشعار سے محظوظ ہوتے ہیں۔

محمد ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ: دربارِ رسالت کے تین مشہور شاعر تھے: (۱) عبداللہ بن رواحہؓ (۲) حسان بن ثابتؓ اور (۳) کعب بن مالکؓ۔

[سیر اعلام النبلاء ۲/ ۳۴۶]

مشرکین کی ہجو گوئی کی خدمت انصار کے تین حضرات انجام دیا کرتے تھے؛ مگر اُن تینوں کی ہجو گوئی کا موضوع مختلف تھا۔ حضرت حسان بن ثابتؓ اپنے اشعار میں مشرکین کے حسب نسب پر چوٹ کیا کرتے تھے۔ حضرت کعب بن مالکؓ لڑائی کی دھمکیاں دے کر اُن کو خوف زدہ کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اُن پر کفر و شرک کا اِلزام لگا کر خوب ملامت کرتے اور عار دلاتے تھے۔

[الاستیعاب فی ہامش الاصابہ ۲/ ۲۸۵، سیر الصحابہ ۵/ ۶۲]

آپؓ کے اشعار کی پسندیدگی بہ زبانِ رسالتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ اَحزاب سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ: ''آج کے بعد مشرکین کو تم سے لڑنے بھڑنے کی جرأت تو نہیں ہوگی، البتہ وہ تمھاری ہجو اور برائی ضرور کریں گے، بتاؤ تم میں سے کون مسلمانوں کی عزت و آبرو کی حفاظت کرنے کے لیے تیار ہے؟'' حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے فوراً اُٹھ کر عرض کیا: اللہ کے رسول! میں تیار ہوں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ''واقعتاً تم تو بہت اچھے اشعار کہتے ہو!''

[اعلام المسلمین ۴/ ۸۰۔ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۸۶]

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ سرورِ دو جہاں محمدِ مصطفیٰ، احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''تمھارا بھائی - یعنی عبداللہ بن رواحہ - فحش گوئی نہیں کرتا ہے، وہ کہتا ہے:

وَفِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ يَتْلُوْ كِتَابَهٗ	إِذَا انْشَقَّ مَعْرُوْفٌ مِنَ الْفَجْرِ سَاطِعُ
أَرَانَا الْهُدٰى بَعْدَ الْعَمٰى فَقُلُوْبُنَا	بِهٖ مُوْقِنَاتٌ أَنَّ مَا قَالَ وَاقِعُ
يَبِيْتُ يُجَافِيْ جَنْبَهٗ عَنْ فِرَاشِهٖ	إِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْكَافِرِيْنَ الْمَضَاجِعُ

[صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۱۵۵، ۶۱۵۱]

ترجمہ: ہمارے درمیان اللہ کے رسول موجود ہیں، جو اللہ کی کتاب پڑھ کر سناتے ہیں جب اُفق پر صبح کی پَو پھٹتی ہے۔

آپ ہی نے ہمیں ہدایت کا راستہ دِکھایا؛ حالاں کہ ہم گم راہیوں کے دَلدل میں پھنسے ہوئے تھے، اب ہمارے دلوں میں آپ کے متعلق اتنا یقین بیٹھ گیا ہے کہ ہم آپ کی ہر ہر بات کو سچ مانتے ہیں اور یہ کہ آپ نے جو کہا ہے وہ ہو کر ہی رہے گا۔

آپ اِس حالت میں رات گزارتے ہیں کہ اپنے پہلو کو بستر سے علاحدہ رکھتے ہیں جس وقت کافروں پر اُن کی خواب گاہیں بوجھل ہوتی ہیں۔

حضرت عبداللہؓ خود فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں مسجدِ نبوی کے پاس سے گذر رہا تھا، اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کچھ صحابہ کے ہمراہ مسجد میں بیٹھے

ہوئے تھے۔ جب اُنھوں نے مجھے دیکھا تو پکارنے لگے: ''اے عبداللہ بن رواحہ! اے عبداللہ بن رواحہ!'' میں سمجھ گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے بلا رہے ہیں۔ مَیں آپ کے پاس گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''یہاں بیٹھو!'' مَیں آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جب تم شعر کہنا چاہتے ہو تو کیسے کہتے ہو؟'' گویا آپ علیہ السلام کو اِس پر تعجب ہو رہا تھا۔ عَرض کیا کہ: حضور! ذرا غور کرلوں تو کہوں (یعنی کوئی کلام موزون کرلوں تو سناؤں)، آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''مشرکین ہی کو اختیار کرنا''؛ حالاں کہ میری کچھ تیاری نہیں تھی؛ لیکن سنانا شروع کر دیا:

فَخَبِّرْ وَنِيْ أَثْمَانَ الْعَبَاءِ مَتٰى	كُنْتُمْ بَطَارِيْقَ أَوْ دَانَتْ لَكُمْ مُضَرُ

''اے قیمتی عَبا والو! مجھے اُس وقت کا حال بتلاؤ جب تم لوگ پادری تھے اور قبیلۂ مضر کی گردنیں تمھارے آگے جھکی ہوئی تھیں''۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب مَیں نے یہ شعر کہا تو مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور پر ناگواری کے آثار نظر آئے گویا آپ کو یہ بات پسند نہیں آئی؛ چوں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم کو ''اثمانِ عباء'' سے تعبیر کیا تھا؛ اس لیے آگے میں نے کہا:

نُجَالِدُ النَّاسَ عَنْ عِرْضٍ فَنَأْسِرُهُمْ	فِيْنَا النَّبِيُّ وَفِيْنَا تُنْزَلُ السُّوَرُ
وَقَدْ عَلِمْتُمْ بِأَنَّا لَيْسَ يَغْلِبُنَا	حَيٌّ مِنَ النَّاسِ إِنْ عَزُّوا وَإِنْ كَثُرُوْا

يَا هَاشِمَ الْخَيْرِ! إِنَّ اللّٰهَ فَضَّلَكُمْ	عَلَى الْبَرِيَّةِ فَضْلًا مَالَهُ غِيَرُ
إِنِّيْ تَفَرَّسْتُ فِيْكَ الْخَيْرَ أَعْرِفُهُ	فِرَاسَةً خَالَفَتْهُمْ فِي الَّذِيْ نَظَرُوْا
وَلَوْ سَأَلْتَ أَوِ اسْتَنْصَرْتَ بَعْضَهُمْ	فِيْ جُلِّ أَمْرِكَ مَا اوَوْا وَلَا نَصَرُوْا
فَثَبَّتَ اللّٰهُ مَا اٰتَاكَ مِنْ حُسْنٍ	تَثْبِيْتَ مُوْسٰى وَنَصْرًا كَالَّذِيْ نُصِرُوْا

[طبقات ابن سعد ۳/ ۸۱۔ سیر اعلام النبلاء ۲/ ۳۴۷۔ اعلام المسلمین ۴/ ۸۴]

ترجمہ: ہم اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کے خاطر دشمنوں سے مقابلہ کرکے اُنھیں اپنا قیدی بنا لیتے ہیں، ہمارے درمیان نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتِ بابرکات موجود ہے اور (اُن کے واسطے سے) ہم پر قرآن کی سورتیں اترتی ہیں۔

اور تم لوگ اِس بات سے اچھی طرح واقف ہو کہ کوئی بھی قوم ہمیں مغلوب نہیں کرسکتی؛ چاہے وہ کتنی ہی طاقت ور ہو، اور اُن کی کتنی ہی بڑی تعداد ہو۔

اے ہاشمِ خیر! اللہ نے تمھیں تمام مخلوقات پر ایسی فضیلت عطا کی ہے جو کبھی حوادثِ زمانہ کا شکار نہیں ہوسکتی۔

میں نے آپ میں خیر وبھلائی کو بیش از بیش محسوس کیا ہے اور میرا یہ احساس مشرکین کی نظر اور احساس کے برخلاف ہے۔

اور (اے اللہ کے رسول!) اگر آپ اپنے کسی بڑے اور اہم کام میں اُن کافروں میں سے کسی سے پناہ طلب کریں یا مدد کی درخواست کریں، یہ نہ تو آپ کو پناہ دیں گے اور نہ مدد کا ہاتھ بڑھائیں گے۔

اللہ نے آپ کو جو خوبیاں دے رکھی ہیں، اُن کو اِسی طرح باقی رکھے جیسے موسیٰ کی باقی رکھی اور آپ کی مدد اُسی طرح ہو جس طرح دیگر حضرات (انبیائے کرام علیہم السلام) کی مدد کی گئی۔

یہ اشعار سُن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے دیکھ کر مسکرانے لگے اور یہ دعا دی: ''اور تمھیں بھی اللہ ثابت قدم رکھے''۔ چناں چہ دنیا نے دیکھا کہ اللہ نے اُن کو جنگِ موتہ کے میدان میں کیسی ثابت قدمی عطا فرمائی!۔

حضرت زبیر ابن العوّام رضی اللہ عنہ - جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں - فرماتے ہیں: مَیں نے کسی کے متعلق نہیں سنا کہ جو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ جرأت اور تیزی سے شعر کہہ سکتا ہو۔ میں نے ایک دِن دیکھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن سے فرما رہے ہیں: ''عبداللہ! ذرا میرے سامنے موقع محل کے اعتبار سے کوئی شعر سناؤ''۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنی جگہ پر کھڑے ہوئے اور شعر پڑھنا شروع کر دیا:

إِنِّي تَفَرَّسْتُ فِيكَ الْخَيْرَ أَعْرِفُهُ	وَاللّٰهُ يَعْلَمُ أَنْ مَا خَانَنِي الْبَصَرُ
أَنْتَ النَّبِيُّ وَمَنْ يُحْرَمُ شَفَاعَتَهُ	يَوْمَ الْحِسَابِ لَقَدْ أَزْرَى بِهِ الْقَدَرُ

[الاستیعاب فی ہامش الاصابہ ۲/ ۲۸۷]

ترجمہ: میں نے آپ میں خیر کی علامت دیکھی ہے اور میں اُسے اچھی طرح جانتا بھی ہوں، اللہ جانتا ہے (یعنی: اللہ کی قسم!) کہ اِس سلسلے میں میری فراست و بصیرت کے اندر کوئی خطا نہیں ہے۔

آپ نبیٔ برحق ہیں، اور جو کوئی کل روزِ محشر آپ کی شفاعت سے محروم ہوجائے تو (سمجھ لو کہ) اُس کی تقدیر ہی پھوٹی ہوئی ہے۔

شہادتِ حمزہ پر مرثیہ

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی شہادت پر ایک مرثیہ کہا تھا، جو مندرجۂ ذیل ہے:

بَكَتْ عَيْنِي وَحُقَّ لَهَا بُكَاهَا	وَمَا يُغْنِي الْبُكَاءُ وَلَا الْعَوِيلُ
عَلَى أَسَدِ الْإِلٰهِ غَدَاةَ قَالُوْا	أَحَمْزَةُ ذَاكُمُ الرَّجُلُ الْقَتِيلُ
أُصِيبَ الْمُسْلِمُوْنَ بِهٖ جَمِيْعًا	هُنَاكَ وَقَدْ أُصِيبَ الرَّسُوْلُ
أَبَا يَعْلٰى! لَكَ الْأَرْكَانُ هُدَّتْ	وَأَنْتَ الْمَاجِدُ الْبَرُّ الْوَصُوْلُ
عَلَيْكَ سَلَامُ رَبِّكَ فِي جِنَانٍ	مُخَالِطُهَا نَعِيْمٌ لَا يَزُوْلُ
أَلَا يَا هَاشِمَ الْأَخْيَارِ صَبْرًا	فَكُلُّ فَعَالِكُمْ حَسَنٌ جَمِيلُ
رَسُوْلُ اللّٰهِ مُصْطَبِرٌ كَرِيْمٌ	بِأَمْرِ اللّٰهِ يَنْطِقُ إِذْ يَقُوْلُ
أَلَا مَنْ مُبْلِغٌ عَنِّي لُؤَيًّا	فَبَعْدَ الْيَوْمِ دَائِلَةٌ تَدُوْلُ
وَقَبْلَ الْيَوْمِ مَا عَرَفُوْا وَذَاقُوْا	وَقَائِعَنَا بِهَا يُشْفَى الْغَلِيلُ
نَسِيْتُمْ ضَرْبَنَا بِقَلِيْبِ بَدْرٍ	غَدَاةَ أَتَاكُمُ الْمَوْتُ الْعَجِيلُ
غَدَاةَ ثَوٰى أَبُوْ جَهْلٍ صَرِيْعًا	عَلَيْهِ الطَّيْرُ حَائِمَةً تَجُوْلُ

وَعُتْبَـــةُ وَابْنُـــهُ خَـــرَّا جَمِيْعًـــا		وَشَـيْبَةَ عَضَّـهُ السَّـيْفُ الصَّـقِيْلُ
وَمُتْرَ كنَـــا أُمَيّـــةَ مُجْلَعِبّـــا		وَفِـــيْ حَيْزُوْمِـــهٖ لَـــدْنٌ نَبِيْـــلُ
أَلَا يَـــا هِنْـــدُ! فَـــابْكِيْ وَلَا تَمَلّـــى		فَأَنْـــتِ الْوَالِـــهُ الْعَبْـــرٰى الْهَبُـــوْلُ
أَلَا يَـــا هِنْـــدُ! لَا تُبْـــدِيْ شَـــمَامَةً		بِحَمْـــزَةَ إِنَّ عِـــزَّ كُمْ ذَلِيْـــلُ

[اعلام المسلمین ۴/ ۱۰۷-۱۰۸-۱۰۹]

ترجمہ: میری آنکھوں نے خوب آنسو بہائے اور اُسے آنسو بہانا بھی چاہیے؛ مگر آہ و بکا اور ہائے واویلا کا کیا فائدہ

شیرِ خدا پر، جب کہ لوگوں نے بتایا کہ: کیا حمزہ کو تلاش کر رہے ہو؟ دیکھو! وہ رہے شہید ہو کر پڑے ہیں۔

اُن کی شہادت پر تمام مسلمانوں کو بھی تکلیف پہنچی اور اللہ کے رسول کو بھی بڑا صدمہ ہوا۔

اے ابو یعلیٰ! (یہ حضرت حمزہؓ کی کنیت ہے) تمھارے سارے ستون گرا دیے گئے؛ حالاں کہ تم تو بہت شریف، بڑے نیکوکار اور سب سے میل ملاپ رکھنے والے تھے۔

تم پر تمھارے پروردگار کی طرف سے سلامتی نازل ہو، ایسے باغات میں جہاں کی نعمتیں لازوال ہیں۔

اے بہترین خاندانِ ہاشم کے لوگو! تم صبر کا دامن تھامے رکھو؛ اس لیے کہ

تمھارا ہر کارنامہ حسین اور لائقِ ستائش ہے۔ اللہ کے رسول نے تو بڑے صبر اور وسیع الظرفی کا مظاہرہ کیا ہے، وہ جب بھی کوئی بات بولتے ہیں تو اللہ کے حکم سے ہی بولتے ہیں۔

ارے! کوئی ہے جو میری بات ''بنولُوی'' تک پہنچادے؛ کیوں کہ آج کے بعد جنگ کا پانسہ پلٹنے والا ہے۔

اور آج سے پہلے نہ تو اُنھیں کچھ اَتا پتا تھا اور نہ اُنھوں نے ہمارے اُس حملے کا مزہ چکھا تھا جس کے ذریعے غصے کی آگ بجھائی جاتی ہے۔

(یہ بات پہنچادے کہ) کیا تم بھول گئے کہ ہم نے تُمھیں مار مار کر قلیبِ بدر (بدر کے کنویں) میں ڈال دیا تھا، جس وقت کہ جلد آنے والی موت نے تمھیں آ پکڑا تھا۔

(یاد کرو) جب ابوجہل قتل ہوکر اِس طرح چِت پڑا تھا کہ پرندے اس کے اِرد گِرد چکر لگا رہے تھے۔ اور عتبہ اور اُس کا بیٹا (ولید) دونوں زمین پر مرے پڑے تھے اور شیبہ کے تو تیز اور سان دار تلوار نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے تھے۔

اور (بھول گئے کہ) امیہ کو ہم نے زمین پر اِس طرح پچھڑا ہوا چھوڑ دیا تھا کہ اُس کے سینے میں بڑا نیزہ گھسا تھا۔

سن اے ہندہ! تو خوب روتی رہ اور (روتے روتے) اُکتا نا مت؛ کیوں کہ تو بہت غمگین ہے اور تیرے آنسو بہہ رہے ہیں اور تیرے عزیز فوت ہو چکے ہیں۔

اور اے ہندہ! تو حمزہ کی شہادت پر خوشی کا اظہار مت کر، تمھاری عزت تو خاک میں مِل چکی ہے۔

بدرالصفر اسے فرار کا نقشہ ابنِ رواحہ کی زبانی

جب ابوسفیان بدرالصفر اء کے موقع پر مقامِ ظہران سے جان بچا کر حیلے کا سہارا لیتے ہوئے بھاگا جس کے نتیجے میں جنگ کی نوبت پیش نہیں آئی، تب اُس کا نقشہ حضرت عبداللہؓ نے اِن اَشعار میں کھینچا تھا:

وَعَدْنَا أَبَا سُفْيَانَ بَدْرًا فَلَمْ نَجِدْ	لِمِيْعَادِهِ صِدْقًا وَمَا كَانَ وَافِيَا
فَأَقْسِمُ لَوْ وَافَيْتَنَا فَلَقِيْتَنَا	لَأُبْتَ ذَمِيْمًا وَافْتَقَدْتَ الْمَوَالِيَا
تَرَكْنَا بِهِ أَوْصَالَ عُتْبَةَ وَابْنِهِ	وَعَمْرًا وَأَبَا جَهْلٍ تَرَكْنَاهُ ثَاوِيَا
عَصَيْتُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ أُفٍّ لِدِيْنِكُمْ	وَأَمْرِكُمُ السَّيِّءِ الَّذِيْ كَانَ غَاوِيَا
فَإِنِّيْ وَإِنْ عَنَّفْتُمُوْنِيْ لَقَائِلٌ	فِدًى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ أَهْلِيْ وَمَالِيَا
أَطَعْنَاهُ لَمْ نَعْدِلْهُ فِيْنَا بِغَيْرِهِ	شِهَابًا لَنَا فِيْ ظُلْمَةِ اللَّيْلِ هَادِيَا

[اعلام المسلمین ۴/ ۱۰۶-۱۰۷]

ترجمہ: ہمارا ابوسفیان سے بدرِ صفراء کے مقام پر جنگ کا وعدہ ہوا تھا؛ مگر وہ اپنے وعدے پر پورا اترتا ہوا نظر نہیں آیا اور ویسے بھی وعدہ پورا کرنا اُس کے بس میں تھا ہی نہیں۔

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ابوسفیان! اگر تو ہمارے سامنے آکر مقابلہ کرتا تو

ذلت ورسوائی تیرا مقدر بن جاتی اور تجھے مدد کرنے والا بھی کوئی نظر نہیں آتا۔

(ارے تجھے یاد نہیں!) ہم نے اُسی بدر میں عتبہ اور اُس کے بیٹے کے تعلقات کو بھی نظر انداز کر دیا تھا، اور عمرو یعنی ابوجہل: اُس کو تو (مار کر) وہیں (کے مُردوں میں شامل کر کے ہمیشہ) کا باشندہ بنا دیا۔

تم لوگوں نے اللہ کے رسول کی مخالفت کی ہے، تُف ہے تمھارے مذہب اور تمھارے شیطانی حال پر!۔ تم لاکھ بُرا مانو؛ لیکن میں تو یہی کہتا رہوں گا کہ:

''قربان ہو اللہ کے رسول کی خدمت میں میرے بال بچے اور میری ساری دولت''۔

ہم تو اُن کے اشاروں پر چلتے ہیں اور اُن کا ہمسر ہم کسی کو نہیں سمجھتے، وہ ہمارے لیے رات کی تاریکی میں روشن ستارہ ہیں اور ہر وقت ہماری رہبری کرنے والے ہیں۔

شہادت کی تمنا پیرایۂ اشعار میں

مشہور صحابیٔ رسول حضرت زید بن اَرقم ؓ جو دور کے رِشتے سے اُن کے بھتیجے ہوتے تھے، کم سِنی ہی میں یتیم ہو گئے تھے اور حضرت عبداللہ ؓ نے اُن کی پرورِش کی تھی، غزوۂ موتہ میں حضرت عبداللہ ؓ کے ہمراہ تھے۔ فرماتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ ؓ غزوۂ موتہ کے لیے روانہ ہوئے تو مجھے اپنے پیچھے کجاوے پر بٹھا لیا، ہم ساری رات سفر کرتے رہے اور مَیں نے سنا کہ وہ (بڑے درد اور سوز کے ساتھ) اپنے یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

إِذَا أَدَّيْتَنِي وَحَمَلْتِ رَحْلِي	مَسِيرَةَ أَرْبَعٍ بَعْدَ الْحِسَاءِ
فَشَأْنُكِ فَانْعِمِي وَخَلَاكِ ذَمٌّ	وَلَا أَرْجِعْ إِلَى أَهْلِي وَرَائِي
وَجَاءَ الْمُسْلِمُونَ وَغَادَرُونِي	بِأَرْضِ الشَّامِ مُنْتَهِيَ الثَّوَاءِ
وَرَدَّكِ كُلُّ ذِي نَسَبٍ قَرِيبٍ	إِلَى الرَّحْمٰنِ مُنْقَطِعَ الرَّجَاءِ
هُنَالِكَ لَا أُبَالِي طَلْعَ بَعْلٍ	وَلَا نَخْلٍ أَسَافِلُهَا رِوَاءِ

[اعلام المسلمین ۴ / ۴۳۔ الاصابہ ۲ / ۲۹۹]

ترجمہ: (اے میری اونٹنی) جب تو مجھے قریب کر دے گی اور مقام ''حساء'' کے بعد چار دن کی مسافت تک تو میرے کجاوے کو اٹھا کر لے جائے گی۔ تو پھر تُو نعمتوں میں آرام سے رہنا اور تیری مذمت نہ ہوا کرے گی (کیوں کہ میں تو وہاں جا کر دشمنوں سے لڑائی میں شہید ہو جاؤں گا؛ اس لیے سفر میں تجھے لے جانے کی ضرورت نہ رہے گی) اور خدا کرے کہ میں پیچھے اپنے گھر والوں کے پاس نہ جاؤں۔

اور وہاں سے مسلمان واپس آ جائیں گے اور مجھے سرزمینِ شام میں چھوڑ آئیں گے، جو میری آخری قیام گاہ ہوگی۔

اور (میرے شہید ہونے کے بعد) تجھے میرے وہ رشتے دار واپس لے جائیں گے جو خدائے رحمٰن سے تو قریب ہوں گے؛ لیکن میرا اُن سے بھائی چارہ (میری شہادت کی وجہ سے) ختم ہو چکا ہوگا۔

اور اُس وقت مجھے نہ تو خودرَو درخت کے پھل کی پرواہ رہے گی اور نہ پانی

سے سیراب ہونے والی کھجوری کی پرواہ رہے گی۔

چلتے چلتے اخیر میں سیدنا حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کا وہ شعر یاد دِلاتا چلوں جس میں اُنھوں نے اپنی تمنا کا اظہار کیا تھا کہ: ''جب لوگ میری قبر کے پاس سے گذریں تو بے ساختہ پکار اُٹھیں کہ: اللہ! اِس غازی کو کامیاب وسرخرو کرے اور یہ تو پہلے ہی سے ہدایت یافتہ تھا''۔

بالکل سچ کہا عبداللہ! تو نے، آج تیری زندگی کی ایک ایک سطر پڑھنے کے بعد بے اختیار میری زبان سے نکلتا ہے:

سلام اُس پر جو رسول اللہ کا جاں باز صحابی تھا.....سلام اُس پر جو رسولُ اللہ کا محبوب صحابی تھا.....سلام اُس پر جو رسولُ اللہ کا شاعر صحابی تھا.....سلام اُس پر جو رسول اللہ کا داعی صحابی تھا.....

سلام اُس پر کہ جو ''موتہ'' کے میدان میں قیادت کرنے والا تھا.....سلام اُس پر جو بدر میں شرکت کا اعزاز حاصل کرنے والا تھا.....سلام اُس پر جو غزوۂ سویق کے دوران مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہونے والا تھا.....سلام اس پر جو دشمنِ اسلام ''اُسَیر'' کو تہِ تیغ کرنے والا تھا.....سلام اُس پر جو خیبر کی زمین اور اُس کے مالی وسائل کا تخمینہ لگانے کی ذمہ داری کو اَحسن طریقے سے نباہنے والا تھا.....سلام اُس پر جو رزم وبزم میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دِکھانے والا تھا.....

سلام اُس پر! رسول اللہ نے جس کی شہادت کی گواہی دی.....اور.....

سلام اُس پر جس کا جنتی ہونا یقینی ہے۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْعَقَبِيِّ النَّقِيْبِ.....وَالصَّحَابِيِّ الْجَلِيْلِ.....وَالْقَائِدِ الشُّجَاعِ.....وَالشَّاعِرِ الْمُجِيْدِ.....وَالْبَطْلِ الشَّهِيْدِ: عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَوَاحَةَ الْأَنْصَارِيِّ الْخَزْرَجِيِّ.

مآخذ ومصادر:

① توضیح القرآن معروف بہ ''آسان ترجمۂ قرآن'' ② صحیح بخاری شریف ③ سیر اعلام النبلاء للذہبی ④ طبقات ابن سعد، جلد ثالث، حصہ دوم ⑤ الاصابۃ لابن حجر العسقلانی ⑥ الاستیعاب لابن عبد البر ⑦ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ⑧ اعلام المسلمین، سلسلہ نمبر: ۴ عبداللہ بن رواحہؓ ⑨ رجال مبشرون بالجنۃ ⑩ سیر الصحابہ جلد پنجم: سیر انصار، دوم ⑪ خیر البشر کے چالیس جاں نثار۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ

از قلم: سلطان ہمت نگری۔ سلمان کوکنی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ

''میں بڑے بڑے امرا وسلاطین کے دربار میں سفیر بن کر گیا ہوں، قیصر وکسریٰ کے پرشکوہ اور عظیم الشان دربار کو بھی میں دیکھ آیا ہوں اور وہاں کے درباریوں کا اپنے بادشاہ کے ساتھ سلوک و برتاؤ بھی مجھے خوب معلوم ہے، لیکن جیسا عشق ومحبت محمد سے اس کے اصحاب کو ہے، اس کی نظیر تو کیا، عشرِ عشیر بھی میں نے نہیں دیکھا۔ وہ حضرات دورانِ وضو محمد کے عضو سے ٹپکنے والے پانی پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور اسے زمین پر گرنے نہیں دیتے''۔

مخالفت ومعاندت کی آندھی میں حقیقت بیانی کا چراغ گل ہوجاتا ہے اور تعصب کی گھنگھور گھٹاؤں کے بیچ آفتابِ مدح سرائی کی تابندگی ودرخشندگی ماند پڑ جاتی ہے، اس کے باوجود آخر کس چیز نے دشمنِ اسلام اور عدوِ دین: عمرو بن مسعود ثقفی کو اس بات پر ابھارا کہ وہ بلا مبالغہ اصحابِ رسول کی تعریف وتوصیف کے پل باندھے اور مدح وثنا کے ڈونگرے برسائے۔ یقیناً یہ اس بات کی بیّن دلیل اور واضح ثبوت ہے کہ صحابۂ کرامؓ کی جماعت کے ہر ہر فرد کا ظاہر و باطن اوصاف و کمالات کے سیمیں رنگ وروغن اور محامد ومحاسن کے زریں نقش ونگار سے آراستہ و مزین تھا، ہر کوئی سیمائے اسلام کا جھومر اور رخسارِ دین کا گلگونہ تھا، ہر کسی کے محرابِ جگر میں عشق کے فانوس اور محبتِ نبوی کے چراغ روشن تھے۔ اسی مقدس و پاکباز

گروہ کے ایک رجلِ رشید اور فردِ فرید ''حضرت ثابت بن قیسؓ'' بھی ہیں، جن کی زندگی کے تابندہ نقوش آئندہ صفحات میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مہد سے لحد تک

ولادت، خاندان اور حسب ونسب

حضرت ثابت بن قیسؓ مدینہ کے انتہائی پُرسطوت و پُرعظمت اور باعزت وشوکت قبیلے خزرج میں پیدا ہوئے۔ آپؓ کا نسب نامہ اس طرح ہے: ثابت بن قیس بن شماس بن زہیر بن مالک بن امرؤالقیس بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر۔

ابومحمد کنیت اور خطیبِ رسول آپ کا لقب تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام کبشہ بنتِ واقد ہے، جو علامہ ابن عبدالبرؒ کے بیان کے مطابق اپنے قبیلے کی چشم و چراغ تھیں، حضرت ثابتؓ کے مسلمان ہونے کے کچھ دنوں بعد ایمان واسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوئیں، نہایت عقلمند، دانا اور علم وحکمت کی دولت سے مالا مال تھیں۔

یثرب کے مختصر حالات

جس وقت آپؓ کی ولادت ہوئی اُس وقت تیر و پیکان اور شمشیر وسنان کا دور دورہ تھا، اور جس ماحول میں آپ کی پرورش و پرداخت ہوئی وہاں ہر طرف جنگ وجدال اور قتل وقتال کا بازار گرم تھا۔ سفا کی وخونریزی اور فساد وغارت گری کی وجہ سے وادیٔ یثرب کی رعنائی وزیبائی ختم ہو چلی تھی، سالہا سال سے اوس

وخزرج برسرِ پیکار تھے، ہزاروں لوگ تلوار کی دھار اور نیزے کی نوک کے زد میں آ چکے تھے، پے در پے اموات کی وجہ سے گھر دن بدن شکستہ و ویران اور خاندان روز بہ روز تباہ و برباد ہوئے جا رہے تھے، ساکنانِ یثرب کے کوچہ ہائے قلب وجگر میں کاروانِ خوشی ومسرت کی آمد ورفت کا سلسلہ کچھ تھم سا گیا تھا اور کشت زارِ حیات میں اضطراب و بے چینی اور بدامنی و بے اطمینانی کی آگ لگی ہوئی تھی۔ ان ہی ناگفتہ بہ حالات میں وقت کا پرندہ سیاہ وسپید پروں کے ساتھ پرواز بھرتا رہا اور زمانہ کا قافلہ خراماں خراماں آگے بڑھتا رہا، لیکن نہ ادبار کی گھٹائیں چھٹیں اور نہ اقبال کی کرنیں پھوٹیں۔

یکا یک انقلاب نے انگڑائی لی، زمانہ کے بہروپ نے نیا رنگ بدلا اور اختلاف وافتراق کی خلیج مٹنے لگی اور لوگ باہم شیر وشکر ہو گئے۔

تفصیل اِس اجمال کی یہ ہے کہ اوس وخزرج کے لوگ اپنے ہم وطن یہودیوں کی زبانی بہ کثرت یہ آسمانی خبر دھمکی آمیز انداز میں سنا کرتے تھے کہ: مستقبل قریب میں یثرب ہجرت گاہِ خاتم الانبیا بننے والا ہے، ہم ان کے ساتھ مل کر تمھارے خلاف علَمِ جنگ بلند کریں گے۔ یثرب کے حقیقی باشندوں نے سوچا کہ کیوں نہ ہم خود آگے بڑھ کر اُس نبی کا استقبال کریں اور اس کی دعوت پر لبیک کہیں، تاکہ دین ودنیا کی سعادت حاصل کر سکے اور یہودِ بے بہبود کے سارے منصوبے خاک میں ملائے جا سکے۔ چناں چہ انھوں نے نبیٔ آخرالزماں کی آمد کا

انتظار شروع کر دیا۔

عین اُسی وقت قضا وقدر نے ان صداقت طلبوں کی اس طرح دستگیری کی کہ ۱۲/افراد پر مشتمل ایک یثربی جماعت کی ملاقات حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوئی، جو منیٰ کی گھاٹیوں میں حجاج کے قافلوں کے درمیان حق وصداقت کی بانگ اور صدق وعدالت کی صدا بلند کرنے میں سرگرم اور کوشاں تھے۔ ہموم وغموم کے ہجوم اور مخالفت اور معاندت کی بادِ سموم میں گلستانِ اسلام سے خوشہ چینی، انگاروں بچھے راستے پر برہنہ پا چلنے اور شوریدہ سر دریا کی موجوں میں تختہ بند ہو کر مخالف سَمت میں تیرنے کے مترادف تھا۔ لیکن زنجیروں کے غلغلے اور مخالفتوں کے طوفان کے باوجود بزمِ جنون کے دیوانے اور میکدۂ عشق کے بادہ کش، پس وپیش کے شکار نہ ہوئے اور زبانِ حال سے یہ کہتے ہوئے دامنِ نبی سے وابستہ ہو گئے:

زنجیر جنوں کا تحفہ ہے، زنجیر سے کیا گھبرانا ہے
ہم ہاتھ بڑھائے بیٹھے ہیں پہنائے جسے پہنانا ہے

یثرب میں اسلام کی کرنیں

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان واسلام اور دین وشریعت کو ان کی ذات تک محدود نہیں رکھا؛ بلکہ ان کو ترغیب دی کہ اپنے علاقہ میں جا کر ایمان کی شمعیں اور حق کی قندیلیں جلائیں۔ چناں چہ انھوں نے یثرب جا کر اسلام کے محاسن ومکارم اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق وشمائل کا صور اس بلند آہنگی سے پھونکا کہ ہر

طرف اسی کی صدائے بازگشت سنائی دینے لگی، لوگ اسلام کے جھنڈے اور حق کے سائے تلے آنے لگے۔ جب مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی تو کسی ایسے استاذ و معلم کی ضرورت پڑی جو انہیں اسلامی احکامات و مقتضیات اور نبوی تعلیمات و پیغامات سے روشناس کرائے، ان کے درپیش مسائل کا قرآن و حدیث کی روشنی میں حل نکالے اور دعوتِ اسلام کا کام مزید تیزی سے انجام دیا جائے۔ اسی ضرورت کی تکمیل کے لیے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے محبوب صحابی حضرت مصعب بن عمیرؓ کو بھیجا، انھوں نے بڑی متانت و دل سوزی اور حکمت و دانائی کے ساتھ اسلام کی دعوت دینی شروع کی اور لوگ جوق در جوق ان کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے لگے۔

حضرت ثابت بن قیس اسلام کے سایۂ عاطفت میں

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت مصعب بن عمیرؓ بلند آواز سے قرآنِ کریم کی تلاوت فرما رہے تھے، حضرت ثابت بن قیسؓ کا وہاں سے گذر ہوا تو اس عجیب و غریب کلام کو سن کر وہ ذرا رک گئے اور کان لگا کر سننے لگے، چوں کہ خود بڑے ماہر ادیب اور قادر الکلام خطیب واقع ہوئے تھے اور الفاظ کے پیچ و خم اور جملوں کی نشست و برخاست سے کماحقہٗ واقف تھے؛ اس لیے قرآنِ کریم کے اسلوب کی جودت اور عمدگی، معانی کی بلندی اور گہرائی، مفاہیم کی وسعت و کشادگی، آواز کی دلکشی و جاذبیت اور شیرینی و حلاوت سے نہایت درجہ متاثر ہوئے اور کچھ دیر تک

فصاحت و بلاغت کے اس بحرِ بے کراں میں شناوری و غوطہ زنی کے بعد بالآخر ایمان و ایقان کا گوہرِ آبدار نکال لیا اور طاقچۂ قلب میں سجا کر کامیابی و کامرانی کا تمغہ پا گئے۔

محبوب کی آمد پر

اِدھر یثرب کی تاریکیاں روشنیوں میں بدل رہی تھیں اور اُدھر مکہ میں روشنی کے علَم بردار؛ کفر کے ظلمت فروشوں کے ہاتھوں سینکڑوں تکالیف جھیلنے اور ہزاروں مشقتیں برداشت کرنے کے بعد مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آنا شروع ہوئے؛ یہاں تک کہ جاں نثاروں کے دلوں کی دھڑکن، خلاصۂ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لے آئے۔ پورا مدینہ خوشیوں سے جھوم اٹھا، گلی گلی فرحت و مسرت کے شادیانے بجے، گھر گھر خوشیوں کے دیپ جل اٹھے، ہر کوئی سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بچھا جا رہا تھا۔ تاریخ گواہی دیتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو ہر قبیلے کا سردار ناقۂ رسول کی لگام پکڑ کر اپنے غریب خانے پر قیام کی درخواست کرتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے: اسے چھوڑ دو! یہ عنداللہ مامور ہے۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بھی سردارانِ خزرج میں سے تھے، آپؓ نے بھی زمامِ ناقہ ہاتھ میں لے کر دربارِ نبی میں بڑی لجاجت کے ساتھ اس طرح عرض کیا: إِلَيْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَيْثُ الْعِزَّ وَالْمِنْعَةَ، اے اللہ کے رسول! ہمارے یہاں قیام فرمایئے، ہم حفاظت اور اکرام کے تمام سامان مہیا کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا: ''خَلُّوْا سَبِیْلَهَا فَإِنَّهَا مَأْمُوْرَةٌ'' اسے چھوڑ دیجیے، اسے جہاں خدا کی طرف سے حکم ملے گا وہیں بیٹھ جائے گی۔ اسی موقع پر اپنے بھائی شاعرِ اسلام حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور اپنے رفقا کے ہمراہ حضور کا استقبال کرنے کے لیے آئے ہوئے ثابت بن قیس نے اپنی خوشی کا اظہار ایک مختصر خطبہ میں کیا، جس کے آخری کلمات یہ تھے: ''نمنعك مما نمنع منه أنفسنا وأولادنا فمالنا يا رسول الله!'' اے اللہ کے رسول! ہم آپ کی حفاظت ٹھیک اسی طرح کریں گے جس طرح ہم اپنی جان کی اور اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہیں، ہمیں اس کے بدلے کیا ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''الجنة'' اس کے بدلے میں تم لوگوں کو جنت ملے گی، جواباً تمام لوگوں نے کہا ''رضينا'' ہم اس پر راضی ہیں۔ اس خوش خبری کو سن کر آپؓ اور تمام رفقا کے چہرے خوشی سے دمک اٹھے اور اسی دن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنا ''خطیب'' بنالیا۔ چناں چہ جہاں آپؓ ہر جنگ میں بہادری کے جوہر دکھلاتے رہے وہیں اپنی یہ ذمہ داری بھی اچھی طرح سے نباہتے رہے اور تاریخ میں ''خطیبِ رسول'' کے نام سے جانے گئے۔

مواخات وبھائی چارگی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ تشریف آوری کے بعد مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات و بھائی چارگی کا رشتہ قائم کیا؛ تاکہ وطن سے دوری اور رشتہ داروں کے بُعد کا خیال ان مہاجرین کے ذہن کے قریب بھی نہ بھٹکے اور وہ یکسوئی کے

ساتھ اپنے کام میں لگے رہیں۔ اس عظیم و بے مثال نظام کے تحت حضرت عامر بن ابوبکیرؓ آپؓ کے اسلامی بھائی قرار پائے۔ اپنے ان پردیسی، غریب الوطن اجنبی بھائیوں کے ساتھ انصار نے جس حسنِ سلوک کا معاملہ کیا، تاریخ گواہ ہے کہ ایسا سلوک نسبی اور خونی بھائیوں نے بھی نہیں کیا۔ حضرت ثابت بن قیسؓ بھی اس معاملے میں کسی سے پیچھے نہیں رہے اور اپنے اسلامی بھائی کی خوب خدمت کی اور ان کا بہت اکرام کیا۔

غزوات میں شرکت

مدینہ کے استقبالیہ خطبے میں حضرت ثابت بن قیسؓ نے جو وعدہ کیا تھا اُسے نباہ کر دکھایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت و نصرت اور صیانت و حفاظت پر اپنی اولاد سے زیادہ توجہ دی اور اپنی ساری زندگی اسلام کی اشاعت و سربلندی کے خاطر وقف کر دی۔

میری زندگی کا مقصد: تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں، میں اسی لیے نمازی

خصوصاً جب اعدائے اسلام سے جہاد و قتال کا حکم نازل ہوا تو جب کبھی موقع ملا بے خوف و خطر میدان میں کود پڑے اور کھل کر اپنی شمشیر زنی اور نیزہ بازی کے جوہر دکھلائے۔

میدانِ امتحان سے گھبرا کے ہٹ نہ جانا	تکمیلِ زندگی ہے چوٹوں پہ چوٹ کھانا

''سیر الصحابہ'' میں مذکور ہے کہ: علامہ ابن حجرؒ نے ''تہذیب التہذیب'' میں ان کے متعلق بدری ہونے کی رائے ظاہر کی ہے، مگر عام اصحابِ مغازی نے ان کو ''اصحابِ بدر'' میں شامل نہیں کیا ہے۔

غزوۂ بدر کے سوا باقی تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قدم بہ قدم شریک رہے اور سرفروشی و جانبازی کے ساتھ دشمنوں سے قتال کیا اور اپنی دلیری و بہادری سے دشمنوں کو خوب نقصان پہنچایا۔ غزوات میں آپ کی کارکردگی کی مناسبت سے کچھ واقعات قابلِ ذکر ہیں جن کو ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے:

انصار کا قابلِ صد رشک ایثار

غزوۂ احد کے بعد جب قبیلۂ بنونضیر نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ مبارک پر چکی کا پاٹ پھینک کر قتل کرنے کی انتہائی گھناؤنی سازش رچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی ایذا رسانیوں اور ریشہ دوانیوں سے تنگ آ کر انہیں جلا وطن کر دیا۔ ''صاحبِ امتاع'' فرماتے ہیں: ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنونضیر کا متروکہ مال و دولت اور ساز و سامان یکجا کر لیا تو حضرت ثابت بن قیسؓ؛ انصار کو بلانے کی غرض سے بھیجے گئے۔ چناں چہ وہ تمام انصاری صحابہؓ کو بلا لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور انصار کا ذکرِ خیر فرمایا اور انھوں نے مہاجرین کے ساتھ جو معاملہ کیا اور جس طرح ان کے مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھا اور اپنی ذات پر ان کو ترجیح دی اسے بھی بڑی تفصیل سے بیان کیا، پھر فرمایا: ''بنونضیر کا جو مالِ غنیمت

مجھے حاصل ہوا ہے اگر تم چاہو تو میں اسے تمھارے اور مہاجرین کے مابین تقسیم کردوں اور وہ جس طرح تمھارے گھروں اور مال و جائیداد سے فائدہ اٹھاتے چلے آرہے ہیں اب بھی اسی طرح فائدہ اٹھاتے رہیں۔ اور اگر چاہو تو میں سب کا سب انہیں دے دوں؛ تاکہ وہ تمھارے گھروں سے نکل کر علیحدہ گھروں میں رہنے لگیں''۔ جواب میں حضرت سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ: ''آپ اسے مہاجرین ہی کے درمیان تقسیم کردیں اور وہ ہمارے گھروں کی رہائش بھی ترک نہ کریں؛ بلکہ ہمارے ہی گھروں میں سکونت پذیر رہیں۔ اس پر سب انصاری بہ یک زبان ہوکر بولے: اے اللہ کے رسول! ہم خوش ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دعا دی: ''اے اللہ! انصار پر بھی رحم فرمائیے، اور ان کی آل و اولاد پر بھی''۔

جویریہ بنت حارث کا ام المؤمنین بننا

۵ھ میں غزوۂ بنو المصطلق پیش آیا، جس میں بہ کثرت قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگے، ان اسیروں میں قبیلۂ بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی: جویریہ بنت حارث بھی تھیں، جس کو حضرت ثابت نے گرفتار کیا تھا۔ ناز و نعمت اور عیش و عشرت میں نشو و نما پانے کی وجہ سے اس کے لیے غلامی و اسیری باعثِ عار تھی، عقدہ کشائی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دروازہ کھٹکھٹایا اور عرض کیا: میں اپنے قوم کے سردار کی بیٹی ہوں اور ثابت بن قیس نے مجھے گرفتار کرکے نو اوقیہ سونے کے عوض مکاتبہ بنادیا

ہے؛ لیکن سیم وزر اور مال و دولت سے تہی دست ہونے کی وجہ سے بدلِ کتابت کی ادائیگی سے قاصر و عاجز ہوں؛ اس لیے داد و دہش کی امید کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا تم اس سے بہتر چیز پسند کروگی؟ پوچھا کہ: آخر وہ کون سی چیز ہے؟ جواب دیا کہ: میں تمھارا بدلِ کتابت ادا کر کے تمہیں اپنی زوجیت میں لے لوں۔ حضرت جویریہ نے ہامی بھر لی، اسلام قبول کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسبِ وعدہ ان سے نکاح فرمایا۔ جب صحابۂ کرامؓ کو اس کا علم ہوا کہ یہ سب قیدی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سسرالی رشتہ دار بن چکے ہیں تو انھوں نے بہ رضا و رغبت سب کو آزاد کر دیا۔ اس طرح حضرت ثابت بن قیسؓ کی بدولت حضرت جویریہؓ کو ایمان و اسلام کی نعمت اور سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا، اور سارے قبیلہ والوں کو زنجیرِ غلامی و اسیری سے نجات ملی۔

احسان شناسی کا جذبہ

ابوعبید نے ''کتاب الاموال'' میں لکھا ہے کہ: غزوۂ احزاب کے موقع پر جب قبیلۂ بنوقریظہ اور ان کے سردار کعب بن اسید نے مسلمانوں کے ساتھ بد عہدی و بے وفائی کی کوشش کی اور کھلے بندوں معاہدے کی خلاف ورزی کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذؓ کے فیصلہ کے مطابق قبیلۂ بنوقریظہ کے جوانوں کو تہہِ تیغ اور عورتوں اور بچوں کو طوقِ غلامی میں ڈالنے کا حکم صادر فرمایا۔

تعمیلِ حکم میں ایک ایک کو قتل کیا جانے لگا، دریں اثنا حضرت ثابتؓ کی حضرت زبیر بن باطا نامی یہودی پر نظر پڑی جس نے زمانۂ جاہلیت میں جنگِ بُعاث کے موقع پر آپؓ کو فدیہ لیے بغیر انتہائی اعزاز واکرام کے ساتھ آزاد کیا تھا۔ تو احسان شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے آپؓ اس کے پاس گئے اور کہا: کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ اس نے کہا: آپ جیسے لوگوں کو میں کیسے فراموش کرسکتا ہوں! آپؓ نے کہا: جنگِ بُعاث کے دوران تو نے مجھ پر جو احسان کیا تھا میں تیری جاں بخشی کر کے اس کا بدلہ دینا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا: شریف آدمی احسان کا بدلہ دیا کرتا ہے۔

آپؓ نے خدمتِ نبوی میں جا کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! زبیر کے بارِ احسان سے میری گردن بوجھل ہے، لہٰذا اسے میرے حوالہ کر دیجیے؛ تاکہ میں اس کے احسان کا بدلہ دے سکوں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منظور فرمالیا تو آپؓ خوشی خوشی اس کے پاس آئے اور جاں بخشی کا مژدۂ جانفزا سنایا۔ اس نے کہا: میری آل واولاد تو پابندِ سلاسل ہیں، ان کے بغیر میں زندگی کی بہار سے کیسے لطف اندوز ہوسکتا ہوں؟ آپؓ نے دربارِ نبوی میں اس کی اولاد کے لیے جاں بخشی کی سفارش کی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بھی قبول فرمالیا۔ آپؓ خوشی خوشی لبوں پر مسکراہٹ لیے ہوئے اس کے پاس آئے اور اس درخواست کی قبولیت کا پیغام بھی سنا دیا، تو اس نے کہا: میرا دھن دولت سب لُٹ گیا ہے، اس کے بغیر میں اپنے خواب کیسے شرمندۂ تعبیر کروں؟ اس پر آپؓ نے پھر آستانۂ نبوت پر حاضری دی اور یہ گزارش

بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بھی قبول فرمالیا، تو آپؓ نے اسے مال وجائیداد کے واپس مل جانے کی بھی خوشخبری سنادی۔ اس کے بعد نامراد زبیر سے آپ کی مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی:

زبیر: اے ثابت! سلطانِ یہود: کعب بن اشرف کا کیا حال ہے؟ جس کا چہرہ چینی آئینہ کے مانند صاف وشفاف تھا۔

حضرت ثابتؓ: وہ تلوار کی زد میں آ کر قتل ہو گیا۔

زبیر: حیی بن اخطب کا کیا حشر ہوا؟

حضرت ثابتؓ: وہ بھی تہہِ تیغ ہو گیا۔

زبیر: عزال بن شمویل پر کیا گذری جو طوفانِ مصائب وآلام کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑا ہو جایا کرتا تھا اور رزم گاہ میں ہماری ڈھال بن جایا کرتا تھا۔

حضرت ثابتؓ: وہ بھی اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

زبیر: بنوکعب بن قریظہ اور بنوعمرو بن قریظہ کے ساتھ کیا سلوک وبرتاؤ کیا گیا؟

حضرت ثابتؓ: وہ سب واصلِ جہنم ہو چکے ہیں؛ البتہ تیرے پاس راہِ ہدایت پر گامزن ہو کر دائمی بہشت پانے کا زریں موقع ہے۔

تب اس نامراد حرماں نصیب نے کہا: ان تمام ہمنواؤں اور ہم مشربوں کے مرنے کی وجہ سے میری زندگی کا پھول مرجھا گیا ہے اور اب میں اس دنیا کو

خیر باد کہہ کر اپنے اعزہ واصدقا سے ملنا چاہتا ہوں۔

حضرت ثابتؓ نے اس احمق و بے وقوف کی یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنائی تو آپ نے اس کی گردن زنی کا حکم فرمایا۔ خود حضرت ثابتؓ آگے بڑھے اور ایک ہی وار میں اسے واصلِ جہنم کر دیا، اس کے بعد تین اشعار پڑھے:

وَاَبَتْ ذِمَّتِیْ اَنِّیْ کَرِیْمٌ وَاَنَّنِیْ		صَبُوْرٌ اِذَا مَا الْقَوْمُ حَادُوا عَنِ الصَّبْرِ

میرا عہد پورا ہو گیا کہ میں شریف ہوں اور صبر کا خوگر بھی، اس وقت جب کہ قوم صبر و تحمل سے کنارہ کش ہو جاتی ہے۔

وَکَانَ زُبَیْرٌ اَعْظَمُ النَّاسِ مِنَّةً		عَلَیَّ فَلَمَّا شَدَّ کَوْعَاہُ بِالْاَمْرِ

اور زبیر کا مجھ پر بڑا احسان تھا پھر جب اسے قید کر لیا گیا۔

اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْمَا اَفُکَّہُ		وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ بَحْرًا لَّذَا یَجْرِیْ

تو میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا؛ تاکہ میں اسے چھڑا دوں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے لیے بہتا ہوا سمندر ثابت ہوئے۔

(بعض روایات میں زبیر کا قاتل حضرت ثابت بن قیسؓ کے بجائے حضرت زبیر ابن العوامؓ کو بتایا گیا ہے۔)

حضرت ابوبکرؓ کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو انھوں نے ارشاد فرمایا: بہ خدا! اللہ نے زبیر کو جہنم کی آگ میں ڈال دیا اور اب وہ ہمیشہ اپنے ساتھیوں کی صحبت و رفاقت سے لطف اندوز ہوتا رہے گا۔

مرتدّین سے جنگ اور شہادت

ان کے علاوہ دیگر غزوات میں بھی آپؓ زبان وسنان کے ذریعہ کفار و مشرکین کا مقابلہ کرتے رہے اور اپنی دلیری و بہادری کے جوہر دکھلاتے رہے؛ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔لیکن ع

شہادت ہے مطلوب ومقصودِ مومن

کے پیشِ نظر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے حادثۂ جانکاہ کے باوجود آپؓ کے سرفروشانہ جذبات جمود وتعطل کا شکار نہیں ہوئے اور شہادت کا شوق وولولہ سرد نہیں پڑا؛ بلکہ آپؓ نے اپنی شمشیر بازی وتیغ زنی اور تیراندازی ونیزہ بازی کا سلسلہ جاری رکھا۔

چناں چہ دورِ صدیقی کے آغاز میں جب مرتدین اور جھوٹے مدعیانِ نبوت کا فتنہ کھڑا ہوا تو اس کی سرکوبی کے لیے مدینہ کی چھوٹی سی ریاست سے متعدد لشکر بھیجے گئے۔طلیحہ اسدی پر فوج کشی کے لیے جو لشکر روانہ ہوا اس کے سپہ سالار حضرت خالدؓ تھے اور تمام انصار حضرت ثابت بن قیسؓ کی ماتحتی میں تھے۔اسی طرح جب مسیلمۂ کذاب نے سر ابھارا اور قوم پرستی کی بنیاد پر تقریباً ۴۰/ ہزار لوگ اس کے معتقد بن گئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کے بڑھتے قدموں پر قدغن لگانے اور اس کی جمعیت کو منتشر کرنے کی غرض سے تیرہ ہزار سرفروشوں اور جانبازوں پر مشتمل ایک لشکر یمامہ کی جانب روانہ فرمایا۔جس میں مہاجرین کا علَم

سالم مولی ابوحذیفہؓ اور انصار کا جھنڈا حضرت ثابتؓ کے سپرد فرمایا اور حضرت خالد بن ولیدؓ کو پورے لشکر پر قائد مقرر کیا۔

جب اسلامی لشکر یمامہ کے قریب پہنچا تو چالیس ہزار جنگجوؤں پر مشتمل یمامہ کا لشکرِ جرار رجال بن عَنْفَوَہ اور محکم بن طفیل کی قیادت و سرکردگی میں مسلمانوں کے ٹڈی دل لشکر پر باز کی طرح ٹوٹ پڑا۔ اس یکبارگی حملہ کی وجہ سے مسلمانوں کی صفوں میں سخت اضطراب اور انتشار پیدا ہوا اور وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ جب حضرت ثابتؓ نے اپنی قوم کی ''رجعتِ قہقری'' کو دیکھا تو نہایت ہی حسرت بھرے لہجہ میں کہا: یَامَعْشَرَ الْمُسلِمِیْنَ! مَاھٰکَذَا کُنَّا نُقَاتِلُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ بِئْسَ مَاعَوَّدْتُّمْ اَعْدَائَکُمْ مِنَ الْجُرْأَۃِ عَلَیْکُمْ وَبِئْسَ مَا عَوَّدْتُّمْ اَنْفُسَکُمْ مِنَ الْاِنْخِذَالِ لَھُمْ. مسلمانو! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں اس طرح نہیں لڑا کرتے تھے، کتنی بری ہے یہ حرکت کہ تم نے دشمن کو اپنے اوپر جرأت کا موقع فراہم کیا اور کیسی ناپسندیدہ ہے یہ بات کہ تم نے ان کے سامنے کم ہمتی اور پست حوصلگی کا ثبوت دیا۔

اس کے بعد عطرِ حنوط لگایا، دو سفید چادریں زیب تن کی اور یہ کہتے ہوئے دشمنوں کے نرغے میں جا گھسے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَبْرَءُ اِلَیْکَ مِمَّا جَاءَ بِہٖ ھٰؤُلَآءِ وَأَعْتَذِرُ إِلَیْکَ مِمَّا یَصْنَعُ ھٰؤُلَآءِ.

ترجمہ: خدایا! مسیلمہ اور اس کے متبعین نے جس شرک کا ارتکاب کیا ہے اور مسلمانوں نے جس کمزوری کا اظہار کیا ہے، میں اس سے تیری جناب میں اپنی

براءت اور لاتعلقی کا اظہار کرتا ہوں۔

پھر بڑے جوش وخروش اور شوق وولولہ کے ساتھ دشمنوں سے لڑتے رہے اور ان کے تابڑتوڑ حملوں کا جواب دیتے رہے؛ لیکن ایک جسم تیروں کی بوچھار اور تلواروں کے وار کب تک سہتا، بالآخر یمامہ کے دور افتادہ میدان میں اس بے مثال مردِ مجاہد نے جامِ شہادت نوش کر کے اپنی دیرینہ خواہش وآرزو پوری کر دی اور وطن سے سینکڑوں میل دور جا کر پیوندِ خاک ہوا۔

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
کیا کیا صورتیں تھیں کہ خاک میں پنہاں ہوگئیں

موت کے بعد وصیت

حضرت انس بن مالکؓ کی روایت سے ایک حیرت انگیز واقعہ کتابوں میں ملتا ہے، وہ یہ کہ جنگِ یمامہ کے موقع پر آپؓ نے نہایت عمدہ اور قیمتی زرہ پہن رکھی تھی، جو شہادت کے بعد کسی مسلمان نے اتار کر اپنے پاس رکھ لی۔ خدا کی قدرت اور آپ کی کرامت کہ آپؓ ایک مسلمان کے خواب میں آ کر کہنے لگے: فلاں مسلمان بھائی نے میرے جسم سے زرہ اتار کر اپنے خیمہ میں ہانڈی کے نیچے چھپا رکھی ہے؛ لہذا تم امیرِ لشکر حضرت خالدؓ کو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ وہ میری زرہ اس غاصب سے واپس لے لیں، اور خلیفۃ الرسول کے پاس بھیج دیں، تاکہ وہ اسے فروخت کر کے میرا قرض ادا کرے اور میرے فلاں فلاں غلام کو آزاد

کردے۔اورخبردار! اسے ایک خواب سمجھ کر ضائع نہ کردینا۔

چناں چہ خواب دیکھنے والے نے حضرت خالدؓ کو سارا ماجرا کہہ سنایا تو انھوں نے نشان زدہ خیمے سے وہ زرہ لے کر حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں بھیج دی، اور واقعہ کی تفصیل سے بھی آگاہ کردیا۔حضرت ابوبکرؓ نے وصیت کے مطابق وہ زرہ فروخت کرکے اس سے حاصل شدہ قیمت کے ذریعہ آپؓ کا قرض ادا کردیا اور غلاموں کو بھی آزاد کردیا۔

اس انوکھے واقعہ کے بارے میں عبدالرحمن رأفت پاشا رقمطراز ہیں: مَا أُجِيزَتْ وَصِيَّةُ امْرِئٍ أَوْصى بِهَا بَعْدَ مَوْتِهِ سِوَى وَصِيَّةِ ثَابِتِ بْنِ قَيْس. حضرت ثابت بن قیسؓ کے سوا کسی بھی آدمی کی موت کے بعد کی ہوئی وصیت پر عمل نہیں کیا گیا۔گویا یہ آپ کا ایک منفرد اعزاز ہے کہ مرنے کے بعد خواب میں آکر کی ہوئی آپ کی وصیت کو پورا کیا گیا۔

آل واولاد

آپؓ کا پہلا نکاح منافقین کے سرغنہ عبداللہ بن ابی بن سلول کی دخترِ نیک اختر حضرت جمیلہؓ سے اور دوسرا حبیبہ بنتِ سہلؓ سے ہوا۔آپؓ نے اپنے پیچھے چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی چھوڑی، صاحبزادی کا نام معلوم تو نہ ہوسکا، البتہ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں: اسماعیل، محمد، یحییٰ، عبداللہ۔آخرالذکر تینوں بھی اپنے باپ کی طرح راہِ وفا پر چل کر ''واقعۂ حرہ'' کے موقع پر شہید ہوئے اور دنیا وآخرت

کی فوز وفلاح کا سہرا اپنے سر باندھا۔

اوصاف وکمالات، فضائل ومناقب

مجسمۂ اخلاق اور سرچشمۂ کمالات پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر آن دید و زیارت اور ہمہ دم معیت ورفاقت نے حضرت ثابت بن قیسؓ کو شمائلِ حمیدہ اور خصائلِ حسنہ کا ایسا حسین گلدستہ بنا دیا تھا جس میں قسم قسم کے رنگ برنگے پھول لگے ہوئے تھے۔ اگلے صفحات میں انہیں گلہائے رنگارنگ میں سے بعض ممتاز و منفرد گلوں سے عطر کشید کر کے قارئین کے دل ودماغ کو معطر کیا جارہا ہے، اس امید کے ساتھ کہ یہ عطر بیزی عملی زندگی میں بادِ صبا کے خوشگوار جھونکے کی طرح انقلاب آفریں ثابت ہوگی۔

حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق ومحبت اور آپ کا ادب واحترام

قرطاسِ ہستی پر عشق ومحبت کی بے شمار داستانیں لکھی گئیں اور منصۂ گیتی پر تعلق وانسیت کے بہت سے ڈرامے دکھائے گئے، کبھی قیس نے لیلیٰ کے کتے کے تلوے چاٹے، تو کبھی فرہاد نے شیریں کے عشق میں 'کوہ کنی' کی مہم انجام دی؛ لیکن نہ تو کسی نے ان کے عاشقانہ اعمال وافعال کو قابلِ اتباع واقتدا گردانا اور نہ ہی ان کو بطورِ اسوہ ونمونہ اختیار کیا گیا، بلکہ انقلاباتِ دہر کی تیز وتند ہواؤں کے سامنے وہ محض ''افسانوی داستان'' کی حیثیت اختیار کر گئے۔

اس کے برخلاف صحابۂ کرامؓ کی مقدس جماعت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

کچھ اس طرح بے لوث محبت کا اظہار کیا کہ جس کی پیروی کو آج بھی قابلِ فخر سمجھا جاتا ہے، انھوں نے اپنا سب کچھ حضور کے قدموں پر نچھاور کر دیا اور کبھی بھی آپ کی خدمت سے ہاتھ نہیں اٹھائے۔

تقاضہ ہائے عشق و محبت میں سب سے مقدم ''ادب و احترام'' ہے، بقول علامہ اقبال:

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

حضرت ثابت بن قیسؓ کی حیات میں آدابِ محبت، ایک نمایاں جوہر کی حیثیت سے سامنے آتا ہے، آپؓ ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوشی و مسرت، اور آرام و راحت پہنچانے کی فکر میں لگے رہتے۔

زندگی بھر یہی فکر ہم کرتے رہے	یہ آشیاں کسی شاخِ چمن پہ بار نہ ہو

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ مسجدِ نبوی میں مجلس جمی ہوئی تھی، جس میں حق و صداقت اور صدق و عدالت کے ستارے حلقہ لگائے بیٹھے تھے اور درمیان میں ماہتابِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز تھے، یکا یک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ مبارک میں آپؓ کا خیال آ گیا، جو کئی دن سے دربارِ رسالت اور آستانۂ نبوت پر حاضری نہیں دے رہے تھے۔ اُن کی اس طویل غیبو بت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کو بے چین کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلۂ خزرج کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ سے پوچھا: اے ابو عمرو! ثابت کو کیا ہو گیا ہے؟ کہیں کسی بیماری میں تو مبتلا نہیں ہے؟ تو

انھوں نے جواباً عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! ان کی بیماری کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں ہے۔ میں دیکھ آتا ہوں یہ کہہ کر حضرت سعد آپؓ کی خبر گیری واحوال شناسی کی غرض سے ان کے دولت کدے پر تشریف لے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے چہرے پر غم واندوہ کے اثرات نمایاں ہیں اور وہ سراپا حزن وملال کی تصویر بنے بیٹھے ہیں۔ حضرت سعدؓ نے اس اضطراب و بے چینی کو دیکھ کر پوچھا: ثابت! کیا بات ہے کہ آپ آج کل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں تشریف نہیں لاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج آپ کو یاد فرما رہے تھے، آپ نے جواب دیا کہ تم کو معلوم نہیں کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ. (الحجرات: ۲) ''اے ایمان والو! تم اپنی آواز نبی کی آواز سے بلند مت کرو، اور ان کے ساتھ بلند آواز سے بات مت کرو جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بلند آواز سے بات کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمھیں پتہ بھی نہ ہو''۔

یاس وغم میں ڈوب کر حضرت ثابتؓ کہنے لگے کہ: میں تم سب میں زیادہ رفیع الصوت ہوں، اس لیے مجھے ڈر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں بات کرتے وقت آواز بلند ہونے کی وجہ سے کہیں میرے اعمال ضائع وبرباد نہ ہو جائیں، اس لیے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدارِ بابرکت کے لیے آستانۂ نبوت پر

حاضر نہیں ہو پا رہا ہوں۔

جب حضرت سعدؓ نے یہ حیرت انگیز جواب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جاؤ اور ان کو یہ خوشخبری سنادو: ''إِنَّكَ لَسْتَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَلٰكِنَّكَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ'' تمھارا شمار دوزخیوں میں سے نہیں؛ بلکہ تم تو جنت کے مکینوں میں شامل ہو۔

اس عظیم الشان خوشخبری و بشارت کو سن کر آپ کے قلبِ مضطر کو تسکین حاصل ہوئی اور دوبارہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک محفل میں شرکت کا سلسلہ شروع کر دیا؛ لیکن ادب واحترام کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ اپنی نیت وارادے کو پختہ کرتے رہتے کہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور کبھی بھی اپنی آواز بلند نہیں کروں گا۔ اگر کبھی کچھ استفسار کرنا ہوتا تو آواز میں اتنی آہستگی اور نرمی پیدا کرتے کہ بسا اوقات اعادہ کی ضرورت پڑتی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ. (الحجرات) ترجمہ: یقین جانو جو لوگ اللہ کے رسول کے سامنے اپنی آوازیں نیچی رکھتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خوب جانچ کر تقوی کے لیے منتخب کر لیا ہے ان کو مغفرت بھی حاصل ہے اور زبردست اجر بھی۔

یہ واقعہ آپؓ کے خوف وخشیت کا بھی غمّاز ہے؛ کیوں کہ یہ آیتِ کریمہ وفدِ بنو تمیم کی بے ادبی و گستاخی اور بے احترامی و ناشائستگی پر تنبیہ کے سلسلے میں نازل

ہوئی تھی، اور اس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قصداً وعمداً بہ آوازِ بلند گفتگو کرنے والوں سے تھا۔ رہی بات ان لوگوں کی جو فطرتاً بلند آواز ہیں ان کو حیران و پریشان اور لرزاں وترساں ہونے کی مطلقاً ضرورت نہیں تھی، کیوں کہ روئے سخن ان کی طرف تھا ہی نہیں۔ ع

لیکن عاشقاں رابیش بود حیرانی

اس لیے آپؓ کو اپنے بارے میں فکر وتشویش لاحق ہوئی اور آپؓ نے گوشۂ عافیت پکڑنے میں ہی عافیت سمجھی۔

جہاں حضرت ثابتؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حد درجہ عشق تھا وہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ ان کی غیر حاضری کو محسوس کرتے اور اس کی تفتیش فرماتے۔ ''سیر الصحابہ'' میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے جو محبت وانس تھا اس کا اندازہ اس سے بھی ہوسکتا ہے کہ ایک بار وہ بیمار پڑے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیادت کو تشریف لے گئے اور ان الفاظ میں دعا فرمائی: اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبِّ النَّاسِ عَنْ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ.

خوف وخشیت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظرِ کیمیا اثر سے جو نمایاں اوصاف آپ کو حاصل ہوئے ان میں سے ایک اہم وصف خوفِ خداوندی اور خشیتِ ایزدی بھی ہے۔ خدا کی عظمت و بزرگی اور بڑائی و کبریائی کا تصور گوشۂ خیال میں آتے ہی آپؓ لرزہ

برانداز ہوجاتے اور دل ہیبت اور ڈر کے مارے کانپ اٹھتا۔ جب کبھی جہنم اور اس کے ہولناک مناظر کا تذکرہ چھڑ جاتا تو آپؓ کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے اور بدن پر رعشہ طاری ہوجاتا۔

علامہ حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے ان کے صاحبزادے: محمد بن ثابت سے اور علامہ طبرانیؒ نے ان کی صاحبزادی سے نقل کیا ہے کہ جب سورۂ لقمان کی یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ. (یقیناً اللہ تعالیٰ ہر شیخی باز، متکبر کو پسند نہیں فرماتے) تو آپؓ کے دل کی دنیا الٹ گئی اور کاشانۂ قلب میں اضطراب و بے چینی پھیل گئی، گھر بیٹھ کر رونے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کے ذریعہ آپؓ کو بلا بھیجا تو خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا بات ہے کہ اس قدر غمگین وفکرمند نظر آرہے ہو؟ آپؓ نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول! مجھے خوف ہے کہ کہیں میں تباہ و برباد نہ ہوجاؤں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خودستائی سے منع فرمایا ہے، جب کہ میں کسی کی زبان سے اپنی تعریف سن کر خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں زیب وزینت کے ترک کا حکم دیا ہے، جب کہ میں اس کا بے انتہا شوقین ہوں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کے حضور اپنی آواز پست رکھنے کا حکم دیا ہے، حالاں کہ میری آواز بہت ہی بلند اور اونچی ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؓ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: یَا ثَابِتُ! اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَعِیْشَ حَمِیْدًا وَتُقْتَلَ شَہِیْدًا وَتَدْخُلَ الْجَنَّۃَ. ثابت! کیا تم اس پر

خوش نہیں ہو کہ تم قابلِ تعریف زندگی گزارو، شہید کی موت مرو اور جنت میں داخل ہو جاؤ۔ آپؓ نے بہ خوشی عرض کیا: اے رسولِ خدا! یہ سب باتیں مجھے پسند ہیں۔

ایثار اور مہمان نوازی

آپؓ کے دل میں ایثار و قربانی اور سخاوت و مہمان نوازی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، مہمانوں کی ضیافت اور خاطر مدارات کے لیے اپنی ذات تک کو فراموش کر دیتے اور خود بھوکا رہ کر ان کا پیٹ بھرتے تھے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اپنی بھوک کا اظہار کرنے لگا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کو امہات المومنین کے گھر بھیجا کہ کچھ کھانے کی چیز ہو تو لے آئے؛ لیکن کچھ دستیاب نہ ہو سکا۔ آپؓ نے صحابہؓ کے درمیان اعلان کیا: جو کوئی اس غریبِ شہر کے لیے شکم سیری کا سامان پیدا کرے گا اور آج کی رات اس کی ضیافت و مہمان نوازی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو راحت بخشیں گے۔ آپؓ نے فوراً لبیک کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے۔

گھر پہنچ کر بیوی سے پوچھا: خورد و نوش کا کوئی سامان ہے جو اس مہمانِ رسول کی بھوک مٹائے؟ بیوی نے انتہائی دبی آواز میں کہا: بچوں کے لیے بقدرِ ضرورت کھانے کے علاوہ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے؛ یہاں تک کہ خود ہمارے لیے بھی کچھ نہیں ہے۔ آپؓ نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمان کو بھوکا رکھنا ہرگز مناسب نہیں، بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دینا اور ان کے حصہ کا کھانا اس مہمان کے

حضور پیش کر دینا اور جب وہ کھانا شروع کرے تو چراغ درست کرنے کے بہانے گل کر دینا، میں ظاہراً ان کے ساتھ کھانے میں شریک رہوں گا؛ تاکہ وہ اجنبیت محسوس نہ کرے۔ بیوی بھی ایثار وقربانی اور ضیافت ومہمان نوازی کے جوہر سے آشنا تھی۔ چناں چہ ایسا ہی کیا گیا، مہمان یہ سمجھ کر اخیر تک اکیلا کھاتا رہا کہ میزبان بھی کھا رہا ہے۔ اس طرح نبوت کے مہمان کو شکم سیر کر دیا اور خود میاں بیوی نے بھوکے پیٹ پوری رات گزار دی۔

صبح فجر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ اپنے فلاں بندے اور بندی سے بے حد خوش ہو گئے، اور ان کے اخلاص و ایثار پر رضامندی کا اظہار فرمایا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. ترجمہ: اور یہ مال فیئ ان لوگوں کا حق ہے جو پہلے ہی سے اس جگہ (یعنی مدینہ میں) ایمان کے ساتھ مقیم ہیں، جو کوئی ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے یہ اس سے محبت کرتے ہیں، اور جو کچھ ان (مہاجرین) کو دیا جاتا ہے، یہ اپنے سینوں میں اس کی کوئی خواہش بھی محسوس نہیں کرتے، اور ان کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، چاہے ان پر تنگدستی کی حالت گذر رہی ہو، اور جو لوگ اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ ہو جائیں، وہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔

تقریر وخطابت

زمانے کے فساد و بگاڑ نے عربوں کے اخلاق و کردار اور عادات واطوار پر بہت برے اثرات ڈالے تھے اور انسانیت کی قبا چاک کر کے ان کو وحشی صفت درندوں کی صف میں لا کھڑا کر دیا تھا، لیکن ان کی زبان و بیان اور فصاحت و بلاغت ذرا بھی متاثر نہ ہوئی تھی، اور وہ لوگ اپنی معاشرتی خرابیوں اور اخلاقی برائیوں کے باوجود طلاقتِ لسانی وسلاستِ بیانی میں اپنے ہم عصروں پر برابر غالب چلے آ رہے تھے، اس سلسلے میں بچے اور جوان، چھوٹے اور بڑے کے درمیان کسی قسم کا کوئی فرق نہیں تھا؛ بلکہ ان کا طفلِ مکتب بھی استاذِ فصاحت سے زور آزمائی کا حوصلہ رکھتا تھا۔ غرض یہ کہ زبان دانی کا عام ماحول تھا، اسی کے پیشِ نظر آپؓ نے بھی زبان وادب کے جام سے گھونٹ پیے اور تقریر وخطابت کے چشمہ سے لب بھرے اور خوب جدّ وجہد اور کدّ وکاوش کر کے نطق وگویائی کی فطری صلاحیتوں کو اس قدر اجاگر کیا کہ قوم کے مایۂ ناز اور بلند پایہ خطیب بن گئے۔

زمانۂ جاہلیت میں بھی آپؓ کی تقریروں کی سحر انگریزی واثر آفرینی کا طوطی بولتا تھا، آپؓ اپنی خطابت کے ذریعہ قوم کی غیرت وحمیت کو للکارتے، جوانوں کے خفتہ احساسات اور خوابیدہ جذبات کو جھنجھوڑتے اور ان کی مردہ ہمتوں اور پژمردہ حوصلوں کو حیاتِ نو بخشتے، جب بولتے تو محفل پر چھا جاتے، اور جب تقریر کرتے تو سامعین کو مسحور کر لیتے۔

دامنِ اسلام میں داخل ہونے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی آپ رضی اللہ عنہ کو اپنا خطیب مقرر فرمایا۔ چناں چہ جب کبھی کفار و مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوتِ مبارزت دیتے تو آپ رضی اللہ عنہ آگے بڑھ کر انہیں ترکی بہ ترکی جواب دیتے، اور جواب ایسا دندان شکن ہوتا کہ خود فریقِ مخالف پکار اٹھتا کہ خطابت ہو تو ایسی اور زور بیان ہو تو ایسا۔ کہتے ہیں کہ جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے۔

نادرۂ روزگار خطیب

کتبِ سیر و حدیث ناطق ہے کہ: قبیلۂ بنو تمیم کا ایک وفد (جو فصیح البیان خطبا اور ماہر اللسان شعرا پر مشتمل تھا) دوپہر کے وقت آستانۂ نبوت پر حاضر ہوا اور بدویانہ انداز میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکارنا شروع کر دیا، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت اذیت پہنچی؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ انتہائی کریمانہ و شریفانہ اخلاق کے ساتھ پیش آئے، اور نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ان سے ملے۔ وفد کے سربراہ اقرع بن حابس نے کہا کہ: پہلے ہم آپ سے مفاخرہ کریں گے (زمانۂ جاہلیت میں قبیلے جمع ہو کر ایک دوسرے کے سامنے اپنے اپنے قبیلے کی عظمت بیان کرتے اور اس پر فخر کرتے، اسی کو ''مفاخرہ'' کہا جاتا تھا) اس کے بعد اسلام کے سلسلے میں بات چیت ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: مجھے فخر و مفاخرہ کے لیے نہیں بھیجا گیا ہے؛ لیکن اگر تمھاری یہی خواہش ہے تو پھر ہم بھی تیار ہیں۔

اس کے بعد بنو تمیم میں سے عطارد بن حاجب آگے بڑھا اور فصاحت و

بلاغت سے لبریز حسبِ ذیل خطبہ دیا:

اَلْحَمدُ للّٰہِ الَّذِیْ لَہ غَلَبَتْ الْفَضْلُ والمَنُّ وھو اَھْلُہ الذِیْ جَعَلَنَا مُلُوْ کاً وَوَھَبَ لَنَا اَمْوالاً عِظَا ماً نَفعَلُ فیھا الْمَعْرُوفَ وَجعَلَنَا اَعِزَّۃَ أھلِ المَشْرقِ وَاکثَرہ عَدَداً وَایْسَرہ عِدَّۃً فَمَنْ مِثْلُنا فِی النَّاس؟ اَلَسْنَا بِرُؤُوْسِ النّاس وَاَولیٰ فَضلِھم؟ فَمَن فَاخَرَنا فَلْیعدِدْ مِثلَ مَا عَدَّدْنا، وَاِنَّا لَوْ نَشأُ لَاَکْثَرْنَا الْکَلَام وَلٰکِنْ نَخْشیٰ مِنَ الْاِکْثَارِ فِیْمَا اَعْطَانَا وَاِنَّا نَعْرِفُ بِذالِکَ، اَقُوْل ھٰذا اِنْ تَاتُوْا بِمثلِ قَولِنا وامرٍ أفضَلَ مِنْ أَمْرِنَا.

ترجمہ: تعریف اس خدا کی جس نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں تاج وتخت کا مالک بنایا، وہی حمد وثنا کا حقدار ہے جس نے ہمیں غیر معمولی مال ودولت عطا فرمایا، جس کو ہم نیک کاموں میں خرچ کرتے ہیں، اہلِ مشرق میں ہمیں سب سے زیادہ معزز بنایا اور ہماری تعداد میں اضافہ کردیا۔ بھلا بتلایئے کہ کیا ہم لوگوں کے سردار اور ان میں صاحبِ فضل نہیں ہیں؟ جو کوئی ہماری برابری کا خواہشمند ہو وہ ہماری طرح اپنے محاسن وکمالات شمار کرائے۔ اگر ہم چاہیں تو کلام کو مزید طول دیں؛ لیکن ہمیں بسیار گوئی ناپسند ہے، اب مجھ کو جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ چکا، کوئی ہو تو آئے اور ہمارے قول سے اچھا قول اور ہمارے حالات سے اچھے حالات پیش کرکے دکھائے۔

عطارد جب تقریر ختم کرکے بیٹھ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ثابت! اٹھو اور اس کا جواب دو۔ حضرت ثابت بن قیسؓ حسبِ حکمِ نبوی فوراً اٹھے

اور یہ خطبہ پیش کیا جس کا ہر ہر لفظ فصاحت و بلاغت کی چاشنی میں ڈوبا ہوا معلوم ہوتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ خَلْقُہٗ، قَضٰی فِیْھِنَّ اَمْرُہٗ وَسِعَ کُرْسِیُّہٗ عِلْمُہٗ وَلَمْ یَئُدْ شَیْءٍ قَطُّ اِلَّا مِنْ فَضْلِہٖ ثُمَّ کَانَ مِنْ قُدْرَتِہٖ اِنْ جعَلَنَا مُلُوْکًا وَاصْطَفٰی مِنْ خِیَرَتِہٖ رَسُوْلاً اَکْرَمَہٗ نَسَبًا وَاَصْدَقَہٗ دَقہ حَدِیثًا وَاَفْضَلَہ حَسَبًا فَاَنْزَلَ عَلَیْہِ کِتَابًا وَائْتَمَنَہٗ عَلٰی خَلْقِہٖ فَکَانَ خِیَرَۃَ اللّٰہِ مِنَ الْعَالَمِیْنَ ثُمَّ دَعَا النَّاسَ اِلَی الْاِیْمَانِ بِہٖ فَآمَنَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الْمُھَاجِرُوْنَ مِنْ قَوْمِہٖ وَذَوِیْ رَحِمِہٖ اَکْرَمِ النَّاسِ اَحْسَابًا وَاَحْسَنِ النَّاسِ وُجُوْھًا وَخَیْرِ الناسِ فِعَالاً ثُمَّ کَانَ اَوَّلُ الْخَلْقِ بِاِجَابِہٖ وَاسْتَجَابَ لِلّٰہِ حِیْنَ دَعَاہُ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نَحْنُ، فَنَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ وَوُزَرَاءُ رَسُوْلِہٖ نُقَاتِلُ الناسَ حتّٰی یُؤْمِنُوْا، فَمَنْ اٰمَنَ باللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ مَنَعَ مالَہٗ وَدَمَہٗ وَمَنْ کَفَرَ جَاھَدْنَاہُ فِی اللّٰہِ اَبَدًا وَکَانَ قَتْلُہٗ عَلَیْنَا یَسِیْرًا" اقولُ قَوْلِیْ ھٰذَا وَاسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ.

ترجمہ: حمد و ستائش اُس خدائے جلّ وعلا کی جس نے ارض وسما کو وجود بخشا اور ان پر اپنا حکم جاری فرمایا، اپنی کرسی اور علم کو وسعتوں سے نوازا، وہ ایسا قادرِ مطلق ہے کہ تمام امور اسی کے حکم اور قدرت سے انجام پاتے ہیں۔ اس کی قدرت کی کرشمہ سازیوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ اس نے اپنی مخلوق میں ایک ایسے پیغمبر کو مبعوث فرمایا جو ان میں سب سے زیادہ شریف، راست گو اور بلند اخلاق کا حامل

ہے، پھر اس پر ایک عظیم الشان کتاب نازل فرمائی اور اسے ساری انسانیت کا ذمہ دار بنایا، وہ اللہ تعالیٰ کا ایک چنندہ بندہ ہے، پھر اس نے لوگوں کو کلمۂ حق کی طرف بلایا، تو مہاجرین اس کے دستِ بابرکت پر مشرف بہ اسلام ہوئے جو اس کے خاندان والے اور رشتہ دار ہیں، وہ لوگوں میں سب سے زیادہ شریف، خوبرو اور بہتر کام انجام دینے والے ہیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر ہم نے لبیک کہا، اور ہم اللہ کے دین کے ناصر ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حامی و مددگار، ہم لوگوں سے جہاد و قتال کرتے رہیں گے جب تک کہ لوگ ہماری طرح مسلمان نہ ہو جائیں، لہٰذا اب یہ قاعدہ و ضابطہ ہے کہ جو شخص بھی ایمان لے آئے اس کی جان اور مال محفوظ ہوگا، جو کفر اختیار کرے گا تو اس سے ہم ہمیشہ لڑتے رہیں گے، اس کو قتل کرنا ہمارے لیے بہت آسان ہے۔ میں اپنی بات ختم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنی اور تمام مؤمنین و مؤمنات کے گناہوں کی بخشش طلب کرتا ہوں۔

آپؓ جب اپنا خطبہ مکمل کر چکے تو فریقین کے مابین حکم اور ثالثی کے فرائض انجام دینے والے اقرع بن حابس نے کہا: میرے باپ کی قسم! بے شک ان کا خطیب ہمارے خطیب کے مقابلے میں زیادہ فصیح و بلیغ اور زبان آور تھا۔ تمام اہلِ وفد نے ان کی رائے سے اتفاق کیا اور سب اُسی وقت حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

واقدی کا بیان ہے کہ اُس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام مسلمان حضرت ثابت بن قیسؓ کے کمال اور اعلیٰ مقام سے نہایت مسرور ہوئے۔

دونوں خطبوں کا تقابلی جائزہ

آپؓ اور عطارد بن حاجب کے خطبوں کا تقابل کرنے سے کچھ باتیں سامنے آتی ہیں:

۱) عطارد بن حاجب نے اللہ کی حمد وثنا کے فوراً بعد اپنی حکومت وسلطنت کا تذکرہ کرتے ہوئے "وجعلنا ملوکا" کہا، جب کہ آپؓ نے "السموات والارض خلقه" کہہ کر خدائے لم یزل ولا یزال کی بلاشرکتِ غیرے بادشاہت کا اعلان کیا۔

۲) عطارد نے سلطنت وریاست کے فوراً بعد مال ودولت اور سیم وزر کا تذکرہ کر کے اپنے آپ کو مال کے پیچھے بھاگنے والا اور مادہ پرست ثابت کیا، اور اسے سب سے بڑی کامیابی وسرخروئی گردانا، گویا وہ کہنا چاہتا تھا کہ ہمارے پاس مال ودولت کے انبار لگے ہوئے ہیں، تمھارے پاس کیا ہے؟ جب کہ آپؓ نے جو بات کہی وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ: واصطفی من خیرته رسولا، اکرمه نسبا واصدقه حدیثا، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمارے مابین اپنے رسول کو بھیجا جو اس قدر بابرکت اور محیر العقول صفات وکمالات کے مالک ہیں کہ ان کے جیتے جی ہمیں مال ودولت کی کوئی ضرورت ہی نہیں، ان کی ذاتِ گرامی کی خدمت و اطاعت ہمارے لیے قارون کے خزانوں سے بڑھ کر ہے۔

یہ بات کس سے ڈھکی چھپی ہے یہ بات کس پر عیاں نہیں ہے
غلامیٔ مصطفی سے بڑھ کر سعادتِ انس وجاں نہیں ہے

۳) عطارد نے "السنا برؤوس الناس" کہہ کر اپنی حکومت کو تمام لوگوں پر ثابت کرنا چاہا؛ لیکن آپؓ نے "نحن انصار اللّٰہ ووزراء رسولہ" کہہ کر یہ حقیقت واضح کردی کہ ہم تمھارے مملوک نہیں؛ بلکہ ہم تو خدائے واحد کے دین کے مددگار اور اس کے صادق ومصدوق رسول کے جاں نثار ہیں۔

۴) آخر میں عطارد نے "فمن فاخرنا" کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ ہمارے مقابلہ میں آنے کے لیے کچھ سرمایہ درکار ہے، لہذا پہلے اپنی مالی حیثیت درست کرلو، پھر ہمارے سامنے آؤ، جب کہ آپؓ نے "نقاتل الناس" کہہ کر یہ بات واضح کردی کہ جو شخص بھی توحید ورسالت کا انکار کرے اس کے ساتھ قتل وقتال کے لیے ہماری تلواریں ہر وقت بے نیام رہتی ہیں اور ہمیں کسی قسم کے سرمایہ کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی۔

ان سب کے علاوہ آپؓ کے خطبہ میں ایک اور خوبی یہ ہے کہ آپؓ نے قافیہ بندی کی رعایت کرتے ہوئے مافی الضمیر کو ادا کیا ہے، جب کہ عطارد کا خطبہ اس سے عاری وخالی ہے۔ گویا ظاہراً وباطناً، لفظاً ومعناً ہر اعتبار سے آپؓ کا بے مثال خطبہ فریقِ مخالف کے خطبہ پر غالب وفائق رہا جس کا اعتراف خود ان کے سردار وحکم نے کیا۔

ثابت موجود ہیں

۹ھ میں مسیلمۂ کذاب بنوحنیفہ کی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ مدینہ آیا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ثابت بن قیسؓ کو لے کر ان کے ہاں گئے، نبوت کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، مسیلمہ نے کہا کہ اگر آپ اپنے بعد مجھ کو خلیفہ بنانے کا وعدہ کرو تو ابھی تمھاری اتباع کا دم بھرتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت خفگی کے عالم میں فرمایا کہ: خلافت تو بڑی چیز ہے، میں تجھے یہ چھڑی بھی دینا گوارا نہیں کرسکتا، لوحِ تقدیر میں تیرے متعلق جو فیصلہ ہو چکا ہے وہ ہو کر رہے گا، میں تیرا بھیانک انجام خواب میں دیکھ چکا ہوں، زیادہ گفتگو کی ضرورت ہو تو ''ثابت'' موجود ہیں، ان سے پوچھ لے، اب میں جاتا ہوں۔

خطیبِ رسول سقیفۂ بنوساعدہ میں

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جب انصار نے سقیفۂ بنوساعدہ میں اکٹھے ہو کر خلافت کے استحقاق کا دعویٰ کیا، اس وقت آپؓ ہی نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا، جس میں انصار کی گرانقدر خدمات اور بے لوث قربانیوں کو ان الفاظ میں بیان کر کے انصار کے حق میں خلافت کے استحقاق کو ثابت کرنا چاہا: أَمَّا بَعْدُ! فَنَحْنُ أَنْصَارُ اللّٰهِ وَ كَتِيْبَةُ الْإِسْلَامِ وَأَنْتُمْ مَعَاشر الْمُهَاجِرِيْنَ رَهْطٌ وَقَدْ طَرَ قت رافة مِنْ قَوْمِكُمْ فَإِذَا هُمْ يُرِيْدُوْنَ أَنْ يَحْزِلُوْنَا أَمَلَنَا وَاَنْ يَخْتَزِلُوْنَا مِنَ الْاَمْرِ.

ترجمہ: امابعد! ہم اللہ کے مددگار اور اسلام کی فوج ہیں اور تم مہاجرین

معدودے چند ہو، کتنی بری بات ہے کہ کچھ لوگ ہماری آرزوؤں کا خون کرنا چاہتے ہیں اور ہمیں خلافت سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔

لیکن حضرت ابوبکرؓ نے بروقت پہنچ کر قوی دلائل و براہین کے ذریعہ قریش کو خلافت کا حقدار ثابت کر دکھایا، جس سے سب کا دل مطمئن ہو گیا، پھر حضرت ابوبکرؓ کے دستِ بابرکت پر بیعت کا سلسلہ شروع ہوا تو آپؓ نے بھی بلا چوں و چرا ان کو خلیفہ و امیر تسلیم کر لیا۔

تحریر و کتابت

شعر و شاعری اور تقریر و خطابت کے عام ماحول کے باوجود اُس زمانہ میں تحریر و کتابت کا فن مفقود تھا، اکّا دکّا اشخاص اچھی طرح لکھنا جانتے تھے۔ آپؓ کا شمار بھی انہیں نادر اور کمیاب کاتبوں کی فہرست میں ہوتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؓ کے ذریعہ کتابتِ وحی کا کام کیا کرتے تھے، نیز موقع بہ موقع اسلام لانے والے قبائل اور وفود کے نام خطوط لکھنے کے لیے بھی آپؓ کو یاد فرمایا جاتا۔

فتحِ مکّہ کے بعد کچھ سردار اپنے اپنے قبائل کے ساتھ اسلام قبول کرنے کی غرض سے مدینہ آئے، جن میں سے عبداللہ بن علس الشمالی اور سلمہ بن ہاران حدائی بھی اپنی قوم کے ساتھ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقہ اور زکوۃ وغیرہ کے متعلق تفصیلات پر مشتمل ایک خط آپؓ کے دستِ مبارک سے لکھوایا۔

اسی طرح جب قبیلۂ اسلم حلقہ بگوشِ اسلام ہوا تو ان کو اوامر ونواہی سے باخبر کرنے اور فرائض وواجبات سے روشناس کرانے کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو خط بھیجا تھا اس کے کاتب بھی آپؓ ہی تھے۔

حضرت ثابت بن قیسؓ کی زندگی پر طائرانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے زبان، قلم اور تلوار تینوں سے اسلام کی بیش بہا اور قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔

ثابت بن قیسؓ اور قرآن

سطورِ بالا میں دو ایک واقعات ایسے مذکور ہوئے جن میں آپؓ کے کسی قول وفعل پر مستقل قرآن اتارا گیا۔ اس قسم کے دیگر واقعات بھی آپؓ کے بارے میں منقول ہیں، جن کو تفسیرِ قرطبی کے حوالہ سے سپردِ قرطاس کیا جاتا ہے:

صرف تقوے کی وجہ سے فوقیت

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ثابت بن قیسؓ کی سماعت میں کچھ ضعف وکمزوری تھی، جب آپؓ مجلسِ رسول میں آتے تو صحابۂ کرامؓ ان کے لیے جگہ چھوڑ دیتے تھے اور وہ اللہ کے نبی کے سامنے بیٹھ جاتے۔ ایک دن اتفاق سے آپؓ کی فجر کی ایک رکعت فوت ہوگئی، آپ نماز مکمل کر کے مجلس کی طرف آئے، تو صحابہؓ نے حسبِ عادت ان کے لیے جگہ کر دی؛ حتّٰی کہ آپؓ اور حضور کے بیچ صرف ایک آدمی رہ گیا، آپؓ نے اس شخص سے کہا: میرے لیے جگہ کیجیے، اس شخص نے

کہا: آپ کو جگہ مل چکی ہے، لہٰذا آپ بیٹھ جائیے۔ آپؓ کو فطری طور پر غصہ آ گیا اور کہا: یہ کون ہے؟ جاہلیت میں اس کی ماں تو ایسی تھی۔ اس شخص کو یہ سن کر بڑی شرمندگی ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے اس اضطراری فعل پر تنبیہ کے لیے آیت نازل فرمائی: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ وَ لَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ وَ مَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. (الحجرات:۱۱)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! نہ تو مرد لوگ دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ (جن کا مذاق اڑایا جارہا ہے) خود ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ (جن کا مذاق اڑا رہی ہیں) خود ان سے بہتر ہوں، اور تم ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو، اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو، ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگانا بری بات ہے، اور جو لوگ ان باتوں سے باز نہ آئیں تو وہ ظالم لوگ ہیں''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ عمل ناگوار محسوس ہوا اور آپ نے پوچھا: فلاں عورت کا تذکرہ کس نے کیا؟ تو حضرت ثابت بن قیسؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگوں کے چہرے دیکھو، پھر پوچھا: کیسے نظر آئے؟ تو حضرت ثابتؓ نے کہا: سفید، کالے اور سرخ۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے کہا: تمہیں صرف تقوے کی وجہ سے ان پر فوقیت اور فضیلت حاصل ہوسکتی ہے۔

آیتِ خلع کا نزول

ایک دوسرا واقعہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضرت ثابت اور ان کی اہلیہ کے بیچ باہمی چپقلش اور اَن بَن رہا کرتی تھی، ان کی بیوی نے آپ سے کہا کہ: میں اب ثابت کو اور نباہ نہیں سکتی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا آپ ثابت کو بطور خلع کے ان کا باغ واپس کردیں گی؟ بیوی نے منظور کرلیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثابتؓ کو بلا کر حکم دیا کہ وہ باغ لے لیں۔ چناں چہ وحی نازل ہوئی: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ. (البقرہ:۲۲۹) ترجمہ: ان دونوں کے لیے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ عورت مالی معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کرلے۔

پہاڑوں سے زیادہ مستحکم ایمان

ایک اور واقعہ مذکور ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ. (النساء:۶۶) ترجمہ: اور اگر ہم ان کے لیے یہ فرض قرار دیتے کہ تم اپنے آپ کو قتل کرو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو ان میں سے تھوڑے سے لوگوں کے سوا کوئی اس پر عمل نہ کرتا۔

ایک یہودی نے یہ سن کر آپؐ سے کہا: اللہ نے ہمیں کہا کہ تم اپنے آپ کو قتل کردو تو ہم نے ایسا ہی کیا۔ حضرت ثابتؓ نے اس سے کہا: خدا کی قسم! اگر اللہ ہمیں بھی ایسا حکم دیتے تو ہم بھی اپنے آپ کو قتل کردیتے۔ اس پر آیتِ کریمہ

نازل ہوئی: وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ. (جس بات کی انہیں نصیحت کی جارہی ہے، اگر یہ لوگ اس پر عمل کر لیتے تو ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا اور ان میں خوب ثابت قدمی پیدا کر دیتا)۔

جب آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: ''إِنَّ مِنْ أُمَّتِيْ لَرِجَالًا الْإِيْمَانُ أَثْبَتَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مِّنَ الجبال الروا سی'' میری امت میں چند ایسے لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت ہے۔

صدقات کی کثرت

حضرت ثابت بن قیسؓ سخاوت اور کھانا کھلانے کے نہایت حریص تھے، ضیافت، صدقہ اور انفاق کا کوئی موقع نہ چھوڑتے، حتی کہ بسا اوقات خود اپنے اور گھر والوں تک کے لیے کچھ باقی نہ رکھتے۔

امام ماوردی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: لَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ. (الانعام: ۱۴۱) (اور یاد رکھو فضول خرچی مت کرو، اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے ہیں) والی آیت حضرت ثابت بن قیسؓ کے سلسلے میں نازل ہوئی، جب کہ انھوں نے اپنے تمام پھل صدقہ کر دیے، حتی کہ کھانے کے لیے بھی کچھ باقی نہ رہا۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ثابت بن قیس اپنے ۵۰۰/ درخت کے پاس گئے، پھر تمام کھجوریں توڑ کر صدقہ کر دی اور گھر والوں تک کے لیے کچھ نہ

چھوڑا، تب یہ آیت نازل ہوئی۔

بہت اچھے آدمی

آپؓ ہر وقت اللہ کے نبی کے قریب رہ کر آپ کا دیدار کرتے رہے، آپ ان صحابہؓ میں سے ہیں جن کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعریف فرمائی ہیں۔ چناں چہ آپ نے فرمایا: ''نِعْمَ الرَّجُلُ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ'' ثابت بن قیس بہت اچھے آدمی ہیں۔

خلاصۂ کلام

یہ تھے حضرت ثابت بن قیسؓ جو شمعِ رسالت کے پروانے، بزمِ جنوں کے دیوانے، اسلام کے بدرِ درخشاں، دین کے نیرِ تاباں اور ہدایت کے نجمِ درخشاں تھے، جن کی تصویر آئینۂ آب و گل میں نظر نہیں آتی، لیکن ان کے کارناموں سے کاشانۂ عالَم آج بھی جگمگا رہا ہے اور آج بھی لوگ ان کی نغمہ سرائی و زمزمہ سنجی میں رطب اللسان ہیں، ان کے نام کی جاودانی کی اصل وجہ وہ عمدہ اخلاق و کمالات اور پاکیزہ شمائل و خصائل ہیں جن کے ذریعے انھوں نے اپنے آپ کو آراستہ و پیراستہ کیا، اگر ہم بھی ان کے راستے پر چلیں اور ان کے رنگ میں رنگ جائیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں بھی دنیا و آخرت میں کامیاب و سرخ رو بنائے گا ان شاء اللہ۔

مآخذ و مراجع:

① رجال مبشرون بالجنۃ ② فرسان النھار ③ صورۃ من حیاۃ الصحابۃ ④ سیر الصحابہ ⑤ خیر البشر کے چالیس جاں نثار ⑥ زندگیاں صحابہؓ کی

حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ

از قلم: ثناء اللہ بن شبیر ایم پی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ

نبوت کے سلسلۂ مبارکہ کا تکملہ، سرکارِ دو عالم، سرورِ کائنات، فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوا، آپ نے اپنی جان توڑ محنت، شب و روز کے مجاہدے، دن کے اجالے میں تبلیغی سرگرمی اور رات کی اندھیریوں میں گریہ وزاری کے ذریعہ ایک ایسی جماعت تیار کی جو اپنے تئیں: توکل و استغنا، صبر و شکر، عدل و انصاف، عبادت و ریاضت اور نیکی و صلاح جیسی خوبیوں اور محاسنِ اخلاق سے لیس ہونے کے ساتھ ساتھ اس قابل بھی تھی کہ دوسروں کے لیے رہنما و رہبر بن سکے، ان کے مجاہَدوں اور دینِ اسلام کے خاطر دی جانے والی قربانیوں کے پیشِ نظر خدائے ذو الجلال نے تمام صحابہؓ کے لیے ''رضی اللہ عنہم ورضوعنہ'' کا مژدۂ جانفزا سنایا، وہیں رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصوصی افراد کو مختلف مواقع سے اِسی دنیا میں جنت کی خوشخبری سنائی، ان ہی خوش نصیب و خوش قسمت اصحاب میں حضرت ابوسفیان بن حارثؓ بھی ہیں۔

راقم الحروف نے آپؓ کے شب و روز اور حالاتِ زندگی پر کچھ روشنی ڈالنے کی غرض سے قلم اٹھایا ہے، اللہ تعالیٰ اسے قبول فرما کر امت کے لیے ذریعۂ نجات اور راقم کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

نام ونسب

آپ کا نام مغیرہ اور کنیت ابوسفیان ہے، کنیت ہی سے آپ کی شہرت ہے۔ آپ کے والدِ گرامی حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محترم چچا رحارث ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ کا نسب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسبِ مبارک سے صرف ایک واسطے سے جا ملتا ہے۔

چناں چہ آپ کا نسب والدِ گرامی کی جانب سے اس طرح ہے: مغیرہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدِ مناف بن قصی بن کلاب بن مرّہ۔ آپ کی والدۂ محترمہ ''غَزِیَّہ بنت قیس'' تھیں، جن کا نسب کچھ اس طرح ہے: غزیہ بنت قیس بن طریف بن عبدالعزی بن عامرہ بن عمیرہ بن ودیعہ بن حارث بن فہر۔

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابوسفیان کے والدِ گرامی حارث حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی چچا تھے، اس اعتبار سے آپ چچا زاد بھائی ہوئے۔ وہیں دوسری طرف ابوسفیان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ، دونوں نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے دودھ پیا ہے، گویا دونوں کے درمیان رضاعی اور حقیقی ہر دو لحاظ سے رشتہ اخوت قائم تھا۔ اس پر طرّہ یہ کہ عمر میں بھی دونوں برابر تھے۔ دونوں کی ولادت اور ان کا نشوونما بھی پاک سرزمین میں ہوا۔ حد تو یہ ہے کہ ابوسفیان کی شکل وصورت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتی جلتی تھی اور جسمانی لحاظ سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غیر معمولی مشابہت رکھتے تھے۔

نیز ابوسفیان، خوبصورت، حسین وجمیل، شہسوار، ماہر تیغ زن اور بلند پایہ شاعر تھے، دوسری طرف حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی حسینوں کے تاجدار، شہسواروں کے شہسوار، سپاہیوں کے سپہ سالار اور فصاحت وبلاغت کے درِّ آبدار تھے، گویا تقریباً اوصاف وکمالات میں بھی آپ ہم آہنگی تھی جس نے تعلقات کی استواری میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان تعلقات کو ملحوظ رکھ کر قارئینِ کرام خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دونوں میں کس غایت درجہ کی الفت ومحبت رہی ہوگی۔

مخالفتِ اسلام

اب پہلا سا التفات نہیں

دو شخصوں کے درمیان بہت ہی کم ایسے گہرے اور مضبوط تعلقات رہے ہوں گے جیسے ابوسفیان بن حارث اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان تھے، اسی وجہ سے فطری طور پر ابوسفیان سے اس بات کی توقع تھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہنے میں پہل کریں گے، اور آپ کی پیروی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے؛ لیکن معاملہ بالکل برعکس سامنے آیا۔

تجري الرياح بما لا تشتهي السفن

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکمِ ربّانی ''وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَکَ الْاَقْرَبِيْنَ'' کے تحت جب تبلیغِ دین کی ابتدا فرمائی اور اپنے اعزہ واقارب کو عذابِ الٰہی سے ڈرانا شروع کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ جس ابوسفیان سے اطاعت واتباع کی امید وابستہ تھی

اسی کی حالت یہ ہے کہ سینے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف غیظ وغضب اور بغض و عداوت کی آگ بھڑکائے پھر رہے ہیں، پھر کیا تھا دوستی و یاری؛ دشمنی میں، صلہ رحمی؛ قطع رحمی میں اور بھائی چارگی؛ نفرت وعداوت کے سانچے میں ڈھل گئی۔

دل بیٹھ گیا جی چھوٹ گیا

زمانۂ جاہلیت میں ابوسفیان بن حارث کو قریش کے مشہور شہسواروں اور نامور شاعروں میں شمار کیا جاتا تھا۔ چناں چہ آپ نے اپنی زبان آوری و ذوقِ شاعری کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت اور تبلیغِ دین و اسلام کی مزاحمت میں بھرپور استعمال کیا، نیز اسلام کو نقصان پہنچانے اور اہلِ اسلام کو اذیت دینے اور ان کا قلع قمع کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔

اگر جنگی تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو قریش نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جتنی لڑائیاں اور جنگیں لڑیں ان کو بھڑکانے، اکسانے اور برانگیختہ کرنے میں آپ کا نام سرِ فہرست نظر آتا ہے، مسلمانوں کو جتنی بھی اذیتیں اور تکلیفیں جھیلنی پڑیں ان سب میں آپ کا زبردست ہاتھ رہا۔

غزوۂ بدر اور ابوسفیان کا شکست کی خبر دینا

غزوۂ بدر کے معرکہ میں قریش اپنی شکست کو بعید تر سمجھ رہے تھے، وجہ اس کی یہ تھی مقابل میں مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی اور اِن کا بڑا لشکر تھا، نیز رؤسائے مکہ بھی کافی تعداد میں تھے؛ لیکن ابولہب اس جنگ میں شرکت سے

محروم رہا اور اس نے اپنی طرف سے چار سو درہم کے بدلہ عاص بن ہشام کو شریکِ جنگ کیا۔ اسے کیا پتہ تھا کہ یہ واپس نہ لوٹ سکے گا، چناں چہ عاص بن ہشام مسلمانوں کے ہاتھوں واصلِ جہنم ہوا۔

اُدھر ابولہب معرکہ کی خبروں کے سننے کے انتظار میں بیٹھا تھا، اتنے میں اسے غمگین کرنے والی خبریں آنے لگیں، اسی حالت میں ایک دن بیٹھا ہوا کہ کچھ لوگوں نے اسے بتایا کہ ابوسفیان بن حارث آئے ہیں، یہ بھی قریش کے ساتھ بدر میں شریکِ جنگ تھے تو ابولہب کہنے لگا: انہیں جلدی میرے پاس لاؤ، چناں چہ آپ کو بلوایا گیا، آپ آئے اور اس کے سامنے بیٹھ گئے، دیگر لوگ حسبِ دستور کھڑے رہے، ابولہب نے پوچھا: بھائی! مجھے بتاؤ لوگوں کے ساتھ معاملہ کیسا رہا؟ ابوسفیان نے کہا: بہ خدا! ہم نے ایسے لوگوں سے مقابلہ کیا کہ ہم خود اپنے مونڈھے ان کے ہاتھوں میں دے رہے تھے کہ وہ ہمیں جس طرح چاہیں تہہِ تیغ کریں اور جس طرح چاہیں قید کریں۔ میں نے ابھی لوگوں کو یہ تو بتلایا ہی نہیں کہ ہم نے کچھ ایسے سفید قسم کے لوگوں سے بھی مقابلہ کیا ہے جو چتکبرے گھوڑوں پر سوار اور زمین و آسمان کے درمیان پھیلے ہوئے تھے۔ نہ وہ کسی کو چھوڑتے تھے، نہ کوئی چیز ان کے سامنے ٹِک سکتی تھی۔

چوں کہ اللہ نے مسلمانوں کی فرشتوں کے ذریعہ مدد کی اور فرشتے مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو کر لڑ رہے تھے اور مشرکین کو تہہِ تیغ کر رہے تھے، جب ابولہب

نے یہ خبر سنی تو بڑا غمگین ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ذلیل ورسوا کیا اور اس کے بعد وہ کچھ ہی دن زندہ رہ سکا، آخر کار اسی غم میں ہلاک ہوکر مر گیا۔

انوکھا اتفاق

ابوسفیان نے دو موقع پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اور مسلمانوں کے حق میں اللہ کی مدد ونصرت کا مشاہدہ کیا، یہ بھی عجیب بات ہے کہ آپ پہلے موقع پر مشرک تھے اور وہ غزوۂ بدر کا موقع ہے جیسا کہ اوپر گذرا؛ کیوں کہ اس غزوہ میں پے در پے بھیجے جانے والے فرشتوں کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کی تھی، اور یہ غزوہ مسلمانوں اور قریش کے درمیان ہوا تھا۔ اور دوسرا موقع جس میں آپ نے مسلمانوں کے حق میں فرشتوں کی مدد کو دیکھا غزوۂ حنین ہے، یہ پہلی جنگ ہے جس میں آپ نے مجاہد مسلمان ہونے کی حیثیت سے شرکت فرمائی۔

ابوسفیان کی دریدہ دہنی

اوپر آپ کو معلوم ہو چکا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوتِ توحید شروع فرمائی تو ابوسفیان کے دل میں بغض وعداوت کے شعلے بھڑک اٹھے، اور ابوسفیان نے اپنی شاعری کے شیطان کو بیدار کر کے اپنی زبان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین کی ہجو میں بے لگام چھوڑ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب کی شان میں انتہائی دریدہ دہنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہایت گھٹیا، فحش اور دل آزار قسم کے اشعار کہنے لگے۔

شاعرِ رسول حضرت حسانؓ سے تعرّض

جیسا کہ اوپر معلوم ہوا ابوسفیان جہاں کفار کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف اپنی طاقت کا استعمال کرتے تھے اپنی زبان کے ذریعہ سے بھی مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے میں پیچھے نہیں تھے۔ چناں چہ ایک مرتبہ انہوں نے شاعرِ رسول حضرت حسّانؓ سے تعرض کرتے ہوئے ان کی ہجو میں یہ شعر کہا:

أبوك أبو سَوء وخالُك مثلُه		فلستَ بِخَير من أبيك وخالك
وَإِنَّ أَحَقَّ النَّاسِ أَلا تَلُوْمَه		عَلىَ اللُّؤْمِ مِنْ أَلْفَى أباه كذٰلك

ادھر مسلمانوں کو جب یہ شعر پہنچا تو انہوں نے حضرت حسانؓ سے بھی ان کی ہجو میں شعر کہنے پر اصرار کیا، حضرت حسانؓ نے فرمایا: جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے متعلق اجازت نہ دیں میں یہ کام نہیں کرسکتا۔ چناں چہ آپ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں اپنے چچازاد بھائی کے متعلق تمہیں اس کی کیسے اجازت دے سکتا ہوں؟ (ہمارا اور ان کا نسب ملا ہوا ہے) حضرت حسانؓ نے کہا: یا رسول اللہ! میں شعر سے آپ کو اس طرح نکال دوں گا جس طرح گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔

چناں چہ حضرت حسانؓ نے ایک شعر پڑھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ پہلے اس کے متعلق ابوبکر سے کچھ مذاکرہ کرلیں (کہ وہ عربوں میں

''انساب'' کے ماہر سمجھے جاتے تھے)، سو آپ نے اس طرح کیا۔

چناں چہ شاعرِ رسول حضرت حسان بن ثابتؓ نے اپنے مشہور جوابی قصیدے میں ابوسفیان کو خوب لتاڑا، فرماتے ہیں:

أَلَا أَبْلِغْ أَبَا سُفْيَان عَنِّيْ		مُغَلْغَلَةً فقد بَرِحَ الْخَفَاءُ
هَجَوْتَ محمداً فَأَجَبْتُ عَنْهُ		وعِنْدَ اللّٰهِ فِيْ ذٰلِكَ الْجَزَاءُ

ترجمہ: ابوسفیان کو میری جانب سے یہ پیغام پہنچا دو کہ پردہ اٹھ گیا، تم نے محمد کی ہجو کی، پس میں نے اس کا جواب دیا اور اس جواب کے عوض مجھے اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر ملے گا۔

قبولِ اسلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دشمنی کا یہ زمانہ تقریباً بیس سال کی طویل مدت تک پھیلتا چلا گیا اور اسی اثنا میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں، ریشہ دوانیوں اور ایذا رسانیوں کے تمام مکروہ حربے استعمال کر ڈالے اور انہیں صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنے کی ناپاک سعی میں اپنی طرف سے کوئی کسر باقی نہ رکھی۔

فتحِ مکّہ سے کچھ عرصہ قبل ابوسفیان کو خط لکھا گیا جس میں انہیں قبولِ اسلام کی دعوت دی گئی، چناں چہ ابوسفیان فتحِ مکہ سے کچھ ایام قبل ہی ایمان کی نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز ہوئے۔ ان کے اسلام میں داخل ہونے کا قصہ عجیب و غریب

ہے، جسے ان ہی کے الفاظ میں پیش کیا جارہا ہے؛ کیوں کہ متکلم دوسروں کے مقابلے میں اپنی حالت سے بہ خوبی واقف ہوتا ہے۔

اب میرا کون ہوگا؟

ابوسفیان اپنی رودادِ زندگی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اسلام جب پورے طور پر مضبوط و مستحکم ہوگیا اور اس نے لوگوں کے دلوں میں اپنا مستقر بنالیا تو مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہ خبر مشہور ہونے لگی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مکہ کو فتح کرنے کی غرض سے تشریف لا رہے ہیں۔ اُس وقت زمین اپنی وسعت و کشادگی کے باجود مجھے اپنے لیے تنگ و تاریک نظر آنے لگی، چناں چہ میں اپنے آپ سے کہنے لگا: اِلٰی اَیْنَ اَذْھَبُ، وَمَنْ اَصْحَبُ؟ وَمَع مَنْ اَکُوْنَ؟ اب میں کہاں جاؤں؟ کس کی صحبت و ہم نشینی اختیار کروں، اور کس کے ساتھ رہوں؟

چناں چہ میں اپنے اہل و عیال کے پاس آیا اور ان سے مخاطب ہوا: ''تم لوگ اب مکہ سے نکل چلنے کے لیے تیار ہوجاؤ؛ کیوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں بہت جلد پہنچنے والے ہیں، اگر مسلمانوں نے مجھے پکڑ لیا تو پھر میرے قتل کیے جانے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔

بیوی کا جواب

جواب میں بیوی نے مجھ سے کہا: '' اَمَا اَنَّ لَکَ اَنْ تَبْصُرَ اَنَّ الْعَرَبَ وَالْعَجَمَ قَدْ دَانَتْ لِمُحَمَّدٍ بِالطَّاعَةِ، وَاعْتَنَقَتْ دِیْنَہٗ، وَاَنْتَ مَاتَزَالُ مُصِرًّا عَلٰی

عَدَاوَتِہٖ، وَ کُنْتَ اَوْلَی النَّاسِ بِتَائِیْدِہٖ وَ نَصْرِہٖ؟''. ترجمہ: ''کیا آپ کے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ آپ اس بات پر ذرا غور کریں کہ اکثر اہلِ عرب وعجم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے دین کے آگے سرِ تسلیم خم کیے ان کے دائرۂ اطاعت میں داخل اور ان کے دینِ حنیف کے حلقہ بگوش ہو چکے ہیں، اور آپ ہیں کہ وہی اپنی دشمنی، ضد اور ہٹ دھرمی پر اڑے ہوئے ہیں، حالانکہ آپ تو بہ حیثیت عم زاد ہونے کے ان کی مدد کرنے کے اور ان کی دعوت قبول کرنے کے زیادہ مستحق تھے''۔

میرے اہل وعیال مجھے دینِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف مائل کرنے کی برابر کوشش کرتے رہے اور مسلسل اس کی طرف رغبت دلاتے رہے؛ حتی کہ ہادیٔ حقیقی، ربِّ دو جہاں کی توجہات وعنایات سے میرا سینہ اسلام کے لیے کھل گیا اور میں نے اپنے دل میں قبولِ اسلام کا فیصلہ کر لیا اور اپنے غلام ''مذکور'' کو بلا کر کہا کہ سفر کے لیے ہماری سواریاں تیار کر دو۔

پھر میں نے اپنے بیٹے کو اپنا ہم سفر بنایا اور ہم دونوں تیز رفتاری کے ساتھ مقامِ ابوا کی طرف چل پڑے، کیوں کہ ہمیں یہی خبر ملی تھی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہیں فروکش ہیں، جب ہم مقام ابوا کے قریب پہنچے تو میں نے اس خوف سے کہ مجھے کوئی پہچان کر قتل نہ کر دے اور میں دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہونے سے محروم رہ جاؤں اپنا حلیہ تبدیل کر کے چہرے پر نقاب ڈال لیا۔ اس کے بعد تقریباً ایک میل ہم پیدل چلے۔ مسلمانوں کے دستے یکے بعد دیگرے مکّہ کی جانب بڑھ رہے تھے،

چناں چہ میں راستہ سے کچھ ہٹ گیا؛ تا کہ کوئی مسلمان مجھے دیکھ نہ سکے۔

میں اسی حالت میں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دستہ کے ساتھ اپنی سواری پر جلوہ افروز نمودار ہوئے، میں فوراً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب لپکا اور چہرے سے نقاب ہٹا کر آپ کے حضور جا کھڑا ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولاً تو مجھے نظر بھر کر دیکھا، پھر پہچانتے ہی اپنا چہرہ دوسری جانب پھیر لیا، میں گھوم کر دوبارہ سامنے آ کھڑا ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر چہرہ پھیر لیا، میں پھر سامنے آ کھڑا ہوا، الغرض جب بھی میں آپ کے سامنے اور روبرو ہونے کی کوشش کرتا، آپ اپنا چہرۂ انور مجھ سے پھیر لیتے۔

میری آرزو کا کیا ہوا

جب میں قبولِ اسلام اور دیدارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غرض سے گھر سے نکلا تھا تو اپنے جی میں بڑا خوش تھا اور یہ یقین کر رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھی میرے اسلام قبول کرنے سے بے حد خوش ہوں گے، لیکن یہاں تو حالت دگرگوں تھی اور توقّعات کے خلاف معاملہ آنکھوں کے سامنے تھا۔ جب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مجھ سے اعراض دیکھا تو ان کے چہروں پر بھی نفرت وعداوت کے آثار نمایاں ہونے لگے، ان کی پیشانیوں پر بھی بیزاری کی شکنیں چڑھ گئیں؛ حتی کہ میں نے ان کی آنکھوں میں نفرت و عداوت کے شعلے رقص کرتے دیکھے۔

کتنی بلیغ تھی تیری نظروں کی گفتگو

میں ابوبکر سے ملا تو وہ میری طرف توجہ دینے سے باز رہے، پھر میں عمر بن خطاب کے پاس آیا اور انہیں ایسی طلب آمیز نگاہ سے دیکھا کہ ان کے دل میں میرے لیے رقّت و ہمدردی کے جذبات پیدا ہوسکیں، مگر ان کی نگاہوں میں میرے لیے نفرت وعداوت اور غیظ وغضب کے سوا کچھ نہ تھا، بلکہ عمر نے تو حد کردی، مجھے تسلّی تو کیا دیتے؛ بلکہ ایک انصاری کو میرے خلاف اُکسا دیا جو مجھے لعنت وملامت کرتے اور یہ کہا کرتے تھے: ''اے دشمنِ خدا! تو ہی وہ شخص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچایا کرتا تھا اور تو نے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دشمنی میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا''۔

دوسرے مسلمان بھی مجھے خشمگیں نظروں سے گھور رہے تھے اور میری اس پریشانی کو دیکھ کر تسلی بخش باتوں کے بجائے خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

چچا سے گزارش

میں اسی پریشانی کے عالم میں گھرا ہوا تھا کہ یک لخت عمِ محترم حضرت عباسؓ پر میری نگاہ پڑی، میں ان سے جا کر ملا اور بڑی لجاجت سے عرض گزار ہوا: ''چچا جان! میں تو اپنے خیالات کی دنیا میں یہ خواب سجائے ہوئے آیا تھا کہ خاندان میں اپنے مقام ومرتبہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قریبی رشتہ ہونے کی بدولت لوگ میرے قبولِ اسلام سے بے حد خوش ہوں گے؛ لیکن جو رویہ میرے

سامنے آیا آپ اسے بہ خوبی جانتے ہیں، اب آپ ہی سے گزارش کرتا ہوں کہ ان سے سفارشی گفتگو کریں اور انہیں مجھ سے راضی کروادیں۔ ع

پھرتے ہیں میرؔ خوار کوئی پوچھتا نہیں

مگر انہوں نے جواباً عرض کیا:

''نہیں بہ خدا! میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعراض کو بہ چشمِ خود دیکھ چکا ہوں، چناں چہ میں ایسی ناراضگی کی حالت میں تمہارے متعلق سفارش نہیں کرسکتا؛ کیوں کہ میں آپ کا بے حد احترام کرتا ہوں اور آپ سے ڈرتا ہوں، ہاں! آئندہ موقع ومحل کی مناسبت سے کوئی بات کرسکتا ہوں''۔

میں نے عرض کیا: ''چچا جان! اچھا تو اِس وقت آپ مجھے کس کے حوالے کررہے ہیں؟''

انہوں نے کہا: ''تم جو کچھ مجھ سے سن چکے ہو اس کے علاوہ میرے پاس کوئی جواب نہیں''۔

اتنا تو احسان کیجیے

چچا جان کی جانب سے یاس وحسرت سے لبریز جواب سن کر میرے اوپر شدید حزن وملال کی کیفیت طاری ہوگئی؛ لیکن اس حالت میں کچھ ہی گھڑیاں گذری تھیں کہ اپنے عم زاد علی بن ابی طالب پر نگاہ پڑی۔ چناں چہ میں ان کے پاس گیا اور اس معاملہ میں گفتگو کی؛ لیکن میں اسے اپنی ہی بدنصیبی کہوں کہ ان کی

طرف سے بھی چچا کی طرح روکھا سوکھا جواب سننے کو ملا۔ بالآخر دوبارہ حضرت عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے پھر درخواست کی:

چچا جان! اگر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سفارش کر کے ان کے دل میں میرے لیے جگہ نہیں بنا سکتے تو کم از کم مجھ پر اتنا تو احسان کیجیے کہ مجھے ان صاحب سے چھٹکارا دلوا دیجیے جو ہر وقت میرے پیچھے پڑ کر مجھے لعن طعن اور ملامت کر رہے ہیں اور دوسروں کو بھی میرے خلاف اکسا رہے ہیں۔

چچا نے دریافت فرمایا: کون ہے وہ شخص؟ ذرا اس کا حلیہ بیان کرو۔

جب میں نے ان کا حلیہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا: ارے!! وہ تو نعیمان بن حارث نجاری ہیں۔

پھر چچا عباس نے ایک شخص کے واسطے سے انہیں بلوایا اور ان سے فرمایا:

''نعیمان! تم جانتے ہو! یہ ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا زاد بھائی اور میرا بھتیجا ہے، اگرچہ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے خفا ہیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلد ہی اس سے راضی ہو جائیں گے، اس لیے بہتر ہے کہ تم اس کو ستانے سے باز آ جاؤ''۔

چچا جان کے کہنے پر وہ مجھے برا بھلا کہنے سے باز آ گئے اور کہنے لگے: اب میں ان کو تنگ نہیں کروں گا۔

مبارک ہو تیرا استقلالِ عزم

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقامِ جحفہ میں قیام پذیر ہوئے تو میں آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر اپنے بیٹے جعفر کو ساتھ لے کر جا بیٹھا۔ جب آپ خیمے سے نکلے اور آپ کی نگاہ مجھ پر پڑی تو آپ نے رخ پھیر لیا، لیکن اس کے باوجود میں آپ کی رضامندی کی حصول یابی سے ناامید نہ ہوا، چناں چہ میں نے یہ طے کرلیا کہ اب تو جس طرح ہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کر کے ہی چین کا سانس لوں گا۔ چناں چہ جہاں کہیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فروکش ہوتے، میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر جا بیٹھتا اور اپنے بیٹے کو پاس کھڑا کر لیتا؛ لیکن جب بھی آپ مجھے دیکھتے رخِ انور پھیر لیتے۔

پھر گئے نامراد منزل سے

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے ہر طرف سے مایوس ہو کر حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کو درمیان میں ڈال کر ان کے ذریعہ بھی سفارش کروائی۔ چناں چہ جب ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یوں کہا کہ: اپنے ابنِ عم کو مایوس نہ کیجیے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے ایسے ابن عم کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس نے میری آبرو ریزی میں کونسا دقیقہ اٹھا رکھا تھا۔

گھٹ کر مرجاؤں اب تو یہ مرضی ہے

بالآخر جب یہ پریشانی میرے لیے برداشت سے باہر ہوگئی اور بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی شنوائی نہ ہوئی تو میں نے مایوس ہو کر اپنی بیوی سے کہا:

"وَاللّٰهِ لَيَرْضَيَنَّ عَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ لَاٰخُذَنَّ بِيَدِيْ ابْنِيْ

هٰذَا، ثُمَّ لَنَذْهَبَنَّ هَائِمَيْنِ عَلٰى وَجْهَيْنَا فِيْ الْاَرْضِ حَتّٰى نَمُوْتَ جُوْعًا وَعَطْشًا". ترجمہ: بہ خدا! اب میرے سامنے دو ہی راستے رہ گئے ہیں، یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے راضی ہو جائیں یا پھر اپنے اِس کمسن لڑکے کو ساتھ لے کر نکل جاؤں گا اور ہم دونوں زمین میں حیران و سرگرداں پھرتے رہیں گے؛ حتیٰ کہ بھوک و پیاس کی شدت سے مر جائیں گے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کانوں تک اس عزم کی خبر پہنچی تو دل بھر آیا اور نفرت و عداوت کے سارے جذبات مہر و محبت سے بدل گئے، ابتدائی زندگی کی محبت والفت پر پڑا ہوا غبار ہٹا تو پل بھر میں دشمنی؛ محبت و رفاقت میں متبدل ہو گئی۔

خود ابوسفیان کا بیان ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خیمے سے باہر تشریف لائے تو پہلی بار میری طرف محبت کی نظر سے دیکھا، میرے جی میں آیا کہ کاش! آپ مسکرا دیں، پس اُسی وقت میں اور میرا بیٹا کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

تیری خوبیٔ قسمت

جب حضرت ابوسفیان مع اپنے بیٹے کے دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عم زاد حضرت علیؓ سے فرمایا کہ: اپنے چچازاد بھائی کو ساتھ لے جاؤ، اور وضو اور دیگر سنتوں کی تعلیم دے کر میرے پاس لاؤ۔ حضرت علیؓ کچھ دیر بعد انہیں ساتھ لے کر بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضرِ خدمت ہوئے، حضرت ابوسفیانؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں نماز پڑھی۔ پھر حضرت

علیؓ کو یہ حکم فرمایا کہ: لوگوں میں اعلان کردو: آگاہ رہو! خدا کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ابو سفیان سے راضی ہو چکا ہے؛ لہٰذا تم لوگ بھی راضی ہو جاؤ۔

اس قضیے کے نمٹنے کے بعد طرفین کے تعلقات کا حال یہ تھا کہ بقولِ اصحابِ سیر: ''كَانَ أَحَبّ قُرَيْشٍ إِلىٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَكَانَ شَدِيْدًا عَلَيْهِ فَلَمَّا سَلَّمَ كَانَ أَحَبّ النَّاس إِلَيْهِ'' یعنی قریش میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادہ محبوب ابوسفیان تھے، اس کے بعد وہ آپ کے سخت دشمن ہو گئے؛ لیکن جب اسلام لائے تو پھر دوبارہ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے زیادہ محبوب ہو گئے۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے

اسلام کے سایۂ عاطفت میں داخل ہونے کے بعد حضرت ابوسفیانؓ دورِ جاہلیت میں گذری ہوئی اپنی زندگی پر بے حد پشیمان ہوا کرتے تھے اور اُن ایام کے ضائع و برباد ہونے پر خجالت وندامت کے آنسو بہاتے تھے جو کفر وشرک کی نذر ہو گئے تھے، اسی کا اثر تھا کہ آپ نے دنیا اور اس کے عیش وعشرت سے بالکل علیحدگی اختیار کر لی اور مکمل طور پر خالق و مالک کی طرف متوجہ ہو گئے۔

شب و روز قرآنِ کریم کی آیات کی تلاوت اور ان میں ذکر کردہ احکام کے غور وفکر میں مشغول رہتے اور حتی المقدور اس کی نصیحتوں سے استفادہ کی سعی فرماتے۔ دن رات کا بڑا حصہ نماز میں گذرتا تھا، گرمیوں کے طویل دنوں میں صبح سے نصفِ نہار تک نمازیں پڑھتے رہتے، نصف النہار کے وقت کچھ توقف فرماتے

اور ظہر سے عصر تک پھر یہی سلسلہ جاری رہتا۔

معمولات کے اِس قدر پابند تھے کہ خلاف ورزی پر لوگوں کو دریافت تک کرنے کی نوبت آتی۔ ایسے ہی ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپ اپنے وقتِ مقررہ سے پہلے ہی نماز سے فارغ ہوکر جارہے تھے کہ حضرت علیؓ سے ملاقات ہوئی، علیک سلیک کے بعد حضرت علیؓ نے دریافت فرمایا کہ: آج کیا ہوا کہ تم اپنے روزانہ کے وقت سے پہلے ہی لوٹ رہے ہو تو آپؓ نے جواب میں فرمایا کہ: میں عثمان بن عفانؓ کے پاس ان کی بیٹی سے پیغامِ نکاح دینے کے خاطر گیا تھا؛ لیکن انہوں نے کچھ جواب نہ دیا، میں کچھ دیر بیٹھ کر چلا آیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ: میں ایسی لڑکی سے تمہارا نکاح کروں گا جو اس سے بہتر ہوگی۔ پھر حضرت علیؓ نے اپنی بیٹی کا آپ سے نکاح کردیا۔

دھوم تھی جس کی عبادت و پارسائی کی

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا: اَتَدْرِیْنَ مَنْ ھٰذَا یَا عَائِشَۃ؟ اے عائشہ! جانتی ہو یہ کون ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: لَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! نہیں اے اللہ کے رسول! میں تو نہیں جانتی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اِنَّہٗ ابْنُ عَمِّیْ اَبُوْسُفْیَانَ بْنُ الْحَارِثِ اُنْظِرِیْ اَنَّہٗ اَوَّلُ مَنْ یَدْخُلُ الْمُسْجِدَوَاٰخِرُ مَنْ یَخْرُجُ مِنْہُ، وَلَا یُفَارِقُ بَصَرُہٗ شِرَاكَ نَعْلِہٖ“. ترجمہ: یہ میرے چچازاد بھائی ابوسفیان بن

حارث ہیں۔ ذرا انہیں دیکھو! یہ سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوتے ہیں اور سب سے آخر میں نکلتے ہیں اور ہمیشہ اپنی نگاہ نیچی رکھتے ہیں۔

ایک تمنّا

چوں کہ حضرت ابوسفیان بن حارثؓ فتحِ مکہ سے کچھ ہی روز قبل دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے تھے؛ اس لیے اس سے پہلے ہونے والی جنگوں اور غزوات میں شرکت کا موقع میسر نہ آ سکا؛ لیکن زہے نصیب کہ ابھی فتحِ مکہ سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ غزوۂ حنین کا موقع ہاتھ لگ گیا۔ چناں چہ آپ نے اس غزوہ میں شرکت کر کے فوت شدہ غزوات کی تلافی کی انتھک کوشش فرمائی۔ آپ کی شرکتِ جنگ اور اس جنگ میں انجام دیے گئے کارناموں کا تذکرہ بذاتِ خود آپ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

غازی نے چمکتی ہوئی تلوار اٹھالی

بنوہوازن نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں وادیٔ حنین میں ایک زبردست جمعیت کو لا کھڑا کیا اور غیر معمولی تیاریوں، نیز بے پناہ جوش اور جذبے کے ساتھ مسلمانوں سے ٹکرانا چاہا، اور اپنے تئیں یہ عزم کیا کہ آج جو کچھ بھی ہو اسلام اور مسلمانوں پر فیصلہ کن ضرب لگانا ہے اور اسلام کو صفحۂ ہستی سے ہمیشہ کے لیے مٹا دینا ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ بھی ان کے ساتھ مقابلہ کے لیے

اپنے جاں نثار ووفا شعار صحابہؓ کا لشکر لے کر ان کی طرف متوجہ ہوئے، میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ہولیا۔

جب میری نگاہ مشرکین کے اس زبردست اجتماع پر پڑی اسی وقت میں نے اپنے دل میں تہیہ کرلیا: ''وَاللّٰہِ لَاُکَفِّرُ الْیَوْمَ عَنْ کُلِّ مَاسَلَفَ مِنِّیْ مِنْ عَدَاوَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، وَلَیَرَنَّ النَّبِیُّ مِنْ اَثَرِیْ مَایُرْضِی اللّٰہُ وَیُرْضِیْہِ''. بہ خدا! آج میں اُن تمام محرومیوں اور کوتاہیوں کی تلافی کر کے رہوں گا جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کے نتیجہ میں میری طرف سے ظہور پذیر ہوتی رہیں اور آج ایسی جرأت وشجاعت کا مظاہرہ کروں گا جو میرے پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جائے اور اللہ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے خوش ہوجائیں۔

جب مسلمان حنین کی وادی میں پہنچے تو دشمن نے کمین گاہ سے نکل کر اچانک ہلّہ بول دیا، ابتدائی مرحلے میں ہی مشرکین کا دباؤ مسلمانوں پر بڑھنے لگا، نیز مسلمانوں کے بازو کمزور اور سینوں سے بزدلی ظاہر ہونے لگی، اور مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد سے منتشر ہونے لگے، حتّٰی کہ ہمیں کچھ دیر کے لیے ایسا لگا کہ اب تو ہم شکست سے دوچار ہوجائیں گے۔

الٰہی! مجھے بھی شہادت نصیب ہو

اُس دشوار وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شجاعت ودلیری قابلِ دید تھی، آپ میدان جنگ کے بیچوں بیچ اپنے ''شہباء'' نامی خچر پر مثلِ چٹان ڈٹے ہوئے تھے

اور ایک بپھرے ہوئے شیر کے مانند شمشیر بکف اپنی اور آس پاس کے لوگوں کی طرف سے دفاع کر رہے تھے۔

یہ عجیب منظر دیکھ کر میں بھی اپنے گھوڑے سے کود پڑا اُس دن سر پر عمامہ اور جسم پر چھوٹی چادریں پہن رکھی تھی، چادر اپنی کمر سے باندھی اور اپنی نیام کو توڑ کر پھینک دیا۔ خدا گواہ ہے کہ اس وقت میرا مقصد یہی تھا کہ آج تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدافعت میں لڑتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو شہید ہو جاؤں گا۔

میرے چچا عباسؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خچر کی لگام تھامے دائیں جانب کھڑے تھے، میں نے دوسری جانب اپنی جگہ سنبھال لی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رکاب تھامے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ میں تلوار لے کر دشمنوں سے لڑنے لگا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اس طرح بے جگری کے ساتھ لڑتے ہوئے دیکھا تو تحسین آمیز انداز میں اپنے چچا حضرت عباسؓ سے دریافت فرمایا: مَنْ هٰذَا؟ یہ کون ہے جو اس طرح دادِ شجاعت دے رہا ہے؟''

حضرت عباسؓ نے جواباً عرض کیا: هٰذَا اَخُوْكَ وَابْنُ عَمِّكَ اَبُوْ سُفْيَانَ بْنِ الْحَارِثِ، فَارْضَ عَنْهُ يَارَسُوْلَ اللّٰهَ. ''یہ آپ کے عم زاد ابوسفیان بن حارث ہیں۔ اے اللہ کے رسول! آپ ان سے راضی ہو جایئے''۔

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قَدْ فَعَلْتُ وَغَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ كُلَّ عَدَاوَةٍ عَادَانِيْهَا'' میں اس سے راضی ہوں اور اللہ اس کی ہر دشمنی کو معاف فرما دے جو اس

نے اب تک میرے ساتھ روا رکھی تھی۔

آپ کی اس رضامندی سے مجھے بے پناہ مسرت وشادمانی حاصل ہوئی، اور میرا دل مارے خوشی کے اچھلنے لگا، چناں چہ میں نے حالتِ رکاب ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمِ مبارک کو بوسہ دیا۔ آپ نے میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا: ''اَخِیْ! تَقَدَّمْ فَضَارِبْ''. میرے بھائی! آگے بڑھو اور دشمنوں پر ٹوٹ پڑو۔

جب آپ کی زبان سے صادر شدہ بج الفاظ میرے کانوں میں پڑے تو میرے جذبۂ جرأت وشجاعت میں اضافہ ہوگیا۔ پھر کیا تھا! میں نے مشرکین پر ایسے زوروں کا حملہ کیا کہ وہ لرز اٹھے، ان کے قدم لڑکھڑا گئے اور وہ اپنی جگہ سے ہٹنے لگے۔ اس حملے میں دوسرے صحابہؓ بھی میرے ساتھ شریک ہوگئے اور ہم انہیں تقریباً تین میل تک کھدیڑتے چلے گئے؛ یہاں تک کہ وہ دم دبا کر مختلف گھاٹیوں کی طرف بھاگ نکلے۔ (حضرت ابوسفیان کا بیان پورا ہوا)۔

غزوۂ حنین کے بعد طائف میں بھی آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہے، غرض! اسلام قبول کرنے کے بعد کسی غزوہ میں پیچھے نہیں رہے، صاحبِ طبقات کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؓ کو خیبر میں سو وسق کھجوریں سالانہ جاگیر کے طور پر عنایت فرمائی۔

آپ کی شجاعت وثابت قدمی پر دشمن کی گواہی

آپ کی شجاعت وبسالت کی گواہی دیتے ہوئے ایک ثقفی دشمن۔ جو حنین

کے معرکے میں شریک تھا۔ کہتا ہے کہ: غزوۂ حنین میں جب ابتداءً مسلمان شکست سے دو چار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ اور حضرت ابوسفیان بن حارث کے سوا کوئی باقی نہ رہا، چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنکریوں کی ایک مٹھی اٹھائی اور اسے کفار کے چہرے پر مارا، ثقفی دشمن آگے کہتا ہے کہ: ہمیں یوں لگا گویا کہ ہر پتھر اور درخت شہسوار بن کر ہمارا پیچھا کرتا ہے، چناں چہ میں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور گھوڑے کو تھکا دیا، یہاں تک کہ طائف میں داخل ہو گیا۔

آپؓ کی بہادری وثابت قدمی پر چچا عباسؓ کی شہادت

حضرت ابوسفیانؓ کے حق میں چچا عباسؓ نے غزوۂ حنین میں جو شہادت دی ہے وہ آپ کی بہادری و جواں مردی نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنی ذات کو فنا کرنے پر دلالت کرتی ہے، چناں چہ حضرت عباسؓ فرماتے ہیں: میں غزوۂ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حاضر تھا، چناں چہ میں نے اور ابوسفیان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایسا دامن تھاما کہ ہم دونوں آپ سے بالکل جدا نہ ہوئے۔

نیز آگے فرماتے ہیں کہ: جب لوگوں میں مڈبھیڑ ہوئی اور مسلمان پشت دکھا کر بھاگنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُس وقت حالت یہ تھی کہ کفار کی جانب اپنے خچر کو ایڑ لگانے لگے، میں اس کی لگام پکڑے ہوئے اور اسے روکے ہوا تھا کہ کہیں تیزی نہ دکھلائے، اور ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زین کو پکڑے ہوئے تھے۔

حنا کی ہے مگر اس کے انداز ہیں افلا کی

ہشام بن عروہ اپنے والد کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابوسفیان نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَبُوْ سُفْیَان خَیْرُ اَھْلِیْ۔ ابو سفیان بن حارث میرے خاندان کے بہترین آدمی ہیں۔

غزوۂ حنین میں آپ کی دادِ شجاعت کو دیکھ کر فرمایا: اَرْجُوْ اَنْ تَکُوْنَ خَلَفًا مِن حَمْزَۃ. مجھے امید ہے کہ آپ حمزہؓ کے جانشین ہوں گے۔ اور ایک روایت میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ: اللہ نے حمزہ کے عوض مجھے ابوسفیان بن حارث دیے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے بعد آپ کو بھی ''اسد اللہ'' اور ''اسد الرسول'' کہا جاتا تھا۔

آپ کے اشعار

پہلے معلوم ہو چکا کہ ابوسفیان بن حارث قبولِ اسلام سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی ہجو میں اشعار کہا کرتے تھے؛ لیکن دولتِ اسلام سے سرفراز ہوئے تو پھر اپنے اس فن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ کی شان میں استعمال کرنے لگے۔ ان کے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں:

لَعَمْرُكَ اِنِّیْ یَوْمَ اَحْمِلُ رَأیَۃً	لَتَغْلِبَ خَیْلُ اللَّاتِ خَیْلَ مُحَمَّدٍ

آپ کی جان کی قسم! میں جس روز جھنڈا اس لیے اٹھا رہا تھا کہ لات کا لشکر محمد

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر پر غالب آ جائے۔

لَكَا الْمُدْلَجِ الحَيْرَانِ أُظْلِمَ لَيْلُهُ		فَهَذَا أَوَانِيْ الْيَوْمَ أُهْدِيْ وَاهْتَدِيْ

اس وقت میری حالت یہ تھی کہ میں ایک ایسے پریشان شب رو کی طرح تھا جس کی رات تاریک ہو، مگر آج یہ حالت ہے کہ میری رہنمائی کردی گئی تو میں نے راہِ راست کو پالیا۔

هَدَانِيْ هَادٍ غَيْرِ نَفْسِيْ وَدَلَّنِيْ		عَلَى اللّٰهِ مَنْ طَرَدتُّ كُلَّ مُطْرِدِ

مجھے ایسے ہادی نے راہ دکھائی جو میری ذات کے ماسوا ہے، اُس جوٹب نے مجھے خدا کا راستہ دکھایا جسے میں نے پورے طور پر دھتکار دیا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ: اے ابوسفیان! تم نے مجھے کب دھتکارا تھا؟ تو حضرت ابوسفیان کہنے لگے: اے اللہ کے نبی! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ملامت کر کے مجھے شرمندہ نہ کیجیے، تو آپ نے فرمایا کہ: اب تم پر کوئی ملامت نہیں۔

آپؓ بالکل حضور کے مشابہ تھے، یہی وجہ تھی کہ جب آپ کا ملکِ شام جانا ہوتا تو وہاں لوگ آپ کو ''محمد'' کہہ کر پکارنے لگتے تھے۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

اَفِرُّوَ اَنَایَ جَاهِدًا عَنْ مُحَمَّدٍ		وَاُدْعیٰ وَاِنْ لَمْ اَنْتَسِبْ بِمُحَمَّدٍ

میں حتی المقدور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بھاگنے اور اس سے دور رہنے کی کوشش کرتا تھا، اگرچہ میں خود منسوب نہیں کرتا؛ مگر مجھے محمد کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یعنی بوجہِ

مشابہتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگ دھوکے میں آ کر محمد کے نام سے پکارنے لگتے تھے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرما جانے کا سانحہ پیش آیا تو اس وقت دیگر جاں نثارانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ابوسفیان پر بھی غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور آپ اس طرح آہ و بکا کر رہے تھے جیسے ایک حبیب اپنے محبوب کی جدائیگی پر حسرت و افسوس کے مارے روتا ہے۔ آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر بڑا دردناک مرثیہ کہا تھا جس کے چند اشعار یہ ہیں:

أُرِقْتُ فَبَاتَ لَيْلِيْ لَايَزُوْلُ	وَلَيْلُ أَخِي الْمُصِيْبَةِ فِيْهِ طُوْلُ

میری نیند اڑ گئی اور میری رات ہے کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔ اور ایک مصیبت زدہ کی رات تو لمبی ہی ہوا کرتی ہے۔

وَأَسْعَدَنِيْ الْبُكَاءُ وَذَاكَ فِيْمَا	أُصِيْبُ الْمُسْلِمُوْنَ بِهٖ قَلِيْلُ

رونے نے میرا تعاون کیا (سو اس مصیبت پر صبر آسان ہو گیا) اور میرا رونا اس مصیبت کے مقابلے میں جس سے مسلمان دوچار ہیں بے حقیقت ہے۔

لَقَدْ عَظُمَتْ مُصِيْبَتُنَا وَجَلَّتْ	عَشِيَّةَ قِيْلَ قَدْ قُبِضَ الرَّسُوْلُ

یقیناً ہماری مصیبت بڑھ گئی، جب دوپہر کو کہا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہو گئی ہے۔

وَأَضْحَتْ أَرْضَنَا مِمَّا عَرَاهَا	تَكَادُ بِهَا جَوَانِبُهَا تَمِيْلُ

اور ایسا احساس ہو رہا تھا کہ زمین کو جو صدمہ پہنچا ہے، اس کی وجہ سے اس میں زلزلہ آ جائے گا۔

فَقَدْنَا الْوَحْیَ وَالتَّنْزِیْلَ فِیْنَا		یَرُوْحُ بِهٖ وَیَغْدُوْ جِبْرَئِیْلُ

ہم اللہ کی طرف سے بھیجی جانے والی وحی اور قرآن سے محروم ہو گئے، جسے صبح وشام حضرت جبرئیل علیہ السلام لایا کرتے تھے۔

نَبِیٌّ کَانَ یَحْبُوْ الشَّکَّ عَنَّا		بِمَا یُوْحِیْ اِلَیْهِ وَمَایَقُوْلُ

آپ ایسے نبی تھے کہ ہمارے شکوک وشبہات کو دور کرتے تھے؛ آپ ہر آئی ہوئی وحی کے ذریعہ اور خود اپنے ارشادات کے ذریعے۔

وَیَهْدِیْنَا فَلَا نَخْشٰی ضَلَالاً		عَلَیْنَا وَالرَّسُوْلُ لَنَا دَلِیْلُ

آپ ہمیں راہِ راست دکھلاتے تھے سو ہمیں گمراہی کا خوف نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے رہبر ورہنما ہیں۔

أَفَاطِمُ اِنْ جَزَعَتْ فَذَاکَ عُذْرٌ		وَاِنْ لَّمْ تَجْزِعِیْ ذَاکَ السَّبِیْلُ

اے فاطمہ! اگر تو جزع فزع کرے تو معذور ہے اور اگر تو یہ نہ کرے تو اہلِ دین کا طریقہ یہی ہے۔

فَقَبْرُ اَبِیْکَ سَیِّدُ کُلِّ قَبْرٍ		وَفِیْهِ سَیِّدُ النَّاسِ الرَّسُوْلُ

تیرے والد کی قبر تمام قبروں کی سردار ہے اور اس میں تمام لوگوں کے سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرما ہیں۔

وفات

الغرض! جدوجہد اور عبادت وریاضت کے ساتھ اس صفحۂ ہستی پر زندگی

کے صبح وشام بسر ہورہے تھے کہ حضرت عمر بن خطابؓ کے دورِ خلافت میں الوداع کہنے کا موقع قریب آ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کا زخم اخیر عمر تک ہرا رہا، اس پر مستزاد بھائی نوفل کی وفات ہوگئی، چناں چہ اس کے بعد آپؓ اکثر مغموم رہتے اور دعا کرتے رہتے کہ خدایا! رسول اللہ اور بھائی کے بعد زندگی بے مزہ اور دنیا بے لطف ہوگئی؛ اس لیے اب جلد اپنا قرب نصیب فرما، دعا قبول ہوئی، اور چند ہی دنوں کے بعد ایک معمولی حادثہ موت کا سبب بن گیا۔ حج کے موقع پر منیٰ میں سر منڈایا، سر میں ایک مسّا تھا، وہ چھیل گیا، اس سے خون جاری ہوگیا اور ایسا جاری ہوا کہ کسی طرح نہ رکا۔ مدینہ واپس پہنچ کر جب آپؓ نے اپنی وفات کا وقت قریب محسوس کیا تو خود قبرستان جا کر اپنے لیے قبر تیار کر آئے۔

جب آپ پر سکرات کا عالم چھانے لگا تو اہلِ خانہ رونے لگے، ان کی اس آواز کو سن کر آپ نے فرمایا کہ: ''لَا تَبْكُوْا عَلَيَّ فَوَاللّٰهِ! مَا تَعَلَّقْتُ بِخَطِيْئَةٍ مُنْذُ أَسْلَمْتُ'' مجھ پر کیوں روتے ہو؟ حالانکہ خدا کی قسم! میں نے قبولِ اسلام کے بعد سے کوئی نافرمانی نہیں کی۔

آپ کے بھائی نوفل بن حارث کی وفات کے بعد؛ اپنی قبر کھودنے کے تیسرے دن آپ نے جان جاں آفریں کے حوالے کی، اور اس طرح ایک عابد و زاہد، سچا مسلمان اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عاشقِ صادق بہ عہدِ فاروقی میں ۲۰ھ اس دارِ فانی کو خیر باد کہہ کر چل بسا۔ غسل وکفن سے فراغت کے بعد حضرت عمر

فاروقؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد جنت البقیع میں عقیل بن ابی طالب کے مکان کی دیوار کے پہلو میں دفن کر دیے گئے۔

ازواج واولاد

آپ نے مرورِ زمانہ کے ساتھ مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تین بیویاں: جمانہ بنت ابوطالب بن عبدالمطلب، نغمہ بنت ہمام ابن افقم بن ابوعمرو اور امِّ عمرو بنت مقوم بن عبدالمطلب تھیں، نیز دو اُمِّ ولد تھیں۔ مذکورہ تین بیویوں اور دو امِّ ولد سے تقریباً آپ کی سات اولادیں ہوئیں، جن کے نام مع امّیت مندرجہ ذیل ہیں:

۱) جعفر، ان کی والدہ جمانہ بنت ابوطالب ہیں۔

۲) ابوالہیاج عبداللہ

۳) حفصہ

۴) جمانہ اور بروایتِ دیگر حمیدہ، یہ تینوں نغمہ بنت ہمام سے پیدا ہوئے۔

۵) عاتکہ۔ یہ اُمِّ عمرو بنتِ مقوّم بن عبدالمطلب کے بطن سے پیدا ہوئیں۔

۶) امیہ۔ یہ امِّ ولد سے ہیں؛ البتہ ایک روایت میں یہ ہے کہ ان کی والدہ بھی نغمہ بنت ہمام ہیں۔

صاحبِ سیر الصحابہ کا بیان ہے کہ ان میں سے آئندہ کوئی بھی اولاد باقی نہ رہی اور خدا کا کرنا کہ آپ کا نسبی سلسلہ آگے نہ چل سکا۔

پیغامِ حیات

آپ کی حیاتِ مبارکہ سے یہ پیغام ملتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا مندی والی زندگی ہی کامیابی کی ضمانت ہے، ہر انسان کو اپنی پچھلی زندگی پر ندامت کے ساتھ آخرت کی تیاری کے لیے ایسے ہی مستعد و تیار ہو جانا چاہیے جیسے حضرت ابوسفیان بن حارثؓ نے تیاری کر کے دکھا دی، بے شک یہی لوگ ہیں جنہیں خدا نے ہدایت کی دولت سے نوازا اور ان ہی کی اقتدا کر کے راہ یاب ہوا جا سکتا ہے۔

مآخذ و مراجع:

① طبقات ابن سعد، عربی ② رجال مبشرون بالجنۃ ③ صور من حیاۃ الصحابۃ ④ سیر الصحابہ جلد ہفتم ⑤ طبقات ابن سعد اردو ⑥ صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقعات ⑦ زندگیاں صحابہ رضی اللہ عنہم کی۔

حضرت عُکّاشہ بن محصَن رضی اللہ عنہ

از قلم: جنید احمد بن محمد سلیم سورتی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت عُکّاشہ بن محصَن رضی اللہ عنہ

کہتے ہیں: ''کیمیا لوہے کو سونا بنا دیتا ہے!!''

اس کی چاہے کوئی حقیقت ہو یا نہ ہو، لیکن یہ حقیقت تو بالکل روزِ دو نیم کی طرح عیاں ہے کہ کیمیا سازوں کے حقیقی پروردگار نے ارضِ گیتی پر ایک ایسا کیمیا گر بھیجا کہ جو کوئی اس کے ہاتھ لگا وہ خود ایک کیمیا گر بن گیا۔

اُس انسانیت ساز بلکہ عہد ساز شخصیت نے از سرِ نو انسانیت تعمیر کی اور اسی پر بس نہیں؛ بلکہ رہتی دنیا تک تعمیر کرنے والے معماروں کی ایک بڑی جماعت تیار کی اور انہیں امت کے لیے آئیڈیل و نمونہ قرار دیا، خود اُس پاک پروردگار کا فرمان ہے: ''اے محمد! آپ کے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کے مانند ہیں، ہر ستارے میں نور ہے؛ لیکن بعض ستارے دوسروں سے زیادہ روشن ہیں۔

(جمع الفوائد ۲/۲۰۱)

یہ وہی صحابہؓ ہیں جو کبھی انسانیت کش ماحول میں بے مروتی اور سرکشی کی زندگی گزارتے تھے، جنھیں دنیا کی سُپر پاور حکومتیں مہذب بنانے سے قاصر تھیں اور ان پر حکومت کرنے سے ہچکچاتی تھیں، لیکن کہتے ہیں نا: کہ ''کیمیا لوہے کو سونا بناتا ہے''، بس ان پر بھی محبوبِ ربِ ذوالجلال کا ہاتھ پڑا اور صرف سونا نہیں؛ بلکہ سونا بنانے والے کیمیا گر بن گئے۔ لسان العصر اکبر الہ آبادی نے کیا خوب حقیقت

کی ترجمانی کی ہے:

درفشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

زیرِ نظر صفحات میں ان کوکبہائے درخشاں میں سے ایک ایسے ستارے کا ذکر کرنے جارہا ہوں جس کے متعلق لسانِ رسالت گویا ہے: مِنَّا خَيْرُ فَارِسٍ فِي الْعَرَبِ، سرزمینِ عرب میں (وہ) ہمارا بہترین شہسوار ہے۔

قالوا: من هو يا رسول الله؟ صحابہؓ نے دریافت کیا: کون؟ یارسول اللہ۔

قال: عُكَّاشَةُ بنُ مِحْصَن. فرمایا: عکاشہ بن محصن۔

فقال ضرار بن الازور: ذَاكَ رَجُلٌ مِنَّا يَا رَسُوْلَ اللّٰه. حضرت ضرار بن ازور بول اٹھے: یارسول اللہ! وہ تو ہمارے قبیلہ سے ہیں۔

فقال: لَيْسَ مِنْكُمْ وَلٰكِنَّهُ مِنَّا لِلْحَلَف. فرمایا کہ: نہیں تم میں سے نہیں؛ بلکہ ہم قریش کے حلیفوں میں سے ہیں۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۱۱۵)

انہیں سیدنا عکاشہؓ کا ذکرِ خیر چھیڑ دوں کہ جس کا ذکر خود سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطورِ تفاخر فرمایا، بایں امید

أُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ	لَعَلَّ اللّٰهُ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحًا

''گرچہ میں نیک تو نہیں ہوں، لیکن نیکوں سے محبت (ضرور کرتا ہوں) ہوسکتا ہے کہ (ان سے محبت کے صدقہ میں) مجھے صلاح وتقویٰ نصیب ہوجائے۔

نام ونسب اور فضل ومنقبت

آپ کا نام اور سلسلۂ نسب یہ ہے: عکاشہ بن محصن بن حرسان بن قیس بن مرۃ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ الاسدی۔ آپ کی کنیت ابو محصن تھی۔

سیدنا عکاشہ بن محصنؓ زمانۂ جاہلیت میں بنوعبدِ شمس کے حلیف تھے، اور آپؓ کا شمار اپنے خاندان کے رؤساوسرداران میں ہوتا تھا۔ (فرسان النہار ۳/۱۸۱)

''طبقات میں'' آپ کے متعلق لکھا ہے: وکان من اجمل الرجال. یعنی آپ نہایت حسین وجمیل تھے۔ (طبقات ابن سعد ۳/ ۶۴)

علامہ ذہبی جو فن اسماء الرجال میں گراں قدر مقام رکھتے ہیں، وہ سیدنا عکاشہؓ کے متعلق اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''سیر اعلام النبلاء'' میں رقم طراز ہیں:

''عُکَّاشَۃُ بنُ مِحْصَنٍ السعیدُ الشھید ابو محصنٍ الاسدی حلیف قریش، من السابقین الاولین البدریین اھل الجنۃ''. (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۱۲۳)

فضل ومنقبت کے لحاظ سے اکابر صحابہ میں شمار ہوتے تھے، صاحبِ اسد الغابۃ لکھتے ہیں: کان ممن سادات الصحابۃ وفضلائھم. (سیر الصحابہ ۲/ ۴۳۸)

حضرت عکاشہ کی ہمشیرہ: ام قیس بنت محصن کا بیان ہے کہ: میرا بھائی سب

سے بڑھ کر جمال صورت تھا، علم وفضل اور شرفِ حسب ونسب کے اعتبار سے وہ اعلیٰ مقام پر فائز تھا، نیز سیادت وقیادت میں اسے کمال حاصل تھا۔ (جرنیل صحابہ: ۴۲۳)

قبولِ اسلام اور ہجرت

اپنے خاندان بنوغنم کے تمام مرد وخواتین سمیت حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور تمام کو لے کر مدینۂ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔

عقدِ مواخات کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت المحذَّر بن زیاد البلوی رضی اللہ عنہ - جو انصار کے حلیف تھے - کے ساتھ سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ کی بھائی بندی قائم فرمائی۔ (فرسان النہار ۳/۱۸۱)

قسمت جاگ اٹھی!

مدینۂ منورہ میں ایک مرتبہ ان کی زندگی کا بڑا ہی سنہرا اور روح پرور واقعہ پیش آیا اور جیتے جاگتے انہیں لسانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بلا حساب وکتاب دخولِ جنت کی بشارت نصیب ہوئی۔

ہوا یوں کہ کسی دن قبرستانِ بقیع میں قمر الہدیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحاب کے کہکشاں کو اپنی نورانیت سے فیضیاب فرما رہے تھے۔ محفل میں روزِ حشر کا تذکرہ چھڑ گیا، جس میں سیدنا عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کی سعادت مندی اور خوش قسمتی کا سامان فراہم ہو گیا۔ (بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ کتبِ حدیث میں یہ واقعہ مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف الفاظ کے ساتھ مذکور ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا: میرے سامنے اممِ سابقہ کو پیش کیا گیا، (میں نے دیکھا کہ) کوئی نبی اپنی امت کے ایک گروہ کے ساتھ تو کوئی صرف ایک امتی کے ساتھ تو کوئی بالکل ہی تنہا - کہ ایک فردِ فرید بھی ان کی امت کا ان کے ساتھ نہیں - جارہا ہے۔ تا آں کہ ایک سوادِ اعظم میرے سامنے نمودار ہوا، میں نے کہا: یہ کون لوگ ہیں؟ کیا یہ میری امت ہے؟ جواب ملا: نہیں نہیں، یہ تو موسیٰ ؑ کی امت ہے۔

پھر ارشاد ہوا کہ: ذرا افقِ آسمان پر نظر اٹھاؤ! (میں نے نظر اٹھائی) تب کیا دیکھتا ہوں کہ لوگوں کی بڑی بھیڑ لگی ہوئی ہے، دوبارہ ارشاد ہوا کہ آسمان کے اِس کنارے دیکھو اور اُس کنارے نظر دوڑاؤ، دیکھتا ہوں کہ اتنی کثیر تعداد میں ایک جمِ غفیر ہے کہ جس سے افقہائے آسمان بھر بھر گئے ہیں۔ تب بتلایا گیا کہ (پیارے!) یہ ہے کہ تیری امت (تو خوش ہوجا اور ہاں اتنے پر بس نہیں! بلکہ) ان میں ستّر ہزار تو بلاحساب و کتاب خلدِ بریں میں جائیں گے۔

اتنی بات فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لے گئے (اور کسی سے کچھ نہیں فرمایا کہ یہ کون لوگ ہوں گے) اِدھر اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ: یہ ہم ہی لوگ ہوں گے کہ ہم اللہ عزّ وجلّ پر ایمان لائے اور اس کے پیمبر کو ہاتھوں ہاتھ لیا، یا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ہماری زمانۂ اسلام کی اولاد ہوں کہ ہم تو دورِ جاہلیت میں پیدا ہوئے تھے۔

یہ ساری باتیں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گوش گزار ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

دوبارہ تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ: یہ وہ لوگ ہوں گے جو (دنیا میں) نہ تعویذ گنڈے کرتے تھے نہ جھاڑ پھونک اور نہ ہی بدفالی نکالتے تھے اور نہ داغ لگواتے تھے (ہاں) اپنے پالنہار پر (کامل) یقین و بھروسہ رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سراپا صدق زبانِ مبارک سے نکلی اِس بات پر سیدنا عکاشہؓ جَست لگا کر اٹھے اور عرض رسا ہوئے کہ یارسول اللہ! کیا میرا بھی ان میں شمار ہوگا؟ حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اثبات میں جواب عطا فرمایا کہ: ہاں! تم بھی ان میں ہوں گے۔ یہ سن کر مزید ایک اور صاحب کھڑے ہو کر عرض پرداز ہوئے: یارسول اللہ! میں بھی؟ جواب ملا: ''سبقک بھا عکاشة'' کہ عکاشہ گوئے بازی لے اڑے!

(فرسان النہار ۳/۱۸۱۔ نیز خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۱۵۵)

اس واقعہ سے سیدنا عکاشہ بن محصنؓ کا مقامِ بلند اور آپؓ کی فضیلت و منقبت بالکل ظاہر و باہر ہے۔ اس واقعہ کے بعد سے یہ جملہ ضرب المثل ہو گیا اور جب کوئی کسی پر سبقت لے جاتا تو کہتے: فلاں عکاشہ کی طرح سبقت لے گیا۔

(سیر الصحابہ ۲/۴۳۸)

کتابِ جاں نثاری کا پہلا ورق

ہجرت کے دوسرے سال آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قافلۂ قریش کے تعاقب میں جاں نثاروں کی ایک ٹکڑی روانہ فرمائی جو آٹھ اشخاص پر مشتمل تھی، جن میں ایک سیدنا عکاشہؓ بھی تھے۔ یہ تاریخِ اسلام کا سب سے پہلا سریہ ہے جس نے

سب سے پہلے مال غنیمت حاصل کیا، نیز ایک دشمن: عمرو بن حضرمی ابنائے اسلام کے ہاتھوں کیفرِ کردار کو پہنچا اور دو مشرک قیدی بھی ہاتھ لگے۔

ٹہنی جو چمکتی ہوئی تلوار ٹھہری

اسی سال ماہِ رمضان میں غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آیا، اس میں مسلمانوں کی بڑی آزمائش بھی ہوئی اور نصرتِ خداوندی کا کھلا مشاہدہ بھی، چوں کہ یہ اسلام کی سب سے پہلی عظیم الشان جنگ تھی، ابنائے اسلام اور فرزندانِ کفر کی تعداد میں بونِ بعید تھا، کفار تعداد میں زیادہ ہونے کے ساتھ ساتھ ہر قسم کے ہتھیار سے لیس تھے جب کہ مسلمان محض اخلاص و یقین کے بل بوتے پر میدان میں اترے تھے، جیت کا دور دور تک سایہ بھی نظر نہ پڑتا تھا، پھر بھی وعدۂ خداوندی پر یقین رکھ کر مسلمان سرگرمِ پیکار ہوئے، بالآخر مسلمانوں کا پلڑا جھک گیا۔ سیدنا عکاشہؓ بھی اس معرکہ کے عظیم سپاہی تھے۔

اِس غزوہ میں سیدنا عکاشہؓ کے ہاتھوں اللہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بڑا شاندار معجزہ ظاہرہ فرمایا۔ واقعہ یوں ہوا کہ جنگ کے آغاز ہی سے سیدنا عکاشہؓ بڑی بہادری و دلیری کے جوہر دکھلا رہے تھے اور تلوار لے کر مشرکین پر پل پڑے تھے۔ معرکۂ کُشت وخون بپا تھا کہ تلوار ٹوٹ گئی۔ دربارِ رسالت میں حاضرِ خدمت ہو کر ماجرا کہہ سنایا تو دستِ رسالت نے کھجور کی ٹہنی عنایت فرمائی، لکڑی کو ہاتھ میں لے کر حرکت دی ہی تھی کہ ایک بڑی چمکدار اور مضبوط تلوار کا روپ دھار گئی، اسے

لے کر دوبارہ میدانِ کارزار کی طرف جھپٹے اور مصروفِ پیکار ہو گئے۔ معاویہ بن عبدِ قیس نامی مشرک کو واصلِ جہنم کیا اور اس سراپا معجزہ شمشیرِ بے نیام سے مقاتلہ کرتے رہے؛ تا آنکہ خداوندِ سبحانہ وتقدّس نے مسلمانوں کو فتحِ مبین عطا فرمائی۔

اس واقعہ کو خود سیدنا عکاشہؓ بیان فرماتے ہیں جس کو امام المغازی علامہ واقدیؒ نے اپنی ''المغازی'' میں نقل کیا ہے۔ سیدنا عکاشہؓ فرماتے ہیں:

''اِنْقَطَعَ سَيْفِيْ فِيْ يَوْمِ بَدْرٍ، فَأَعْطَانِيْ رسولُ اللّٰه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عُوْدًا فَإِذَا هُوَ سَيْفٌ أَبْيَضُ طَوِيْلٌ فَقَاتَلْتُ بِهِ حَتّٰى هَزَمَ اللّٰه الْمُشْرِكِيْنَ''. ترجمہ: ''جنگِ بدر میں میری تلوار ٹوٹ گئی، چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک لکڑی عطا فرمائی (میں نے ہاتھ میں لی) تب ہی اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ وہ تو چمکدار، لمبی تلوار ہے۔ پھر میں نے اس سے قتال کیا؛ تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو شکستِ فاش دی''۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۱۱۴)

آپؓ کی اس تلوار کا نام ''العون'' تھا، یہ ہمیشہ سیدنا عکاشہؓ کے پاس رہی جسے لے کر آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شرکت فرماتے رہے، ان کے بعد ان کی اولاد میں بھی باقی رہی۔ (رجال مبشرون بالجنۃ: ۱۱۴)

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم

غزوۂ بدر کے بعد ۳ھ میں احد کا خوں ریز معرکہ پیش آیا، اس معرکہ میں اول اول تو مسلمانوں کا پلا بھاری رہا اور کفار پسپائی کر کے میدان چھوڑ بھاگنے

پر مجبور ہو گئے؛ لیکن مسلمانوں کے ایک دستہ سے ایک معمولی سی اجتہادی غلطی - جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی عدمِ تفہیم پر مبنی تھی- ہوگئی، جس کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے خالد بن ولید نے پشت سے حملہ کر دیا، جس سے بھاگتے کفار نے بھی موقع پالیا اور پلٹ کر حملہ آور ہوئے، کافروں کے حوصلے بلند ہو گئے اور وہ مسلمانوں پر حاوی ہونے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی فوج کفار کے دو گروہ کے بیچ چکی کے پاٹ کے مانند پسنے لگی، اس اچانک حملہ کی اسلامی لشکر تاب نہ لا سکا اور مجاہدین کی صفیں بکھر گئیں، لوگ منتشر ہو کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگے، اس ہمہمی اور افراتفری میں صحابہؓ حواس باختہ ہو گئے، لشکرِ اسلام کے ستّر بہادر کام آئے۔ اس قدر سنگین اور خونچکاں خوفناک عالم میں بھی چند ہستیاں پہاڑ کی چٹانیں بن کر اپنی جواں مردی کا ثبوت پیش کر رہی تھیں، اور جہاں کفار نے شمس الہدیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بزعمِ خویش بے نور کرنے اور اس کی نورانی شعاعوں کو سلب کر ڈالنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات کو اپنے حملوں کا محور بنایا تھا، وہیں کچھ جاں نثار اصحاب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متبرک ہستی کو اپنے گھیرے میں لیے سیسہ پلائی دیوار بن کر زمین میں گڑ گئے اور مکمل جاں نثاری کا ثبوت دیا۔

اللہ کا ہاتھ ہے مردِ مومن کا ہاتھ

سیدنا حضرت عکاشہؓ بھی اُس دن محمدی کچھار کے انہیں شیروں میں شامل تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب قریب رہ کر کفار پر جان توڑ حملے کر رہے تھے، اس

جنگ میں خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بہ نفسِ نفیس قتال فرمایا۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل تیراندازی کیے جارہے تھے کہ کمان کی تانت نے بے وفائی کا ثبوت دیا اور ٹوٹ گئی اور محض بالشت بھر ٹکڑا کمان سے لٹکا رہ گیا۔ جب سیدنا عکاشہؓ نے یہ منظر دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک سے کمان لے کر تانت باندھنے لگے؛ لیکن تانت کا پَنا اوچھا پڑا، ہر چند کوشش کی؛ مگر کامیاب نہ ہوسکے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا اظہار کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مزید تھوڑا سا اور کھینچو بندھ جائے گی۔ حضرت سیدنا عکاشہؓ فرماتے ہیں: ”فَوَالَّذِیْ بَعَثَهٗ بِالْحَقِّ لَمَدَدْتُهٗ حَتّٰی بَلَغَ وَطَوَیْتُ مِنْهُ لَفَّتَیْنِ أَوْ ثَلَاثًا عَلٰی سِیَةِ الْقَوْسِ. (اس ذات کی قسم جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق دے کر بھیجا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں، مَیں نے اسے کھینچا تو وہ دوسرے کنارے تک پہنچ گئی (اتنا ہی نہیں بلکہ) دو تین موڑ دے کر اسے باندھ بھی دیا۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۱۱۵)

بدر کے مانند احد میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپؓ کے ہاتھوں خلافِ معمول واقعہ ظاہر فرمایا جو درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ اور آپؓ کی کرامت تھی۔

تو شاہیں ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقتاً فوقتاً اپنے اصحاب کو فنِ حرب کے تعلق سے مشق وتمرین کی ترغیب بھی دیا کرتے تھے۔ چناں چہ اصحابِ رسول میں سے کسی نے شہ سواری تو کسی نے تلوار بازی اور کسی نے نیزہ بازی وتیراندازی میں شانِ استاذیت حاصل

کرلی تھی۔ مثلاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تلوار بازی اور حضرت سلمہ بن الاکوعؓ نے تیراندازی و دوڑ میں، اور بھی دیگر حضرات نے مختلف چیزوں میں مہارتِ تامہ حاصل کرلی تھی، اسی طرح سیدنا عکاشہؓ نے نیزہ بازی میں زبردست دسترس حاصل کی تھی، جس کا کافی ووافی ثبوت واقعۂ ''ذی قرد'' سے ملتا ہے۔

۶ھ کا واقعہ ہے کہ مدینۃ الرسول علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے جنگلات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دودھاری اونٹنیاں چرا کرتی تھیں اور مشہور صحابیٔ رسول حضرت ابوذر غفاریؓ کے فرزندِ ارجمند ''ذَر'' اپنی بیوی کے ساتھ وہاں رہ کر کے ان اونٹنیوں کی خبر گیری کیا کرتے تھے۔

ایک روز صبح سویرے جب کہ نورانی وخوشگوار ماحول تھا، مدینہ منورہ سے باہر جنگلات کی جانب کوئی سایہ سا چاند کی روشنی میں چلتا چلا جارہا ہے، پرندے چہچہاتے ہوئے خالقِ کائنات کی ثناخوانی کرکے اپنا فریضۂ سحر ادا کررہے ہیں، شبنم کی تازہ تازہ بوندیں؛ پتے پتے بوٹے بوٹے کو بارگاہِ ایزدی میں سربسجود ہونے کے لیے وضو کروارہی ہیں، بڑی ہی فرحت بخش اور روح پرور فضا ہے، تب ہی اچانک کسی کے دوڑے دوڑے آنے کی آہٹ سنائی دیتی ہے، وہ سایہ رک جاتا ہے، کیا جاتا ہے کہ تو خادمِ شاہِ زمن ''رباح'' اور ابن الاکوع ہیں، چہرے پر طاری خوف وہراس کی سلوٹیں دل کی گھبراہٹ بتارہی ہیں، رباح نے پھولتی سانسوں سے ٹوٹے الفاظ میں کہنا شروع کیا کہ: غطفان والوں نے راعیٔ رسول کو

قتل کر دیا اور ان کی بیوی سمیت اونٹنیاں بھگا لے گئے۔

اتنا سننا تھا کہ حضرت سلمہ بن الاکوعؓ نے ثنیۃ الوداع پر چڑھ کر سمتِ شہر تین مرتبہ "واصباحاہ" کی بلند بانگ لگائی، رباح کو بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اطلاع کے لیے روانہ کیا اور خود اتر کر لٹیروں کے تعاقب میں چل پڑے، چشمِ زدن میں انہیں پالیا اور درختوں وٹیلوں کی آڑ لے لے کر اس مہارت سے تیر چلائے کہ لٹیرے بھاگ نکلنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ اِدھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منادی کروائی: "یا خیلَ اللّٰہ ارْکَبِی" اے خدا کے شہسوارو! دشمن کے مقابلے کے لیے جمع ہوجاؤ۔ آواز کا کان میں پڑنا تھا کہ بے خوف شہسوارانِ اسلام مسابقت کرتے ہوئے جمع ہونے لگے۔ چناں چہ سب سے اول حضرت مقداد بن الاسودؓ تیزی سے آ پہنچے اور نمبر دو پر انہیں سے لگے لگے سیدنا عکاشہؓ پہنچے، کچھ ہی لمحوں میں دستہ تیار ہوا، اور غطفان کے تعاقب کے لیے روانہ کر دیا گیا۔

جب یہ حضرات پہنچے تو کچھ لٹیرے تو بھاگ نکلے تھے اور کچھ لٹیروں سے دودو ہاتھ کرنے کی نوبت آئی۔ سیدنا عکاشہؓ کے سامنے سے ایک شخص "اوثار" نامی اپنے بیٹے عمرو کے ساتھ ایک سواری پر سوار ہوکر گذرا تو سیدنا عکاشہؓ نے نیزے کا ایک ایسا بھاری ہاتھ مارا کہ نیزہ نے دونوں کو اپنے اندر پرولیا۔ اس طرح کچھ اور دشمنوں نے اپنے کرتوت کا مزہ چکھا اور کچھ اونٹنیاں، قیدی، ہتھیار اور چادریں ہاتھ لگیں۔ (بخاری، رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۱۱۷)

یہ تھا غزوۂ غابہ (ذی قرد) میں سیدنا عکاشہؓ کا نمایاں کارنامہ۔

ادائے دل نواز

یہ وہ نادرۂ روزگار شجاعت و دلیری تھی جس نے شاہِ امم، سلطانِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں انہیں مزید بلند مرتبہ اور ممتاز حیثیت کا مستحق قرار دیا، اور انہیں عام سپاہی کی صف سے نکال کر جرنیل و سالار کی صف میں لا کھڑا کیا۔

چناں چہ ۶ھ ہی میں نبی الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع پہنچی کہ چشمۂ غَمر مرزوق کے پاس بنو اسد بن خزیمہ مرکزِ اسلام مدینۃ الرسول پر یلغار کے ارادۂ بد سے خیمہ زن ہیں۔ اس اطلاع پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اقدام کا ارادہ فرمایا اور ان شر پسندوں کی سرکوبی کے لیے چالیس فداکاروں کا ایک دستہ تیار فرمایا اور سیدنا عکاشہؓ کی بے پناہ جنگی مہارت اور بہادری و دلیری دیکھ کر قیادت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ سپرد فرمائی۔ بعد ازاں یہ لشکر برق رفتاری سے طوفانِ باد بن کر مقامِ واقعہ پر آ دھمکا؛ لیکن بنو اسد کی بزدلی نے اس طوفان کے سامنے انہیں ثابت قدمی کی اجازت نہ دی اور دُم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ جب لشکرِ اسلام وہاں پہنچا تو عالم یہ تھا کہ مکان مکینوں سے خالی و ویران پڑے تھے، ہُو کا عالم طاری تھا، کتا تک دکھائی نہیں دیتا تھا۔

امیر الجیش سیدنا عکاشہؓ نے فوری طور پر حضرت شجاع بن وہبؓ کو ان کی سراغ رسانی کے لیے آگے روانہ فرمایا۔ انھوں نے کچھ دیر بعد آ کر خبر دی کہ ان

لوگوں کا تو کوئی اَتا پتا نہیں ہے، البتہ قریب ہی اونٹوں کے کچھ آثار نظر آتے ہیں، اس پر دستہ نے آگے کوچ کیا، کچھ دوری پر ایک شخص پکڑا گیا، اس کے ذریعہ قوم کے اونٹوں تک رسائی ہوگئی، اس طرح سیدنا عکاشہؓ زندگی کی پہلی ہی قیادت میں بلا کسی حرب وکرب کے مع دوصد اونٹوں کے مظفّر ومنصور واپس ہوئے۔

یہ مہم اسلام کی روشن وتاباں تاریخ میں ''سریۂ عکاشہ بن محصَن اور سریۂ غمر مرزوق'' کے نام سے آبِ زر سے مرقوم ہے۔

نیز اس کے بعد ۹ھ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عکاشہؓ کے زیر دست چند سواروں کا لشکر بنو قضاعہ کی دوشاخوں عذرہ وبلی کی جانب روانہ فرمایا، یہاں بھی یہ حضرات شر پسندوں کی سرکوبی کر کے فوز وفلاح سے ہمکنار ہو کر واپس ہوئے۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۱۱۹)

سرفروشی کی تمنا

سنہ ۶ھ میں سیدنا عکاشہؓ کو ان چودہ سو انفاسِ قدسیہ کی سعید ونیک بخت جماعت میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا جنھوں نے ذی النورین، دامادِ نبی، خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کے خاطر سرورِ دوسرا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ بابرکت پر لڑنے مرنے کی بیعت کی تھی اور یہی وہ پاک طینت حضرات ہیں جن کی شان میں سورۂ فتح کی آیات نازل ہوئیں اور تا صبحِ قیامت ان کے فضائل ومناقب کو امت کے سامنے کھول دیا گیا۔

غرض یہ کہ ہر موقع سے آپؓ جاں نثاری وفاداری کا ثبوت دیتے رہے؛ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عالمِ فانی سے پردہ فرما گئے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت اس عاشق کی عمر چوالیس برس کی تھی۔

(طبقات ابن سعد ۳/ ۶۴)

تیغِ ستم کے یادگاروں میں

جوں ہی افقِ مدینہ پر نبوت کا شمس الہدی غروب ہوا تو فوراً ارتداد کی آندھیوں کا زور شروع ہوا جس کے سامنے ایک بہت بڑی تعداد متزلزل ہو کر اسلام چھوڑ بیٹھی، پورے عالمِ عرب پر مرتدین کا طوفان تند و تیز چھایا ہوا تھا، ایسا لگ رہا تھا کہ یہ آندھیاں چراغِ اسلام کو گل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی، لیکن ابھی تو شمس الہدیٰ سے نورِ ہدایت مستعار لینے والے ہزاروں ستارے افقِ حجاز پر روشنی پھیلا رہے تھے۔ ان ہی کوکبہائے درخشاں میں ایک نمایاں ہستی موجود تھی جسے باتفاقِ تمام اپنا سرتاج منتخب کر لیا گیا اور وہ تھے خسرِ رسول، یارِ غار نبی، نصرتِ اسلام و مسلمین کے خاطر اپنا سب کچھ نچھاور کر دینے والے خلیفۂ اول سید الصدیقین سیدنا ابو بکر صدیقؓ۔ چناں چہ وہ "أینقص الدین وأنا حي" کے جذبہ سے اٹھے اور مرتدین کو ٹھکانے لگانے کا بیڑا اٹھا لیا۔

مرتدین کے ایک بڑے جتھے کی قیادت طلیحہ بن خویلد کر رہا تھا جو سیدنا عکاشہؓ ہی کے قبیلۂ بنو اسد بن خزیمہ سے تعلق رکھتا تھا اور عہدِ نبوی ہی میں مرتد ہو کر

مدعیٔ نبوت ہوا تھا۔ یہ شخص بڑا ہی لڑاکو اور جنگجو آدمی تھا، شجاعانِ عرب میں شمار ہوتا تھا، اکیلا ایک ہزار سوار کے برابر سمجھا جاتا تھا، اتنے زبردست اور خطرناک دشمن کے مقابلہ کے لیے ایسے ہی زبردست اور اس کے ہم پلہ بہادر سپہ سالار کی ضرورت تھی۔ چناں چہ امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی نظرِ انتخاب اس خطرناک مہم کے لیے سیفٌ من سیوف اللہ حضرت خالد بن ولیدؓ پر پڑی، ان کی سرکردگی میں شجاعانِ اسلام کی فوج مرتدین اور جھوٹے مدعیٔ نبوت کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمائی۔ یہ فوج مقام ''بزاخہ'' جہاں طلیحہ کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا پہنچی؛ لیکن براہِ راست سیدھا ان کے سامنے پہنچنے سے پہلے کچھ فاصلہ پر امیر الجیش نے فوج کو روکا اور جنگ کے لیے موزون جگہ اور دشمن کے احوال معلوم کرنے کے لیے ''طلیعۃ الجیش'' کے طور پر حضرت سیدنا عکاشہؓ اور حضرت ثابت بن اقرمؓ کو جانے کا حکم دیا۔ یہ دونوں حضرات اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔

جاں بکف کفن بردوش

کام بڑا ہی پُرخطر بہادری اور دلیری کا تھا، ہر کسی کے بس کی بات نہ تھی؛ اسی لیے بڑے ہی جاں باز مردوں کو بھیجا گیا تھا۔ مؤرخین نے ان کے گھوڑوں کا نام بھی ذکر کیا ہے۔ سیدنا عکاشہؓ کے گھوڑے کا نام ''الرّزام'' اور حضرت ثابت بن اقرمؓ کے گھوڑے کا نام ''المُجَبّر'' تھا۔ یہ حضرات چل کر ابھی کچھ ہی دوری پر پہنچے تھے کہ اچانک طلیحہ اور اس کا بھائی سلمہ چند سواروں کے ساتھ ان کے سامنے نمودار

ہوئے۔ان حضرات کو دیکھ کر طلیحہ اور اس کے بھائی کے تن بدن میں آگ بھڑک اٹھی اور ان کی تنہائی سے موقع اٹھا کر سلمہ؛ سیدنا ثابت بن اقرمؓ سے پنجہ آزما ہوا اور طلیحہ؛ سیدنا عکاشہؓ کے ساتھ بھِڑ گیا۔اُدھر سلمہ نے تو گنتی کی گھڑیوں میں حضرت ثابت بن اقرمؓ کو حوروں کا دُلارا بنایا؛لیکن اِدھر حال یہ تھا کہ دونوں جانب تلواروں کی جھنکاروں سے بجلی سی کوندتی تھی اور ہر ایک دوسرے پر فنِ حرب کے داؤ آزما رہا تھا؛ یہاں تک کہ سیدنا عکاشہؓ مدِ مقابل پر حاوی ہونے لگے اور اب بالکل قریب تھا کہ اس کو خاک وخون میں غلطاں کر دیتے؛لیکن اُس نے آواز دے کر سلمہ سے مدد چاہی،اس کی اس آواز پر سلمہ؛ سیدنا عکاشہؓ پر جھپٹا اور دونوں ظالموں نے مل کر ان کو شہید کر دیا۔

عقابی شان سے جیتے تھے وہ بے بال و پر نکلے
ستارے شام کے خونِ شفق میں ڈوب کر نکلے
ہوئے مدفونِ دریا زیرِ دریا تیرنے والے
طمانچے موج کے کھاتے تھے جو،بن کر گُہر نکلے

(اقبال)

رہے گا کوئی تو تیغِ ستم کے یادگاروں میں
میرے لاشے کے ٹکڑے دفن کرنا سو مزاروں میں

طلیحہ نے جب واپس ہو کر اپنے لشکر میں ان شہسواروں کے قتل کی خبر سنائی

توخوشی کے شادیانے بجائے گئے،عیینہ بن حصن نے کہا کہ: یہ ایک بڑی کامیابی ہے۔

یہاں دیر ہونے کی وجہ سے سالارِ لشکر حضرت خالد تشویش میں تھے، مجاہدین کو آگے کوچ کرنے کا حکم دیا،لشکر موقعِ واردات پر پہنچا تو سرِ راہ حضرت ثابت بن اقرمؓ کو خون میں نہایا ہوا پایا، کچھ لوگ آگے متوجہ ہوئے تو چند قدم پر سیدنا عکاشہؓ کو خاک وخون میں غلطاں دیکھا،سب اشکبار آنکھوں کے ساتھ غم و حزن میں ڈوب گئے۔

ابوواقد لیثی- جو اس مہم کے ایک رکن تھے-فرماتے ہیں کہ: امیرِ لشکر کے حکم پر ہم نے قبریں کھودیں اور ان شہدا کو خون کے عنابی رنگ کی حنا کے ساتھ انہیں کپڑوں میں زیرِ زمین دفن کر کے خدا کے سپرد کر دیا۔حضرت عکاشہؓ کے جسم پر ہم نے بڑے ہی وحشیانہ جراحات دیکھے، گویا تمام بدن چھلنی ہو گیا تھا۔

(طبقات ابن سعد ۳/ ۶۰)

اس کے بعد لشکرِ اسلام نے طلیحہ کو شکستِ فاش دی اور وہ شام کی طرف بھاگ نکلا، خدا کی شان کہ بعد میں انہیں خدا کی جانب سے توفیق نصیب ہوئی، اور وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔دورِ فاروقی میں بغرضِ عمرہ مدینۂ منورہ حاضر ہوئے تو حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت ہونے کی خواہش ظاہر کی تو آپؓ نے کبیدہ خاطر ہو کر فرمایا کہ: ''تم ہی قاتل ہو نا عکاشہ وثابت کے! میں کبھی تم سے راضی نہ ہوں گا''۔اس پر طلیحہ نے بڑے متواضعانہ انداز میں جواب دیا: ''امیر المومنین!

ایسی دو بزرگ ہستیوں کا آپ کو کیا غم؟ جن کو اللہ عزّ وجلّ نے میرے ہاتھوں عزت وشرف بخشا (کہ وہ شہادت کے مقام پر فائز ہو کر جنت کو سِدھارے) اور مجھے ان کے ہاتھوں ذلیل نہیں کیا'' (کہ میں ان کے ہاتھوں قتل ہو کر جہنم کا ایندھن نہ بنا۔ حضرت عمرؓ نے انہیں بیعت فرمالیا، اس کے بعد وہ تادمِ حیات اسلام پر باقی رہے اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کوشاں وسرگرم رہے، شام کے معرکوں میں انھوں نے بڑی دلیری وجواں مردی دکھائی، بالآخر راہِ خدا میں جان کی بازی لگا کر سرخرو ٹھہرے۔

(رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۱۲۰ تا ۱۲۳۔ فرسان النہار ۳/ ۱۸۷ تا ۱۸۹۔ طبقات ۳/ ۶۴، ۶۵۔ جرنیل صحابہ، ص: ۴۲۶، ۴۲۷۔ خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۱۵۹، تا ۱۶۱)

ایں سعادت بزورِ بازو نیست		تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ ۱۲ھ کا واقعہ ہے اُس وقت سیدنا عکاشہ بن محصنؓ کی عمر مبارک ۴۵/ سال تھی۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۱۲۳)

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

یہ اسلام کا وہ عظیم ترین سرفروش ہے جس کا سارا گھرانہ خوش بخت و باسعادت تھا، ان کے بھائی ابوسنان بن محصن، ان کے سپوت سنان بن ابی سنان بن محصن اور دوسرے بھائی عمرو بن محصن، ان کی ہمشیرہ ام قیس بنت محصن، اسلام کے ابتدائی دور میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور بلاوآزمائش کی چکی میں پس کر ''رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ'' کی مقدس جماعت میں اپنا نام کندہ کروا گئے۔

یہ بھی منقول ہے کہ ان کی والدہ بھی تاریخِ اسلام کی عظیم ترین عورتوں میں سے تھیں۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۱۲۵)

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم
ہمہ آفتاب بینم و ہمہ آفتاب گویم

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ

از قلم: محمد لقمان احمد آبادی۔ شہزاد اورنگ آبادی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ

بدرِ کامل اپنے پورے طمطراق کے ساتھ نکلا ہوا ہے، اس کی چاندنی کرۂ ارض پر سفید چادر کے مانند پھیلی ہوئی ہے، بستی کے کنارے تالاب کی سطح پر ماہتاب کی تابندگی سے بستی کا منظر دل کش و دل فریب ہوا جا رہا ہے، ہوا کے خوش نما و فرحت بخش جھونکے چل رہے ہیں۔ تالاب کے قریب ایک سرسبز و شاداب ٹیلے پر سن رسیدہ و سال خوردہ شخص بیٹھا ہوا ہے، چہرے بشرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نرم گرم چشیدہ اور جہاں دیدہ ہے، اس کے چہرے کی سلوٹوں میں ہزار داستانیں پنہاں ہیں، اس کی نظر تالاب پر تھی؛ لیکن وہ خود ماضی کی پیچ در پیچ وادیوں میں گم تھا، اس کی آنکھیں تالاب کے دل ربا منظر کو دیکھ رہی تھیں اور اس کا دماغ کچھ اور سوچ رہا تھا۔ تب ہی بچوں کی آواز آتی ہے، وہ شور و غل کرتے ہوئے ٹیلے پر چڑھ کر اس کے اردگرد بیٹھ جاتے ہیں، بچوں کو دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے، وہ بچوں سے پوچھتا ہے: کیوں آئے ہو؟؟ کہتے ہیں: ''آپ سے قصہ کہانیاں اور واقعات سننے کے لیے آئے ہیں''۔ وہ پوچھتا ہے: کن کے واقعات سناؤں؟'' کوئی کہتا ہے رستم و اسفندیار کے، کوئی چلاتا ہے سلاطین و بادشاہوں کے، بہر حال وہ بچوں کی فرمائشیں سنتا رہتا ہے، آخر ایک بچہ یوں گویا ہوتا ہے کہ: ''دادا ابو!! آپ ہمیں صحابہؓ کے واقعات سناؤ''۔ سب بچے اس انوکھی فرمائش

کرنے والی کی طرف ٹکر ٹکر دیکھنے لگتے ہیں، آخر اسی بچہ کی فرمائش پر سب کے قلوب یکجا ہوجاتے ہیں اور بہ یک زبان کہنے لگتے ہیں: ''جی ہاں! ہمیں صحابہؓ کے واقعات سناؤ''۔ الغرض وہ بوڑھا اپنی آواز ٹھیک کرکے کہتا ہے: ع

بچپن کا حادثۂ دلگداز اور عہدِ شباب

آج سے کئی سال پہلے کی بات ہے کہ ایک چھوٹا سا بچہ اپنی اماں کے ہمراہ سیر وتفریح کے لیے نکلتا ہے، کچھ خادم وملازم بھی ساتھ ہوتے ہیں۔ چلتے چلتے وہ ایک بازار میں آجاتے ہیں، یہاں کوئی خریدنے کے لیے قیمت گھٹا رہا ہے، تو کوئی بیچنے کے لیے پکار رہا ہے، ازدحام وبھیڑ بھاڑ کی وجہ سے ماں اپنے بچہ کی انگلی چھوڑ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے۔ تھوڑا آگے جانے کے بعد دور سے ایک غبار اٹھتا ہوا دکھائی دیتا ہے، بازاریوں کی نظریں اٹھتے ہوئے غبار کی طرف اٹھی رہ جاتی ہیں، چہروں پر سہم وخوف کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، دلوں کی دھڑکنیں تیز ہوجاتی ہیں، غبار ہٹنے کے بعد گورے چٹے چہرے والے فوجی، ہواؤں سے بات کرنے والے تیز رفتار گھوڑوں پر سوار نظر آتے ہیں، اور قریب آتے ہی قتل وغارت گری، لوٹ مار وڈکیتی کے لیے حملہ آور ہوتے ہیں، محافظوں کے دستہ کو قتل کرتے ہوئے، بازاریوں کا مال واسباب لوٹتے ہوئے اور بچوں کو قیدی بناتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔

انہیں بچوں میں ایک وہ بچہ بھی ہوتا ہے جو اپنی والدہ کے ساتھ سیر وتفریح کے لیے نکلا ہوا تھا، اس کے بعد وہ بچہ غلاموں کی منڈی میں فروخت کیا جاتا ہے،

وہ ایک آقا کی خدمت سے دوسرے آقا کی خدمت میں، ایک جگہ سے دوسری جگہ، ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ منتقل ہوتے رہتا ہے۔ اسی اثنا میں وہ اس معاشرہ و ماحول کی تہہ و گہرائی میں گھس کر اس کی اندرونی خرابیوں سے واقف ہو جاتا ہے، وہ اس گندے و غلاظت سے لبریز ماحول کی پراگندگیوں کو دیکھ کر سخت نفرت کرنے لگتا ہے، ان کو ملمع سازیوں اور فریب کاریوں میں، ان کو اخلاق و عادات کی پستیوں، کردار و اطوار کی گہرائیوں میں اور نفسانی خواہشوں و شیطانی لذتوں کو پورا کرنے میں مستغرق وڈوبا ہوا دیکھتا ہے۔ دین کے ٹھیکے داروں اور نام نہاد مذہبی پیشواؤں اور ان کے متبعین و پیروکاروں کا مشاہدہ بہت قریب سے کرتا ہے کہ کس فریب و دھوکا دہی سے وہ سونا چاندی اور زر و جواہر کی ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں، اور کیسے کیسے خطرات اور گناہوں کی طرف لوگوں کو ڈھکیلتے ہیں، خلوتوں میں کس طریقے سے منکرات و منہیات پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔

یہ سب دیکھ کر وہ اندر ہی اندر گھٹتا رہتا ہے، اپنے شہر و وطن لوٹ جانے کے خواب اسے آمادہ و برانگیختہ کرتے ہیں، اپنے ماں باپ، بھائی اور رشتہ داروں کی تصویریں اور اپنے وطن کا نقشہ بارہا اس کے پردۂ خیال پر چھا جاتا ہے، آخر کار وہ بھاگنے کا تہیہ کر لیتا ہے، لیکن جائے تو کہاں جائے؟؟ پناہ پکڑے تو کس کی پکڑے؟ فوراً ہی اس کے دل کی گہرائی سے آواز نکلتی ہے ''مکہ''۔ وہ دن رات اسی کشمکش و تذبذب سے دوچار ہوتا ہے کہ ایک راہب کی آواز اس کے کان سے

ٹکراتی ہے کہ: ''وہ وقت قریب آ گیا ہے جب سرزمینِ عرب سے ایک نبی ظہور پذیر ہوں گے اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی رسالت کی تصدیق کریں گے اور لوگوں کو تاریکیوں اور ظلمتوں سے نکال کر نور اور روشنی کی طرف لے آویں گے''۔ بس پھر کیا تھا؟ وقتِ مقررہ آ جاتا ہے اور وہ شخص اسی رات کو مکہ کا رخ کر لیتا ہے۔

جانتے ہو!! یہ شخص کون ہے؟؟ کسی بستی سے قیدی بنا کر کس جگہ لے جایا گیا تھا؟ اور کس ماحول میں پلا بڑھا تھا؟ کہاں کا رہنے والا تھا؟؟ بچے نفی میں سر ہلاتے ہیں۔ تب وہ بوڑھا کہتا ہے کہ: یہ وہ صحابی ہیں جن کی پامردی وثباتِ قدمی، استقامت وقربانی کو بارگاہِ خداوندی میں کھلے لفظوں شرفِ قبول حاصل ہوا، جن کے جذبۂ فدویت کی خیر الخلائق فخرِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحسین فرمائی، ان کا نام صہیب بن سنان رومیؓ ہے اور ان کو عراق کی ایک بستی ''مثنیٰ'' سے گرفتار کر کے روم لے جایا گیا تھا، اور روم ہی کے گندے اور غلیظ ماحول میں نشو ونما پائی تھی، رومیوں کے افعالِ بد اور ان کے ظلم وستم سے لبریز داستانیں دیکھ اور سن کر اس ماحول سے متنفّر ہو گئے تھے، اسی وجہ سے انھوں نے مکہ بھاگ جانے کا قصد کیا تھا اور پھر بالآخر بھاگ ہی اٹھے۔

(ملخص من الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۲ / ۱۹۵ للحافظ بن حجر عسقلانیؒ۔ طبقات بن سعد ۳ / ۱۶۱)

وطنِ اصلی وسلسلۂ نسب

حضرت صہیبؓ کا وطنِ اصلی ''موصل'' نامی ایک بستی ہے، جو دریائے فرات کے قریب تھی۔ آپؓ کے والد کا نام سنان تھا جو کسریٰ شاہِ ایران کی طرف

سے ''اُبُلّہ'' کے گورنر تھے۔آپؓ کا سلسلۂ نسب کچھ اس طرح ہے: صہیب بن سنان بن عبدِ عمرو، بن عقیل، بن عامر بن جندل بن خزیمہ بن کعب بن سعد بن اسلم بن اوس بن قاسط بن ہنب بن اقصی بن دعمی بن جدیل بن اسد بن ربیعہ بن بزار۔ (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ ۳/ ۱۳۰۔طبقات بن سعد ۳/ ۱۶۱)

آپؓ کی والدہ کا نام سلمہ تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے: سلمہ بنت قعید بن مہیض بن خزاعی بن مازن بن مالک بن عمرو بن تمیم (ایضا)

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

آپؓ کے والد کا تعلق اصلاً قبیلۂ بنو نمیر اور والدہ کا تعلق قبیلۂ بنو تمیم سے ہے، اس اعتبار سے آپؓ والد کی جانب سے نمیری اور والدہ کی جانب سے تمیمی ہوئے اور یہ دونوں قبیلے عربی ہیں، جس سے یہ معلوم ہوا کہ آپؓ عربی النسل ہیں۔ پھر آپؓ کو رومی کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کے پیچھے وہی ناقابلِ فراموش داستان ہے جس کا ذکر سطورِ بالا میں آچکا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ گورے چٹے چہرے والے تھے، ان کے بال مائل بہ سرخی تھے، اور روم میں رہنے کی وجہ سے ان کی زبان میں لکنت پیدا ہو چکی تھی جس کی وجہ سے وہ رومیوں کے مشابہ لگتے تھے۔

دینِ حق کی تلاش میں

جب سن رسیدہ شخص؛ حضرت صہیبؓ کے نام ونسب اور ابتدائی حالات بیان کر کے تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو جاتا ہے، اور چاروں طرف سوائے

جھینگروں کی آواز کے کچھ سنائی نہیں دیتا تو اس خاموشی کو توڑتے ہوئے ایک بچہ پوچھتا ہے کہ: حضرت صہیبؓ مشرف بہ اسلام کب ہوئے؟ بوڑھا مسکرا کر جواب دیتا ہے: جب وہ نوجوان روم سے بھاگ کر مکہ کی طرف اپنا رخ کرتا ہے تو مکہ میں آ کر اپنے آپ کو بے یار و مددگار اور تہی دست و تہی دامن پاتا ہے۔ چناں چہ مکہ کے ایک سردار اور رئیس عبداللہ بن جدعان کے ساتھ تجارت میں شریک ہو جاتا ہے اور خداداد استعداد و صلاحیت، ذکاوت و ذہانت اور ذاتی کدو کاوش وجد و جہد کے ذریعہ بے انتہا مال و دولت کماتا ہے۔ ہاں!!! دورانِ تجارت ایک پل و سیکنڈ کے لیے بھی راہب کی بات اس کے پردۂ ذہن سے غائب نہیں ہوتی، وہ ہمیشہ اس بات کا منتظر و خواہاں رہتا ہے کہ راہب کی بات کب سچ ہوگی؟ مال و دولت اور ثروت حاصل کر لینے کے بعد بھی اس کا دل دنیا کی سب سے بڑی مالداری یعنی ''نعمتِ اسلام'' حاصل کرنے کے لیے تڑپتا رہتا ہے، کچھ ہی دن گذرتے ہیں کہ وہ سرگوشیوں میں کسی نبی کے مبعوث ہونے کی خبر سنتا ہے۔

ہوتے ہوتے مکّہ میں یہ بات پھیل جاتی ہے کہ محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کسی دینِ جدید کی طرف بلاتے ہیں۔ یہ بات سن کر صہیب خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتے، وہ لوگوں سے دریافت کرتے ہیں: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کس چیز کی طرف بلاتے ہیں؟

کہا جاتا ہے: وہ بت پرستی و صنم پرستی کو چھوڑ کر خدا پرستی کی طرف بلاتے ہیں،

صلح وآشتی، خدمتِ خلق اور انسانی ہمدردی وصلہ رحمی کی دعوت دیتے ہیں، ظلم وستم اور عدوان وزیادتی کے بجائے عدل وانصاف کو اجاگر کرنے کی دُہائی دیتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں: یہ وہی تو نہیں ہیں جنھیں لوگ امین کے لقب سے پکارتے ہیں؟

ہاں!! وہی ہیں۔ جواب دینے والا کہتا ہے۔

پھر صہیب پوچھتے ہیں: وہ کہاں ملیں گے؟

کہا جاتا ہے: دارِارقم میں ملیں گے، جو کوہِ صفا کے دامن میں واقع ہے؛ لیکن اگر تم کو ان سے ملنا ہے تو ذرا احتیاط اور حالات کا جائزہ لیتے ہوئے ملنا، کہیں قریش کے کسی آدمی کی نظر نہ پڑ جائے، اگر انھوں نے تم کو دیکھ لیا تو تم کو سخت اذیتیں وتکلیفیں پہنچائیں گے۔

اسلام کے سایۂ عاطفت میں

رات کی تاریکی چھٹنے لگی، سپیدۂ سحر کے آثار نمایاں ہو رہے تھے، مکہ میں ابھی چہل پہل کا نام ونشان نہ تھا اور لوگ اپنے گھروں سے نکلنے بھی نہ پائے تھے کہ صہیب، ارقم بن ارقم کے گھر کی طرف رخ کرتے ہیں، دروازہ کے قریب ایک جانی پہچانی صورت سے واسطہ پڑ جاتا ہے، یہ عمار بن یاسر تھے، صہیب ان کو پہلے سے جانتے تھے، ان کو دیکھ کر کچھ تردّد وتذبذب ہوا، قریب ہوکر پوچھا کہ: ''عمار! تمھارا کیا ارادہ ہے؟''

عمار جواب دینے کے بجائے الٹا ان سے سوال کرتے ہیں: ''ماذا تریدیا

صھیب؟''

صہیب جواب دیتے ہیں: ''میں اس شخص کی بات سننا چاہتا ہوں''۔

عمار کہتے ہیں: ''میرا بھی یہی مقصد ہے''۔

چناں چہ جب دونوں کے خیالات کی یکسانیت سامنے آئی تو بیک وقت ''علی برکۃ اللہ'' کہتے ہوئے دارِارقم میں داخل ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دل کش آواز میں اسلام کی حقیقت ومعرفت کو اپنے دل کی گہرائیوں میں اتارا، اور دستِ بیعت دراز کر کے گواہی دی کہ: ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں''۔ پورا دن چشمۂ رحمت سے مستفیض ہوتے رہے۔

رات جب سیاہ لبادہ اوڑھ لیتی ہے، تاریکی اپنے ڈیرے ڈال دیتی ہے تو یہ دیوانے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے نکلتے ہیں، اس حال میں کہ ان کے سینے نورِ ایمانی سے منور ہوتے ہیں۔ علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ یہ دونوں عاشق ''السابقون الاولون'' کی خوش قسمت جماعت کے تابندہ ودرخشاں ستارے ہیں جو تقریباً تیس سلیم الفطرت صحابہؓ کے بعد نورِ اسلام سے روشن ومنور ہوئے۔

(البسط فی طبقات ابن سعد ۳/ ۲۶۶۔ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۵۱)

اللہ کی خاطر مصیبتیں برداشت کرنا

حضرت صہیبؓ کے اسلام لانے کا زمانہ وہی زمانہ تھا جس میں مشرکین اور کفارِ مکہ اسلام میں داخل ہونے والوں پر مصائب وآلام اور تکالیف ومشقتوں

کے پہاڑ توڑتے تھے، ان مصیبتوں اور تکلیفوں کو جھیلنے اور برداشت کرنے میں سر فہرست: حضرت بلال بن رباح ؓ، حضرت عمار بن یاسر ؓ اور حضرت خباب بن ارت ؓ وغیرہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر جب ان حضرات کے پاس سے ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو صبر وتحمل کی تلقین فرماتے، اور یہ کہہ کر تسلی دیتے کہ اللہ کی مدد و نصرت قریب ہے۔

حضرت صہیب ؓ بھی ان سات اولوالعزم لوگوں میں شامل تھے جنھوں نے سب سے پہلے اسلام کا کھلم کھلا اظہار کیا اور اس کی پاداش میں ناقابلِ بیان ظلم وستم کے شکار ہوئے۔ حضرت ابن مسعود ؓ کی روایت ہے: أَوَّلُ مَنْ أَظْهَرَ الْإِسْلَامَ سَبْعَةٌ: رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَأَبُوْبَكْرٍ وَعَمَّارٌ، وَأُمُّهُ سُمَيَّةُ وَصُهَيْبٌ وَبِلَالٌ وَالْمِقْدَادُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ: فَأَمَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَمَنَعَهُ اللّٰهُ بِعَمِّهِ وَأَمَّا أَبُوْبَكْرٍ مَنَعَهُ اللّٰهُ بِقَوْمِهِ وَأَمَّا سَائِرُهُمْ فَأَخَذَهُمُ الْمُشْرِكُوْنَ فَأَلْبَسُوْهُمْ دُرُوْعَ الْحَدِيْدِ وَصَهَرُوْهُمْ فِي الشَّمْسِ. ترجمہ: سب سے پہلے سات لوگوں نے علی الاعلان اسلام کا اظہار کیا: ① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ② ابوبکر ؓ ③ عمار ؓ ④ ان کی والدہ سمیہ ؓ ⑤ صہیب ؓ ⑥ بلال ؓ ⑦ مقداد ؓ۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان کے چچا کے ذریعہ حفاظت کی، اور ابوبکر ؓ کی ان کے قبیلہ والوں کے ذریعہ حفاظت کی، رہے دوسرے حضرات تو مشرکین ان کو پکڑتے اور ان کو لوہے کی زرہیں پہنا کر تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیتے

تھے۔(تفصیل کے لیے دیکھیے: الحاکم ۳/ ۲۸۴۔رجال مبشرون بالجنۃ،ص: ۴۵۲)

حضرت صہیبؓ ان تکلیفوں اور اذیتوں کو اللہ کی خوشنودی کے لیے برداشت کرتے، کیوں کہ وہ جانتے تھے": حُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالمكاره" کہ جنت ناپسندیدہ چیزوں کے پس پردہ چھپائی گئی ہے اور ان مصیبتوں کے جھیلنے و برداشت کرنے سے ایمان میں اضافہ ہوگا۔

بسا اوقات حضرت صہیبؓ اور ان کے ساتھیوں کو اس قدر تکلیفیں دی جاتی تھیں کہ وہ بے ہوش ہوجاتے تھے اور بے خودی کا عالَم یہ ہوتا تھا کہ یہ بھی خبر نہ رہتی تھی کہ ان کی زبانوں سے کیا نکل رہا ہے۔اسی پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (النحل:۱۰۰) ترجمہ: پھر بات یہ ہے کہ تیرا رب ان لوگوں پر کہ انھوں نے وطن چھوڑا ہے، بعد اس کے کہ مصیبت اٹھائی، پھر جہاد کرتے رہے اور قائم رہے، بے شک تیرا رب ان باتوں کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔(از ترجمۂ شیخ الہند)

(الاصابۃ ۲/ ۱۹۵۔سیرۃ المصطفی ۲/ ۲۵۱)

مدینہ کی طرف ہجرت

جب صحابہ رضی اللہ عنہم پر مکہ میں ایمان کے ساتھ زندگی بسر کرنا دوبھر ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ رب العزت کے حکم سے ان کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ چناں چہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے گروہ در گروہ یا تنِ تنہا اپنا مال و

متاع اور ملک وجائیداد چھوڑ کر مدینہ کی طرف جانا شروع کیا۔

بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت صہیبؓ کے سامنے فرمایا تھا کہ: تم لوگ ایک دن مدینہ کی طرف ہجرت کرو گے۔ اسی دن سے حضرت صہیبؓ نے اپنے دل میں یہ بات ٹھان رکھی تھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ ہی سفرِ ہجرت کریں گے؛ لیکن بدقسمتی سے مشرکین کو کسی طرح ان کے ارادوں کی بھنک لگ گئی، انھوں نے آپؓ کی نگرانی سخت کردی، اِدھر سنا گیا کہ نبوت وصداقت نے ہجرت کا آغاز کردیا، یہ سن کر دردِ عشق کی چنگاریاں شعلوں میں تبدیل ہوگئیں۔ ع

بڑھتا ہی جاتا ہے سوزِ غمِ فرقت یارب!

ان دو حضرات کے ہجرت کر جانے کے بعد آپ کسی مناسب وموافق موقع کی تاک میں رہنے لگے کہ کس طرح کفار کو چکما دے کر بھاگ نکلے، مگر ان کو کامیابی حاصل نہ ہوسکی، اس لیے کہ نگرانی و پاسبانی کرنے والوں کی نظریں ونگاہیں کیمرے کے مانند ہمہ وقت ان پر لگی رہتیں اور ظالم وبدبخت دشمنانِ اسلام ان کی طرف سے ہوشیار وچوکنا رہتے، بالآخر حضرت صہیبؓ کو تدبیر کے ناخن لینے پڑے۔

چناں چہ ایک سرد رات قضائے حاجت کے بہانے بار بار آمد ورفت شروع کردی، اس آمد ورفت والی حالت کو دیکھ کر نگرانی کرنے والوں میں سے ایک نے کہا: ''لَقَدْ شَغَلَ الرَّجُلُ بِبَطْنِہٖ'' لگتا ایسا ہے کہ اس کو دست ہوگئے ہیں۔

وہ لوگ مطمئن ہو کر اپنی خواب گاہ میں پڑ گئے۔

حضرت صہیبؓ اس موقع وفرصت کو غنیمتِ باردہ ونصرتِ الٰہی سمجھ کر مدینہ کی طرف رخ کیے ان کے درمیان سے نکل کھڑے ہوئے، ابھی کچھ دیر بھی نہ ہونے پائی تھی کہ دشمنوں کو ان کے چلے جانے کا احساس ہو گیا، ہڑبڑا کر اٹھے اور جلدی جلدی سوار ہو کر صہیبؓ کے تعاقب میں سرپٹ گھوڑے دوڑا دیے۔

للکارِ صہیبؓ

جب حضرت صہیبؓ کو محسوس ہوا کہ ان کا پیچھا کیا جا رہا ہے تو وہ ایک ٹیلے پر چڑھ گئے اور چٹان کی اوٹ میں ترکش میں سے تیر نکال کر زمین پر پھیلا دیے اور کمان کی تانت چڑھائے ہوئے للکارا کہ

نہ ہو نازاں مجھے بے جان سمجھ کر اے ظالم!
خدا کا نام لیتا ہوں ابھی باقی ہے دَم اتنا

حضرت صہیبؓ کی آواز گونجی: یَامَعْشَرَ قُرَیْشٍ! لَقَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّی مِنْ اَرْمَاکُمْ رَجُلاً، اَیْمُ اللّٰہِ! لَا تَصِلُوْنَ اِلَیَّ حَتّٰی اَرْمِیَ بِکُلِّ سَہْمٍ مَعِیَ فِیْ کِنَانَتِیْ ثُمَّ اَضْرِبُکُمْ بِسَیْفِیْ مَا بَقِیَ فِیْ یَدِیْ مِنْہُ شَیْءٌ فَافْعَلُوْا مَا شِئْتُمْ. ترجمہ: اے گروہِ قریش! بہ خدا! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں ایک بہترین تیرانداز اور بے مثال نشانہ باز ہوں، میرا نشانہ کبھی چوکتا نہیں، قسم خدا کی!! تم مجھ سے اس وقت تک قریب نہیں ہو سکتے جب تک میں ہر تیر سے تم میں سے ہر ایک کو قتل نہ کر دوں،

ترکش کا دامن خالی ہونے کے بعد پھر میں تم کو شمشیر زنی و تیغ زنی کے جوہر دکھاؤں گا، اب تم جو چاہو کر گذرو۔

یہ سن کر کافر کہنے لگے: أَتَيْنَاهَا صَعْلُوْكًا حَقِيْرًا فَكَثُرَ مَالُكَ عِنْدَنَا، وَبَلَغْتَ مَا بَلَغْتَ، ثُمَّ تَنْطَلِقُ بِنَفْسِكَ وَمَالِكَ؟؟ صہیب! جب تم مکہ آئے تھے تو تمھارا حال کس مپرسی اور بدحالی والا تھا، تم انتہائی مفلس اور قلّاش تھے، اب تم ایک مالدار شخص بن گئے، لہٰذا تم اپنی جان و مال دونوں کو لے کر نہیں جا سکتے۔

صہیبؓ نے پوچھا: أَرَأَيْتُمْ إِنْ تَرَكْتُ لَكُمْ مَالِيْ تَخْلُّوْنَ أَنْتُمْ سَبِيْلِيْ؟؟

ترجمہ: اگر میں اپنا مال تمھارے لیے چھوڑ دوں تو کیا تم مجھے راستہ دے دو گے؟

کافر چوں کہ ہمیشہ سے مادہ پرست اور دنیا کا لالچی ہوتا ہے، اس پیش کش پر ان لوگوں نے باہم مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ ایک صہیب کے جانے سے مدینہ کی سلطنت میں کونسا اضافہ ہو جانا ہے، چھوڑ واس کو اور مال لے لو۔ چناں چہ حضرت صہیبؓ نے ان کو اُس جگہ کی نشاندہی فرمائی جس جگہ مال رکھا ہوا تھا، اور کافروں نے ان کا راستہ چھوڑ دیا۔

زندگی بھر کا کمایا ہوا سب کچھ راہِ خدا میں نچھاور کر کے تیزی سے مدینہ کی طرف لپکے، بدن پر پہنے ہوئے کپڑے اور مٹھی بھر ستو کے سوا ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا، جب راستہ میں تھکن محسوس ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملنے کا شوق و جذبہ اس تھکن کو دور کر دیتا۔ راستہ ہی میں آشوبِ چشم میں مبتلا ہوئے، پھر بھی عشق و شیفتگی کا

سفر جاری رہا؛ حتی کہ ''قبا'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پہنچ گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعۂ وحی سارا معاملہ بتلادیا گیا تھا اس لیے جونہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر ان پر پڑی تو مسکراتے ہوئے فرمایا: رَبِحَ الْبَيْعُ أَبَا يَحْيىٰ، رَبِحَ الْبَيْعُ أَبَا يَحْيىٰ، رَبِحَ الْبَيْعُ أَبَا يَحْيىٰ. (اخرجه الحاكم فی المستدرك ۳/۳۹۸) اے ابویحییٰ! بڑا نفع بخش سودا کر آئے، بیع نہایت نفع بخش رہی۔ یہ سن کر حضرت صہیبؓ تعجب سے پوچھتے ہیں: اللہ کے رسول! یہ بات سوائے جبرئیلؑ کے کسی نے آپ کو نہیں بتائی ہوگی؛ اللہ کے نبی علیہ السلام فرماتے ہیں: جی ہاں! مجھے جبرئیل نے خبر دی ہے۔

اسی موقع سے حضرت صہیبؓ کی شان میں یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ رَؤُوْفٌ بِالْعِبَادِ. (البقرہ:۲۰۷) ترجمہ: اور لوگوں میں ایک شخص وہ ہے کہ بیچتا ہے اپنی جان کو اللہ کی رضا جوئی میں اور اللہ نہایت مہربان ہے اپنے بندوں پر۔ (از ترجمۂ شیخ الہند)

مدینہ میں

ابتداءً شہرِ مدینہ میں حضرت ابوعبداللہ سعد بن خیثمہؓ کے یہاں مقیم ہوئے، اور کچھ ہی دنوں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صہیبؓ اور حضرت حارث بن صمہؓ نجّاری خزرجی کے درمیان رشتۂ اخوت و بھائی چارگی قائم فرمایا۔

(البدایہ والنہایہ ۲ / ۱۷۳۔ رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۴۵۵)

اعلائے کلمۃ اللہ

حضرت صہیبؓ اللہ کے مقدس نام کو سربلند کرنے اور اس صفحۂ ہستی سے کافروں اور مشرکوں کے استیصال کے لیے ہمیشہ برسرِ پیکار رہتے تھے۔ چناں چہ آپ حق و باطل اور اسلام و کفر کو ممتاز کرنے والی اور فیصلہ کن جنگ غزوۂ بدر میں بھی بڑھ چڑھ کر نہ صرف حصہ لیتے ہیں، بلکہ اس جنگ میں مشرکینِ مکہ کے دو بڑے سردار و رئیس: عثمان بن مالک اور حارث بن منبہ بن حجاج آپ ہی کی شمشیرِ خارا شگاف کے سامنے ڈھیر ہو جاتے ہیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: سیرۃ ابن ہشام ۱/ ۷۱۰)

آپؓ کو غزوۂ احد و خندق اور غزوۂ حنین میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ غزوۂ حنین میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتہائی قریب و نزدیک تھے اور محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر ہر قول و فعل کا بالکل نزدیکی سے مشاہدہ کیا۔ اسی غزوہ کا واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہونٹ ہلاتے ہوئے دیکھا کہ آپ کچھ پڑھ رہے ہیں، اس کو سننے کے لیے اپنے کان دھرے، انتہائی قریب و نزدیک ہونے کے باوجود کانوں تک آواز نہیں پہنچی، اور اس کے متعلق دریافت کرنے کی بھی ہمت نہ ہو سکی، تاہم جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کی نماز سے فارغ ہو کر دوبارہ کچھ پڑھنے لگے تو اُس وقت ان کا پیمانۂ شوق چھلک اٹھا، اور ہمت کر کے پوچھ ہی لیا کہ: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو ایسا کام کرتا ہوا دیکھ رہا ہوں جو اس سے پہلے آپ نہیں کرتے تھے۔ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمانے لگے: ''ہم سے پہلے ایک نبی کی امت کی تعداد بہت زیادہ تھی، اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل فرمائی کہ آپ کی امت کو تین چیزوں میں سے ایک چیز کا اختیار دیا جاتا ہے: پہلی یہ کہ ان پر موت طاری ہوجائے، دوسری یہ کہ ان پر دشمن مسلط کیا جائے، اور تیسری یہ کہ ان پر گرسنگی طاری کی جائے''۔ پھر وہ نبی اپنی قوم کے لوگوں کو اس بات کی خبر دیتے ہیں، چناں چہ وہ لوگ کہتے ہیں: بھوک برداشت کرنے کی ہم میں استطاعت نہیں اور دشمن سے لڑنے جھگڑنے کی طاقت و قابلیت نہیں، البتہ ہم موت کو اختیار کرتے ہیں۔ چناں چہ بہ حکمِ الٰہی تین دن میں اس قوم کے ستّر ہزار افراد موت کے گھاٹ اتر گئے۔ اس لیے میں آج کہتا ہوں کہ: اَللّٰھُمَّ بِکَ أُحَاوِلُ وَبِکَ أُصَاوِلُ وَبِکَ أُقَاتِلُ. ترجمہ: اے اللہ! میں آپ ہی کا قصد کرتا ہوں، اور حملہ آوری میں آپ ہی سے مدد مانگتا ہوں اور آپ ہی کے لیے مشرکوں سے قتال وجدال کرتا ہوں۔ (حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ۱/ ۱۵۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا اس وقت مانگی جب غزوۂ حنین میں کچھ مسلمانوں نے اپنی کثرتِ تعداد پر فخر کرتے ہوئے کہا: آج ہمیں کثرتِ تعداد کی بنا پر شکست نہیں ہوگی۔

امام طبرانیؒ نے حضرت صہیبؓ ہی سے ان کے غزوات کے متعلق یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت صہیبؓ فرماتے ہیں کہ: میں ہر جنگ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوتا، ہر مجلسِ بیعت میں شرکت کی سعادت حاصل کرتا، ہر سریہ میں،

میں شریک رہتا، اللہ کے نبی علیہ السلام نے جو بھی غزوہ کیا اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شانہ بشانہ اور قدم بہ قدم رہا کرتا، اور میں ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دشمنوں کے درمیان سیسہ پلائی دیوار بنا رہا؛ حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحلت فرما گئے۔

فضائل ومناقب

آپ کا مقام اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں

حضرت صہیبؓ انتہائی سادگی سے زندگی بسر کرتے تھے، وہ کامل اور مخلص ایمان والے تھے، ہمیشہ اپنے پروردگار کی عبادت اور مناجات میں مصروف رہتے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت صہیبؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت بلالؓ وغیرہ ضعفائے مسلمین کی شان میں کئی آیتیں نازل فرمائیں جو ان حضرات کی شانِ عُلو یت اور مقامِ رفعت کو عیاں کرتی ہیں، منجملہ ان آیاتِ قرآنیہ میں سے ایک یہ ہے: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهُ. (الانعام:۵۲)

اس آیت کا پس منظر مفتیٔ اعظم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے ابن کثیرؒ کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے کہ: کفارِ قریش کے چند سردار: عتبہ، شیبہ، اور ربیعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب کے پاس آ کر کہنے لگے: اے سردارِ قریش! آپ کے بھتیجے کی بات سننے میں ہمارے لیے ایک رکاوٹ یہ بھی ہے کہ اس کے اردگرد وہ لوگ رہا کرتے ہیں جو یا تو ہمارے نوکر وخادم تھے یا ہمارے رحم

وکرم کے سائے تلے زندگی گزارا کرتے تھے۔ان حقیر وذلیل لوگوں کے ہوتے ہوئے ہم ان کی مجلس میں شریک نہیں ہو سکتے ،لہٰذا آپ اپنے بھتیجے کو یہ کہہ دے کہ جب ہم ان کی مجلس میں آئے تو ان بے بس ولاچار اور غریب ومفلس لوگوں کو ہٹا دیا کریں؛ تاکہ ہم ان کی بات سنیں اور غور کریں۔

چچا ابو طالب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی بات نقل کی تو حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: اے اللہ کے پیارے نبی! کچھ دنوں کے لیے یہ بھی کر دیکھیں۔ یہ لوگ آپ کے اشاروں پر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے والے ہیں، اگر آپ ان کو تھوڑی دیر کے لیے ہٹنے کو کہہ دیں گے تو یہ حضرات دل وجان سے تسلیم کر لیں گے۔اس پر مذکورۂ بالا آیت نازل ہوئی، جس میں سختی کے ساتھ ایسا کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منع کر دیا گیا۔

حضرت صہیبؓ کی شان میں اور خاص طور پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ (البقرۃ: ۲۰۷)

جب کہ وہ اپنی دلیرانہ للکار سے مشرکین کے دلوں میں اپنا رعب ودبدبہ بٹھاتے ہوئے اور تمام مال ودولت کو قربان کر کے مدینہ کی طرف رواں دواں ہوئے، حضرت صہیبؓ کی شان میں اس آیتِ قرآنیہ کے نزول سے ان کی عزت وشرافت اور عنداللہ ان کے مقام ومرتبہ کی رفعت صاف صاف اور عیاں ہوتی ہے۔

حضرت صہیبؓ اوصافِ حمیدہ کے خوگر تھے، اسی وجہ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی نظر میں آپؓ کو خاص مقام و مرتبہ حاصل تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صہیب اور دیگر کمزور و بے بس صحابہؓ کو دیکھتے تو بڑے اعزاز و احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے، اسلام کی ترازو و میزان میں یہ حضرات کفار کے معزز و قابلِ احترام سرداروں اور چودھریوں سے افضل تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صہیبؓ اور دیگر مستضعفین صحابہؓ کا بہت زیادہ پاس ولحاظ کیا کرتے تھے۔

چناں چہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت صہیبؓ، حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت بلال بن رباحؓ کہیں اکٹھے بیٹھے تھے کہ ابوسفیان (قبولِ اسلام سے پہلے) ادھر سے گذرے، تینوں نے انہیں دیکھ کر کہا کہ: اللہ کی تلوار نے ابھی تک اس دشمنِ خدا کا سر قلم نہیں کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی کہیں پاس ہی تھے، انھوں نے فرمایا: یہ شخص قریش کا سردار ہے، اس کے لیے ایسے سخت الفاظ منہ سے نہ نکالا کرو۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر سارا واقعہ عرض کیا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمھارے ٹوکنے پر شاید یہ لوگ برا مان گئے ہوں، ان کو ناراض کرنا گویا خدا کو ناراض کرنا ہے''۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد سن کر لرز جاتے ہیں، اسی وقت ان تینوں کے پاس لوٹ کر آتے ہیں اور کہتے ہیں: میرے عزیزو! میری بات سے تم غصہ تو نہیں ہوئے نا! وہ کہنے لگے: نہیں! اے ابوبکر! اللہ تمھاری مغفرت کرے، ہمارے دل میں آپ کے خلاف کوئی ملال نہیں ہے۔ (مسلم، رقم: ۲۵۴۔ مسند احمد ۵ / ۶۴)

نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؓ پر اس قدر مہربان تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود آپ کی کنیت ''ابویحییٰ'' تجویز فرمائی تھی؛ حالاں کہ آپ کا یحییٰ نامی کوئی لڑکا نہ تھا۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا تھا: نعم العبد صهيب، لو لم يخف الله لم يعصه. صہیب کتنے اچھے بندے ہیں، وہ اللہ کا خوف نہ کرتے تب بھی اس کی معصیت نہ کرتے، اور نافرمانی میں مبتلا نہ ہوتے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت صہیبؓ سلیم الطبع اور صحیح الفطرت انسان تھے جس کی سند خود لسانِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عنایت فرمائی۔

صاحبِ لولاک علیہ السلام کی طرف سے آپؓ کو جنت کی بشارت وخوشخبری ملی ہے۔ حضرت ابوامامہؓ کی روایت ہے: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُوْلُ: أَنَا سَابِقُ الْعَرَبِ إِلَى الْجَنَّةِ وَصهيبٌ سَابِقُ الرُّوْمِ إِلَى الْجَنَّةِ وَبِلَالٌ سَابِقُ الْحَبْشَةِ إِلَى الْجَنَّةِ وَسَلْمَانُ سَابِقُ الْفَارِسِ إِلَى الْجَنَّةِ. (الاصابۃ ۲/۱۹۶) ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: عربوں میں سب سے پہلے جنت میں، مَیں داخل ہوں گا، رومیوں میں سب سے پہلے جنت میں صہیب جائیں گے، حبشیوں میں سب سے پہلے جنت کی طرف لپکنے والے بلال ہوں گے اور اہلِ فارس میں سے جنت کی طرف سب سے پہلے پہل کرنے والے سلمان ہوں گے۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۵۸)

ایک موقع سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: میرے حوض سے سب

سے پہلے پانی ''صہیب رومی'' کو پلایا جائے گا۔ (دیلمی ۱/ ۳۴)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ: صہیبؓ روم کا پہلا پھل ہے۔

(خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۲۸)

آپؓ کا مقام صحابہؓ کی نظر میں

خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں آپ کا مقام و مرتبہ اور بڑھ گیا تھا، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں ان کا کیا مقام تھا۔ حضرت ابوبکرؓ آپؓ کے ساتھ بے انتہا اعزاز و اکرام کا معاملہ فرماتے۔ عہدِ فاروقی میں آپؓ کا مقام و مرتبہ نہایت عالی و بلند تر تھا۔ حضرت عمرؓ آپؓ سے دل و جان سے محبت کرتے تھے۔ ان کی نظروں میں آپؓ کا مقام اتنا بلند تھا کہ جنگوں اور خلافت کے اہم مسائل میں آپؓ سے مشورہ طلب فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت صہیبؓ سے فرمایا: صہیب! میں تم سے بے حد محبت کرتا ہوں، لیکن تین باتیں مجھے تمھاری پسند نہیں: ایک تو یہ کہ تمھاری زبان پر عجمی رنگ چڑھا ہوا ہے، اس کے باوجود اپنے آپ کو عربی کہتے ہو۔ دوسری یہ کہ تم اسراف بہت کرتے ہو، تیسری یہ کہ تم نے اپنی کنیت ابویحییٰ رکھ چھوڑی ہے؛ حالاں کہ تمھاری اولاد میں یحییٰ نامی ایک بھی لڑکا نہیں ہے۔

حضرت صہیبؓ نے یہ سن کر جواب دیا: اے خلیفۃ المسلمین! میں خالص عربی النسل ہوں، زمانۂ طفولیت میں رومی مجھے گرفتار کر کے روم لے گئے تھے،

وہاں نشو ونما پانے کی وجہ سے میری زبان میں لکنت پیدا ہوگئی۔ دوسری بات یہ کہ میں اسراف نہیں کرتا؛ بلکہ میں تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان: ''إِنَّ خِيَارَكُمْ مَنْ أَطْعَمَ الطَّعَامَ وَرَدَّ السَّلَامَ'' پر عمل پیرا ہوں۔ اور رہی بات میری کنیت کی تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجویز فرمائی تھی۔ ان جوابات کو سن کر حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۶۲)

حضرت عمر فاروقؓ کو آپ سے غایت درجہ محبت تھی، اور وہ آپ کی بہت تعظیم وتکریم کرتے تھے۔ زمانۂ خلافت میں حضرت صہیبؓ ملاقات کے لیے آتے تو وہ سب کام چھوڑ کر آپ سے ملاقات کرتے۔ ایک دفعہ حضرت ابوسفیانؓ، حضرت سہیل بن عمروؓ اور بعض دوسرے اکابرِ قریش حضرت عمرؓ سے ملاقات کے لیے گئے۔ اتفاق سے اُسی وقت حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ بھی اسی مقصد کے لیے وہاں پہنچے۔ حضرت عمرؓ مکان کے اندر تھے، انہیں ملاقات کے لیے آنے والوں کے نام بتائے گئے تو انھوں نے حضرت صہیبؓ، بلالؓ، عمار بن یاسرؓ کو پہلے بلا بھیجا، حضرت ابوسفیانؓ سے ضبط نہ ہوسکا، کہنے لگے:

''عجیب بات ہے کہ ان غلاموں کو تو فوراً باریابی کا موقع مل جاتا ہے؛ لیکن ہم لوگ انتظار کرتے رہتے ہیں''۔

حضرت سہیلؓ نے ان کی بات کاٹ کر کہا:

''ارے بھائی! اس کے لیے تو ہم خود ذمے دار ہیں، دعوتِ توحید تو ہم

سب کو ایک ہی وقت ملی؛ لیکن یہ لوگ اس کو قبول کرنے میں آگے بڑھ گئے اور ہم منہ تکتے رہ گئے، اس لیے امیر المومنین اگر انہیں ہم پر سبقت دیتے ہیں تو اس میں کیا عیب ہے! (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۲۱۴)

حضرت عمرؓ کے ساتھ آپؓ کی محبت

جس طرح حضرت عمر آپؓ سے محبت فرماتے تھے اسی طرح آپ کو بھی حضرت عمرؓ سے بہت زیادہ محبت تھی۔ جس وقت ابولؤلؤ نے حضرت عمرؓ کو زخمی کیا، اس وقت حضرت صہیبؓ بہ آوازِ بلند آہ و بکا کرتے ہوئے حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: صہیب! مجھ پر روتے ہو؟ صہیبؓ بولے: ہاں!! حضرت عمرؓ کہنے لگے: تمہیں معلوم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: "مَنْ يُبْكِ عَلَيْهِ يُعَذَّبُ". جس پر آہ و بکا کی جاتی ہے اس کو مبتلائے عذاب کیا جاتا ہے۔ اس فرمانِ رسول کو سنتے ہی اپنے آنسوؤں کو روکنے لگے۔ پھر حضرت عمرؓ کو دودھ اور نبیذ پلائی گئی تو وہ زخموں کے راستہ سے باہر نکل گئی، اس وقت حضرت صہیبؓ اپنے آپ پر ضبط نہ کر سکے اور چیخنے لگے واعمراہ! واا خاہ! ہائے عمر! ہائے میرے بھائی تمہارے جانے کے بعد میرا کون ہوگا؟ حضرت عمرؓ جلدی سے گویا ہوئے: اے میرے بھائی! خاموش ہو جاؤ، تمہیں معلوم نہیں کہ جس پر گریہ وزاری کی جاتی ہے اس کو عذاب دیا جاتا ہے۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۶۲) اس واقعہ سے حضرت عمرؓ کے ساتھ آپؓ کی محبت کا بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ کی وفات سے قبل بہ حکمِ خلیفہ منصبِ امامت کے فرائض انجام دیے اور وصیت کے مطابق آپؓ ہی نے حضرت عمرؓ کی نمازِ جنازہ پڑھائی، اور تین حضرات: عثمان بن عفانؓ اور سعید بن زیدؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ مل کر حضرت عمرؓ کی تدفین فرمائی۔ (الطبقات الکبریٰ ۳/ ۲۲۷)

آپؓ کا مقام محدثین کی نظروں میں

حضرت صہیبؓ نے اگرچہ سالہا سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبتِ بابرکت سے اکتسابِ فیض کیا؛ لیکن روایتِ حدیث میں وہ حد درجہ محتاط تھے۔ کبھی کبھار تو ایسا ہوتا کہ آپؓ فرماتے کہ: آؤ! ہم آپ لوگوں کو ہمارے غزوات سنائے پھر جب وہ کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا.....! اتنا کہہ کر خاموش ہو جاتے اور آگے کچھ کہہ نہ پاتے۔ اسی لیے آپ کی مرویات باوجود طویل صحبت کے نہایت کم تعداد میں ہیں، تاہم فضل ومنقبت کے اعتبار سے آپ کا شمار اکابرِ صحابہ میں ہوتا ہے۔ آپؓ سے کل تیس روایتیں منقول ہیں۔ جن میں تین امام مسلمؒ نے اپنی کتاب مسلم شریف میں نقل کی ہے۔ (الاطناب فی دلیل الفالحین شرح ریاض الصالحین ۱/ ۱۵۴)

یہاں امامِ مسلم کی روایت کردہ تین روایتوں میں سے دو کا ذکر کیا جاتا ہے اور تیسری طبرانی کی ذکر کی جاتی ہے۔

مرویاتِ صہیبؓ کی ایک جھلک

۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بندۂ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس

کے ہر معاملہ میں اس کے لیے خیر ہی خیر ہے۔ اگر اس کو خوشی و راحت پہنچے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، اور شکر کرنا اس کے لیے خیر ہی خیر ہے۔ اور اگر اس کو دکھ اور رنج پہنچتا ہے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر کرنا بھی اس کے لیے سراپا خیر اور موجبِ برکت ہوتا ہے۔ (مسلم)

۲) دوسری حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے ارشاد فرمائے گا: کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم کو ایک چیز مزید عطا کروں؟ بندے عرض پرداز ہوں گے: اے رب! تو نے ہمارے چہرے روشن کیے اور دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کیا۔ (اب اس سے مزید چیز اور کیا ہوسکتی ہے کہ ہم اس کی خواہش کریں) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: بندوں کے جواب کے بعد یکا یک حجاب اٹھ جائے گا۔ چناں چہ وہ جمالِ الٰہی اور روئے حق بے حجاب دیکھیں گے، ان کا یہ حال ہوگا کہ جو کچھ اب تک انہیں ملا تھا ان سب سے زیادہ محبوب و پیاری چیز ان کے لیے یہی دیدار کی نعمت ہے۔ یہ بیان فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ. جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھی بندگی والی زندگی گزاری ان کے لیے اچھی جگہ ہے اور اس پر مزید ایک نعمت ہے یعنی دیدارِ حق۔ (مسلم)

تیسری روایت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی بستی کو دیکھتے اور اس میں داخل ہونے کا ارادہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بستی پر نظر پڑتے ہی کہتے: ''اَللّٰهُمَّ

رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَمَا أَظْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّيَاحِ وَمَا ذَرَيْنَ إِنَّا نَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ أَهْلِهَا وَشَرِّ مَافِيْهَا". ترجمہ: اے میرے اللہ! ساتوں آسمانوں کے اور اس چیز کے جن پر آسمانوں نے سایہ ڈالا ہے اس کے رب! اور ہواؤں کے اور جن چیزوں کو ہواؤں نے بکھیرا ہے ان کے رب!، اس آبادی کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور اس آبادی کے شر اور اس کے اہل کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ (طبرانی)

حلیۂ مبارک واوصافِ حمیدہ

آپؓ کا چہرہ روشن اور بال سرخی مائل تھے جو انتہائی خوبصورت دکھائی دیتے تھے۔ چہرے سے ہمیشہ تازگی ٹپکتی، آنکھیں روشن تھیں جن سے ذکاوت و ذہانت عیاں ہوتی، زمانۂ پیری میں مہندی کا خضاب لگایا کرتے تھے، صورت و شکل اور رہن سہن میں اپنے زمانہ کے ممتاز لوگوں میں سے تھے۔ آمدنی کے اعتبار سے تنگ دست تھے، لیکن خرچ کرنے میں بڑے کشادہ دست بلکہ کشادہ ظرف واقع ہوئے تھے۔ اولوالعزم تھے، بچپن کا زمانہ تنگی میں گذرا، بڑے ہو کر غضب کے مہمان نواز اور دوست پرور ثابت ہوئے، مہمانوں کو اچھا کھلانے کے حریص تھے۔ نیکی و ہمدردی اور غریب پروری والا مزاج رکھتے تھے، گھر میں جو کچھ آتا اسے فوراً تقسیم کر دیتے اور بچا کر رکھنا جیسے جانتے ہی نہ تھے۔

روم میں طویل اقامت کی وجہ سے زبان میں لکنت پیدا ہو چکی تھی، واقعہ

مشہور ہے کہ: ایک دفعہ وہ اپنے ایک باغ میں تحسنس غلام کو ''نیاس نیاس'' کہہ کر پکار رہے تھے، حضرت عمرؓ نے سنا تو تعجب سے پوچھا کہ ان کو کیا ہو گیا ہے جو لوگوں کو پکار رہے ہیں؟ (کیوں کہ عربی زبان میں ناسٌ کی جمع نِیَاسٌ آتی ہے، جس سے حضرت عمرؓ یہ سمجھے کہ لوگوں کو پکار رہے ہیں۔) حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ: وہ لوگوں کو نہیں پکارتے؛ بلکہ اپنے غلام تحسنس کو پکار رہے ہیں، لیکن لکنت کی وجہ سے ان کا نام ادا نہیں کر سکتے۔ (اسد الغابہ ۳/ ۳۲)

آپؓ اتنے رقیق القلب تھے کہ بات بات پر آنسو رواں ہو جاتے، اور بذلہ سنج ایسے کہ روتے ہوؤں کو ہنسا دیتے۔ ظریف الطبع اور حاضر جواب بھی تھے۔

یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب آپؓ اللہ کی خاطر اپنا مال ومتاع قربان کر کے مدینہ کی طرف نکلے، دورانِ سفر آشوبِ چشم میں مبتلا ہو گئے، جب قبا پہنچے تو دیکھا کہ حضرت کلثوم بن ہدمؓ کی لائی ہوئی کھجوریں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمرؓ تناول فرما رہے ہیں، بھوک کی شدت سے بیتاب ہو کر اس پر ٹوٹ پڑے، چوں کہ آشوبِ چشم میں مبتلا ہو کر کھجور کھانا نقصان دہ ہوا کرتا ہے، اس لیے حضرت عمرؓ نے تعجب سے کہا: ''یارسول اللہ! آپ صہیب کو دیکھ نہیں رہے ہیں کہ آشوبِ چشم کے باوجود کھجوریں کھا رہے ہیں''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''صہیب!!! تمھاری آنکھ آئی ہے، اور تم کھجوریں کھاتے ہو؟'' آپؓ فوراً بول پڑے: ''یارسول اللہ! جو آنکھ تندرست ہے

اس طرف سے کھا رہا ہوں''۔ اس حاضر جوابی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے اختیار ہنس پڑے۔ جب بھوک کی شدت کسی قدر دفع ہوئی تو شکوہ شکایت کا دفتر کھولا، حضرت ابوبکرؓ سے کہنے لگے: ابوبکر! آپ نے باوجود وعدہ کے مجھے شریکِ سفر نہ کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے بھی خیال نہ فرمایا، قریش نے مجھے تنہا دیکھ کر روک رکھا تھا، بڑی مشکل سے جان بچا کر آیا ہوں، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''رَبِحَ الْبَیْعُ أَبَا یَحْیٰی'' تمھاری تجارت قابلِ نفع رہی۔

آپ کے دولت کدے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پیش آیا ہوا اپنا ایک اور واقعہ آپؓ خود بیان فرماتے ہیں کہ: میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کچھ کھانا تیار کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آیا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد چند صحابہ بیٹھے ہوئے ہیں، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اشارے سے کھانے کے لیے کہا، آپ نے صحابہؓ پر نظر ڈال کر مجھے دیکھا، میں نے نفی میں جواب دیا کہ صرف آپ ہی!!!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو گئے، کچھ دیر کے بعد اسی طرح اشاروں میں بات ہوئی تو میں نے یہی کہا کہ ''صرف آپ ہی چلیں'' جب تیسری مرتبہ اس طرح کی بات ہوئی تو میں نے کہا، ٹھیک ہے۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع اپنے اصحاب کے میرے غریب خانے پر تشریف لائے، میں نے ماحضر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت عطا فرمائی کہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے

تیار کردہ کھانا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر اصحاب کے کھا لینے کے بعد بھی باقی رہ گیا۔
(حلیۃ الاولیاء ۱ / ۱۵۴)

وفات

موت !!!! بڑا ہی بھیانک لفظ ہے لیکن حقیقت اس کی ایسی اٹل ہے کہ متنبی کہتا ہے: ع

واعیی دواءُ الموتِ کلّ طبیب

موت کی حقیقت ایسی ہے کہ اس دوا نے ہر ماہر و حاذق طبیب کو تھکا کر رکھ دیا ہے۔

چناں چہ ماہِ شوال ۳۸ھ میں پیمانۂ حیات لبریز ہو گیا، ۷۲ رسال کی عمر میں مالکِ حقیقی سے جا ملے اور بقیع کے گورِ غریباں میں مدفون ہوئے۔

اِنَّمَا الدُّنْیَا فَنَاءٌ لَیْسَ لِلدُّنْیَا بَقَاءٌ
اِنَّمَا الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا کَنَسْجِ الْعَنْکَبُوْتِ
لَیْسَ فِیْهَا عَیْشٌ فَالْعَیْشُ عَیْشُ الْاٰخِرَةِ
کُلُّ أَهْلِ الْعَیْشِ مَیِّتٌ کُلُّ مَیِّتٍ فِي التَّبُوْتِ
مَاتَ أَبُوْ یَحْیٰی لٰکِنْ لَمْ یَمُتْ فَیْضَانُهٗ
اِنَّمَا مَاتَ الْمُسَمّٰی وَاسْمُهٗ مَا لَا یَمُوْت
انشَدَ الآسِی لَهٗ مِصْرَاعَ تَارِیْخِ الْوَفَاةِ
فَاتَ أَبُوْ یَحْیٰی وَیُحْیِیْ وَیُمِیْتُ لَا یَمُوْتُ

اجمالی خاکہ

نام: صہیب، کنیت: ابویحییٰ، والد کا نام: سنان، والدہ کا نام: سلمٰی

وفات: ۷۲ ربرس کی عمر میں ۳۸ھ شوال کے مہینے میں ہوئی، صاحبِ اکمال نے عمر ۹۰ رسال اور وفات ۸۰ھ نقل کی ہے، مگر اکثر اصحابِ سیر نے عمر ۷۲ رسال اور سنِ وفات ۳۸ھ ذکر کیا ہے۔

نام کے سلسلہ میں اختلاف ہے: وزیر ابوالقاسم المغربی کا رجحان ہے کہ آپ کا نام عمیر تھا، رومیوں نے صہیب رکھا۔ اور عمار بن وثیمہ کہتے ہیں کہ آپ کا نام عبدالملک تھا۔ آپؓ کی ایک بہن تھی جس کا نام اُمَیمَہ تھا۔

آپؓ کے آٹھ لڑکے تھے، جن کے نام یہ ہیں:

① حبیب ② حمزہ ③ سعد ④ صالح ⑤ صیفی ⑥ عمار ⑦ عثمان ⑧ محمد

آپ کا ایک پوتا تھا جس کا نام زیاد بن صیفی تھا۔

حضرت صہیبؓ اصل میں اطرافِ موصل کے رہنے والے تھے، آپ کے والد (دوسری روایت کے مطابق آپؓ کے چچا) کسریٰ کی طرف سے اُبلّہ کے حاکم تھے۔ ابھی دنیا کی چند بہاریں دیکھی تھیں کہ رومی فوجیوں نے ابلہ پر دھاوا بول دیا، دیگر مال واسباب کے ساتھ رومی اس کم سن اور نونہال کو بھی پکڑ لے گئے، سنان کے چمنِ زار پر گلِ سرسبد کے فقدان سے خزاں آ گئی، ان کی بہن اُمَیمَہ اور چچا لبید نے ان کی تلاش میں دنیا کی خاک چھان ڈالی، ہر جگہ مجمعوں، میلوں اور

موسمی بازاروں کا جائزہ لیا؛ لیکن اس گم گشتہ کا کہیں سراغ نہیں لگا، وہیں جوان ہوئے اور ''صہیب رومی'' کے نام سے شہرت پائی۔ غلامی کی زنجیریں توڑ کر مکہ آ گئے، عمار بن یاسر کے ہمراہ مشرف بہ اسلام ہوئے، راہِ خدا میں سارا مال ومتاع چھوڑ کر مدینہ ہجرت کی، جب مدینہ پہنچے تو ''ربح البیع ابا یحییٰ'' والا واقعہ پیش آیا اور یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَؤُوْفٌ بِالْعِبَادِ. آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صہیبؓ کو جلیل القدر صحابی حضرت ابوسعید حارث بن صمہ نجاری خزرجیؓ کا اسلامی بھائی بنایا۔ انہیں تیر اندازی اور تیغ زنی میں کمال درجے کی مہارت تھی۔ ہر معرکے میں اپنی شجاعت و بسالت کا لوہا منوایا اور اپنے کمالِ فن سے دشمنوں کو خوب زچ کیا۔ اگر کسی ایسے دشمن کا سامنا ہوجاتا جو سر سے پاؤں تک زرہ پوش ہوتا تو تاک کر اس کی آنکھ میں اس طرح تیر مارتے کہ وہ الٹ کر پیچھے کی طرف اوندھا گر جاتا۔ انہیں راہِ حق میں اپنی معرکہ آرائیوں پر بڑا ناز تھا۔ عالمِ پیری میں لوگوں کو اپنے گرد جمع کر کے انہیں بڑے لطف وانبساط کے ساتھ اپنے جنگی کارناموں کے واقعات سنایا کرتے تھے۔

حضرت صہیبؓ سرچشمۂ اخلاق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ مستفیض ہوئے تھے۔ فرماتے ہیں کہ: نزولِ وحی سے پہلے بھی مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصاحبت کا شرف حاصل تھا۔ (استعیاب تذکرۂ صہیب)

مہمان نواز، غربا پرور اور کشادہ دست تھے، سخی کیوں نہ ہوتے؟ جبکہ وہ

ایک امیر کے بیٹے تھے، مکہ میں عبداللہ بن جدعان جیسے سخی سردار کے ساتھ حلیفانہ رشتہ قائم کیا تھا۔ آپؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں مرتدین سے قتال کیا۔ عہدِ فاروقی میں خلیفۂ ثانی کے انتہائی قریب اور عزیز رہے اور حضرت عثمانؓ کا زمانۂ خلافت بھی پایا۔ علامہ واقدیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے ابوحذیفہ- جو صہیبؓ کے ایک لڑکے ہیں- نے فرمایا کہ میرے والد کا انتقال شوال ۳۸ھ میں ۷۲ رسال کی عمر میں ہوا، اور آپؓ جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(ملخّص: الاصابۃ ۲/ ۱۹۷۔ ابن سعد ۳/ ۱۶۴۔ سیرۃ المصطفی ۱/ ۲۵۲۔ خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۲۱۲۔ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۵۶، تا ۴۶۳)

مآخذ و مراجع:

① الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ② رجال مبشرون بالجنۃ ③ صور من حیاۃ الصحابۃ ④ سیر الصحابہ ⑤ اصحاب الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ⑥ معارف القرآن ⑦ قبول حق کے بعد صحابہ کی داستانِ عزیمت ⑧ جنگ بدر کے تین سو تیرہ مجاہد ⑨ مسلم شریف ⑩ طبقات ابن سعد ⑪ دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین ⑫ سیرۃ المصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ⑬ خیر البشر کے چالیس جاں نثار

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

از قلم: امان اللہ بن معین اشرف امریلی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

یوں تو نہ جانے کتنے افراد ہیں جنھوں نے اس دنیائے رنگ و بو میں آنکھیں کھولیں، سرسبز و شاداب اور لہلہاتے چمنستاں میں اپنے آشیانے بنائے اور کچھ دیر چہچہا کے، اپنی اپنی بولیاں بول کر اڑ گئے، لیکن بعض آنے والے ایسے بھی آئے جنھوں نے زمانے کے سینے پر اپنی تاریخ ثبت کی، ایک عظیم انقلاب بپا کر ڈالا، اور ان کا سیلِ رواں ایسا بڑھا کہ ہر چیز کو بہا لے گیا۔ وہ کچھ ایسے مشہور ہوئے کہ ان کا تذکرہ تاریخ کا جزوِ لاینفک بن کر رہ گیا، وہ خود تو اس چمن کو داغِ مفارقت دے گئے؛ لیکن آج بھی ان کا تذکرہ اسی شان بان سے جاری و ساری ہے۔ اسی زمرے میں سرِ فہرست میں اُس ذات نام ہے کہ جو کائنات کی تخلیق کا دارومدار ٹھہری، کائنات کی ساری خوبیاں جس کے کاسے میں سمو دی گئی، جس کے زمان و مکاں اور جس کے جسمِ منور کی خلّاقِ اعظم نے قسم کھائی۔ قدرت نے اس ماہتابِ انسانیت کی صحبت کے لیے ان سعادت مندوں کا انتخاب کیا جو آسمانِ اوصاف کے جگمگاتے تارے تھے، جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے ایک ایک قول و عمل اور معمول کو حرزِ جاں بنانے کا اس قدر اہتمام فرمایا کہ تاریخِ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے تہی دامن ہے، وہ جہاں جہاں سے گذرے صدیوں وہاں سے صدا آتی رہی ؎

وہ ایک بارِ ادھر سے گذرے مگر اب تک		ہوائے رحمتِ پروردگار آتی ہے

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اٹھانے والی اسی بے نظیر جماعت کا ایک فرد جو ''عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ'' کے نام سے تاریخِ اسلام میں ایک روشن ستارے کی طرح جگمگایا، جس کی ضیا پاشیوں سے تاریک گوشے چمکنے لگے، جس کے دم قدم سے خزاں رسیدہ فضا بہار آشنا ہوئی، جسے راہِ حق میں اپنی جان نچھاور کرنا اپنی حیاتِ مستعار سے کہیں زیادہ عزیز تھا اور جو ہو بہو اس شعر کا حقیقی مصداق ٹھہرا۔

بھلا سکیں گے نہ اہلِ زمانہ صدیوں تک		مری وفا، مرے عشق و جنوں کے افسانے

زیرِ نظر سطور آپ ہی کی ذاتِ گرامی پر روشنی ڈالنے کی غرض سے لکھی گئی ہیں۔

نام و نسب

نام: عبداللہ، کنیت: ابو محمد، لقب: المجدع فی اللہ، والد کا نام: جحش اور والدہ کا نام: امیمہ تھا۔

آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: عبداللہ بن جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ الاسدی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رشتۂ قرابت

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو خصوصی نسبتیں حاصل تھیں:

(۱) آپ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے، آپ کی والدہ ''امیمہ

بنت عبدالمطلب'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدِ محترم ''عبداللہ بن عبدالمطلب'' کی حقیقی بہن تھیں۔

(۲) آپؓ ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ کے حقیقی بھائی تھے، اس لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برادرِ نسبتی ہوئے۔

آپ کا تعلق قبیلۂ بنو اسد سے تھا، جو مشہور عدنانی قبیلہ ''مضر'' کی ایک شاخ ہے، اور ایامِ جاہلیت میں بنو عبدشمس (قریش) کا حلیف تھا۔ ابن اثیرؒ نے حرب بن امیہ (ابوسفیان کے والد) کو ان کا حلیف لکھا ہے، لیکن ان دونوں روایتوں میں باہم کوئی تضاد نہیں، وہ اس طرح کہ حرب بن امیہ بنو عبدشمس کا ایک ممبر تھا۔ آپ رضی اللہ علیہ کا خاندان ''بنی غنم بن دودان'' بھی کہلاتا تھا۔

قبول اسلام

نگاہِ اہلِ جنوں میں وہ معتبر ٹھہرے

عبداللہ بن جحش ابھی چوبیس پچیس برس کے مرحلے میں تھے کہ ہادیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا۔ مبداءِ فیض نے عبداللہ کو فطرتِ سلیم سے حصۂ وافر عطا کیا تھا، صدائے حق کانوں میں پڑتے ہی انھوں نے اس کو دل وجان سے قبول کرلیا، اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ بابرکت پر بیعت کر کے ''السابقون الاولون'' کی مقدس جماعت میں شامل ہو گئے۔ اور اتنا ہی نہیں؛ بلکہ آپ کے ساتھ آپ کی تین بہنیں: حضرت زینب (ام المومنین)، ام حبیبہ، اور حمنہ رضی اللہ

عنہن اور آپ کے دو بھائی: ابواحمد عبد اور عبید اللہ بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب مسلمان گنتی کے چند تھے، اور دعوتِ نبوی کا بالکل ابتدائی مرحلہ تھا، ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی دارِ ارقم میں بھی فروکش نہیں ہوئے تھے،

ابتلا و آزمائش

ہوائے جور و ستم سے چراغِ وفا نہ بجھا

کوچۂ عشق و وفا میں جنھوں نے بھی اپنا قدم رکھا، انہیں ظلم و ستم کی چکی میں پسنا پڑا اور ناقابلِ برداشت مشکلوں اور صعوبتوں کی خاردار وادیوں سے بھی گذرنا پڑا، ٹھیک اسی طرح جو بھی اسلام کے لازوال لہلہاتے باغ میں داخل ہوا انہیں آزمائش کی گردش سے دوچار ہونا پڑا، اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کا خون کرنا پڑا اور زمانے کے ظلم و استبداد کا ڈٹ کر مقابلہ بھی کرنا پڑا؛ اس لیے کہ ابتلا و آزمائش کی کسوٹی پر دعویٔ ایمان کے کھوٹے اور کھرے پن کو آزمانا اللہ تعالیٰ کا قانون اور طریقۂ کار رہا ہے، ارشادِ باری ہے: اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ (العنکبوت: ۲-۱) ترجمہ: کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا کہ بس وہ یہ کہہ دیں کہ: ''ہم ایمان لے آئے'' اور ان کو آزمایا نہ جائے؟ حالاں کہ ہم نے ان سب کی آزمائش کی ہے جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں، لہٰذا اللہ ضرور معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ ہیں جنھوں نے سچائی سے کام لیا ہے اور

وہ یہ بھی معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ جھوٹے ہیں۔ (آسان ترجمۂ قرآن)

اگر ماتمِ شکست کے بجائے انسان کے حصہ میں ہمیشہ فتوحات کا جشن آئے، آبلہ پائی کے بجائے اس کے قدم سدا پھولوں کی سیج پر گل فشانی کا لطف لے، اور ناکامیوں کے بجائے اس کو جہادِ زندگانی میں صرف کامیابیوں ہی کی سوغات ملے تو ایسی صورت میں کون ہے جو ایمان و اسلام کی راہ روی کا دعویٰ نہیں کرے گا! اس لیے ایک مؤمن کی زندگی میں ظاہری ناکامیاں بھی آتی ہیں اور اپنی اجلِ موعود پر وہ فانی دنیا سے رخصت بھی ہو جاتا ہے؛ لیکن اس کے ایمان کی خوشبو دائمی اور اس کے ذکرِ خیر کا گلشن سدا مہکتا رہتا ہے۔

ہجرتِ حبشہ

چھوڑ کر مانندِ بو تیرا چمن جاتا ہوں میں

یہی وجہ ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد دیگر مسلمانوں کی طرح حضرت عبداللہ کا خاندان بھی قریشِ مکہ کے ظلم و ستم کا نشانہ بن گیا، جب قریش کے مظالم انتہا کو پہنچ گئے تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایما پر حضرت عبداللہ اہلِ خانہ سمیت حبشہ کو ہجرت کر گئے، لیکن بدقسمتی سے ان کے بھائی عبیداللہ نے وہاں عیسائیت اختیار کر لی اور اسی حالت میں موت نے انہیں آدبوچا۔ رسول اللہ کو ان کی خبر ملی تو آپ کو بڑا ملال ہوا، پھر آپ نے ان کی بیوی ''امِّ حبیبہ بنت ابوسفیان'' کو پیغامِ نکاح بھیجا، جو انھوں نے بہ خوشی قبول کر لیا اور نجاشی شاہِ حبشہ نے غائبانہ ان کا نکاح آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کرادیا۔

حضرت عبداللہ اوران کے خاندان کے دیگر افراد بڑے خلوص و استقامت کے ساتھ دینِ اسلام سے وابستہ رہے۔

جب یادِ حرم آئے مہکائے بدن میرا

کچھ مدت کے بعد مشرکینِ قریش کے کفر کی ناپاک چادر کو اپنی گردنوں سے اتار پھینکنے اوران کی طرف سے مسلمانوں پر ہونے والے ظلم وتشدد کے بند ہونے کی افواہ حبشہ پہنچی تو وطن میں رہنے اور بسنے کی فطری خواہش نے ان حضرات کو واپسی پر مجبور کیا، چناں چہ صحابۂ کرامؓ کی ایک تعداد نے مکہ واپسی کا قصد کیا، حضرت عبداللہ بن جحش بھی ان میں سے ایک تھے۔اس خبر کے غلط ثابت ہونے پر کچھ مہاجرین حبشہ واپس لوٹ گئے، تاہم حضرت عبداللہؓ اُن لوگوں میں سے تھے جو مکہ میں مقیم ہو گئے۔

پھر جب انصار دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے اور مدینہ میں اسلام کا بول بالا ہونے لگا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ ایمان کو مدینہ ہجرت کر جانے کا حکم فرمایا، سب سے پہلے حضرت ابوسلمہ نے مہاجر ہونے کا شرف حاصل کیا، پھر ان کے بعد حضرت عامر بن ربیعہؓ اور حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے بھی مدینہ ہجرت کی، لیکن یہ ہجرت پہلے کی بہ نسبت وسیع پیمانے پر ہوئی، اس ہجرت میں تمام اہلِ خانہ، عزیز واقارب، مرد وزن، پیر وجوان اور بچے سبھی شریک تھے۔

انہیں وطن میں نہ ڈھونڈیے کہ اب وہ وطن سے چلے گئے

جب یہ خاندان مکہ چھوڑ کر مدینہ روانہ ہوگیا تو ان کے محلّے ویران ہو گئے، مکیں کے چلے جانے سے مکان اداس ہو گئے اور ویرانی نے ڈیرے جما لیے۔ ایک روز سردارانِ قریش میں سے عتبہ، شیبہ اور ابوجہل ان کے گھر کی طرف آ نکلے، کیا دیکھتے ہیں کہ دروازے اور کھڑکیاں کھلی پڑی ہیں، ہوائیں اٹھکیلیاں کر رہی ہیں، زندگی کی رونق اور چہل پہل کے آثار وہاں سے اس طرح مٹ گئے جیسے وہاں پہلے کوئی رہتا ہی نہ تھا، تیز ہوائیں گرد و غبار اڑاتی ہوئی چلی جا رہی ہیں، اور ان کے دروازوں کے کھلے ہوئے پٹ آپس میں ٹکرا ٹکرا کر اہلِ خانہ کے فراق میں ماتم کناں ہیں، گویا زبانِ حال سے کہہ رہے تھے کہ: بیکسی میری کوئی دیکھے ذرا وقتِ سحر کہ

خواب گہِ شاہاں کی ہے یہ منزلِ حسرت فزا
دیدۂ عبرت! خراجِ اشکِ گلگوں کر ادا

اور صد افسوس کہ

زندگی سے تھا کبھی معمور، اب سنسان ہے
یہ خموشی اس کے ہنگاموں کا گورستان ہے

بدبخت ابوجہل نے حضرت عبداللہ کے خوبصورت اور عالیشان محل پر قبضہ کر لیا، اور باقاعدہ اس میں رہائش اختیار کر لی، اور مالکانہ تصرف کرنے لگا۔ ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے جب ان کا گھر خالی پڑا دیکھا تو عمرو بن علقمہ کو

فروخت کر دیا۔

حضرت عبداللہؓ کو جب اس کی خبر ہوئی تو ان کو بڑا صدمہ اور دکھ ہوا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو ان کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اَلَا تَرْضٰی یَا عَبْدَ اللّٰہِ، اَنْ یُّعْطِیَکَ اللّٰہُ بِھَا دَارًا فِی الْجَنَّۃِ''.

''اے عبداللہ! کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ جنت میں تمھارے لیے خوبصورت اور عالیشان محل بنا دے''۔ انھوں نے کہا: بلٰی یا رسول اللہ! ''کیوں نہیں اے اللہ کے رسول''۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فذالک لک، ''خوش ہو جاؤ کہ جنت میں تمھارے لیے عالیشان محل بن چکا ہے''۔ یہ سننا تھا کہ حضرت عبداللہؓ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، اتنی عظیم سعادت کی خبر سن کر دل کا خوشی سے رقص کناں ہونا ایک فطری امر ہے۔

خدایا! وہ کیسے لوگ تھے جنھیں ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور دیکھنا، پاکیزہ صحبت میں رہنا، اور زبانِ رسالت سے اپنے حق میں آخرت کی کامیابی و کامرانی کا مژدۂ جانفزا سننا نصیب ہوا۔

الٰہی! کیا لوگ تھے وہ جو راہِ وفا سے گذر گئے

اور یہ کہہ گئے کہ: ع

یہی پیمانِ الفت ہے یہی عہدِ وفا اپنا۔

رشتۂ مواخات

خونی رشتوں سے فزوں تر ہے اسلامی رشتے

جب حضرت عبداللہ بن جحشؓ مدینۂ منورہ پہنچے، تو حضرت عاصم بن ثابت بن افلح انصاریؓ نے ان کو اپنے یہاں مہمان ٹھہرایا، اور دیگر اہلِ خانہ نے متفرق طور پر انصار کے گھروں پر قیام کیا، اور ان کے مہمان بنے۔ جب تمام مہاجرین مدینہ آ گئے تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مہاجرین کی آبادکاری کی فکر دامن گیر ہوئی، کیوں کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر سب کچھ لٹا کر بے سروسامانی کے عالم میں اپنے وطن کو خیر باد کہا اور مدینہ چلے آئے، ان کے پاس نہ تو مال و اسباب تھا اور نہ سر چھپانے کے لیے کوئی جگہ تھی۔

چناں چہ ہجرت کے پانچویں مہینے رجب ۱ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس بن مالکؓ کی رہائش گاہ پر انصار اور مہاجرین کو طلب فرمایا اور ان کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا۔ چناں چہ حضرت عبداللہ کو حضرت عاصم بن ثابت بن افلح انصاریؓ کا بھائی قرار دیا۔

مواخات کا یہ نظام بصیرتِ نبوی کا شاہکار ہے، مہاجرین کی فوری بحالی کا یہ ایک معاشی منصوبہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ حسن وخوبی سینکڑوں بے روزگاروں کا معاشی مسئلہ ایک ہی دن میں اور ایک ہی نشست میں حل فرما دیا، جس کی نظیر تاریخِ عالم کے ابوابِ اخلاق وتمدن میں ملنی مشکل ہے۔

سریۂ عبداللہ بن جحش

محوِ حیرت ہے ہر صفحۂ تاریخ

ابھی حضرت عبداللہ انصارِ مدینہ کے زیرِ سایہ حفظ وامان میں رہ کر چین و سکون کے چند لمحات بِتا بھی نہ پائے تھے کہ مشیتِ الٰہی نے ان کو زندگی کی سب سے بڑی آزمائش سے دوچار کر دیا۔

ہوا یہ کہ سلطانِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفارِ مکہ کی نقل وحرکت کا جائزہ لینے کے لیے ماہِ رجب ۲ھ میں ایک گشتی دستہ بھیجنے کا ارادہ کیا۔ چناں چہ اس کے لیے حضرت عبداللہؓ کو آٹھ مہاجر صحابہ پر- جن میں ایک بھی انصاری صحابی نہیں تھے- امیرِ قافلہ مقرر فرمایا، اس قافلے میں حضرت سعد ابن ابی وقاص، عتبہ بن غزوان، عکاشہ بن محصن اور واقد بن عبداللہ تمیمی وغیرہم جیسے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم شامل تھے، اور ساتھ ہی ایک سربمہر خط عنایت فرمایا اور حکم دیا کہ: دو دن کے سفر کے بعد اس خط کو کھول کر پڑھیں، اور اس میں دی گئی ہدایت کے مطابق عمل کریں، اور بوقتِ روانگی اہلِ قافلہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''عبداللہ اگرچہ تم لوگوں میں افضل نہیں؛ تاہم وہ بھوک و پیاس کی سختیوں کو زیادہ برداشت کر سکتا ہے''۔

بعض اربابِ سیر نے لکھا ہے کہ اسی سریے میں سب سے پہلے حضرت عبداللہؓ کو ''امیر المومنین'' کہہ کر پکارا گیا۔ دو دن کے بعد حضرت عبداللہؓ نے فرمانِ رسول کے مطابق نامۂ مبارک کھول کر پڑھا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ: ''تم

سیدھے مکہ اور طائف کے درمیان واقع نخلستان میں جا کر ٹھہرو، اور وہاں سے قریش کی نقل وحرکت پر کڑی نگاہ رکھو اور اگر کوئی خطرناک صورتِ حال نظر آئے تو فوری طور پر ہمیں آگاہ کرو۔ اور کسی کو اس کی مرضی کے خلاف اپنی معیت پر مجبور نا کرو، جو ساتھ دینا چاہے وہ دے اور جو واپس آنا چاہے وہ واپس آ جائے''۔

جب آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامۂ مبارک پڑھ کر فارغ ہوئے تو اہلِ قافلہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''میرے عزیز ساتھیو! مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں طائف اور مکہ کے درمیان واقع نخلستان میں پڑاؤ ڈالوں اور قریش کی نقل وحرکت پہ کڑی نظر رکھوں اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ میں تم میں سے کسی کو اپنے ساتھ زبردستی نہ لے جاؤں۔ لہٰذا تم میں سے جس کسی کو راہِ حق میں جان نچھاور کرنے کی آرزو دامن گیر ہو وہ میرے ساتھ چلے اور جو واپس جانا چاہے بہ رضا ورغبت واپس جا سکتا ہے، میری طرف سے کسی پر کوئی زور وزبردستی نہیں''۔

اہلِ قافلہ نے جب یہ سنا تو بہ یک زبان ہو کر کہا کہ ''شاہِ امم، نبیٔ اکرم، شفیعِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم سر آنکھوں پر! چشمِ ما روشن دلِ ما شاد! ایک جان تو کیا، ہزاروں جانیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے قربان کی جا سکتی ہیں، ہم ضرور آپ کے ساتھ بہ رضا ورغبت وہاں آئیں گے جہاں آپ کو جانے کا حکم دیا گیا ہے''۔

چناں چہ حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے سارے قافلے کے ساتھ نخلستان کا رخ کیا، اور جب مقامِ فرع کے بالائی حصے معدن (جسے بحران کہا جاتا ہے) میں

پڑاؤ ڈالا تب حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ اور حضرت عتبہ بن غزوان ؓ کا اونٹ کہیں گم ہو گیا، چوں کہ اس سفر میں ہر دو کے درمیان ایک اونٹ تھا جس پر باری باری سوار ہوتے تھے، لہذا یہ دونوں حضرات اونٹ تلاش کرنے میں رہ گئے، اُدھر حضرت عبداللہ ؓ نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی، اور بطنِ نخلہ جا پہنچے، اِدھر یہ دونوں حضرات اپنے اونٹ کی تلاش میں سرگرداں تھے کہ ایک قریشی قافلے کے ہتھے چڑھ گئے، اور انھوں نے ان دونوں کو گرفتار کر لیا۔ آخر کار قریش کا وہ قافلہ جس کی تاک میں یہ حضرات نخلستان آئے تھے طائف سے آتا ہوا نظر آیا، ان کے ساتھ کشمش، چمڑا اور دوسرا تجارتی سامان تھا، قریش نے جب یہاں ایک اور قافلے کو خیمہ زن دیکھا تو وہ ٹھٹکے، ان کے لیے تو پر چھائیں سے بھی بھڑکنے کے دن تھے، مسلمانوں نے جب انہیں ہیبت زدہ دیکھا تو حضرت عکاشہ بن محصن ؓ نے ایک تدبیر کی کہ اپنے ساتھی حضرت عامر بن ربیعہ ؓ کے آگے بیٹھ گئے اور سر منڈوانے لگے، اس سے کافروں کو ڈھارس بندھ گئی اور وہ یہ سمجھے کہ یہ لوگ زیارتِ کعبہ کے لیے آئے ہیں، اور مطمئن ہو کر اپنے جانور چرنے کے لیے چھوڑ دیے اور دیگر مصروفیات میں مشغول ہو گئے۔

یہ ماہِ رجب کی آخری تاریخ تھی، چناں چہ صحابہ کرام ؓ نے باہم بیٹھ کر اس بابت مشورہ کیا کہ اہلِ قافلہ کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے، کیوں کہ اگر ہم ان کے ساتھ قتال کرتے ہیں تو ماہِ حرام میں جنگ وجدال اور خوں ریزی کے مرتکب ہوتے

ہیں اور اس صورت میں ماہِ حرام کی حرمت پامال ہوگی، اور ہم اہلِ عرب کی ناراضگی اور ان کی ملامت کا نشانہ بن جائیں گے، اور اگر آج یہ بچ کر حدودِ حرم میں داخل ہو گئے تو ہماری دسترس سے نکل جائیں گے اور خود کو ہماری گرفت سے محفوظ کر لیں گے، بالآخر وہ اس رائے پر متفق ہو گئے کہ یہ لوگ کسی طرح بچ کر نکلنے نہ پائے۔

چناں چہ شہباز کی طرح یہ لوگ کافروں پر ٹوٹ پڑے، حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی نے تاک کر تیر مارا جو عمرو بن حضرمی کو آ لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا، عثمان ابن عبداللہ اور حکم بن کیسان گرفتار کر لیے گئے اور نوفل بن عبداللہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا، یہ چاروں قریش کی عظیم المرتبت شخصیتیں تھیں، اس کے علاوہ مسلمانوں کو بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔

مالِ غنیمت کے حوالے سے ابھی تک کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس لیے حضرت عبداللہؓ نے اپنے اجتہاد سے کل مال کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا، اور خمس (پانچواں حصہ) الگ کر کے باقی چار حصے اپنے ساتھیوں کے درمیان تقسیم کر دیے۔ حضرت عبداللہؓ کا یہ اجتہاد بارگاہِ خداوندی میں اس قدر مقبول ہوا کہ جنگِ بدر کے بعد یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: ”واعلمُوْا انَّمَا غنمتُمْ مِنْ شَیْءٍ فاِنَّ للّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ الآیۃ. (الانفال:۴۱) ترجمہ: اور (مسلمانو!) یہ بات اپنے علم میں لے آؤ کہ تم جو کچھ مالِ غنیمت حاصل کرو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول اور ان کے قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے۔ (آسان ترجمۂ قرآن)

حضرت عبداللہ اور ان کے ساتھی؛ قیدیوں اور مالِ غنیمت کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس فعل پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور ان سے فرمایا کہ: ''بہ خدا میں نے تمہیں جنگ کی اجازت نہیں دی تھی، میں نے تمہیں صرف قریش کے حالات معلوم کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ ہدایت کی تھی کہ ان کی نقل وحرکت پر خفیہ نظر رکھو''۔

سلطانِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیدیوں کے معاملے کو فی الحال ملتوی کر دیا اور مالِ غنیمت میں سے کچھ بھی نہ لیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس طرزِ عمل سے حضرت عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کے اوسان خطا ہو گئے، کوہِ الم کا بارِ گراں ان پر ٹوٹ پڑا، اور انہیں اس بات کا احساس ہوا کہ ہم تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکم عدولی کر کے ہلاک و برباد ہو گئے، کہیں اس پر اللہ تعالیٰ کی بھی ناراضگی نہ اتر آئے۔ اور مزید تکلیف دہ صورت یہ ہوگئی کہ صحابہؓ نے بھی ان سے بائیکاٹ کر دیا جو بھی سامنے آتا منہ پھیر کر گذر جاتا، سب کی زبان پر یہی کلمہ تھا کہ یہ وہ اشخاص ہیں جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم نہیں مانا۔

اُس وقت تو اِن کی پریشانی کی کوئی انتہا نہ رہی جب اُنہیں یہ معلوم ہوا کہ کفارِ مکہ نے ان کی اِس حرکت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کرنے اور قبائل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بدنام کرنے کا ایک ذریعہ بنا لیا ہے کہ ''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ''اشہرِ حرم'' کو حلال کر رکھا ہے اور اس میں خوں ریزی کی، مال لوٹا اور لوگوں کو گرفتار کیا''۔

ایک روز یہ غم واندوہ اور پریشانی کی تصویر بنے بیٹھے تھے کہ اچانک ایک شخص نے آ کر یہ مژدۂ جانفزا سنایا کہ ''باری تعالیٰ نے تمہیں بری کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ تمھارے کارنامے پر خوش ہیں اور اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن نازل کر دیا ہے۔ یہ خبر سن کر آپ کو نا قابلِ بیان خوشی ہوئی۔

اور اب حال یہ تھا کہ تمام صحابۂ کرامؓ خوشی خوشی ان سے گلے مل رہے ہیں، انہیں مبارک باد دے رہے ہیں اور اُن آیات کی تلاوت کر رہے ہیں جو ان کے متعلق قرآن مجید میں نازل ہوئی تھیں:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (البقرہ) ترجمہ: لوگ آپ سے حرمت والے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں جنگ کرنا کیسا ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے؛ مگر لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا، اس کے خلاف کفر کی روش اختیار کرنا، مسجدِ حرام پر بندش لگانا اور اس کے باسیوں کو وہاں سے نکال کر باہر کرنا اللہ کے نزدیک زیادہ بڑا گناہ ہے۔ اور

فتنہ قتل سے بھی زیادہ سنگین چیز ہے، اور یہ (کافر) تم لوگوں سے برابر جنگ کرتے رہیں گے؛ یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو یہ تم کو تمھارا دین چھوڑنے پر آمادہ کردیں، اور اگر تم میں سے کوئی شخص اپنا دین چھوڑ دے اور کافر ہونے کی حالت ہی میں مرے، تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں اکارت ہوجائیں گے، ایسے لوگ دوزخ والے ہیں، وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ (اس کے برخلاف) جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا، تو وہ بیشک اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ (آسان ترجمۂ قرآن)

جب یہ آیت نازل ہوئی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان حضرات سے خوش ہوگئے اور مالِ غنیمت کو قبول فرمالیا۔

قریش نے عثمان اور حکم کی رہائی کے لیے فدیہ بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب تک ہمارے دو ساتھی سعد اور عتبہ واپس نہیں آجاتے تب تک ہم انہیں رہا نہیں کریں گے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم انہیں قتل کردو، اگر تم نے ایسا کیا تو یہ دونوں بھی اسی انجام کو پہنچیں گے''۔ جب دونوں مجاہد صحیح سالم واپس آگئے تو آپ نے چالیس اوقیہ لے کر دونوں قیدیوں کو رہا کردیا۔ رہائی کے بعد حکم بن کیسان مسلمان ہوگئے اور بہترین مسلمان ثابت ہوئے، بیرِ معونہ کے موقع پر انھوں نے جامِ شہادت نوش کیا، اور عثمان مکہ چلا گیا اور وہیں بحالتِ کفر انتقال کرگیا۔

ہم ہی سے باقی ہے گل دامنی و کج کلہی

یہ سریہ کئی اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے، اور تاریخِ اسلام میں ایک عظیم واقعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں حاصل ہونے والا مالِ غنیمت اسلام میں پہلا مالِ غنیمت تھا، اس میں قتل ہونے والا شخص پہلا مقتول مشرک تھا، اس میں گرفتار ہونے والے قیدی پہلے قیدی تھے جو مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے، اور اس کے امیر حضرت عبداللہ بن جحشؓ وہ پہلے شخص تھے جن کو ''امیر المومنین'' کے لقب سے پکارا گیا۔

حضرت عروہؒ بن زبیر کا بیان ہے کہ: غزوۂ بدر اور وہ تمام لڑائیاں جو قریش کے ساتھ پیش آئیں ان سب کا سبب عمرو بن حضرمی کا قتل تھا، اور اس میں گرفتار ہونے والے بھی بڑے بااثر لوگ سمجھے جاتے تھے۔ مؤرخ طبری کا خیال ہے کہ جس چیز نے بدر کے واقعہ کو ابھارا اور وہ تمام لڑائیاں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مشرکینِ مکہ کے درمیان پیش آئیں ان سب کا سبب یہی تھا کہ حضرت واقد بن عبداللہ تمیمیؓ نے عمرو بن حضرمی کو قتل کر دیا تھا۔

غزوۂ بدر

حق و باطل کا پہلا معرکہ

۱۷ رمضان المبارک ۲ھ کو غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آیا، جس کو تاریخِ اسلام میں بڑا مقام و مرتبہ حاصل ہے، جنگ گاہِ بدر حق و صداقت پر جان نچھاور

کرنے کی پہلی کسوٹی ہے، قرآن وحدیث میں جابہ جا اس غزوہ کا ذکر آیا ہے، یہی وہ غزوہ ہے جس میں کھلے طور پر اللہ کی نصرت ومدد اتری، اتنا ہی نہیں؛ بلکہ اس میں شامل ہونے والے جاں بازوں کو زبانِ رسالت سے دخولِ جنت کی خوش خبری اور معافی کا پروانہ بھی ملا۔

یہی وہ دن تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پندرہ سالہ جدوجہد کا کل سرمایہ میدانِ عمل میں جھونک کر الحاح وزاری اور رقّت کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: ''بارِالٰہا! اگر یہ مٹھی بھر مسلمان آج ہلاک ہوگئے تو روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں ہوگا، اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے آج پورا کردے''۔

عجب چیز ہے لذت آشنائی

تاریخِ حرب میں چشمِ فلک نے ایسا نظارہ نہ دیکھا ہوگا: خون کے رشتے میں ایک دوسرے سے پروئے ہوئے، نسب ایک، وطن ایک، زبان ایک؛ لیکن عقیدے کے اختلاف نے تمام رشتے منقطع کردیے، امتیازِ خیر وشر نے خون کو خون سے جدا کردیا، نہ رشتے کی کوئی وقعت نہ خون کی کوئی اہمیت، اللہ اور اس کے رسول کی محبت تمام نسبتوں پر حاوی ہوگئی، جب ہی تو چشمِ فلک نے مطلعِ ایمان پر عجب حیران کن منظر دیکھا، مقاصد نے ان میں اختلاف بپا کیا، تلوار فیصلے کے لیے اٹھی، کفار مسلمانوں کو لقمۂ تر سمجھ کر کبر ونخوت کی چادر تانے ہوئے میدان میں آئے؛

لیکن یہ تین سو تیرہ مردِ مجاہد اپنی بے سروسامانی کے باوجود محض رضائے الٰہی کی خاطر کفر کی مہیب قوت سے بھڑ گئے اور ان پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ ان کی کمر توڑ کر رکھ دی، اور ہمیشہ کے لیے ان کے غرور کو خاک میں ملا کر رکھ دیا۔

اس مقدس گروہ میں حضرت عبداللہ بن جحشؓ کا بھی شمار ہے، انھوں نے اس معرکۂ حق و باطل میں جس شجاعت و جواں مردی کا ثبوت دیا وہ ناقابل فراموش ہے۔ قریش کے نامور بہادر: ولید بن ولید بن مغیرہ مخزومی (خالد بن ولید کے حقیقی بھائی) کو گرفتار کرلیا، جنگ کے بعد ان کے دونوں بھائی، خالد اور ہشام ان کو رہا کرانے کے لیے آئے تو آپؐ نے ان سے چار ہزار زرِفدیہ طلب کیا، اتنی بڑی رقم دینے میں ان کو تامل ہوا، لیکن بعد میں ''خالد نے ہشام'' کو یا بروایت دیگر ''ہشام نے خالد'' کو غیرت دلائی کہ کیا ولید ہمارا بھائی نہیں ہے؟ چار ہزار کیا اگر اس سے بھی زیادہ دینا پڑے تو بھی اس رقم کو ادا کر کے ولید کو چھڑا لینا چاہیے۔ بالآخر چار وناچار؛ چار ہزار زرِفدیہ ادا کر کے ولید کو چھڑا لیا اور اپنے ساتھ مکہ لے کر روانہ ہو گئے لیکن ع

سحر قریب تھی سورج نکلنے والا تھا

یہ لوگ جب مقامِ ذوالحلیفہ پہنچے تو ولید بھاگ کر دوبارہ مدینہ آ گئے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ لوگوں نے جب ان سے پوچھا کہ تم فدیہ کی ادائیگی سے قبل مسلمان کیوں نہ ہو گئے؟ تو انھوں نے جواب دیا

کہ: میں نہیں چاہتا تھا کہ لوگ یہ کہے: ولید فدیہ کے ڈر سے مسلمان ہو گیا۔

غزوۂ احد میں حضرت عبداللہؓ کی جاں نثاری

میری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری

حضرت عبداللہ کو راہِ حق میں شہید ہونے کی بڑی تمنا تھی، یہی وجہ ہے کہ غزوۂ احد کے موقع پر آپ کا سوزِ دروں اس دعا کی صورت میں زبان پر آ گیا جو آپ نے اپنے دوست حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے ساتھ مل کر میدانِ کارزار کے گرم ہونے سے کچھ قبل کی تھی، حضرت سعدؓ خود اس واقعے کے راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ:

''غزوۂ احد کے موقع پر حضرت عبداللہ بن جحشؓ مجھ سے ملے اور بولے: کیا تم اللہ کے حضور دعا نہیں کرو گے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں! پھر ہم دونوں ایک طرف خلوت میں چلے گئے اور میں نے دعا کی: ''یا اللہ! جب دشمن سے میری مڈ بھیڑ ہو تو میرا مقابلہ کسی ایسے شخص سے کرانا جس کی گرفت نہایت سخت اور جس کا غیظ و غضب انتہائی شدید ہو، میں اس سے لڑوں اور وہ مجھ سے لڑے، پھر تو مجھے اس پر غلبہ عطا فرما، حتیٰ کہ میں اسے موت کے گھاٹ اتار دوں''۔ میری اس دعا پر عبداللہ نے آمین کہا۔ پھر انھوں نے دعا کی: ''خدایا! میدانِ جنگ میں میرا بھی مقابلہ کسی پیل تن، زور آور اور غضب ناک مشرک سے ہو، بڑی دیر تک ہم دونوں کے بیچ معرکہ آرائی ہوتی رہے، آخر کار وہ مجھے تیری راہ میں شہید کر دے اور اسی پر

اکتفانہ کرے؛ بلکہ وہ میری لاش کا مثلہ کر کے اپنا غصہ اتارے، اس حال میں جب مَیں تیرے روبرو آؤں تو تو پوچھے: اے عبداللہ! تیرا یہ کیا حال ہے؟ تو میں عرض کروں: جان تیری دی ہوئی تھی تو نے لے لی، ہاں! یہ کٹی ہوئی ناک، پھٹے ہوئے کان، نکلی ہوئی آنکھیں، اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں عبداللہ کا نذرانہ ہے۔ اور تو کہے: اے میرے بندے! تو نے سچ کہا''۔ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے ان کی اس دعا پر آمین کہا۔

رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

پھر جب معرکۂ رزم بپا ہوا تو صحابۂ کرامؓ اور مشرکین دوبدو لڑنے لگے، کچھار سے نکلے ہوئے شیروں کی طرح دلاورانِ اسلام دشمنوں پر پِل پڑے، ان کی تلواریں برقِ بے اماں بن کر کافروں کے سروں پر پڑ رہی تھیں۔ ع

مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

حضرت عبداللہؓ بھی کچھ اس والہانہ انداز سے لڑتے رہے کہ ان کو نرغہ تک کی پروا نہ تھی، لڑتے لڑتے ان کی تلوار ٹوٹ گئی تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کھجور کی ایک ٹہنی عطا فرمائی، اور دستِ مجاہد میں وہ شمشیر بُرّاں بن گئی، جس کا نام آپؓ نے ''عرجون'' رکھا، اور دیر تک اسی تلوار سے دادِ شجاعت دیتے رہے۔

بالآخر ابوالحکم بن اخنس ثقفی نے آپ پر تلوار کا ایک بھرپور وار کیا، جس سے آپؓ شہید ہو کر گر پڑے اور مشرکین نے آپؓ کی لاش کا مثلہ کیا، اسی لیے آپؓ

''المجدع فی اللہ'' (راہ حق میں مثلہ کیا ہوا) کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمالی اور

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

علّامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ: جب حضرت سعدؓ کا گذر ان کی لاش پر ہوا تو بے ساختہ زبان سے نکلا: ''خدا کی قسم! عبداللہ کی دعا میری دعا سے بہتر تھی''۔

تجہیز و تکفین

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

جنگ کا ہمہمہ ختم ہوا اور قریش مکہ جانے والی شاہراہ پر چل پڑے تو مجاہدِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ شہدا کی لاشوں کو اکٹھا کیا جائے، اور پھر ایک ہی قبر میں دو دو تین تین کو خون آلود کپڑوں کے ساتھ سپردِ خاک کر دیا گیا۔

چوں کہ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے بہت محبت تھی، انہیں اپنے محبوب چچا سید الشہدا حضرت حمزہ کے ساتھ ایک ہی قبر میں احد کے گنج شہیدں میں دفن کر دیا، منظر یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر جھکائے مغموم بیٹھے تھے اور آپ کے پاکیزہ آنسو اُن کی قبر کو سیراب کر رہے تھے اور بھینی بھینی خوشبو چہار سو پھیل رہی تھی۔

حلیہ مبارک

بوقت شہادت آپ کی عمر چالیس سال سے کچھ اوپر تھی، میانہ قد، خوبصورت چہرہ، گھنے بال اور سڈول جسم تھا۔

اولاد

حضرت عبداللہؓ کی اولاد کے متعلق کتابوں میں یہ ملتا ہے کہ ان کا صرف ایک لڑکا تھا جس کا نام ''محمد'' تھا، حضرت عبداللہؓ کی شہادت کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنی سرپرستی میں لے لیا اور خیبر میں ان کے لیے جائیداد بھی خرید فرمائی۔

فضائل ومناقب

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رشتہ وقرابت

کئی جہت سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کی قرابت داری تھی، ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ آپ کی حقیقی بہن تھیں۔ آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے تھے۔ اور آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے؛ اس لیے کہ آپ نے بھی حضرت ثوبیہؓ سے دودھ پیا تھا۔

صحابہؓ میں آپ کا مقام

حضرت عبداللہ بن جحشؓ کا شمار ''السابقون الاولون'' کے مقدس گروہ میں ہوتا ہے۔ آپ بالکل ابتدائی دور میں کفارِ مکہ کی ایذا رسانی کی پرواہ کیے بغیر دلوں میں جاں گزیں ہوجانے والی اسلامی صداقت وحقانیت اور اس کے گنجِ کراں مایہ سے بہرہ ہوئے۔ نیز آپ کو ذوالہجرتین (دومرتبہ ہجرت کرنے والے: پہلے جانبِ حبشہ، پھر جانبِ مدینہ) ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ ہی وہ صحابی ہیں جن کو سب سے پہلے ''امیر المومنین'' سے پکارا گیا۔ اور آپ ہی کی ماتحتی میں مسلمان اور

کافر کے درمیان پہلی جھڑپ ہوئی جس میں ایک مشرک مارا گیا، اور دو قید کر لیے گئے اور ساتھ ہی بہت سارا مالِ غنیمت بھی ہاتھ آیا۔ سب سے پہلا مالِ غنیمت تھا جو آپ کے ذریعہ حاصل ہوا اور اس کی تقسیم میں سب سے پہلا اجتہاد بھی آپ ہی نے فرمایا جسے بدر کے موقع پر بارگاہِ رب العزت سے قبولیت کا شرف حاصل ہوا، ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء.

زبانِ رسالت سے جنت کی بشارت

آپؓ ان خوش نصیب لوگوں میں سے ایک ہیں جنھیں زبانِ رسالت سے جنت کا پروانہ ملا، پیچھے گذر چکا ہے کہ جب کفارِ مکہ نے آپ کے گھر پر قبضہ کر لیا تو آپ کو اس سے بڑا قلق اور افسوس ہوا، آپ نے اس کا تذکرہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اَلَا تَرْضٰی یَا عَبْدَاللّٰہِ، اَنْ یُّعْطِیَکَ اللّٰہُ بِھَا دَارًا فِی الْجَنَّۃِ'' اے عبداللہ! کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ جنت میں تمھارے لیے ایک محل بنا دے، آپؓ نے کہا: ''بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ'' کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! تو حضور نے فرمایا: ''فَذَالِکَ لَکَ'' خوش ہو جاؤ جنت میں تمھارا محل تیار ہو چکا۔

غزوات میں شرکت

آپؓ اصحابِ بدر میں سے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو دیکھا اور فرمایا: اب تم جو

چاہو کرو میں تم کو بخش چکا ہوں۔

ایک اور مقام پر فرمایا کہ: تمھارے لیے جنت واجب ہوگئی۔

صحابۂ کرامؓ کے یہاں اصحابِ بدر کا ایک اونچا مقام تھا۔ اور ان کو بڑی عظمت و رفعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

نیز آپؓ ان شہدائے احد میں سے ہیں جو کفار کے خلاف برسر پیکار رہے اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر بڑی شجاعت اور جواں مردی کے ساتھ کفار سے ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے؛ یہاں تک کہ سر دھڑ کی بازی لگادی، اور اس بات کے حقیقی مصداق ٹھہرے کہ ع:

یہی پیمانِ الفت ہے یہی عہدہ وفا اپنا

ان کی شہادت کی گواہی خود اللہ اور اس کے رسول نے دی ہے۔ چناں چہ باری تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں فرمایا: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. (ال عمران)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے ہیں، انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا؛ بلکہ وہ زندہ ہیں، انہیں اپنے رب کے پاس سے رزق ملتا ہے۔ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے جو کچھ دیا ہے، وہ اس پر مگن ہیں، اور ان کے پیچھے جو لوگ ابھی ان کے ساتھ (شہادت میں) شامل نہیں ہوئے، ان کے بارے میں اس

بات پر بھی خوشی مناتے ہیں کہ (جب وہ ان سے آ کر ملیں گے) تو نہ ان پر کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (آسان ترجمۂ قرآن)

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہدائے احد سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ یَشْھَدُ اَنَّکُمُ الشُّھَدَاءُ عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ'' بلا شبہ اللہ کا رسول اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ تم قیامت کے دن اللہ کے یہاں شہید شمار ہوں گے۔ پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا: ''اَیُّھَا النَّاسُ! زُوْرُوْھُمْ وَاْتُوْھُمْ وَسَلِّمُوْا عَلَیْھِمْ، فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُسَلِّمُ عَلَیْھِمْ مُسْلِمٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ اِلَّا رَدُّوْا عَلَیْہِ السَّلَامَ''. ترجمہ: اے لوگو! تم ان کی زیارت کرو اور ان کے پاس آؤ اور ان پر سلام بھیجو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، قیامت تک جو بھی مسلمان انہیں سلام کرے گا وہ اس کا جواب دیں گے۔

اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی		نقش ہے صفحۂ ہستی پر صداقت ان کی

اخلاق واطوار

صبر و جفاکشی آپؓ کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی، یہی وجہ ہے کہ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفارِ مکہ کی نقل وحرکت کا جائزہ لینے کے لیے ایک گشتی دستہ کو نخلستان بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو آٹھ افراد پر آپؓ کو امیرِ قافلہ منتخب فرمایا اور ان کے ساتھیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: گو عبداللہ تم لوگوں سے بہتر نہیں، تاہم بھوک پیاس کی سختیوں کو تم سے زیادہ برداشت کرسکتا ہے۔

عشقِ الٰہی اور محبتِ رسول

سیدنا عبداللہ بن جحشؓ کے کردار کا نمایاں وصف، اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ والہانہ عشق ومحبت ہے۔ رضائے الٰہی کے خاطر انھوں نے اپنے وطن اور اپنے عالیشان محل کو چھوڑ دیا، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر بات پر سرِ تسلیم خم کیے رہے؛ یہاں تک کہ راہِ حق میں جان وتن کا نذرانہ پیش کر دیا، کیوں کہ ع

اگر ستم نہ ہو تو محبت میں مزا ہی نہیں

شوقِ شہادت

راہِ خدا میں اپنی جان نچھاور کرنے اور راہِ حق میں شہید ہونے کی آرزو ہر وقت ان کے دل میں مچلتی اور انگڑائیاں لیتی رہتی تھی، جس کا اندازہ گذشتہ صفحات میں مذکور واقعۂ شہادت سے بہ خوبی لگایا جا سکتا ہے، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ آرزو پوری فرمادی اور انھوں نے اپنے اس طرزِ عمل سے امتِ مسلمہ کو یہ سبق دیا کہ: کس طرح جیتے ہیں یہ مر کر دکھانا چاہیے۔

کیا جوانانِ خوش اطوار تھے سبحان اللہ!
کیا رفیقانِ وفادار تھے سبحان اللہ!
زن وفرزند سے فرقت ہوئی، مَسکن چھوڑا
لیکن احمد کی محبت کا نہ دامن چھوڑا

مآخذ و مراجع:

① سیرت ابن ہشام (اردو) ② صور من حیاۃ الصحابہ (عربی) ③ طبقات ابن سعد (عربی) ④ رجال مبشرون بالجنہ (عربی) ⑤ اصحاب الرسول (عربی) ⑥ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (عربی) ⑦ سیر الصحابہ ⑧ زندگیاں صحابہ کی ⑨ جرنیل صحابہ ⑩ سیرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ⑪ خیر البشر کے چالیس جاں نثار۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ

از قلم: محمد پٹنی۔ عبداللہ بلساڑی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ

کارخانۂ عالَم میں جب سے بنی آدم کا وجود ہوا تب ہی سے یہ سلسلہ برابر جاری وساری ہے کہ روزانہ اس میں کئی انسان آنکھیں کھولتے ہیں اور کئی لوگ اس کو خیر باد کہہ جاتے ہیں؛ لیکن جس طرح چمن کے گلوں میں یکسانیت نہیں ہوتی، ہر گل دوسرے سے رنگ و بو، شکل وصورت میں مختلف ہوتا ہے اسی طرح گلستانِ زندگی میں بھی مختلف انسان آتے ہیں، ان میں سے بعض وہ ہیں جنھوں نے ایسے کارنامے انجام دیے کہ دنیا ان کی حیات میں تو ان کے گیت گاتی رہی، لیکن جب وہ لقمۂ اجل بن گئے تو ان کی تعریف وتعارف؛ بلکہ نام ونشان تک اس طرح مٹ گیا جیسے عالمِ ہستی میں ان کا وجود ہی نہ تھا، اس کے برعکس کچھ پاک طینت اور نیک فطرت انسان ایسے ہیں کہ دنیا سے ان کے جانے کے بعد بھی ان کا تذکرہ اور نام ایسے ہی زندہ رہتا ہے جیسے ابھی بھی وہ باحیات موجود ہو؛ گویا نقشِ ہستی پر ان کا وجود ثَبت ہوجاتا ہے اور ان کے ذکر کے بغیر تاریخی داستانیں ادھوری وناقص رہتی ہیں۔

تاریخ کے سینے پر سب سے روشن وتابناک داستانِ عشق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہے۔ ان ہی صحابہؓ میں ایک پاکباز اور مشکاۃِ نبوت سے براہِ راست فیضیاب ہونے والا، شمعِ نبوت کا پروانہ، عزم ویقیں کا کوہِ ہمالہ، تاجدارِ حرم کا جاں باز سپاہی: حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ بھی ہے۔ اس مقالے میں آپ ہی کی حیاتِ طیبہ کی

کچھ جھلکیاں ناظرین کی خدمت میں پیش ہیں، بایں امید کہ ہم اسے اپنی زندگی کے لیے مشعلِ راہ اور سنگِ میل کی حیثیت دیں گے۔

نام ونسب

آپ کا نامِ نامی حاطب، ابوعبداللہ کنیت اور والد کا نام عمرو تھا۔ سلسلۂ نسب میں اختلاف ہے، بعض اصحابِ سیر نے ان کو ''قحطانی النسل'' قرار دیا ہے اور بعض حضرات بنولخم بن عدی کا ایک ممبر بتاتے ہیں؛ لیکن جمہور کی رائے میں وہ ''لخمی یمنی'' ہیں۔

سلسلۂ نسب کچھ اس طرح ہیں: حاطب بن عمرو بن عمیر بن سلمہ بن صعب بن سہل بن العتیک بن سعاد بن راشدہ (خالفہ) بن اذب بن جزیلہ بن لخم بن عدی۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۱۴۲)

حلیۂ مبارک

آپؓ نہایت متناسب الاعضاء اور خوبرو، چہرہ حسین وجمیل، انگلیاں پُرگوشت، چھدری ڈاڑھی والے، قدرے کوزہ پشت اور پست قد تھے۔

(طبقات ابن سعد، مترجم ۳/ ۲۱۹۔ سیر الصحابہ ۲/ ۴۱۴)

حالات قبل الاسلام

قبل از اسلام عرب جن حالات سے دوچار تھے اس سے تاریخ کا کوئی طالبِ علم ناواقف نہیں ہوگا، آپؓ دورِ جاہلیت میں دو چیزوں میں شہرت کے مالک

تھے: ایک میدانِ شہسواری میں اور دوسرا شعروشاعری میں۔ (سیر الصحابہ ۲/ ۴۰۸)

بچپن اور مکہ میں تشریف آوری

آپؓ کے احوالِ طفولیت کے متعلق کتبِ سیر میں کچھ خاص کلام نہیں ملتا؛ لیکن ہاں اتنی بات ہے کہ آپؓ یمن کے رہنے والے تھے، عہدِ جاہلیت میں گردشِ دوراں انہیں مکّہ لے آئی۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ وہ مکہ میں حواریٔ رسول حضرت زبیر بن عوامؓ کے حلیف بن کے رہے۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۱۴۲)

قبولِ اسلام

انسان نہیں جانتا کہ اللہ سبحانہ وتقدس کی طرف سے کب ہدایت ملتی ہے، اور نیز یہ بھی نہیں جانتا کہ کیسے ملتی ہے؛ لیکن بندوں کے دل رحمن کی دو انگلیوں کے درمیان رہتے ہیں وہ اس کو جس طرح چاہے پھیرتا ہے۔ حضرت حاطبؓ ۲۱/ یا ۲۲/ سال کی عمر میں تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو حق کی طرف بلانا شروع کیا۔ چوں کہ آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فطرتِ سلیم عطا فرمائی تھی؛ لہٰذا آپؓ نے لوائے توحید کو تھامنے میں ذرا بھی دریغ نہ کیا اور اپنے آزاد کردہ غلام سعد بن خولیٰ کے ساتھ اپنے اسلام کا اعلان کر کے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثاروں کے زمرے میں شامل ہو گئے۔ (حوالۂ بالا، ص: ۱۴۳)

ہجرتِ مدینہ

جوں جوں مذہبِ اسلام کا دائرہ وسیع پیمانہ پر پھیلتا چلا گیا، ساتھ ہی

ساتھ مشرکینِ مکہ کا ظلم وتشدد بھی بڑھتا چلا گیا، اس دوران حضرت حاطبؓ پر کیا گذری اس بارے میں تاریخ کا سینہ خالی ہے؛ لیکن ظنِ غالب یہی ہے کہ دیگر مسلمانوں کی طرح آپؓ کو بھی تکالیف ومصائب کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔

الغرض جب فرمان باری ''فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ'' کے بموجب دعوتِ حق اعلانیہ شروع ہوئی تو کفارِ مکہ نے صحابہؓ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے اور ہر طرح سے مسلمانوں کو ستانا شروع کر دیا۔ جب مشرکین کا ظلم وجبر حد سے تجاوز کر گیا تو بالآخر ہجرتِ مدینہ کا حکم نازل ہوا؛ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہجرتِ مدینہ کا حکم فرمایا۔

اسی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ہجرتِ نبوی سے چند روز پیشتر آپؓ نے اپنے اہل وعیال کو مکہ میں چھوڑ کر دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح ارضِ مکہ کو خیر باد کہہ دیا اور اپنے آزاد کردہ غلام حضرت سعد بن خولیؓ کے ساتھ مدینۂ منورہ کے لیے رختِ سفر باندھا۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۱۵۴۔ طبقات ابن سعد ۳/ ۸۰)

مدینہ پہنچتے ہی حضرت حاطبؓ اور آپؓ کے غلام حضرت سعدؓ کو عصبہ کے محلے میں حضرت منذر بن محمد بن عقبہ بن احیحہ بن الجلاح انصاریؓ نے اپنا مہمان بنا لیا۔ (طبقات ابن سعد ۳/ ۸۰۔ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۱۵۴۔ خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۱۴۳)

مواخات وبھائی چارگی

جب مہاجر صحابہؓ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آئے تو انصار نے

ان کا خوب اعزاز و اکرام کیا، اپنے گھروں کے دروازے ان کے واسطے کھول دیے اور صاحبِ استطاعت حضرات نے مہاجرین کی خوب مہمان نوازی کی، یہاں تک کہ جب تاجدارِ بطحا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے محبوب وطن ''مکہ'' کو الوداع کہہ کر مدینۂ منورہ تشریف لے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینۂ منورہ پہنچ کر انصار ومہاجرین کے مابین ''مواخات و بھائی چارگی'' کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کا رشتۂ اخوت حضرت خالد بن زخیلہؓ سے قائم فرمایا۔

(طبقات ابن سعد ۳/ ۸۰۔ سیر الصحابہ ۲/ ۴۰۸۔ جنگِ بدر کے تین سو تیرہ مجاہد، ص: ۲۸۶)

''رجال مبشرون بالجنة'' اور ''خیر البشر کے چالیس جاں نثار'' میں مذکور ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عویم بن ساعدہؓ اور آپؓ کے مابین مواخات کا رشتہ قائم فرمایا تھا۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۱۵۵۔ خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۱۴۳)

غزوات میں شرکت

غزوۂ بدر

۲ھ میں باقاعدہ غزوات کا سلسلہ شروع ہوا، صفر کا مہینہ اور ۱۲ر تاریخ تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے قتال کی اجازت آئی۔

ہجرت کے بعد جب اسلام کا چرچا جا بہ جا ہونے لگا تو دشمنانِ اسلام سے دینِ حق کی یہ سرفرازی دیکھی نہ گئی، لہٰذا شب و روز دینِ حق کو مٹانے کی کوششیں

کرنے لگے، بالآخر رمضان المبارک ۲ھ میں حق و باطل کا پہلا معرکہ میدانِ بدر میں ہوا۔ اس جنگ میں حضرت حاطبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جذبۂ جہاد کو دل میں لیے ہوئے تیر و کمان کے ساتھ نکلے، چناں چہ جب دونوں لشکر جمع ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مجاہدین کی صفوں کو ہموار کرنے لگے اور جنگ کی ہدایات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: جنگ اُس وقت تک نہ چھیڑی جائے جب تک ان کی طرف سے اجازت نہ مل جائے۔ ان مجاہدین میں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص طور پر تیر اندازوں کو متوجہ فرما کر۔ جن میں حضرت حاطبؓ بھی تھے۔ ارشاد فرمایا:

''جب وہ مشرکین تم سے قریب ہو تو تم تیر و کمان کے ذریعہ ان سے مقابلہ کرو اور اپنی تلوار کو مت سونتنا جب تک کہ وہ دو بدو جنگ نہ چھیڑ لیوے''۔

چناں چہ انفرادی مقابلہ شروع ہوا اور اس مقابلے میں مشرکین کے تین چار سورما آدمی مارے گئے جس کی وجہ سے ان کے غصہ کی آگ بھڑک اٹھی اور بہ یک وقت تمام کفار و مشرکین مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو قتال پر ابھارتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، آج جو مشرکین کے ساتھ مقابلہ کرے صبر کرتے ہوئے، اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے اور آگے بڑھتے ہوئے، یہاں تک کہ وہ شہید کر دیا جائے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو جنت میں ٹھکانہ عطا فرمائیں گے''۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دوڑو تم اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذکورہ کلمات جب حضرت حاطبؓ کے پردۂ سماعت سے ٹکرائے تو آپ بپھرے ہوئے شیر کے مانند اپنی تلوار سونت کر مشرکین کی طرف دوڑ پڑے اور اپنی قوتِ ایمانی کے بل بوتے پر مشرکین کی صفیں درہم برہم کردیں، بالآخر دشمن شکست کھا کر الٹے قدم بھاگنے پر مجبور ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتحِ مبین نصیب فرمائی، اس غزوہ میں ستّر بڑے بڑے مشرکین قتل ہوئے اور ستّر قیدی بنائے گئے جن میں آپؓ کے ہاتھوں بنو اسد کا ایک جنگجو حارث بن عائذ اسیر ہوا اور باقی کفار دُم دبا کر بھاگ گئے اور وہ اپنا مال ومتاع میدانِ بدر میں ہی چھوڑ گئے، جس کو مسلمانوں نے غنیمت بنالیا۔

اس غزوہ میں آپؓ کی شجاعت اور اخلاص کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوشی کا اظہار فرمایا۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۱۵۶)

غزوۂ احد

۳ سنہ ھ میں جب غزوۂ احد واقع ہوا تو حضرت حاطبؓ اور آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت سعد بن خولیؓ جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت کے ساتھ احد کی جانب نکلے، جب صف بندی ہوگئی، جنگ کا آغاز ہوا اور لڑائی نے زور پکڑا تو آپؓ بڑی شجاعت اور جواں مردی کے ساتھ لڑے۔ حضرت حاطبؓ ان صحابہؓ میں سے تھے

جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار سے حفاظت کی خاطر گھیرے میں لیے ہوئے تھے۔

اچانک جنگ کا پانسا پلٹا اور مشرکین دوبارہ مسلمانوں پر چڑھ آئے اور پوری قوت سے حملہ کیا جس سے مسلمانوں کا بڑا نقصان ہوا، حضرت حاطبؓ کے آزاد کردہ غلام اسی موقع سے شہید ہوئے۔ کفارِ مکہ نے آفتابِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی بے نور کرنا چاہا اُس وقت حضرت حاطبؓ نے بڑی جانبازی کا ثبوت دیا اور برابر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کرتے رہے۔ دشمنِ اسلام عتبہ بن ابی وقاص جس نے اس جنگ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندانِ مبارک شہید کیے اس کو آپؓ نے ہی تہِ تیغ کیا۔ حضرت حاطبؓ خود فرماتے ہیں کہ: جب میں عتبہ کی اس قبیح حرکت پر مطلع ہوا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا، عتبہ کس جانب گیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری رہنمائی فرمائی، چناں چہ میں نے اس کا تعاقب کیا اور جب اس کو پالیا تو اس کا سر تن سے جدا کر دیا، پھر اس کی تلوار اور گھوڑا لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ”رَضِيَ اللّٰهُ عَنْكَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْكَ“. حاطب! اللہ تم سے راضی ہو، اللہ تم سے راضی ہو۔

(رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۱۵۸)

دیگر غزوات میں شرکت

غزوۂ احد کے بعد حضرت حاطبؓ نے خیبر، احزاب، فتحِ مکہ، حنین، طائف اور تبوک تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا، اس

شرف کے ساتھ ساتھ ۶ سنہ ھ میں بیعتِ رضوان میں بھی شریک ہونے کی عظیم سعادت نصیب ہوئی۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۱۴۴)

دانشمند سفیر

۶ ھ میں صلحِ حدیبیہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو مسجدِ نبوی میں جمع کر کے ان سے فرمایا: ''لوگو! اللہ نے مجھے تمام زمین والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے، کہ تم اس رحمت کو دنیا والوں کے درمیان تقسیم کرو، اٹھو اور ساری دنیا کو دعوت کا پیغام پہنچاؤ''۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمسایہ ممالک کے حکمراں، امرا اور دولت مندوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط تحریر فرمائے، پھر ان خطوط پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مہر لگائی اور انہیں پہنچانے کے لیے چند دانشمند اور ذی شعور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو سفیر بنا کر بھیجا۔ چناں چہ مصر کا خط تیار ہو جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! تم میں سے کون میرا یہ مکتوب صاحبِ مصر تک لے جانے کی خواہش رکھتا ہے، اور اس عظیم الشان کام پر اللہ سے اجر و ثواب کی امید رکھتا ہے؟'' تو حضرت حاطبؓ فوراً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لپکے اور کہا: ''أَنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ'' یعنی اے اللہ کے رسول! میں اس خط کو پہنچانے کے لیے تیار ہوں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ يَا حَاطِبُ'' اے حاطب! اللہ تمہیں برکت دے۔

حضرت حاطبؓ فرماتے ہیں کہ: میں حضور کا نامۂ مبارک سر آنکھوں پر رکھ کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا، رختِ سفر باندھا اور اپنے اہل وعیال کو الوداع کہتے ہوئے رخصت ہوا۔

حضرت حاطبؓ کی بہادری اور تدبیر

واقدی نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کی مصر روانگی کے وقت کا ایک عجیب واقعہ لکھا ہے جو مدینہ سے نکلتے ہی ان کو پیش آیا۔ اس موقعہ پر اس کو ذکر کرنا مناسب ہوگا۔

حضرت حاطبؓ فرماتے ہیں کہ: جب میں مدینہ سے تین دن کی مسافت قطع کر کے بنی بدر کے کنویں پر پہنچا۔ اور اپنی اونٹنی کو پانی پلانے کا ارادہ کیا تو میں نے وہاں تین شخصوں کو دیکھا جن میں دو شتر سوار (اونٹ پر سوار) تھے اور تیسرا گھوڑے پر سوار تھا۔ وہ بھی اپنی سواریوں کو پانی پلا رہے تھے میں ان کو دیکھ کر رکا تو گھوڑ سوار میرے پاس آیا اور پوچھا کہ: تو کہاں سے آیا ہے اور کہاں جائے گا؟

میں نے کہا: فضول سوال نہ کرو، میں بھی ایک مسافر ہوں جیسے تم مسافر ہو۔ سوار نے کہا کہ: ہم کو تجھ سے کچھ کام نہیں نہ ہم تیرے ارادہ سے آئے ہیں (تو بے فکر رہ) بلکہ ہمارا ایک خون محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اوپر ہے، ہم اس کا بدلہ لینے آئے ہیں، اور ہم تینوں آدمیوں نے قسم کھائی ہے کہ غفلت کی حالت میں اس پر یک بارگی حملہ کریں، شاید اس طرح ہماری مراد بر آوے۔

حضرت حاطبؓ فرماتے ہیں: میں نے دل میں سوچا کہ اگر خدا تعالیٰ مجھے قدرت دیں تو کیوں نہ میں ہی اس پر پہلے جہاد کردوں، قبل اس کے کہ یہ لوگ مدینہ پہنچیں۔ میں اس سوار سے یہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ اتنے میں دونوں شتر سوار بھی میرے نزدیک آ گئے اور غصہ کے لہجہ میں مجھ سے کہا کہ: شاید تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب میں سے ہو؟

میں نے کہا: تم لوگ راہِ صواب سے بھٹکے ہوئے ہو (یعنی تم لوگ دینِ حق سے گمراہ ہو، اور یہ صحیح بات تھی کیوں کہ کافر گمراہ ہوتا ہی ہے) ارے! میں بھی تمہاری طرح اسی بات کا طالب ہوں جس کے تم طالب ہو (مطلب یہ تھا کہ جس طرح تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غفلت میں قتل کرنا چاہتے ہو ایسے ہی میں بھی غفلت میں مار ڈالنا چاہتا ہوں) مگر وہ لوگ اس مطلب کو نہیں سمجھے؛ بلکہ ظاہرِ کلام سے حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا معاون و مددگار سمجھے، میں بھی مدینہ جانا چاہتا تھا، اب تمہارے ساتھ چلوں گا؛ لیکن میں نے ابھی راستہ میں ایک معتمد سے سنا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب میں سے ایک شخص کو قاصد بنا کر شاہِ مصر کی طرف روانہ کیا، شاید وہ ہم کو اِسی جگہ کے قرب وجوار میں مل جائے، سب سے پہلے اسے قتل کر دینا چاہیے۔ گھوڑ سوار بولا کہ: میں تیرے ساتھ چلتا ہوں، ایک آدمی کے لیے ہم دونوں کافی ہیں۔ چناں چہ وہ مجھ سے آگے چلا اور شتر سواروں کو ہم نے وہیں ٹھہرایا؛ تاکہ راستہ کی حفاظت کریں اور کوئی خطرہ پیش آئے تو ہم کو اطلاع

کر دیں، کچھ دیر تک تو شتر سوار ہمیں دیکھتے رہے، پھر ہم ان کی نظروں سے پوشیدہ ہو گئے۔

اب میں نے گھوڑ سوار سے کہا کہ: تیرا نام کیا ہے؟

اس نے کہا: میرا نام سلاب بن عاصم ہمدانی ہے۔

میں نے کہا: اے سلاب! مدینہ جانے کی اسی شخص کو طاقت ہے جو مضبوط دل رکھتا ہو، اور مکر وحیلہ سے خوب واقف ہو اور فنونِ جنگ میں بہ خوبی ماہر ہو، کیوں کہ وہاں عمر وعلی (رضی اللہ عنہما) جیسے سردار و بہادر بہ کثرت موجود ہیں، اور ہاں! میں تیری تلوار تو دیکھوں کیسی ہے؟

سلاب نے کہا: یہ بڑی پرانی تلوار ہے، قومِ عاد کی تلواروں میں سے ہے۔

میں نے کہا: ذرا! مجھے تو دکھا، اس نے اپنی تلوار میان سے نکال کر میرے ہاتھ میں دے دی۔

میں نے دیکھ بھال کر ایک شعر اس کی تعریف میں پڑھا (اس کا ترجمہ یہ ہے):

''اے خاندانِ لوی بن غالب! تمہاری تلواریں تو تیز اور بہت چلنے والی ہیں؛ مگر تلوار کا مارنے والا کہاں ہے؟''

سلاب نے کہا کہ: میں اس شعر کا مطلب نہیں سمجھا۔

میں نے کہا: اے ابن عاصم! تیری تلوار تو قومِ عاد کی تلواروں کے مشابہ ہے، عربوں نے ایسی عمدہ آب دار تلوار نہ دیکھی ہوگی؛ مگر نہ معلوم تجھے اس کے

چلانے کا طریقہ بھی آتا ہے یا نہیں؟ میں دوستی اور محبت کی بنا پر تجھے اس کے چلانے کا طریقہ بتلانا چاہتا ہوں، تاکہ تو اپنے دشمن پر جلد غالب ہو جائے۔

سلاب نے کہا: تجھے قسم ہے عہدِ عرب کی! مجھے تلوار کا وہ ہاتھ ضرور بتلا جو تجھے معلوم ہے۔

حضرت حاطبؓ نے فرمایا کہ: اگر تو میدانِ جنگ میں ہو اور دشمن تیرے سامنے ہو تو اس تلوار کو اس طرح حرکت دے۔ اور پینترا بدل کر بتلایا کہ: اپنے قدم یوں بڑھا، پھر فوراً اس کی گردن پر مار تو بہت جلد تو اسے مار ڈالے گا۔ حضرت حاطبؓ نے باتوں باتوں میں تلوار کو تیزی کے ساتھ سلاب کی گردن پر چلا دیا تو اس کا سر بدن سے جدا ہو کر الگ جا پڑا۔

پھر جلدی سے اس کے گھوڑے کو پکڑ کے ایک درخت سے مضبوط باندھ دیا؛ تاکہ شتر سواروں کی طرف نہ بھاگ جائے، جس سے ان کو اپنے ساتھی کے قتل کی خبر ہو جائے، اس کے بعد وہ دوڑتے ہوئے شتر سواروں کے پاس آئے جو اُن کے انتظار میں کھڑے تھے۔ ان کو آتا ہوا دیکھ کر ایک شخص آگے بڑھا اور پوچھا: کیا خبر ہے؟ خیر تو ہے؟ سلاب کہاں ہے؟

حضرت حاطبؓ نے کہا: خوش رہو ہم نے انتقام لے لیا، ہم نے محمد کے اصحاب میں سے دو آدمیوں کو یہاں سوتا ہوا دیکھا ہے۔

سلاب نے مجھ سے کہا کہ: شتر سواروں میں سے ایک شخص کو بلا لاؤ، تاکہ

ان کو آسانی سے گرفتار کر لیں، اور ایک شخص کو وہیں کھڑا رہنے دو کہ وہ راستہ سے آنے والوں کو دیکھتا رہے؛ کیوں کہ یہ جنگل اصحابِ محمد سے ایک ساعت بھی خالی نہیں رہتا، ان دونوں نے اس رائے کو پسند کیا اور ایک شخص میرے ساتھ ہولیا۔

حضرت حاطبؓ فرماتے ہیں کہ: جب ہم دوسرے شخص کی نگاہ سے غائب ہو گئے تو میں نے اپنے ہمراہی سے کہا کہ: تیرا نام کیا ہے؟

کہا: مجھے عبداللات کہتے ہیں۔

میں نے کہا: ذرا دلیر و ہوشیار رہنا اور خوف نہ کرنا، جب میں اور سلاب، محمد کے اصحاب پر حملہ کریں تو پیچھے سے بہادروں کی طرح جوش وخروش کے ساتھ تو بھی حملہ کر دینا۔

اس نے کہا: میں ایسا ہی کروں گا، بے فکر رہو!!

اس کے بعد میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور اپنے ساتھی سے کہا کہ: مجھے کچھ غبار نظر آرہا ہے، شاید یہ اصحابِ محمد کا غبار ہے، یہ سن کر اس نے بھی حیرت کے ساتھ پیچھے مڑ کر دیکھا، تب میں نے موقع پا کر تلوار کا ایک ہاتھ اس کی گردن پر مارا جس سے سر بدن سے جدا ہو گیا۔ پھر میں تیسرے شخص کی طرف لوٹا، اس نے جو دوبارہ مجھے تنہا آتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ دال میں کالا ہے اور اس مسافر نے دھوکے سے میرے ساتھیوں کو قتل کر دیا اور اب میری فکر میں ہے، اس نے نہایت غیظ وغضب کے ساتھ مجھ پر حملہ کیا اور اب میں نے بھی اس پر حملہ کیا؛ یہاں تک کہ

خدا تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اور میں نے اسے بھی مار ڈالا۔

پھر میں نے دونوں اونٹنیاں اور گھوڑا اور ان تینوں آدمیوں کا سامان ایک شخص کے پاس۔جس کا نام عبدِ شمس تھا۔امانت رکھ دیا، یہ شخص زمانۂ جاہلیت میں میرا دوست تھا اور اس کا گاؤں یہاں سے قریب تھا۔ میں نے اس کامیابی پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس جہاد سے فارغ ہو کر بہ جانبِ مصر روانہ ہو گیا۔

(ولایتِ محمدیہ کا راز،ص:۲۷۶ تا ۲۷۹،بحوالہ:صحابۂ کرامؓ کی پاکیزہ زندگی،ص:۲۷۵ تا ۲۷۹)

نامۂ مبارک

حضرت حاطبؓ مقوقس کے نام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو مکتوبِ گرامی لے کر گئے تھے اس کا مضمون کچھ یوں تھا:

''بسم اللہ الرحمن الرحیم، محمد کی طرف سے جو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے، یہ خط مقوقس، رئیسِ اعظم قبط کے نام ہے۔سلام اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرنے والا ہے، میں تم کو اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں، اگر تم اسلام قبول کرو گے تو محفوظ رہو گے، اور خدا تم کو دوگنا اجر دے گا اور منہ پھراؤ گے تو تم پر تمام قبطیوں کا گناہ عائد ہوگا۔اے اہلِ کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آ جاؤ جو ہم اور تم میں مشترک ہے (اور وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں، پھر بھی اگر تم اعراض کرتے ہو تو کہہ دو: ''گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں''۔

آپؓ نے دارالحکومت اسکندریہ پہنچ کر والیٔ مصر مقوقس کو اپنی آمد کی اطلاع دی، تو اس نے آپؓ کی بڑی تعظیم وتکریم کی، مکتوبِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آنکھوں سے لگایا اور اس کو از اول تا آخر پڑھا، اس وقت آپؓ اور مقوقس کے مابین جو بات چیت ہوئی اس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے:

مقوقس والیٔ مصر سے گفتگو

دانشمند سفیر: تم سے پہلے یہاں ایک ایسا حاکم گذرا ہے جو بزعمِ خویش اپنے آپ کو خدا سمجھتا تھا؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو دنیا وآخرت کے عذاب میں جکڑ کر اس سے بھیانک انتقام لیا، لہذا تم اوروں سے عبرت حاصل کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم خود دوسروں کے لیے صاحبِ عبرت بن جاؤ۔

والی مصر: ہم پہلے ہی سے ایک دین کے پیرو ہیں، جس کو ہم اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتے جب تک کوئی اس سے بہتر دین ثابت نہ ہو جائے۔

دانشمند سفیر: ہم تم کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں، جو کامل ترین مذہب ہے۔ ہمارے نبی نے جب لوگوں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی تو قریش نے ان کی سخت مخالفت کی اور یہودیوں نے بھی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، لیکن نصاریٰ نسبتاً اس دین کے قریب تر تھے، بہ خدا! جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے عیسیٰ ابن مریمؑ کی بشارت دی، اسی طرح عیسیٰ ابن مریمؑ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت دی، جس طرح نصاریٰ، یہودیوں کو انجیل کی طرف بلاتے ہیں، اسی طرح ہم تم کو

قرآن کی دعوت دیتے ہیں۔

چوں کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی ہم عہد قوم اُس نبی کی امت ہوا کرتی ہے اور اس پر ان کی اطاعت وفرماں برداری کرنا ضروری ہوا کرتا ہے، لہذا تم نے ایک نبی کا زمانہ پایا ہے، اس لیے ان پر ایمان لانا تمہارے لیے لازم ہوگا، ہم تم کو دینِ مسیح سے منحرف کرنا نہیں چاہتے، بلکہ ہم تم کو اسی راستے پر دوبارہ لے جانا چاہتے ہیں۔

مقوقس حضرت حاطبؓ کی تقریر سن کر نہایت متأثر ہوا؛ لیکن عمائدینِ حکومت کی بغاوت کے خوف سے اس کو دعوتِ حق قبول کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

دو تین دن گذرنے کے بعد مقوقس نے پھر حضرت حاطبؓ کو دربار میں طلب کیا اور پوچھا:

کیا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حقیقت میں نبی ہیں؟

دانشمند سفیر: کیوں نہیں، یقیناوہ اللہ کے رسول ہیں۔

والی مصر: جب قریش نے ان کو اپنے وطن سے نکال دیا تو اپنی قوم کے لیے بددعا کیوں نہیں کی؟

دانشمند سفیر: کیا تم عیسیٰ ابن مریم کے رسولِ خدا ہونے کی گواہی دیتے ہو؟

والی مصر: بے شک۔

دانشمند سفیر: اگر ایسا ہی ہے تو انہوں نے صلیب پر اپنی قوم کے لیے بددعا

کیوں نہیں کی۔

مقوقس اس دل نشیں جواب پر مبہوت ہو گیا اور صدائے تحسین بلند کر کے پکار اٹھا: ''بے شک تم خود بھی حکیم ہو اور جس ہستی نے تم کو بھیجا ہے وہ بھی بڑی حکیم ہے۔

اس کے بعد اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامۂ مبارک ہاتھی دانت کے ایک ڈبے میں رکھ دیا اور اس پر مہر لگا کر اپنی پیش خدمت کنیز کی تحویل میں دے دیا۔

مقوقس کے تحفے اور جوابی خط

پھر اس نے عربی میں خط لکھنے والے کاتب کو بلا بھیجا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام خط تحریر کرے، خط کا مضمون اس طرح تھا:

''بسم اللہ الرحمن الرحیم، محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے قبطیوں کے بادشاہ مقوقس کی طرف سے۔ آپ پر سلام ہو، میں نے آپ کا مکتوبِ گرامی پڑھا اور اس میں ذکر کردہ باتوں کو میں نے سمجھا کہ آپ کس کی طرف دعوت دیتے ہیں اور تحقیق کہ میں آپ کو نبیٔ برحق مانتا ہوں اور میں خیال کرتا ہوں کہ آپ ملکِ شام سے نکلیں گے اور میں نے آپ کے قاصد کا اعزاز و اکرام کیا، میں نے آپ کی خدمت میں دو کنیز، کچھ کپڑے اور ایک خچّر بھیجا ہے کہ آپ اس پر سوار ہوں، والسلام علیك''۔

جب حضرت حاطبؓ وہاں سے روانہ ہوئے تو والی مصر نے انہیں نہایت اعزاز و اکرام سے رخصت کیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام ایک خط کے علاوہ گرانقدر

تحائف بھی آپؓ کے ساتھ کیے، ان تحائف کی تفصیل بعض اصحابِ سیر نے کچھ اس طرح تحریر فرمائی ہیں:

(۱) دو کنیزیں: ماریہ اور سیرین، یہ دونوں آپؓ کا فصیح و بلیغ کلام سن کر مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لیے پسند فرمایا، جن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔ اور ''سیرین'' شاعرِ رسول حضرت حسان بن ثابتؓ کو ہدیہ کر دی گئی، جن سے حضرت عبدالرحمن بن حسان پیدا ہوئے۔

(۲) ایک تیسری کنیز کا ذکر بھی بعض روایات میں ملتا ہے؛ مگر اس کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

(۳) یعفور نام کا ایک گدھا۔

(۴) دلدل نام کا ایک خچّر جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص سواریوں میں سے تھا۔ (اس وقت عرب میں اس کے علاوہ کوئی خچّر نہیں تھا)۔

(۵) ایک نیزہ۔

(۶) حلّۂ حریر اور بہت سے قیمتی جوڑے۔

(۷) ایک ہزار مثقال سونا۔

ان سب کے علاوہ مقوقس نے ایک سو مثقال سونا حضرت حاطبؓ کو بطورِ انعام دیا۔

اور بعض روایات میں ہے کہ مقوقس نے ان ہدایا کے ساتھ ایک طبیب بھی بھیجا تھا؛ تاکہ اہلِ مدینہ کا علاج ومعالجہ کرے۔

حضرت حاطبؓ نے واپس پہنچ کر یہ تحائف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کردیے، جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرمالیا۔ اور طبیب سے یہ فرمایا کہ: ہم لوگ بدون بھوک کے کھاتے نہیں ہیں اور پیٹ بھرنے سے پہلے کھانا چھوڑ دیتے ہیں؛ اس لیے ہم کو طبیب کی ضرورت نہیں، تم اپنے وطن لوٹ جاؤ۔

یہ تھے صاحبِ رسول حضرت حاطبؓ، جن کی ذہانت وفراست نے ایک نصرانی بادشاہ کو نہ محض اپنی؛ بلکہ دانائے کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی دانائی اور حکمت کا اعتراف کرنے پر مجبور کیا۔

(رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۱۵۹، خیر البشر کے چالیس جان نثار، ص:۱۴۱)

حضرت حاطبؓ کی کتابِ زندگی کا ایک ورق

صلحِ حدیبیہ کی وجہ سے مسلمان مکّہ پر لشکر کشی نہیں کرسکتے تھے، لیکن ۸ھ میں خود اہلِ مکہ نے اپنی طرف سے اس کا موقع فراہم کردیا۔ اس صلح نامہ کی اہم شروطِ ستّہ میں سے پانچویں شرط یہ تھی کہ جو قبیلے فریقین میں سے کسی ایک کی حمایت میں آجائیں تو ان کو دوسرا فریق نقصان نہیں پہنچائے گا، اور نہ ان کے مقابلے میں ان کے دشمنوں کی مدد کرے گا۔ اس شرط کے مطابق قبیلۂ بنوخزاعہ نے تو مسلمانوں کے ساتھ عہد وپیمان اور ایک دوسرے کی مدد وتعاون کا معاملہ طے کرلیا، اور قبیلۂ

بنوبکر نے قریشِ مکہ کے ساتھ دوستی گانٹھ کر عہد و پیمان کرلیا، معاہدہ ڈیڑھ سال تک برابر قائم رہا؛ لیکن ایک رات بنوبکر نے بنوخزاعہ پر اچانک حملہ کر کے قیامت ڈھادی، بڑی بے رحمی سے بنوخزاعہ کے مردوں، عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیا، حتی کہ حرم میں پناہ گزیں لوگوں کو بھی نہیں چھوڑا گیا، اس غارت گری میں قریشِ مکّہ نے بنوبکر کا کھل کر ساتھ دیا، اور معاہدۂ حدیبیہ کو عملاً توڑ دیا۔

چناں چہ بنوخزاعہ کا ایک وفد عمرو بن سالم خُزاعی کی قیادت میں مدینۂ منورہ پہنچا، جس نے حضور کی خدمت میں حاضر ہوکر بنوبکر کی غداری اور قریشِ مکہ کے وحشیانہ مظالم کی داستان سنائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ باتیں سن کر قریش کے پاس قاصد بھیجا، جس نے ان کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے یہ تین شرطیں پیش کیں: (۱) بنوخزاعہ کا خون بہا، یا اس کی دیت ادا کریں۔ (۲) قریش بنوبکر کی حمایت سے دست بردار ہوجائے۔ (اگر دونوں شرطیں منظور نہ ہوں) (۳) تو صاف اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد قریش کے پاس پہنچا تو مکّہ کے بعض جوشیلے آدمیوں نے متکبرانہ انداز میں کہا کہ: ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے محکوم نہیں ہیں، جو ہم نے چاہا کیا، جاؤ! ہم معاہدہ کی پرواہ نہیں کرتے۔

اس صاف جواب کے آجانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینۂ منورہ اور اس کے اطراف و اکناف میں اعلان عام کروادیا: ''جو شخص اللہ اور اس کے

رسول پر ایمان رکھتا ہو، وہ ماہِ رمضان تک مدینۂ منورہ پہنچ جائے''۔ چناں چہ لوگ گروہ در گروہ مدینۂ منورہ میں آنا شروع ہو گئے۔

خفیہ خط اور قاصد کی گرفتاری

ادھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خفیہ طور سے مکہ پر لشکر کشی کی تیاریاں شروع کر دیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش تھی کہ اہلِ مکہ کو کسی طرح مسلمانوں کی تیاری کا علم نہ ہونے پائے؛ اس لیے تیاریوں کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر بھی اپنا ارادہ ظاہر نہیں کیا کہ کس جانب حملہ کا ارادہ ہے۔ اسی رازداری اور پوشیدگی کے ساتھ لشکر اقدام کرنے ہی والا تھا کہ ایک سانحہ پیش آیا جس کا پس منظر کچھ اس طرح ہے:

حضرت حاطبؓ بڑے ذہین وفطین آدمی تھے، انہوں نے اپنی خداداد فراستِ عظیمہ سے سمجھ لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں، چوں کہ ان کے اعزہ واقارب مکہ میں مقیم تھے، ایسے وقت میں ان کو اپنے اہل وعیال کا خیال ستانے لگا کہ اگر مکۃ المکرمہ پر مسلمانوں کا اچانک حملہ ہو گیا تو میرے افرادِ خاندان بھی زد میں آجائیں گے، برخلاف اور مہاجرین کے کہ ان کے رشتہ دار مکہ میں موجود ہیں، وہ اپنے اہل وعیال کی حفاظت کریں گے؛ لیکن میرے اعزہ و اقارب کی حفاظت کرنے والا وہاں پر کوئی موجود نہیں ہے، تو انہوں نے سوچا کہ قریشِ مکّہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارادے سے مطلع کر دوں، تاکہ وہ بارِ احساں تلے

دب کر میرے اہل وعیال کی حفاظت کریں۔ چناں چہ آپؓ نے ایک خط لکھ کر دس دینار اجرت پر مکۂ مکرمہ جانے والی ایک سارہ نامی بوڑھی عورت کے حوالے کر دیا، اور اسے تاکید کی کہ ہر حال میں اس خط کو خفیہ رکھنا اور مکہ پہنچ کر عکرمہ بن ابی جہل کے ہاتھ میں دینا۔

یہ عورت جب مدینے سے خط لے کر روانہ ہوئی تو کشّافِ غیب نے قبل از وقت اس راز کو طشت از بام کر دیا، جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعۂ وحی اطلاع ہوئی آپ نے فوراً حضرت علی، حضرت زبیر بن عوّام اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہم اجمعین کو حکم دیا کہ تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر مکہ کی طرف دوڑو، ''روضۂ خاخ'' کے مقام پر تم کو اونٹ پر سوار ایک بوڑھی عورت ملے گی، اس کے پاس مشرکینِ مکہ کے نام ایک خط ہے، اسے کسی بھی حال میں لے آؤ۔ ان تینوں شہسواروں نے اس عورت کو ''روضۂ خاخ'' کے مقام پر جا پکڑا، اور خط کا مطالبہ کیا، اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں ہے، ان حضرات نے جامہ تلاشی کی دھمکی دی، جب عورت نے دیکھا کہ یہ خط لیے بغیر ہرگز نہ چھوڑیں گے تو اس نے اپنے سر کی چوٹی کو کھولا اور بالوں میں سے خط نکال کر دے دیا۔

عفو ودرگذر کا سبق

یہ حضرات اسے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آئے، خط حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پڑھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حاطبؓ سے تعجب

فرمایا: حاطب! یہ کیا معاملہ ہے؟

حضرت حاطبؓ نے ڈرتے ڈرتے سچ بات عرض کردی کہ: یارسول اللہ! میرے مواخذہ میں عجلت نہ فرمائیں۔ خدا کی قسم! میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں، میں نے اپنے دین کو تبدیل نہیں کیا اور نہ میں نے نفاق وارتداد کو اپنے قلب میں جگہ دی ہے۔ میں یمن کا رہنے والا ہوں، قریشِ مکہ سے میری کوئی قرابت نہیں ہے، محض دوستانہ تعلقات ہیں۔ ان دنوں میرے اعزہ واقارب مکۃ المکرمہ میں قیام پذیر ہیں، جن کا وہاں کوئی معین و مددگار نہیں ہے؛ اس لیے میں نے سوچا کہ قریشِ مکہ پر کچھ احسان کردوں؛ تاکہ وہ میرے اہل وعیال کا پاس ولحاظ کریں، اسی غرض نے مجھے یہ خط تحریر کرنے پر ابھارا، اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں۔

حضرت حاطبؓ کا یہ عذر سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے مخاطب ہوکر فرمایا: ''أَمَا إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكُمْ'' یقیناً حاطبؓ نے سچ سچ بیان کردیا۔

تمھارے لیے جنت واجب کردی گئی ہے

حضرت عمرؓ بھی اس مجلس میں شریک تھے، ان کو جوش آ گیا اور بولے: ''یارسول اللہ! اگر آپ اجازت دیں تو اس منافق کی گردن اڑادوں''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں، رہنے دو! یہ معرکۂ بدر میں شریک نہ تھے جس کے شرکا کے دلوں کو اللہ نے دیکھا تو انہیں تمام دنیا والوں سے بہتر پایا۔

اور خدا نے اہلِ بدر کو اجازت دے رکھی ہے کہ تم جو چاہو کرو تمہارے لیے جنت واجب کردی گئی ہے اور تمہاری مغفرت کردی گئی ہے، لہذا اب یہ منافق نہیں ہوسکتے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشادِ مبارک سننا تھا کہ حضرت عمرؓ کی آنکھیں بھر آئیں اور بڑی لجاجت سے عرض کیا: ''اللّٰہُ و رسولہ اعلم'' یعنی حقیقی علم اللہ اور اس کے رسول ہی کو حاصل ہے۔

اس واقعہ کے بعد قرآنِ کریم کی یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَاءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ. (الممتحنہ:۱) ترجمہ: اے ایمان والو! نہ پکڑو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست، تم ان کو پیغام بھیجتے ہو دوستی سے اور وہ منکر ہوئے ہیں اس سے جو تمہارے پاس آیا سچا دین۔ (ترجمۂ شیخ الہند، ص:۷۱۱)

حضرت حاطبؓ کو معاف کردیا گیا؛ لیکن قیامت تک کے لیے یہ واقعہ ہر مسلمان کے لیے درس و نصیحت قرار پایا۔

(اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یادیں، ص:۱۴۳۔ خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص:۱۴۷)

خلفائے راشدین کے دور میں

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کا نظام سنبھالا، تو انہوں نے دوبارہ حضرت حاطبؓ ہی کو مقوقس شاہِ مصر کے پاس سفیر بنا کر بھیجا، انہوں نے بہترین انداز میں سفارت کی

خدمت انجام دی جس کی بنیاد پر اسلامی حکومت اور حکومتِ مصر کے مابین دوستانہ معاہدہ طے پایا، اور دونوں حکومتیں اس معاہدے کی پابند رہیں۔

عہدِ فاروقی میں بعض ناگزیر وجوہات کی وجہ سے مسلمانوں کو مصر پر حملہ کرنا پڑا۔ عمرو ابن العاصؓ مصر میں داخل ہوئے، معاہدہ ختم کیا اور قبطیوں کو شکست دی، اس طرح حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت ہی میں مصر اسلامی قلمرو میں شامل ہو گیا۔

(رجال مبشرون بالجنۃ،، ص: ۱۷۰)

نمازِ جنازہ اور مدفن

حضرت حاطبؓ عمر کی ۶۵ / منزلیں طے کر کے ۳۰ھ میں حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور مسلمانوں کے جمِ غفیر نے مدینۂ منورہ میں سپردِ خاک کیا۔ ”اِناللّٰہ وانا الیہ راجعون“. (سیر الصحابہ: ۲/ ۴۱۳)

ازواج واولاد

آپؓ کے ازواج کی تفصیل سے کتبِ سیر خاموش ہیں، البتہ اولاد کے بارے میں اتنا لکھا ہے کہ آپؓ کے تین بیٹے تھے: (۱) عبدالرحمن بن حاطبؓ، جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں پیدا ہوئے اور انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ (۲) یحییٰ بن حاطب (۳) زید بن حاطب۔

(رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۱۷۳)

اخلاق وعادات

حضرت حاطبؓ کا دامن اخلاقی جواہر پاروں سے مالا مال تھا، حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صدق، و فا شعاری، احسان پذیری اور صاف گوئی ان کے مخصوص اوصاف تھے، احباب اور رشتہ داروں کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ فتحِ مکہ کے موقع پر جو خط لکھا تھا وہ ان ہی جذبات پر مبنی تھا۔

مزاج میں ذرا سختی تھی، چناں چہ وہ اپنے غلاموں کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ان کے غلام نے دربارِ رسالت میں سختی کی شکایت کی، اور جذبات میں کہہ دیا: ''یا رسول اللہ! حاطب یقیناً جہنم میں جائے گا''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو جھوٹ کہتا ہے، جو شخص بدر و حدیبیہ میں شریک ہوا وہ جہنم میں نہیں جا سکتا۔ (سیر الصحابہ ۲ / ۴۱۳)

ذریعۂ معاش

تجارت شرفائے مکہ کا اصل پیشہ رہا ہے، ان کے آبا و اجداد اسی پیشہ کے ساتھ وابستہ ہوتے تھے، ''طبقاتِ ابن سعد'' ''اور مسند احمد بن حنبلؒ'' کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حاطبؓ نے بھی اپنا ذریعۂ معاش تجارت ہی کو بنایا اور اس میں بڑا نفع حاصل ہوا۔

عہدِ فاروقی میں ایک مرتبہ آپؓ بازار میں منقّٰی (کھجور کی ایک قسم) اتنے ارزاں نرخ میں فروخت کر رہے تھے کہ دوسرے دکانداروں کے نقصان کا خدشہ

ہونے لگا، اس پر امیر المومنین حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: قیمت بڑھاؤ یا ان کو اٹھا کر بازار سے لے جاؤ۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۱۵۲)

ایک روایت میں ہے کہ آپؓ نے کھانے کی ایک دکان کھول لی تھی، جس سے کثیر مقدار میں نفع حاصل ہوا۔ چناں چہ وفات کے وقت چار ہزار دینار نقد اور بہت سے مکانات چھوڑے۔ (سیر الصحابہ ۲ / ۴۱۴)

مرویّات

صحابۂ کرامؓ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال و کردار کے محافظ تھے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لسانِ مبارک سے نکلے ہوئے گوہر پاروں کے بھی محافظ تھے۔ حضرت حاطبؓ سے بھی کچھ احادیث مروی ہے، جن میں سے ایک یہ ہے:

حضرت حاطبؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مَنْ رَآنِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ فَكَأَنَّمَا رَآنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ وَمَنْ مَاتَ فِيْ أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بُعِثَ فِيْ الآمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' ترجمہ: جس شخص نے مجھے میری موت کے بعد دیکھا (یعنی خواب میں) تو گویا کہ اس نے مجھے میری زندگی میں دیکھا، اور جو شخص حرمین میں سے کسی ایک میں مر گیا وہ قیامت کے دن امن والوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

(رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۱۷۳)

آپؓ کے فضائل قرآن و حدیث کی روشنی میں

حضرت حاطبؓ کامل ایمان والے اور اسلام کے سچے جاں نثار تھے، ہر وقت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد رہنے والوں میں آپ کا شمار تھا۔ آپؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدرسے سے فیضیاب ہونے والے اُن ذہین وفطین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے جو سب سے پہلے مدرسۂ نبوی کے شاگرد بنے اور اُن یارانِ باصفا کی صف میں شامل تھے جن کو ''سابقین اولین'' سے پکارا گیا۔ خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپؓ کے ایمان کی تصدیق کی، ایمان والوں کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے: ''إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا. (الکہف:۱۰۷)

آپؓ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لسانِ مبارک سے مختلف مقامات پر مختلف شہادتیں دیں، اس کی کچھ جھلکیاں یہاں پیش کی جارہی ہیں:

جنت کی بشارت

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا کہ: حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کے ایک غلام نے دربارِ نبوت میں شکایت کی اور کہا: ''یارسول اللہ! حاطب یقیناً جہنم میں جائے گا''۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو جھوٹ کہتا ہے وہ جہنم میں نہیں جائیں گے؛ کیوں کہ وہ بدر اور حدیبیہ میں شریک تھے۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۱۷۱)

ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو مسلمان بدر اور احد میں حاضر تھا وہ ہرگز دوزخ میں داخل نہ ہوگا''۔ ان میں حضرت حاطبؓ بھی موجود تھے۔

ان دونوں حدیثوں سے یہ بات یقینی طور پر معلوم ہوئی کہ وہ اہل جنت

میں سے ہیں۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۱۵۳)

فتحِ مکہ کے موقع پر آپؓ نے مشرکینِ مکہ کے نام خط لکھا تھا جب وہ خط لا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پڑھا گیا اس وقت حضرت عمرؓ حاضر تھے، انہوں نے فرمایا: ''یا رسول اللہ! اس نے اللہ اور اس کے رسول اور تمام ایمان والوں کے ساتھ خیانت کی ہے، اگر آپ اجازت دیں تو میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا یہ اہلِ بدر میں سے نہیں ہیں؟ اللہ نے اہلِ بدر کے دلوں کو دیکھا پھر فرمایا: تم جو چاہو کرو تم پر جنت واجب کر دی گئی ہے اور تمہاری مغفرت کر دی گئی ہے''۔ اس حدیث میں بھی آپؓ کے لیے جنت کی بشارت ہے۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۱۷۲)

اللہ نے مومن کہا

فتحِ مکہ کے وقت جو واقعہ پیش آیا اس کے بعد جب آپؓ کو خدمتِ اقدس میں پیش کیا گیا اور حقیقت دریافت کی گئی تو آپ کی صاف گوئی اور سچائی پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپؓ کے بارے میں قرآن کریم میں ایمان کی شہادت سنائی: ''یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ'' (الممتحنۃ: ۱) اس آیتِ کریمہ میں آپ کے ایمان کی شہادت دی گئی ہے۔ (حوالہ بالا، ص: ۱۷۱)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بات کی تصدیق کی

اسی واقعہ میں آپؓ نے خط لکھنے کا عذر سچ سچ بیان کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے اس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہ دیکھی تو ارشاد فرمایا: ''صَدَقَ وَلَا تَقُوْلُوْا لَهٗ إِلَّا خَيْرًا'' اس حدیث میں آپؓ کے صدق کی شہادت دی گئی ہے۔ (حوالۂ بالا، ص:۱۷۲)

اللہ کی خوشنودی کا پروانہ اور برکت کی دعا

غزوۂ احد میں آپؓ نے اپنی بہادری کے جوہر دکھلائے اور بڑی کوششوں کے بعد خدا کے دشمن عتبہ بن ابی وقاص۔ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک شہید کیے تھے۔ کا قلع قمع کر کے اس کے گھوڑے اور تلوار کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عظیم کارنامہ پر آپؓ کو دو مرتبہ ''رَضِيَ اللّٰهُ عَنْكَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْكَ'' فرمایا۔ اس حدیث میں آپؓ کے لیے اللہ کی خوشنودی کی شہادت دی۔ (رجال مبشرون بالجنۃ: ص:۱۵۸)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑوسی ممالک میں دعوتِ اسلام پیش کرنے کے لیے خطوط تحریر فرمائے اور جب شاہِ مصر مقوقس کے پاس گرامی نامہ ارسال فرمانے کا ارادہ کیا اور صحابہؓ سے دریافت کیا کہ میرا یہ خط شاہِ مصر کو کون پہنچائے گا؟ تو حضرت حاطبؓ تیزی سے آگے لپکے اور فرمایا: ''أَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ'' تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ يَا حَاطِبُ'' اس حدیث میں آپؓ کو برکت کی دعا دی۔ (حوالۂ بالا، ص:۱۶۰)

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جیسی سچائی اور امانت داری کے ساتھ زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ

از قلم: زکریا اقبال حفیظ بھوپالی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ

شمعِ رسالت کے پروانے، آسمانِ نبوت کے چمکتے ستارے، گلشنِ محمدی کے مہکتے پھول، آفتابِ رسالت کی جھلملاتی کرنیں، آغوشِ نبوت کی پروردہ ہستیاں اور درسگاہِ نبوی میں تربیت پانے والے طلبہ یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، جن کے سینوں پر براہِ راست انوارِ رسالت پڑے، جن کی پاکیزہ صفات کا تذکرہ قرآن مجید اور دیگر الہامی کتابوں میں کیا گیا، جنھوں نے دینِ الٰہی کی سربلندی کے لیے اپنی ہر چیز اللہ کی راہ میں لٹا دی، جن کی سیرت کا ہر پہلو درخشاں اور ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔

رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین، محبوب رب العالمین اور قائد المجاہدین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت بھری آغوشِ نبوت میں تربیت حاصل کرنے والے وہ قدسی انفاس، جنھوں نے شمعِ رسالت کی روشنی اپنے دلوں میں جذب کی تھی اور جسے بانٹنے کے لیے وہ اکنافِ عالم میں پھیل گئے۔

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تربیت یافتہ جو صحابی جہاں گیا اس کے دم قدم سے ظلمت ضیا میں بدل گئی اور زحمت رحمت میں تبدیل ہوگئی اور اس خطے کے باسیوں کے دلوں کی اجڑی ہوئی بستیاں پھر سے آباد ہونے لگیں، خزاں رسیدہ بہاروں میں پھر سے بہار آنے لگی، فصلِ گل سے ناآشنا

غنچے پھر چٹخنے لگے اور بادِ بہاری کی منتظر کلیاں مسکرانے لگیں۔

پھر گلستاں گلستاں بہار آ گئی	اور چمن کا چمن مسکرانے لگا

پیکرِ رحمت کے تاریخ ساز فدا کاروں میں سے ایک حضرت حارثہ بن نعمانؓ بھی ہیں۔ زیرِ نظر اوراق میں آپؓ کی حیاتِ مبارکہ کے چند نقوش پیش کیے جا رہے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

حیات و خدمات

نام، نسب، خاندان

آپؓ کا نام حارثہ، کنیت ابوعبداللہ، والد کا نام نعمان اور والدہ کا نام جعدہ تھا۔ آپؓ کا نسب نامہ یہ ہے: حارثہ بن نعمان بن نقع بن زید بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجّار۔

اور والدہ کی جانب سے سلسلۂ نسب یوں ہے: حارثہ بن جعدہ بنت عبید بن ثعلبہ بن عبید بن ثعلبہ بن غنم۔

آپ ایک انصاری صحابی ہیں، قبیلۂ خزرج کی شاخ بنی نجار سے تعلق رکھتے ہیں۔

تربیت

انسان کے بننے بگڑنے میں سب سے اہم کردار اس کی تربیت و پرورش کا ہوتا ہے، عرب حضرات اس کا بہت خیال رکھتے تھے، وہ چاہتے تھے کہ ان کا لڑکا

قبیلہ وخاندان کے لیے فخر کا سبب بنے ،لڑائیوں میں ان کا مددگار رہا اور سارے عرب میں اپنی جواں مردی اور بہادری سے قبیلے کا نام اونچا کر دے، اسی وجہ سے آپؓ کی والدہ جعدہ بنت عبید نے ابتدا ہی سے آپ کی ایسی تربیت کی تھی کہ آپ جوان ہو کر ایک عالی حوصلہ اور اولوالعزم مرد ثابت ہوں۔

اسی تربیت کا یہ اثر تھا کہ بڑے ہونے کے بعد ہر غزوہ میں آپ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب رہے اور خوب ڈٹ کر دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کیا۔

تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر میرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا

اسلام

آپؓ اگرچہ کمسنی میں ایمان نہیں لائے؛ لیکن اسلام کی محبت آپ کے دل کے نہاں خانوں میں رچ بس گئی تھی۔ ابھی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکۂ مکرمہ میں ہی رونق افروز تھے، کہ ہجرتِ نبوی کے قریبی زمانہ میں آپ دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر حق کے جانباز سپاہی کہلائے۔

ازواج واولاد

آپؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، جن سے آپ کی اولاد بھی ہوئیں، ان سب کی تفصیل یہ ہے:

۱) امِّ خالد بنت خالد بن یعیش بن قیس۔

ان کے بطن سے پانچ بچے ہوئے، دو صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: عبداللہ، عبدالرحمن، عمرۃ، سودہ اور امِّ ہشام۔

مذکورہ بالا تمام ہی صاحبزادوں اور صاحبزادیوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ بابرکت پر بیعت کی، اور آپؓ کی صاحبزادیِ ام ہشامؓ کو تو کئی مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ بہت سی مرتبہ آپ (ام ہشام بنت حارثہ بن نعمان) کھانا تیار کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے جاتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا تیار کیا ہوا کھانا تناول فرماتے۔

۲) قبیلۂ بنو عبداللہ بن غطفان کی ایک خاتون: ان سے بھی ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں جن کا نام امِّ کلثوم تھا، ان کو بھی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

۳) قبیلۂ بنو جندع کی ایک خاتون: ان سے بھی ایک صاحبزادی ''امۃ اللہ'' پیدا ہوئیں، انھوں نے بھی سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت ہونے کی سعادت پائی۔

آپ کا رہائشی مکان

آپؓ کا رہائشی مکان مسجدِ نبوی سے جنوب مشرقی سمت میں واقع تھا۔ بعد کے ادوار میں اس مکان نے بھی بڑی تبدیلیاں دیکھیں، کبھی اس میں حضرت جعفر صادق رہا کرتے تھے، ان کے بعد اس کو منہدم کر کے صحن بنا دیا گیا، اس کے کچھ عرصہ کے بعد یہ زمین آلِ منیف کے سرداروں کی ملکیت میں چلی گئی، پھر ان سے

منتقل ہوکر شیخِ حرم شاہین جمالی کی زیرِ ملکیت آئی، انھوں نے اس پر اپنی رہائش کے لیے مکان بنوالیا۔ چودھویں صدی ہجری میں یہ جگہ مسجدِ نبوی کے اوقاف میں شامل تھی اور اب خادمِ حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز آلِ سعود رحمہ اللہ کی توسیع کے بعد یہ جگہ مسجد کے جنوبی صحن میں شامل ہوگئی ہے۔

غزوات

حضرت حارثہ بن نعمانؓ بچپن ہی سے جری، نڈر اور بہادر تھے، اسلام لانے کے بعد آپؓ کی اس ہمت و دلیری میں مزید اضافہ ہوگیا۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت آپ کے دل میں ایسی گھر کر گئی تھی کہ آپؓ ہمہ وقت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی جان نچھاور کرنے کو تیار رہتے، یہی وجہ تھی کہ جب ہجرت کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو آپؓ بدر سے لے کر تبوک تک تمام غزوات میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ شریک رہے۔ بطور مشتے از خروارے چند کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

غزوۂ بدر

اسلام میں سب سے پہلا غزوہ بدر کے مقام پر ہوا۔ دشمنانِ اسلام ایک ہزار تھے اور وہ بھی مکمل ہتھیار سے لیس، ان کے مقابلہ میں مسلمان صرف ۳۱۳ اور وہ بھی بالکل نہتے۔ ان ۳۱۳/ جاں باز مجاہدوں میں سے ایک حضرت حارثہ بن نعمانؓ بھی تھے۔

جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابۂ کرامؓ کو دعائیں دے کر ان میں کفار کے

خلاف جوش وولولہ پیدا کر رہے تھے اور ثابت قدم رہنے پر ابھار رہے تھے، اُس وقت حضرت حارثہ بن نعمانؓ بھی مسلمانوں کی صفوں میں کھڑے ہو کر بہت غور و توجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سن رہے تھے۔

جنگ شروع ہوئی اور مسلمان کفار کی صفوں میں گھس گئے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے تلاش کرنے میں ایسے مشغول ہوئے کہ مشرکین کی کثرت کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کی، دوسری طرف مشرکین کا حال یہ تھا کہ صحابہؓ کا رعب ان کے قلوب پر چھا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی صحابہؓ کے عزائم کو بلند کر رہے تھے اور ان کو اللہ کی نصرت کی خوش خبری دے رہے تھے، اور بار بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے یہ اعلان ہو رہا تھا کہ جو مسلمان کسی مشرک کو قتل کرے گا تو وہ اس کے سامان پر قبضہ پالے گا، اور جو کوئی کسی مشرک کو قید کرے گا وہ اس کا مالک بن جائے گا۔

حضرت حارثہ بن نعمانؓ بھی اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ کفار کے جمگھٹے میں جا گھسے۔ آپؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ فرمان یاد نہیں تھا جو اوپر گذرا، اس کے باوجود آپؓ کے جوش وولولے میں کوئی فرق نہیں آیا تھا؛ یہاں تک کہ آپؓ کے سامنے مشرکین کے سواروں میں سے ایک: عثمان بن عبدِ شمس آ گیا جو عتبہ بن غزوان کا بھتیجا تھا، اس سے آپؓ کا مقابلہ ہوا اور چند ہی گھڑیوں میں آپؓ نے اس پر قابو پالیا، اور اسے قید کر کے گھسیٹتے ہوئے مسلمانوں کی صفوں میں لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؓ کی اس بہادری سے بہت خوش ہوئے اور آپؓ کی خوب

تعریف فرمائی۔

غزوۂ بنوقریظہ

بنوقریظہ یہودیوں کا ایک مشہور قبیلہ تھا، ان میں اور مسلمانوں میں باہم معاہدہ تھا کہ فریقین کسی کے دشمن کا ساتھ نہیں دیں گے؛ لیکن غزوۂ خندق کے موقع پر انھوں نے عہد شکنی کی۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی غزوۂ خندق سے واپس ہوکر غسل کی تیاری فرمارہے تھے، تب ہی حضرت جبرئیلؑ حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''آپ نے ہتھیار اتار دیے؟ اللہ کی قسم! میں نے تو ابھی تک ہتھیار نہیں اتارے ہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا کہ: پھر اب کہاں کا ارادہ ہے؟ انھوں نے بنوقریظہ کی جانب اشارہ کیا۔

چناں چہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کشی کا حکم دیا اور اسلامی لشکر بنوقریظہ کی طرف روانگی کے لیے تیار ہوگیا۔ جیسے ہی حضرت حارثہ بن نعمانؓ کو اس کی اطلاع ملی تو آپؓ بھی فوراً اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ بنوقریظہ کی طرف روانہ ہوگئے؛ تاکہ محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت کا شرف حاصل کرسکیں۔ راستہ میں حضرت دحیۂ کلبی نظر آئے، جنھوں نے آپؓ سے کہا کہ اپنے ہتھیار باندھ لو۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ دحیۂ کلبی نہیں تھے؛ بلکہ ان کی شکل میں حضرت جبرئیلؑ تھے۔ وہاں پہنچنے کے بعد کئی روز تک مسلمان ان کا محاصرہ کیے رہے؛ بالآخر اللہ تعالیٰ نے بدعہد یہودیوں پر مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔

غزوۂ حنین

۸ ھ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو ہوازن اور بنو ثقیف کے مقابلے کے لیے حنین کی جانب رخ فرمایا، رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلو میں بارہ ہزار کا لشکرِ جرّار تھا، جس میں دو ہزار سے زائد نئے نئے ایمان میں داخل ہونے والے نومسلم اور چند غیر مسلم بھی شامل تھے۔ جب اسلامی لشکر قریب پہنچا تو وادیٔ حنین کی دونوں جانب کمین گاہوں میں چھپے ہوئے دشمنوں نے اس زور کی تیر اندازی کی کہ مسلمان سراسیمہ ہو گئے۔ سب سے پہلے مکہ کے نومسلم افراد ہراساں ہو کر بھاگے، ان کو دیکھ کر دیگر مسلمان بھی منتشر ہونا شروع ہو گئے اور افراتفری مچ گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد صرف چند جاں نثار صحابہؓ رہ گئے جو بے خوف ہو کر بہادری سے لڑتے رہے۔ ان جاں باز مجاہدوں کی تعداد تقریباً اسّی (۸۰) تھی، ان ہی میں حضرت حارثہ بن نعمانؓ بھی تھے، جو نہایت جوش و ولولے کے ساتھ دشمنوں کے مقابلہ میں ڈٹے ہوئے تھے۔

بہر حال جب بھگدڑ مچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے پکارا ''لوگو! میری طرف آؤ! ان نازک ترین لمحات میں سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے نظیر شجاعت کا ظہور ہو رہا تھا۔ شدید بھگدڑ اور حوصلہ شکن افراتفری کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رخ دشمنوں کی طرف تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیش قدمی کے لیے اپنے خچر کو ایڑ لگا رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے:

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ	اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ صحابۂ کرامؓ کو پکاریں۔ حضرت عباسؓ خود فرماتے ہیں کہ: میں نے نہایت بلند آواز سے پکارا ''اے درخت والو! اے بیعتِ رضوان والو! اے صحابہؓ! تم کہاں ہو؟'' واللہ وہ لوگ میری آواز سن کر اس طرح پلٹے جیسے گائے کے بچے اپنی ماں کی طرف بے تابانہ پلٹتے ہیں۔ چناں چہ مسلمانوں کے قدم جمنا شروع ہوئے اور دوبارہ لڑائی شروع ہوگئی، بالآخر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور فتح کا پرچم لہرانے لگا۔

اوصاف وکمالات وخصوصیات

اوصاف وخصائل

حضرت حارثہ بن نعمانؓ بہت متموّل صحابی تھے، لیکن دولت وثروت کے باوجود طرزِ معاشرت نہایت سادہ تھا، غذا بھی پُرتکلف نہ تھی، آپؓ کا دامن اخلاق زر وجواہر سے مالا مال تھا، تقویٰ، پارسائی اور حق پسندی آپؓ کا خاص شیوہ تھا، سخاوت، ایثار اور بے نیازی آپؓ کی پسندیدہ خصلت تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپؓ کو حد درجہ محبت تھی، ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کے لیے مستعد اور ہر گھڑی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی جان نچھاور کرنے کو تیار رہتے تھے۔ کتبِ سیر میں یہ بات ملتی ہے کہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؓ کو دیکھا تو آپؓ کو نہایت صاف

دل والا اور محبت میں بے انتہا سچا پایا؛ حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے چہرے سے خودداری اور مروت کے آثار جھلک رہے ہیں۔

ہجرتِ نبوی کے موقع پر ذاتِ نبوی کا پُرخلوص استقبال

ہجرت کے وقت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینۂ منورہ پہنچے تو انصار نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت شاندار استقبال کیا اور اپنے تمام مکانات و وسائل نچھاور کر دیے۔ ان کی خواتین گھروں کی چھتوں پر کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال کر رہی تھیں اور ننھی ننھی معصوم لڑکیاں دف بجا کر اشعار پڑھ رہی تھیں جن کا ترجمہ یہ ہے:

ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہو گیا وداع کی پہاڑیوں سے، ہم پر شکر واجب ہے جب تک کوئی اللہ کو پکارنے والا باقی رہے۔

حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال کرنے والوں میں شامل تھے، اس دن آپ رضی اللہ عنہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی، آپ رضی اللہ عنہ نے بڑے ہی پُرتپاک انداز میں نہایت خوش وخرّم ہو کر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال کیا۔

سرتاجِ انبیا کے جوار میں

مدینۂ منورہ تشریف لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا اور کئی مہینے وہیں مقیم رہے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے قریب ہی حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے مکانات تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ اس سے

بہت خوش ہوئے کہ محبوب کا جوار نصیب ہوگیا۔ اکثر اوقات بارگاہِ نبوی میں حاضر باش رہتے اور سعی یہ ہوتی کہ محبوب کی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہو۔

دخترانِ رسول حضرت حارثہؓ کے مکان میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہؓ اور ابورافعؓ کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دے کر مکۂ مکرمہ روانہ فرمایا؛ تاکہ یہ حضرات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیاں فاطمہؓ اور ام کلثومؓ اور دیگر خاندان والوں کو مدینۂ منورہ لے آئیں۔ چناں چہ جب یہ حضرات خانوادۂ نبوت کو لے کر مدینۂ منورہ پہنچے تو سب سے پہلے حضرت حارثہ بن نعمانؓ کے گھر اترے اور وہیں پر قیام فرمایا۔

زوجۂ رسول حضرت حارثہؓ کے مکان میں

جب خیبر فتح ہوا تو بہت سے یہودی مالِ غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے قبضہ میں آئے، ان میں حضرت صفیہ بنت حُیَیؓ بھی تھیں، آپؓ یہود کے سرکردہ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، تقسیم میں آپؓ حضرت دحیہ کلبیؓ کی ملکیت میں آئیں؛ لیکن صحابہؓ کے اصرار پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؓ کو اپنی تحویل میں لے لیا اور پھر لوگوں کے سامنے اعلان کردیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد کردیا ہے۔

حضرت صفیہؓ نے خلوصِ دل کے ساتھ دینِ حق قبول کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح فرما کر ان کو اپنی ازواجِ مطہرات میں شامل فرمالیا۔ شادی کے بعد حضرت صفیہؓ کو پہلے دن حضرت امِ سلیمؓ کے گھر بطور دلہن لایا گیا، اس کے بعد

آپؓ کے قیام کا انتظام حضرت حارثہ بن نعمانؓ کے مکان میں کیا گیا اور ایک لمبے عرصے تک آپؓ وہیں مقیم رہیں۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے، خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

صاحبزادیٔ رسول کی خاطر اپنا گھر خالی کر دینا

حضرت فاطمہؓ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے لاڈلی اور چہیتی صاحبزادی تھیں۔ آپؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے ہوا، حضرت علیؓ کا گھر نبوت کے رحمت کدے سے کسی قدر فاصلہ پر تھا، آنے جانے میں تکلیف ہوتی تھی۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بیٹی! مجھے اکثر تمہیں دیکھنے کے لیے آنا پڑتا ہے، چاہتا ہوں کہ تمہیں اپنے قریب بلالوں''۔

حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا کہ: ''آپ کے قرب وجوار میں حارثہ بن نعمان کے بہت سے مکانات ہیں، آپ ان سے فرمائیں گے تو ضرور وہ کوئی نہ کوئی مکان خالی کر دیں گے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے میری لختِ جگر! حارثہ سے مکان مانگتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے، کیوں کہ وہ پہلے ہی اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کے لیے کئی مکانات دے چکے ہیں''۔ حضرت فاطمہؓ خاموش ہوگئیں۔

جیسے ہی یہ خبر حضرت حارثہؓ تک پہنچی، فوراً دوڑے دوڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''یارسول اللہ! آپ فاطمہ کو کسی قریبی مکان میں لانا چاہتے ہیں، میرا یہ مکان جو آپ سے متصل ہے میں اسے خالی کر دیتا ہوں، آپ فاطمہ کو بلا لیجیے۔ اے میرے آقا! میری جان اور میرا مال سب آپ پر قربان ہے۔ اللہ کی قسم! جو چیز آپ مجھ سے لے لیں گے مجھے اس کا آپ کے پاس رہنا زیادہ محبوب ہوگا بہ نسبت اس کے کہ وہ میرے پاس رہے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''تم سچ کہتے ہو، اللہ تعالیٰ تمہیں خوب خیر و برکت دے''۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کو حضرت حارثہ بن نعمانؓ کے مکان میں منتقل فرما دیا۔

جس کا تجھ سا حبیب ہووے گا		کون اس کا رقیب ہووے گا

باندیٔ رسول حضرت حارثہؓ کے مکان میں

مقوقس شاہِ مصر نے سفیرِ رسول حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کے ہاتھوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کچھ تحائف بھیجے تھے، ان میں دو باندیاں بھی تھیں: ایک ماریہ اور دوسری سیرین۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیرین، حضرت حسان بن ثابتؓ کو بخش دیں اور ماریہؓ کو اپنے حرمِ مکرم میں شامل فرما کر حضرت حارثہ بن نعمانؓ کے گھر بھیج دیا اور وہیں پر ان کی رہائش کا انتظام کیا گیا۔ یاد رہے کہ حضرت ماریہ قبطیہؓ سے آپ کے یہاں ایک صاحبزادے ابراہیمؓ بھی پیدا ہوئے، لیکن ان کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا۔ حضرت حارثہ کی قسمت کے کیا کہنے ع

یہ نصیب اللہ اکبر! لوٹنے کی جائے ہے

جبرئیلؑ کا دیدار اور حضرت حارثہؓ کے لیے بشارت

تاریخ کی مختلف کتابوں میں یہ بات ملتی ہے کہ حضرت حارثہ بن نعمانؓ نے متعدد مرتبہ حضرت جبرئیل امینؑ کی زیارت کی ہے۔ خود حضرت حارثہؓ فرماتے ہیں کہ: ''ایک مرتبہ ''یوم الصورین'' میں جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو قریظہ کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت جبرئیلؑ، دحیۂ کلبی کی شکل میں ہمارے پاس آئے اور انھوں نے ہمیں مسلح ہونے کا حکم دیا''۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک دن حارثہ بن نعمانؓ کا گذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہوا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیلؑ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے، حضرت حارثہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام نہیں کیا اور خاموشی کے ساتھ وہاں سے گذر گئے۔ بعد میں جب آپ کی ملاقات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ: ''حارثہ! جب تم اِس طرف سے گذر رہے تھے تو تم نے سلام کیوں نہیں کیا؟'' انھوں نے عرض کیا کہ: ''میں نے آپ کے پاس ایک شخص کو دیکھا، آپ اس سے آہستہ آہستہ کچھ گفتگو فرما رہے تھے، میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ آپ کی گفتگو میں دخل دوں اور آپ کی بات کو قطع کروں''۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''کیا تم نے اس شخص کو دیکھا تھا؟'' انھوں نے عرض کیا: ''جی ہاں''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''آگاہ رہو! وہ جبرئیل تھے اور وہ کہہ رہے تھے کہ اگر یہ شخص سلام کرتا تو میں اس کا جواب دیتا، اس کے بعد جبرئیل نے کہا کہ یہ شخص اسّی (۸۰) لوگوں میں سے ہے۔ میں نے پوچھا کہ اسّی (۸۰) کا کیا مطلب؟ تو انھوں نے عرض کیا کہ: ایک موقع پر اسّی (۸۰) آدمیوں کے سوا سب لوگ آپ کے پاس سے ہٹ کر اِدھر اُدھر ہو جائیں گے اور آپ کو اکیلا چھوڑ دیں گے۔ (غزوہ حنین کی طرف اشارہ تھا) پھر جبرئیل نے کہا کہ: اس کا اور اس کی اولاد کا رزق جنت میں اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے''۔

عشقِ رسول اور پیغمبرِ اسلام کی خدمت گزاری

حضرت حارثہ بن نعمانؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تقرب حاصل تھا۔ آپؓ محبتِ خدا و رسول سے بہرہ مند اور دینِ اسلام کی خدمت کے لیے ہر وقت ہمہ تن آمادہ رہا کرتے تھے۔

ہم نے اول سے پڑھی ہے یہ کتاب آخر تک
ہم سے پوچھے کوئی ہوتی ہے محبت کیسی

آپؓ کو گوارا نہ تھا کہ آپ کے ہوتے ہوئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذرا بھی تکلیف پہنچ جائے۔ آپؓ کے قلب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اس طرح گھر کر گئی تھی کہ آپؓ اپنی ہر چیز محبوب پر قربان کرنے کے لیے ہمہ دم تیار رہتے تھے۔ آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صریح حکم کا انتظار کرنے کے بجائے منشے کو سمجھ لیتے

تھے کہ اس وقت محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا چاہتے ہیں۔

محبت کو سمجھنا ہے تو ناصح خود محبت کر
کنارہ سے کبھی اندازۂ طوفاں نہیں ہوتا

آپؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی محبت تھی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر والوں سے بات کرتے تو آپؓ اپنے ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل ہو جاتے؛ حتی کہ ایک مرتبہ خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''مجھے حارثہ کا اپنے مکانات سے ہمارے لیے منتقل ہونا بہت شرمندہ کرتا ہے''۔

آپؓ کے جذبۂ خدمت کا یہ عالم تھا کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نئے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے موقع سے علیحدہ مکان کی ضرورت محسوس ہوتی تو آپؓ اپنا مکان حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیتے اور خود دوسرے مکان میں رہائش اختیار کر لیتے۔

کوئی دھن ہو میں ترے گیت ہی گائے جاؤں
دھوپ میں چلتا رہوں سائے بچھائے جاؤں

آپؓ کی اس خدمت گزاری سے متاثر ہو کر ایک دفعہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ''مجھے تو اب حارثہ بن نعمان سے شرم آتی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو خوش کرنے کے لیے اپنے کئی مکان قربان کر چکے ہیں''۔

والدہ کی خدمت

آپؓ اپنی والدہ محترمہ کا بھی بہت خیال رکھتے تھے، ہر وقت ان کے آرام کی فکر دامن گیر رہتی۔ آپؓ ان کی اس طرح خدمت کرتے کہ: ان کے کپڑے خود دھوتے، خود ان کے لیے کھانا بناتے، اپنے ہاتھ سے نوالے بنا بنا کر ان کے منہ میں ڈالتے، ان کے بالوں میں تیل ڈال کر خود ہی کنگھی کرتے، پھر خادموں کی طرح ہاتھ باندھ کر ان کے سامنے کھڑے ہو جاتے، اگر وہ کچھ کہتیں اور آپؓ کی سمجھ میں نہ آتا تو مکرر دریافت نہ فرماتے؛ بلکہ اپنی اہلیہ کے پاس جاتے اور فرماتے کہ ماں نے کچھ کہا ہے، مجھے سمجھ میں نہ آسکا، کیا تمہیں سمجھ میں آیا کہ انھوں نے کیا کہا؟ نیز آپؓ کو ان کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کا بھی خیال رہتا۔ ہمیشہ اس کی فکر رہتی کہ والدہ کو کبھی کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

وہ جواں؛ قامت میں ہے جو صورتِ سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند

آپؓ اپنی والدۂ محترمہ کی اتنی زیادہ خدمت کرتے تھے، اس کے باوجود گویا آپ کی زبانِ حال یوں کہتی تھی کہ

شکر ہو ہی نہیں سکتا کبھی اس کا ادا
مرتے مرتے بھی دعا جینے کی دے جاتی ہے ماں

جنت میں قرآنِ کریم کی تلاوت

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں جنت میں داخل ہوا تو تلاوتِ قرآن کی آواز سنی۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو کسی بتانے والے نے مجھے بتایا کہ یہ حارثہ بن نعمانؓ ہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حارثہ بن نعمانؓ کو یہ بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ''تم کو یہ بلند مقام اس لیے ملا؛ کیوں کہ تم اپنی والدہ کے مطیع وفرماں بردار رہو''۔

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا کہ: ''تم سب کو اِسی طرح نیکی کرنی چاہیے جس طرح حارثہ بن نعمان کرتے ہیں''۔ یہی وہ خدمت تھی جس کے صلے میں حضرت حارثہ بن نعمانؓ کی آواز سات آسمانوں کے پردے چیر کر جنت میں سنائی دیتی تھی۔

صدقہ وخیرات

حضرت حارثہ بن نعمانؓ بہت سخی اور نہایت فیّاض واقع ہوئے تھے، وقتاً فوقتاً اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے تھے، جب آپؓ زندگی کے آخری دور میں نابینا ہو گئے تو آپؓ نے ایک رسّی اپنے مصلے سے دروازے تک باندھ دی اور ایک تھیلا اپنے پاس رکھ دیا، جس میں کھجوریں بھری رہتی تھیں، جب دوازے پر کوئی سائل آتا اور سلام کرتا تو آپؓ اسی رسّی کو پکڑ کر مصلّے سے دروازے تک آتے اور سائل کو اپنے ہاتھ سے کھجوریں عنایت فرماتے۔

گھر والے بہت اصرار بھی کرتے اور یہ کہتے کہ آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں؟ ہم ہر وقت آپ کی خدمت بجالانے کو تیار ہیں، مگر آپؓ ہمیشہ ایک ہی جواب دیتے، جس کو سن کر آپؓ کے گھر والوں کو خاموش ہو جانا پڑتا۔ آپؓ اپنے گھر والوں سے یہ کہتے کہ: میں نے سرتاجِ انبیا، محبوبِ کبریا، سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بارہا یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مسکین کو اپنے ہاتھ سے دینا بری موت سے بچاتا ہے''۔

وفات

آپؓ کی وفات کے بارے میں اکثر کتبِ سیر خاموش ہیں؛ البتہ تلاشِ بسیار کے بعد اس سلسلے میں دو روایتیں ملتی ہیں۔ ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؓ نے عہدِ رسالت کے اواخر میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہی وفات پائی۔ اور دوسری روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؓ نے بہت لمبی عمر پائی، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد پوری خلافتِ راشدہ تک آپؓ باحیات رہے؛ یہاں تک کہ ۵۰ھ میں حضرت امیرِ معاویہؓ کے زمانۂ امارت میں آپؓ اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔ اِنا للّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ. (یہی دوسری روایت زیادہ راجح ہے)۔

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر

مثلِ ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

ربِّ کریم ہم تمام کو حضرت حارثہ بن نعمانؓ کی مبارک زندگی سے سبق حاصل کر کے اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے اور آپؓ کے تمام خصائلِ حمیدہ کو اپنے اندر پیدا کرنے کی سعادت مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین

مآخذ و مراجع:

①مشکاۃ شریف ②السیرۃ النبویہ لابن ہشام ③سیرُ أعلام النبلاء ④طبقات ابن سعد ⑤أصحاب الرسول ⑥الإکمال في أسماء الرجال ⑦معجم البلدان ⑧رجال مبشرون بالجنة ⑨أُسد الغابة ⑩ حبیب کبریاء کے ۳۰۰/اصحاب

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

از قلم: عمر علاؤالدین اورنگ آبادی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ آفتابِ نبوت سے اکتسابِ فیض کے بعد تمام ہی حضراتِ صحابہؓ ''نجومِ ہدایت'' بن گئے؛ مگر بعض صحابہؓ کو کچھ ایسے جزوی فضائل ومناقب حاصل ہوئے کہ دوسرا کوئی ان کا ہم پلہ نہ ہوسکا، انہیں درخشاں وتابندہ ستاروں میں ایک نمایاں شخصیت ''حضرت زید بن حارثہؓ'' کی بھی ہے، آپ کا تعلق یمن کے قبیلۂ بنوقضاعہ سے تھا۔

حیات وخدمات

نام ونسب

نام: زید، کنیت: ابواسامہ، لقب: حبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، والد کا نام: حارثہ اور والدہ کا نام: سعدی تھا۔

والد کی طرف سے سلسلۂ نسب یوں ہے: زید بن حارثہ بن شراحیل بن کعب بن عبدالعزی بن امرؤالقیس بن عامر بن نعمان بن عام بن عبدِ وُدّ بن عوف بن کنانہ بن بکر بن عوف بن عُذرہ بن زید اللات بن رُفیدہ بن ثور بن کلب بن وَبَرہ بن ثعلب بن حُلوان بن عمران بن الحارف بن قضاعہ بن مالک بن عَمرو بن مُرّہ بن مالک بن حِمیَر بن سبا بن یَشجَب بن یعرب بن قحطان۔ قحطان پر یمن کا اجتماع ہے۔

والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یوں ہے: سُعدیٰ بنت ثعلبہ بن عبدِ عامر بن افلت بن سلسلہ، جو قبیلۂ طے کی ایک شاخ بنی معن میں سے ہے۔

ناز و نعمت کی زندگانی سے غلامانہ زندگی تک

یمن کے ایک معزز قبیلہ ''بنو قضاعہ'' (بنو کلب) کے رئیس حارثہ بن شراحیل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے خوب نوازا تھا، قبیلۂ طے کے بنو معن کی ایک نیک سیرت خاتون سُعدیٰ بنتِ ثعلبہ اس کی رفیقۂ حیات تھی، اولاد بھی اللہ تعالیٰ نے دی رکھی تھی اور مال و دولت کی بھی کوئی کمی نہ تھی، میاں، بیوی اور تین بچوں: اسماء، جبلہ اور زید پر مشتمل یہ چھوٹا سا کنبہ ہنسی خوشی دن گزار رہا تھا کہ یکا یک ہَوا کا رخ بدل گیا۔

سُعدیٰ ایک دفعہ اپنے آٹھ سالہ فرزند زید کو ساتھ لے کر ایک قافلہ کے ہمراہ اپنے والدین کے گھر جا رہی تھی کہ راستے میں بنی قین بن جَسر کے لوگوں نے قافلے پر چھاپہ مارا، مال و اسباب کے علاوہ سعدیٰ کے لختِ جگر کو بھی ان سے چھین لیا اور نظروں سے غائب ہو گئے۔ اپنے نورِ بصر کے یوں چھن جانے سے بدنصیب ماں کی دنیا اندھیر ہو گئی، وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی اور اس کی فریادوں اور نالوں سے زمین و آسمان کا کلیجہ پھٹا جاتا تھا۔ جب حارثہ کو اپنے فرزندِ دلبند کے اغوا ہونے کی خبر ملی تو بدنصیب باپ وفورِ رنج والم سے دیوانہ ہو گیا، قریہ قریہ اور کوچہ کوچہ 'زید زید' پکارتا پھرتا تھا، صحرا، جنگل، پہاڑ سب کچھ چھان مارا؛ لیکن زید کا کھوج نہ

ملنا تھا نہ ملا، بیٹے کے فراق میں دیوانہ باپ چرند پرند، شجر و حجر ہر ایک سے التجا کرتا تھا کہ: للہ! میرے فرزند کا کچھ تو پتا بتلا دو! بیٹے کے فراق میں اس کے کہے ہوئے نوحے زبان زدِ خلائق ہو گئے تھے، وہ جب اپنے ''یوسفِ گم گشتہ'' کے لیے نوحے پڑھتا تھا تو دوست تو دوست دشمن بھی رو دیتے تھے۔

اِدھر یہ خوش نصیب بچہ اپنے روشن مستقبل کے زینے چڑھ رہا تھا اور اُدھر اس کی پریشان اور مامتا کی ماری ہوئی ماں اس کی گم شدگی کے صدمے سے نڈھال ہوئی جاتی تھی، نہ اس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو رک رہے تھے نہ اس کے غم میں کوئی کمی واقع ہو رہی تھی اور نہ ہی اسے کسی لمحہ سکون و قرار نصیب ہو رہا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ آیا اس کا بیٹا زندہ ہے؟ کہ اس سے ملنے کی امید رکھے، یا وہ مر چکا ہے؟ کہ اس سے مایوس ہو کر صبر کا دامن پکڑ لے، تذبذب کی یہ کیفیت اس کے غم کی شدت میں مزید اضافے کا سبب تھی۔

زید کا باپ ملک کے گوشے گوشے میں اسے ڈھونڈتا اور ہر گذرنے والے قافلہ سے اس کا پتا پوچھتا پھرتا اور بے چینی و بے قراری میں یہ اشعار پڑھتا:

بَكَيْتُ عَلٰى زَيْدٍ وَلَمْ اَدْرِ مَافَعَلَ	أَحَيٌّ فَيُرْجٰى أَمْ أَتٰى دُوْنَهُ الْأَجَلُ

میں زید کے غم میں روتا پھر رہا ہوں، مجھے معلوم نہیں کہ وہ کس حال میں ہے، آیا وہ زندہ ہے کہ اس سے ملنے کی امید ہو یا موت کے بے رحم پنجوں نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔

فوَاللّٰہِ مَاأَدْرِيْ وَاِنِّيْ لَسَائِل		أَغَالَكَ بَعْدِيَ السَهْلُ اَمْ أَغالَكَ الجَبَل

خدا کی قسم! مجھے اس کے متعلق کچھ نہیں معلوم، میں تو ہر راہ گذر سے پوچھتا ہوں اور میں حیران و پریشان پھر رہا ہوں کہ میرے پیچھے تجھے میدان نے چُرالیا یا پہاڑ نے اچک لیا؟

فیَالَیْتَ شَعْرِيْ! هَلْ لَكَ الدَّهْرُ أوبَة		فَحَسْبِيْ مِنَ الدُّنْيارُجُوْعُكَ لِيْ بَجَل

کاش! مجھے معلوم ہوجاتا کہ تو عمر بھر میں کبھی بھی واپس آئے گا یا نہیں۔ ساری دنیا میں میری آخری تمنا تیری واپسی ہے۔

تُذَكِّرُنِيْهِ الشَّمْسُ عِنْدَ طُلُوْعِهَا		وتَعْوِضُ ذِكْرَاهُ اِذَاغَرُبُهَا أَفَل

سورج اپنے طلوع ہونے کے ساتھ مجھے اس بیٹے کی یاد دلاتا ہے اور ڈوبتے ہوئے بھی اس کی یاد تازہ کرجاتا ہے۔

وَاِنْ هَبَّتِ الرِّيَاحُ هَيَّجْنَ ذِكْرَهُ		فَيَاطُوْلُ! مَاحُزْنِيْ عَلَيْهِ وَمَاوَجَل

اور جب ہوائیں چلتی ہیں تو وہ بھی اس کی یاد کو بھڑکاتی ہیں، ہائے! میرا غم اور میرا فکر کس قدر طویل ہوگیا!

سَأَعْمِلُ نَصَّ الْعِيْسِ فِي الْأَرْضِ جَاهِدا		وَلَا أَسْأَمُ التَطْوَافَ أَوْتَسْأَمُ الْاِبِل

میں اپنے اونٹ کو تیزی سے دوڑا کر زمین میں اس کی تلاش کرتا رہوں گا اور اِس پھرنے سے میں نہیں اکتاؤں گا؛ تا آنکہ میرا اونٹ تھک کر نڈھال ہوجائے۔

حَيَاتِيْ أَوْتَأْتِيْ عَلَيَّ مَنِيَّتِيْ		فَكُلُّ امْرِئٍ فَانٍ وَاِنْ غَرَّهُ الْأَمَل

یا مجھے موت آجائے؛ کیوں کہ ہر شخص فانی ہے اگرچہ امیدیں اسے دھوکے میں رکھیں۔

وَاُوْصِيْ بِهٖ قَيْسًا وَعَمْرًا كِلَيْهِمَا		وَاُوْصِيْ يَزِيْدًا ثُمَّ مَنْ بَعْدَهُمْ جَبَلَ

میں قیس اور عمرو دونوں کو اس کے جستجو کی وصیت کرتا ہوں اور یزید کو بھی، پھر اس کے بعد جبل کو وصیت کرتا ہوں۔

نوٹ: جبل سے زید کے بڑے بھائی جبلہ بن حارثہ مراد ہے اور یزید زید کے اخیافی بھائی ہوتے ہیں۔

خوشگوار زندگی کے عوامل واسباب

دوسری طرف حارثہ بن شراحیل کے ''یوسفِ گم گشتہ'' کے لیے قدرت نے وہ مراتب مقدر کر رکھے تھے کہ جس پر فرشتے بھی رشک کرے۔ رہزن، زید کو والدہ کی شفیق گود سے جدا کر کے عکّاظ کے بازار میں لے گئے، وہاں ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام نے دوسرے غلاموں کے ساتھ انہیں بھی چار سو درہم میں خرید لیا اور مکہ آکر سب غلام اپنی پھوپی کے خدمت میں پیش کر دیے کہ جو پسند ہو وہ آپ کی نذر! حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے زید پر نظر ڈالتے ہی ان کی شرافت کو تاڑ لیا اور ان کا انتخاب کر لیا۔ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ان کے ہاں دیکھا تو اس نوجوان لڑکے کے خصائل واطوار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قدر پسند آئے کہ اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے حضرت خدیجہؓ سے مانگ لیا۔

اس طرح اس بلند اقبال نوجوان کو پندرہ برس کی عمر میں ایک ایسی مقدس ہستی کی بارگاہ میں غلامی کی سعادت نصیب ہوئی جو نویدِ مسیحا اور دعائے خلیل تھی، جن کے لیے زمین و آسمان کی بادشاہت نچھاور کر دی گئی، جنھیں میدانِ حشر میں عدالت کی وکالت سپرد کی گئی اور جن کی غلامی کے سامنے ہفت اقلیم کی کج کلاہی بھی ہیچ ہے۔ ایسے غلام کی خوش بختی کا اندازہ کون کر سکتا ہے! زید کی نیک سیرت اور بے پناہ خلوص نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت اور الطاف کا مورِد بنا دیا، زید کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی محبت ہوگئی کہ انہیں اپنے حبیب کی زیارت کے بغیر ایک لمحہ بھی چین نہ آتا تھا۔

حضرت زیدؓ کا اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ناقابلِ یقین مگر سچا اظہارِ عشق

ایک سال بنی کلب کے چند آدمی حج کے خیال سے مکہ آئے تو انھوں نے اِس ''یوسفِ گم گشتہ'' کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور یعقوب صفت باپ کا ماجرائے غم کہہ سنایا، بولے: یقیناً انھوں نے میری فرقت میں نوحہ خوانی کی ہوگی، تم میری طرف سے میرے خاندان والوں کو یہ پیغام سنا دینا:

أَحِنُّ إِلٰى قَوْمِيْ وَإِنْ كُنْتُ نَائِيًا	بِأَنِّيْ قَطِيْنُ الْبَيْتِ عِنْدَ الْمَشَاعِرِ

میں اپنی قوم کا مشتاق ہوں گو ان سے دور ہوں، میں خانۂ کعبہ میں مشعرِ حرام کے قریب رہتا ہوں۔

فَكُفُّوْا مِنَ الْوَجْدِ الَّذِی قَدْ شَمَاكُمْ		وَلَا تَعْمَلُوْا فِي الْأَرْضِ نَصَّ الْأَبَاعِرِ

اس لیے اس غم سے باز آجاؤ جس نے تم کو پُرالم بنا رکھا ہے اور اونٹوں کی طرح چل کر دنیا کی خاک نہ چھانو!

فَإِنِّيْ بِحَمْدِ اللّٰهِ فِيْ خَيْرِ أُسْرَةٍ		كدام مَعَدّ كَابِرًا بَعْدَ كَابِرِ

الحمدللہ کہ میں بنی معد کے ایک معزز اور اچھے خاندان میں ہوں جو پشتہا پشت سے معزز ہے۔

زائرانِ بنی کلب نے واپس آکر ان کے والد کو اطلاع دی تو تعجب سے ان کی آنکھیں پھیل گئیں اور وفورِ یاس نے یک بہ یک یقین نہ ہونے دیا۔ بولے: ربِّ کعبہ کی قسم! کیا میرا ہی نورِ نظر تھا؟ لوگوں نے جب تفصیل کے ساتھ حلیہ، جائے قیام اور مربّی کے حالات بیان کیے تو حارثہ اُسی وقت اپنے بھائی کعب بن شراحیل کو ہمراہ لے کر مکہ کی طرف چل کھڑے ہوئے، دنوں کی مسافت گھنٹوں میں طے کی اور حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بہ صد منت ولجاجت عرض کی: اے ابن عبداللہ! اے ابن عبدالمطلب! اے اپنی قوم کے رئیس زادے! تم اہلِ حرم اور اس کے مجاور ہو، مصیبت زدوں کی دست گیری کرتے ہو، قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہو، ہم تمھارے پاس اس غرض سے آئے ہیں کہ ہمارے لڑکے کو آزاد کر کے ہم کو رہینِ منّت بنا دو، زرِفدیہ جس قدر چاہو لے لو، ہم منہ مانگا معاوضہ دینے کو تیار ہیں۔ ارشاد ہوا: وہ کون ہے؟ بولے: زید بن حارثہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید کا نام سنا تو ایک لمحہ تفکّر کے بعد فرمایا: زید کو بلا کر اختیار دیتا ہوں، اگر وہ تمہیں پسند کرے تو تمھارا ہے اور اگر مجھے ترجیح دے تو خدا کی قسم! میں ایسا نہیں ہوں جو اپنے ترجیح دینے والے پر کسی کو ترجیح دوں۔ حارثہ اور کعب نے اس شرط پر شکریہ کے ساتھ رضامندی ظاہر کی، حضرت زید بلائے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم ان دونوں کو پہچانتے ہو؟ عرض کیا: ہاں! یہ میرے باپ اور چچا ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ہاتھوں قرعۂ انتخاب دے کر فرمایا: میں کون ہوں؟ اس سے تم واقف ہو، میری ہم نشینی کا حال بھی تمہیں معلوم ہے، اب تمہیں اختیار ہے چاہے مجھے پسند کرو یا ان دونوں کو۔ حضرت زیدؓ کو شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں جو لطف ملا تھا اس پر صدہا آزادیاں نثار تھیں، جھٹ سے بولے: میں ایسا نہیں ہوں جو حضور پر کسی کو ترجیح دوں، آپ ہی میرے ماں باپ ہیں۔

حضرت زید کی اس مخلصانہ وفاشعاری نے ان کے باپ اور چچا کو سراپا حیرت بناڈالا، تعجب سے بولے: افسوس! تم آزادی، باپ، چچا اور خاندان پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو! فرمایا: ہاں! مجھے اِس ذات میں ایسے ہی محاسن نظر آئے ہیں کہ میں اس پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

حضرت زید کے جذبۂ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک شاعر مولانا ضیاء احمد بدایونی نے ان الفاظ میں نظم کیا ہے:

زبدۂ حلقۂ اربابِ وفا حضرت زید تھے
جو مشہور پسر خواندۂ شاہِ ابرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
متفق ہو کے جنھیں کہتے ہیں سب اہلِ سیَر
اولین حلقہ بگوشانِ رسالت میں شمار
ہیں یہی جن کو کیا نام سے قرآن میں یاد
حق نے منجملہ اصحابِ رسولِ مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اپنے باپ سے بچپن میں بچھڑ کر ایک دن
سرِ بازار بِکے صورتِ یوسفِ ناچار
لے کے پھر خدمتِ سلطانِ دوعالم کے لیے
کر دیا نذر خدیجہ نے انہیں آخر کار
باپ نے یوسفِ گم گشتہ کی پائی جو خبر
دل کو دَم بھر نہ رہا صورتِ یعقوب قرار
آ کے مکہ میں کہا حال شہِ والا سے
ہوا ارشاد کہ خود زید ہیں اس میں مختار
آزمائش تھی یہ کچھ ایسی کٹھن جس کے سبب
ایک عجب کشمکشِ صعب میں تھی جانِ نزار
ایک طرف باپ کی کلفت سے بھی خاطر مغموم

ایک طرف آپ کی الفت سے تھی فطرت سرشار
عقل کہتی تھی کہ راحتِ دنیا منظور
عشق کہتا تھا کہ اس راہ میں راحت ہے عار
عقل کہتی تھی مبارک ہو تجھے مسندِ گل
عشق کہتا تھا گوارا ہے مجھے بسترِ خار
تھام کر دامن سرکار کا آخر یہ کہا
لاکھ آزادیاں اک تیری غلامی پہ نثار

حضرت زیدؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لے پالک اور متبنّٰی

حضرت زیدؓ نے اپنی غیر متزلزل وفا شعاری سے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں دبی ہوئی محبت کی چنگاری کو مشتعل کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانۂ کعبہ میں مقامِ حجر کے پاس حضرت زید کا ہاتھ پکڑ کر اعلان فرمایا کہ: زید آج سے میرا فرزند ہے، میں اس کا وارث ہوں گا، وہ میرا وارث ہوگا۔ اس اعلان سے ان کے باپ اور چچا کے افسردہ دل گلِ شگفتہ کی طرح کھل اٹھے، گو والد کو مفارقت گوارا نہ تھی؛ تاہم اپنے لختِ جگر کو ایک شفیق و معزز باپ کی آغوشِ عافیت میں دیکھ کر اطمینان ہو گیا اور امتنان و مسرت کے ساتھ واپس ہوئے۔

اس اعلان کے بعد حضرت زیدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے انتساب کے ساتھ ''زید بن محمدؐ'' کے نام سے زبان زدِ عام و خاص ہوئے؛ یہاں تک کہ جب

اسلام کا زمانہ آیا اور قرآنِ پاک کی الہامی زبان ''أدعوهم لآبائهم هو أقسط عند الله'' نے صرف اپنے نسبی آبا کے ساتھ انتساب کی ہدایت فرمائی تو حضرت زیدؓ دوبارہ حارثہ کی نسبت سے ''زید بن حارثہ'' مشہور ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: ہم انہیں (زید بن حارثہ) ''زید بن محمد'' پکارا کرتے تھے؛ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی ''أدعوهم لآبائهم إلخ''. (یہی روایت حضرت زید بن حارثہؓ نے بھی حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے، اس میں آیت ''أدعوهم لآبائهم هو أقسط عند الله'' یہاں تک ہے [لوگوں کو ان کے باپ کے نام سے پکارو، یہی اللہ کے نزدیک زیادہ مناسب ہے])(مسلم، ترمذی، نسائی)

حضرت علی بن حسینؒ سے ''ما كان محمد أبا أحد من رجالكم'' کے متعلق مروی ہے کہ: یہ زید بن حارثہؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔

حضرت ثابتؒ سے مروی ہے کہ: ''زید بن حارثہ'' کو ''زید بن محمد'' کہا جاتا تھا۔

حضرت زیدؓ کا قبولِ اسلام

حضرت زید بن حارثہؓ نے جس وقت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ماں باپ پر ترجیح دی تھی اس وقت انہیں یہ علم نہیں تھا کہ انھوں نے کونسی غنیمتِ باردہ حاصل کرلی ہے، وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت بلند مرتبہ پر

فائز ہونے والے ہیں، یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر پر نبوت کا تاج رکھا جائے گا اور آپ کو پوری دنیا کی رہنمائی کے لیے آخری رسول بنا کر مبعوث کیا جائے گا، انہیں کبھی یہ خیال تک نہ آیا تھا کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جس میں آسمانی حکومت روئے زمین پر قائم ہوگی اور خطۂ ارض کو عدل وانصاف اور امن وسکون کا گہوارا بنا دے گی اور انہیں اس عظیم سلطنت کے عالیشان محل کی پہلی اینٹ بننے کا شرف حاصل ہوگا۔ ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء واللّٰہ ذو الفضل العظیم.

اور یہ وہ فضلِ عظیم تھا کہ ''تخییر'' کے اس واقعہ کے چند سال بعد ۱۰ھ نبوی میں جب اللہ تعالی نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دینِ حق اور ہدایت دے کر مبعوث فرمایا تو زید غلاموں میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں کی صف میں شامل ہو گئے، کیا اس سے بڑھ کر بھی اولیت اور فضیلت کا کوئی مقام ہوسکتا ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے مسابقت کی جائے۔

حضرت حمزہؓ سے رشتۂ مواخاۃ

مکہ ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے محبوب چچا شیرِ خدا حضرت حمزہؓ سے ان کا بھائی چارہ یعنی رشتۂ مواخاۃ قائم کرادیا تھا۔ یہ دونوں بھائی ایک دوسرے سے بے انتہا محبت کرتے تھے، حضرت حمزہؓ جب کسی غزوہ میں جاتے تو حضرت زیدؓ کو اپنا وصی بنا کر جاتے۔ دونوں کے تعلّقِ خاطر کا اندازہ صحیح بخاری کی اِس روایت سے کیا جا سکتا کہ: صلحِ حدیبیہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکے سے روانہ ہوئے تو حضرت

حمزہؓ کی لڑکی امامہؓ ''یاعم! یاعم!'' کہتی ہوئی دوڑیں، حضرت علیؓ نے انہیں اٹھالیا اور پھران کا ہاتھ پکڑ کر حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے سپرد کیا کہ یہ تمھاری بنتِ عم ہے۔ اس پر حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ نے بارگاہِ نبوت میں دعویٰ کردیا کہ امامہ ان کی تربیت میں آنی چاہیے، حضرت جعفرؓ فرماتے تھے کہ: یہ میرے چچا کی لڑکی ہے اور اس کی حقیقی خالہ (اسماء بنت عمیسؓ) میرے نکاح میں ہے، اسی طرح حضرت علیؓ بھی امامہ کے ابن عم ہونے کی بنا پر اپنا استحقاق ظاہر کرتے تھے؛ لیکن حضرت زیدؓ کہتے تھے: ''ابنة أخي'' (وہ میرے بھائی کی لڑکی ہے) سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا؛ کیوں کہ ان کے گھر امامہؓ کی حقیقی خالہ حضرت اسماء بنتِ عمیس تھیں۔

امِّ ایمنؓ سے نکاح

حضرت زیدؓ نہ صرف سفر وحضر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے؛ بلکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ ہجرت سے چند سال پہلے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص کسی جنتی عورت سے نکاح کرنا چاہے تو اسے امِّ ایمن سے نکاح کرنا چاہیے۔ امِّ ایمنؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آیا (دودھ پلانے والی) تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی بے حد تعظیم فرمایا کرتے تھے اور فرطِ محبت سے انہیں ''میری ماں'' کہا کرتے تھے، حضرت زیدؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کی خاطر حضرت ام ایمنؓ سے نکاح کرلیا؛

حالاں کہ وہ عمر میں ان سے کہیں زیادہ بڑی تھیں۔

ہجرت ومواخاتِ ثانیہ

جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کو مدینۂ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تو حضرت زیدؓ بھی ہجرت کر کے مدینۂ منورہ چلے گئے اور بہ اختلافِ روایات: حضرت کلثوم بن ہدم انصاریؓ یا حضرت سعد بن خزیمہ انصاریؓ کے مہمان ہوئے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینۂ منورہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت زیدؓ کو حضرت ابورافعؓ اور عبداللہ بن اریقط کے ہمراہ اپنے اہل وعیال کو لانے کے لیے مکۂ مکرمہ روانہ فرمایا۔ چناں چہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ، حضرت ام کلثومؓ، ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہؓ، حضرت عبداللہ بن ابوبکرؓ، حضرت ام رومانؓ، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ نے ان ہی اصحاب کے ساتھ مدینۂ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ غزوۂ بدر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق حضرت زیدؓ پھر مکہ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ واپس آئے۔

ہجرت کے پانچ ماہ بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے مابین ''مواخاۃ'' قائم فرمائی تو حضرت زید بن حارثہؓ کو قبیلۂ بنوعبدالاشہل کے

رئیس حضرت اُسید بن حُضیر انصاریؓ کا اسلامی بھائی بنایا، یہ بھی بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور انصار کے ''سابقین اولین'' میں شمار ہوتے تھے۔

حضرت زینبؓ سے نکاح

۴ سنہ ھ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحشؓ کا نکاح حضرت زیدؓ سے کر دیا، حضرت زینبؓ کا مہر خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زیدؓ کی طرف سے ادا کیا۔ اس نکاح سے پہلے حضرت زیدؓ خاندانِ نبوت کے ایک فرد کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں علاحدہ مکان میں بسایا اور خانہ داری کے لیے ضروری اسباب عطا فرمائے۔ حضرت زینبؓ تقریباً ایک سال تک آپؓ کے نکاح میں رہیں؛ لیکن خاندانی ونسبی عدمِ توازن اور طبائع کی ناموافقت کے سبب میاں بیوی میں نباہ نہ ہوسکا، آپؓ نے بارہا دربارِ نبوت میں حضرت زینبؓ کے مزاج کی سختی کی شکایت کی، یہاں تک کہ ان کو طلاق دینے کا ارادہ ظاہر کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا اور ارشاد فرمایا: ''أمسک علیک زوجک'' حضرت زیدؓ اس وقت تو خاموش ہو گئے؛ لیکن میاں بیوی میں شکر رنجی بڑھتی ہی گئی، جب تعلقات انتہائی کشیدہ ہو گئے تو آپؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی۔

جب ان کی عدت پوری ہوگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منشائے الٰہی کے مطابق حضرت زیدؓ ہی کی معرفت اپنے نکاح کا پیغام حضرت زینبؓ کو بھیجا، حضرت زیدؓ

نے جب یہ پیغام ان کو دیا تو وہ بولیں: جب تک اللہ کی طرف سے کوئی حکم نہ آئے میں کچھ نہیں کہہ سکتی، اس کے معاً بعد یہ آیت نازل ہوئی: ''فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا إلخ''. (الاحزاب) اس طرح حضرت زینب بنت جحشؓ؛ امہات المؤمنین میں داخل ہوگئیں۔ اس واقعہ پر یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی طرف سے اعتراضات ہوئے، جس پر خدائی فیصلہ: ''مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ'' نافذ ہوگیا، جس نے منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کی طرح سمجھنے کی رسم ختم کردی۔ اس حکم کے بعد سے ہی لوگ آپؓ کو ''زید بن محمد'' کے بجائے ''زید بن حارثہ'' کہنے لگے۔

شہادت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد حضرت حارث بن عمیر ازدیؓ کو شرحبیل نے مقامِ موتہ میں قتل کردیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کو خبر ہوئی، تو یہ بات بڑی ناگوار گزری؛ چوں کہ قاصد کا قتل بین الاقوامی اور اخلاقی جرم سمجھا جاتا تھا، ان لوگوں کو سبق سکھانے کی غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لشکر کی تیاری شروع فرمائی، جس کے نتیجہ میں مقامِ جرف پر تین ہزار صحابہؓ کی ایک جماعت ساز و سامانِ جنگ کے ساتھ جمع ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو امیرِ لشکر بنا کر ارشاد فرمایا: ''أَمِيْرُ النَّاسِ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ فَإِنْ قُتِلَ فَجَعْفَرُ ابْنُ أَبِيْ طَالِبٍ فَإِنْ قُتِلَ فَعَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ رَوَاحَةَ فَإِنْ قُتِلَ فَلْيَرْتَضِ الْمُسْلِمُوْنَ بَيْنَهُمْ رَجُلًا فَيَجْعَلُوْهُ عَلَيْهِمْ'' اگر زید

شہید ہو جائے تو جعفر بن ابی طالب امیر ہوں گے اور وہ بھی شہید ہو جائے تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائے تو مسلمان اپنی اجتماعی رضامندی سے جس کو امیر بنانا چاہے اسے اپنا امیر بنالیں!

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دستِ بابرکت سے ایک سفید جھنڈا تیار کیا اور حضرت زید بن حارثہؓ کے سپرد کر دیا، اس کے بعد ''ثنیۃ الوداع'' تک برابر ساتھ ساتھ چلتے رہے اور جنگی تدابیر و دیگر حالات سے متنبہ فرماتے رہے اور ثنیہ پہاڑی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں الوداع فرمایا۔

یہ لشکرِ اسلام جب موتہ پہنچا تو عیسائی اپنے حلیف قبائل کے ساتھ مقابلہ کے لیے صف بستہ ہو گئے، جن کی مجموعی تعداد دو لاکھ تھی، تاہم مسلمان اللہ کے بھروسہ پر اس مہیب طاغوتی قوت سے بھڑ گئے، نہایت خوں ریز جنگ ہوئی، حضرت زید بن حارثہؓ نے علَمِ قیادت سنبھالا اور کمال درجہ کی استقامت اور شجاعت کا مظاہرہ کیا، اپنے ساتھیوں کو جوش دلانے کی خاطر دشمنوں کی صفوں میں گھستے چلے گئے اور کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ عین اس قوت جب لڑائی شباب پر تھی حضرت زیدؓ کے سینہ پر ایک نیزہ لگا اور وہ شہید ہو کر گر پڑے، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشن گوئی پوری ہوئی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطورِ معجزہ جنگ کے حالات اور اپنے تینوں سپہ سالاروں کی شہادت کو دیکھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے حد صدمہ ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ان کے اہل وعیال کی تعزیت کے لیے تشریف لے گئے۔ جب حضرت زید بن حارثہؓ کے یہاں پہنچے تو ان کی چھوٹی بچی روتی ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں آ گئی، اسے روتے دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، یہ دیکھ کر حضرت سعد بن عبادہؓ بولے: اے اللہ کے رسول! یہ کیا ہے؟ نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ ایک حبیب کا اپنے حبیب پر رونا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ جذبۂ محبت ہے، جو ہر محب کے دل میں اپنے محبوب کے لیے ہوتا ہے۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت مسلمانوں کو یہ خبر سنائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ علامہ ابن اثیرؒ نے ''اسد الغابہ'' میں لکھا ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ الفاظ بھی ارشاد فرمائے تھے: ''اِخْوَانِيْ وَمُؤْنِسَائِيْ وَمُحْدِثَائِيْ'' یہ میرے بھائی، میرے مونس اور میرے ہمراز تھے۔

آپؓ کے لیے بزبانِ رسالت جنت کی بشارت

ابو میسرہؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زید بن حارثہؓ، جعفرؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ کے قتل کی اطلاع ہوئی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور اِن لوگوں کا حال بیان فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زیدؓ سے ابتدا کی اور فرمایا: اے اللہ! زید کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! زید کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! زید کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! جعفر اور عبداللہ بن رواحہ کی مغفرت فرما۔ اور ایک

روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تینوں کو جنت کی بشارت دی:

فَقَدْ رَوٰی ابْنُ اِسْحَاق عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "لَقَدْ رُفِعُوْا لِیَّ فِی الْجَنَّةِ فِیْمَا یَرٰی النَّائِمُ عَلٰی سُرُرٍ مِّنْ ذَهَبٍ، فَرَأَیْتُ فِیْ سَرِیْرِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ رَوَاحَة اِزْوِرَارًا عَنْ سَرِیْرَیْ صَاحِبَیْهِ، فَقُلْتُ: مِمَّ هٰذَا؟ فَقِیْلَ لِیْ: مَضَیَا وَتَرَدَّدَ عَبْدُ اللّٰہِ بَعْضَ التَّرَدُّدِ ثُمَّ مَضٰی "اِذًا فَقَدْ بَشَّرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زَیْدًا وَ جَعْفَرَ وَ عَبْدَ اللّٰہِ بِالْجَنَّةِ. (رجال مبشرون بالجنة، ص:۳۴۳)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: بحالتِ خواب مجھے یہ تینوں جنت میں سونے کے تختوں پر دکھائے گئے، میں نے دیکھا کہ عبداللہ بن رواحہ کا تخت ان کے دونوں ساتھیوں کے تخت سے دور اور قدرے ہٹا ہوا ہے، میرے پوچھنے پر بتایا گیا کہ زید و جعفر تو بلا خوف و تردد میدانِ کارزار میں کود پڑے اور عبداللہ قدرے تردد کے بعد آگے بڑھے۔ راوی کہتے ہیں: بس اِسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید، جعفر اور عبداللہ کو جنت کی بشارت دی۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان شہدائے موتہ کی شان میں چند درد بھرے اشعار کہے ہیں:

رَأَیْتُ خِیَارَ الْمُؤْمِنِیْنَ تَوَارَدُوْا		شَعُوْبَ وَ خُلِّفْتُ فِیْمَنْ یُّؤَخَّرُ
فَلَا یُبْعِدَنَّ اللّٰہُ قَتْلٰی تَتَابَعُوْا		بِمُؤْتَةَ مِنْهُمْ ذُو الْجَنَاحَیْنِ جَعْفَرُ
وَزَیْدٌ وَعَبْدُ اللّٰہِ حِیْنَ تَتَابَعُوْا		جَمِیْعًا وَأَسْبَابُ الْمَنِیَّةِ تَخْطُرُ

غَدَاةً غَدَوْا بِالْمُؤْمِنِيْنَ يَقُوْدُهُمْ	إِلَى الْمَوْتِ مَيْمُوْنَ النَّقِيْبَةِ أَزْهَرُ

میرا اپنا تو خیال یہ ہے کہ کچھ مؤمنینِ باصفا شرابِ شہادت کو ایک ساتھ پی گئے اور میں تو پیچھے رہ گیا۔

یہ بات تو یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان شہدا کو ضائع نہیں کرے گا، جو یکے بعد دیگرے جنگِ موتہ میں سیادت کو انجام دیتے رہیں۔

ان میں سے ایک ذوجناحین یعنی جعفر، دوسرے زید اور تیسرے عبداللہ ہیں۔

(یہ لوگ ایسے بہادر تھے کہ) موت کی ساری حشر سامانیوں کے باوجود مسلمانوں کو لے کر معرکۂ حق و باطل میں آ کھڑے ہو گئے؛ کیوں کہ موت ان کے لیے صاف وشفاف اور مبارک وخوش بختی (جنت اور دیدارِ الٰہی) کا پیش خیمہ ہے۔ (دیوانِ سیدنا حسان بن ثابت الانصاریؓ، ص: ۴۴، ۴۵)

حضرت زیدؓ کی عمر بوقتِ شہادت

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ: شہادت کے وقت آپؓ کی عمر پچپن برس تھی اور طبقات کی ایک روایت کے مطابق ''اکاون یا باون'' سال کی تھی۔

حلیہ

حافظؒ نے آپؓ کا حلیہ اس طرح بیان کیا ہے: قد پست، ناک چپٹی، رنگ گہرا گندمی تھا۔ اور ابن اثیرؒ کے بیان کے مطابق رنگ کھلا ہوا گندمی تھا۔

ازواج واولاد

حضرت زیدؓ نے اپنی زندگی میں کُل پانچ نکاح کیے:

(۱) حضرت ام ایمنؓ سے۔

(۲) حضرت زینب بنت جحشؓ سے (جو بعد طلاق کے ام المؤمنین بنیں)۔

(۳) حضرت ام کلثومؓ بنت عقبہ بن ابی معیط سے۔ ام کلثومؓ کو جب حضراتِ صحابہ: زبیر بن عوامؓ، زید بن حارثہؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ اور عمرو بن العاصؓ نے نکاح کا پیغام دیا، تو انھوں نے اپنے اخیافی بھائی حضرت عثمان بن مظعونؓ سے مشورہ کیا، انھوں نے کہا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھو! وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید بن حارثہ کے ساتھ نکاح کا مشورہ دیا، چناں چہ پھر حضرت زیدؓ سے نکاح ہو گیا۔ (یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن اروٰی بنت کُریز کی دختر تھیں اور عثمان بن عفانؓ ان کے سوتیلے بھائی ہوتے ہیں)۔

(۴) دُرّہؓ بنت ابی لہب سے۔ (یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچازاد بہن تھیں)۔

(۵) ہند بنت عوامؓ سے۔ (یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں، حضرت زبیر بن عوامؓ ان کے حقیقی بھائی ہوتے ہیں اور ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ان کی حقیقی پھوپھی ہوتی ہیں)۔

حضرت زیدؓ کی کل تین اولاد ہوئیں: حضرت ام ایمنؓ کے بطن سے ایک

صاحبزادے حضرت اسامہ بن زیدؓ۔اور حضرت ام کلثومؓ کے بطن سے دو: زید بن زیدؓ اور رقیہ بنت زیدؓ۔حضرت اسامہؓ کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محبوب ترین صحابی بننے کا شرف حاصل ہوا۔حضرت زید بن زید نے ایامِ حضانت ہی میں وفات پائی اور حضرت رقیہؓ نے بھی حضرت عثمانؓ کے گود میں پرورش پا کر کمسنی ہی میں وفات پائی۔

اوصاف وخصائل

حضرت زید بن حارثہؓ آسمانِ فضائل کے مہرِ عالم تاب ہوئے، یہ وہ واحد صحابی ہیں جن کا نام قرآنِ کریم میں آیا۔اس فضیلت میں ان کا کوئی سہیم وشریک نہیں۔ان کے صحیفۂ اخلاق میں حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، وفا شعاری، شوقِ جہاد، ذوقِ عبادت، فقر وغنا اور انکساری وتواضع کے ابواب سب سے نمایاں ہیں، اپنے اخلاقِ حمیدہ اور جذبۂ فدویت کی بدولت انہیں بارگاہِ رسالت میں درجۂ محبوبیت حاصل ہو گیا تھا اور وہ ''حبِّ نبی'' سے مشہور ہو گئے تھے۔حضرت زیدؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رازوں کے امین ومحافظ تھے، آپؓ ان لوگوں میں سے تھے جن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفارتی وفود اور فوجی دستوں کی قیادت پر متعین فرماتے، اور اپنی عدمِ موجودگی میں مدینہ کے لیے اپنا قائم مقام مقرر فرماتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت زیدؓ سے تعلق ومحبت

جس طرح حضرت زیدؓ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنی بے حد محبت اور تعلق کا اظہار کیا اور اپنے ماں باپ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ترجیح دی، اسی طرح آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ان سے محبت کا اظہار فرمایا اور ان کو اپنے اہل وعیال کے ساتھ شامل کر کے اپنے خاندان کا ایک فرد بنالیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا یہ حال تھا کہ جب حضرت زیدؓ کسی کام کے لیے جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت ان کے لیے بے قرار رہتے اور جب واپس آتے تو بہت خوش ہوتے اور ان سے ملتے وقت بے پناہ خوشی کا اظہار فرماتے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت زیدؓ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کی خوشی ومسرت کے بارے میں فرماتی ہیں:

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ زید سفر سے واپس لوٹے، اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں تشریف فرما تھے، زید نے جب دروازے پر دستک دی تو آپ جلدی سے اٹھ کر ان کی طرف لپکے، اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اطہر پر صرف اتنا ہی کپڑا تھا جس نے آپ کے گھٹنے اور ناف کے درمیانی حصہ کو چھپا رکھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کپڑے کو گھسیٹتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھے، ان کو گلے لگایا اور بوسہ دیا، اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح کپڑے کے بغیر کبھی نہیں دیکھا، نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد۔

حضرت زیدؓ اور ان کے فرزند حضرت اسامہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ جنگِ موتہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہدا کا انتقام لینے کے لیے ایک لشکر تیار کیا؛ اگرچہ اس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت سعید بن زیدؓ، حضرت ابوعبیدہ بن

جراحؓ اور حضرت قتادہ بن نعمانؓ جیسے جلیل القدر صحابہ شامل تھے؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اٹھارہ سالہ اسامہؓ کو اس لشکر کا امیر مقرر فرمایا۔ بعض لوگوں نے جب اس پر تعجب کا اظہار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شدتِ علالت کے باوجود سرِ اقدس پر پٹی باندھے حجرے سے باہر تشریف لائے اور منبر پر رونق افروز ہو کر خطبہ دیا، اس میں ارشاد فرمایا:

مجھے خبر ملی ہے کہ تم میں سے بعض لوگوں نے اسامہ کی سرداری پر اعتراض کیا ہے، لوگو! میرے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، اس سے پہلے تم لوگ اسامہ کے باپ زید کو سردارِ فوج بنانے پر اعتراض کر چکے ہو "وَأَيْمُ اللّٰهِ إِنْ كَانَ لَخَلِيقاً لِلْأَمَارَةِ"، خدا کی قسم! وہ ہر طرح سیادت کے لائق تھا اور مجھے بے حد محبوب تھا اور اس کے بعد اسامہ مجھے تم سے زیادہ محبوب ہے۔ (بخاری: ۳۷۳۰، مسلم: ۲۴۲۶)

سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيْهِ؟ أَجَابَ: "أَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ مَنْ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتُ عَلَيْهِ" (يَعْنِي زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ رضی اللہ عنہ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بِالْإِسْلَامِ وَأَنْعَمَ عَلَيْهِ الرَّسُوْلُ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِالْحُرِّيَّةِ): آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: آپ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جس پر اللہ تعالی نے اسلام کی دولت عطا فرما کر انعام فرمایا اور اللہ کے رسول نے ان کو آزاد کر کے ان پر احسان کیا۔

حضرت براء بن عازبؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''بنتِ حمزہ والی حدیث'' میں زید بن حاثہ سے فرمایا: ''أَنْتَ أَخُوْنَا وَمَوْلَانَا'' تم ہمارے بھائی اور مولی ہو۔ (بخاری)

اسامہ بن زیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید بن حارثہ سے فرمایا: ''يَا زَيْدُ! أَنْتَ مِنِّيْ وَإِلَيَّ وَأَحَبُّ الْقَوْمِ إِلَيَّ'' اے زید! تم میرے مولی ہو اور مجھ سے ہو، میری طرف ہو اور ساری قوم سے زیادہ مجھے محبوب ہو۔

(أحمد، ابن سعد صححه الحاكم ووافقه الذهبي وحسنه الحافظ)

یہ بات تمام مسلمانوں میں شہرت کی حد تک عام تھی کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زیدؓ کے ساتھ بہت زیادہ محبت رکھتے ہیں، اسی وجہ سے ان کو ''زید الحب'' (چہیتے زید) کہہ کر بلاتے اور صحابہؓ انہیں ''حبِ رسول اللہ'' (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب) کے لقب سے پکارتے تھے اور بعد میں لوگوں نے ان کے بیٹے حضرت اسامہؓ کا لقب ''حبِ رسول اللہ'' اور ''ابن حبِ رسول اللہ'' رکھ دیا تھا۔

جاں نثاری کا جذبہ اور تعلقِ محبت

حضرت زیدؓ پر سرورِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے پناہ شفقت بلا وجہ نہیں تھی، فی الحقیقت یہ جلیل القدر شخصیت بے شمار خوبیوں کی حامل تھی، ان کے بے حد و بے انتہا خلوص، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ شیفتگی، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ میں جان قربان کرنے کے جذبے نے انہیں بارگاہِ نبوت میں درجۂ

محبوبیت عطا کر رکھا تھا، مکّی اور مدنی زندگی میں کوئی مصیبت اور سختی ایسی نہ تھی جس میں حضرت زید نے اپنے آقا کا ساتھ نہ دیا ہو۔

نبوت کے چوتھے سال جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکمِ الٰہی کے مطابق علانیہ دعوتِ حق کا آغاز فرمایا اور مختلف قبائلِ عرب کو حق کی طرف بلانا شروع کیا تو لات وعزّیٰ کے پجاریوں کی آتشِ غضب بھڑک اٹھی اور انھوں نے پرستارانِ حق پر بے پناہ مظالم ڈھانے شروع کر دیے۔ اُس پُرآشوب دور میں چشمِ فلک نے کئی بار دیکھا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی قبیلے میں تبلیغِ حق کے لیے جا رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹنی پر اپنے پیچھے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بٹھا رکھا ہے، اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پاپیادہ تشریف لے جا رہے ہیں تو زید بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نثار ہو جانے کا جذبہ دل میں لیے ہوئے ساتھ ساتھ ہیں۔

طائف کا دلدوز واقعہ اس کی بیّن دلیل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ والوں سے ناامید اور پریشان ہو گئے تو طائف والوں کو دعوتِ اسلام دینے کی غرض سے تشریف لے گئے، حضرت زید رضی اللہ عنہ بھی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو دعوت دی تو بجائے اس کے کہ وہ دعوت قبول کرتے الٹا آپ پر طعنے کسنے لگے اور بے تکے وتنزیہ جوابات دینے لگے، اسی پر بس نہیں کیا؛ بلکہ شہر سے باہر نکال دیا اور محلے کے اوباش لڑکوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے لگا دیا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تالیاں پیٹتے، گالیاں دیتے اور پتھر مارتے، جب آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو یہ اوباش ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیتے اور جب چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے۔ اِس نازک اور دردناک موقع سے حضرت زیدؓ ان پتھروں کو اپنے جسم پر روکتے اور اپنے محبوب کی حفاظت فرماتے؛ حتی کہ آپؓ کا چہرہ بھی زخمی ہو گیا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخموں سے چور ہو گئے تو حضرت زیدؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر چل دیے اور اسی حالت میں ان دونوں نے شہر سے باہر ایک باغ میں پناہ لی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں اپنے خدا سے وہ آہ وزاری کی کہ زمین وآسمان تھرّا گئے۔ اس طرح شدید ترین مصائب اور خطرناک ترین لمحات میں حضرت زیدؓ نے اپنی جاں نثاری اور وفا شعاری کا ثبوت دیا۔

ایک شاعر مولانا ضیاء احمد بدایونی بیان کرتے ہیں:

زبدۂ حلقۂ اربابِ وفا حضرت زید	تھے جو مشہور بپسر خواندۂ شاہِ ابرار
متفق ہو کے جنھیں کہتے ہیں سب اہلِ سیر	اولین حلقہ بگوشانِ رسالت میں شمار

شجاعت و بہادری اور شوقِ جہاد

حضرت زیدؓ کی سیرت کا ایک نمایاں پہلو ان کا شوقِ جہاد ہے، شجاعت وبسالت ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور راہِ حق میں سر کٹانے کا جذبہ ہر وقت ان کے سینہ میں موجزن رہتا تھا، آپ ایک ماہر تیر انداز اور مشّاق تیغ زن تھے۔ طبقات کا بیان ہے کہ ان کا شمار لشکرِ اسلام کے ماہر تیر اندازوں میں ہوتا تھا۔

ہجرت کے بعد جب غزوات وسرایا کا سلسلہ شروع ہوا تو بدر سے موتہ تک تمام غزوات میں حضرت زیدؓ نے بڑی پامردی کے ساتھ دادِ شجاعت دی، غزوۂ مریسیع میں چوں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مدینۂ منورہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا؛ اس لیے اس میں شریک نہ ہو سکے۔

مشہور غزوات میں شرکت کے علاوہ حضرت زید صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہ اختلافِ روایت سات یا نو فوجی مہموں (سرایا) کی قیادت کا شرف حاصل ہوا، ان میں سے چند کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) سریۂ قَرَدَہ:

قیادت: حضرت زید بن حارثہؓ

سن: جمادی الاخری ۲ھ یا ۳ھ۔

مقام: نجد کے ایک چشمہ قَرَدَہ کے قریب۔ (قَرَدہ: رَبَذہ اور غَمرہ کے درمیان واقع ہے)

سبب ومقصد: قریش کے ایک تجارتی قافلہ کی روک تھام۔

مسلمانوں کی تعداد: ۱۰۰ (سو)

نتیجہ: دشمن کو عبرت ناک شکست ہوئی اور مسلمانوں نے بہت سا مال غنیمت اونٹ، اسباب وسامان کے علاوہ دشمن کے سردار فرات بن حیان عجلی کو بھی گرفتار کرلیا، جو بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

(۲) سریۂ جُمُوم (جموح)

قیادت: حضرت زید بن حارثہؓ۔

سن: ربیع الثانی ۶ھ۔

مقام: مدینۂ منورہ سے چار میل کے فاصلے پر ایک نخلستان ''جموم'' ہے، وہاں بنی سُلیم قیام پذیر تھے۔

سبب ومقصد: بنی سُلیم کی سرکوبی۔

مسلمانوں کی تعداد: (صحیح تعداد معلوم نہ ہوسکی)

نتیجہ: مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور اونٹ بکریوں وغیرہ مالِ غنیمت کے علاوہ دشمن کے بہت سے آدمی گرفتار ہوئے۔

(۳) سریۂ عِیص:

قیادت: حضرت زید بن حارثہؓ۔

سن: جمادی الاولی ۶ھ۔

مقام: کفارِ قریش کا ایک قافلہ سامان سے لدا بھرا شام سے واپس آرہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے مسلمانوں نے حضرت زیدؓ کی قیادت میں اس کا پیچھا کیا اور مقامِ عِیص پر ان کو گھیر لیا۔

سبب ومقصد: کفارِ قریش کے تجارتی قافلہ کی روک تھام۔

مسلمانوں کی تعداد: ۱۷۰ (ایک سو ستر) سوار

نتیجہ: پورا قافلہ گرفتار کر کے مدینۂ منورہ لایا گیا، مالِ غنیمت میں چاندی کا بہت سا سامان ہاتھ لگا، قیدیوں میں حضرت زینبؓ کے شوہر ابوالعاص بھی تھے، جنھوں نے حضرت زینبؓ کی پناہ حاصل کر کے رہائی پائی اور کفار کا سارا مال واپس کر کے مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

(۴) سریۂ طَرَف:

قیادت: حضرت زید بن حارثہؓ۔

سن: جمادی الاخری ۶ھ۔

مقام: مدینۂ منورہ سے عراق کی جانب چھتیس میل کے فاصلہ پر طرف نامی چشمہ ہے۔

سبب ومقصد: دشمن کے ایک قبیلہ: بنی ثعلبہ کی سرکوبی۔

مسلمانوں کی تعداد: ۱۵ (پندرہ)

نتیجہ: دشمن مسلمانوں سے گھبرا کر مسلمانوں کے وہاں پہنچنے سے پہلے بھاگ گئے اور مقابلہ نہ ہوسکا۔

(۵) سریۂ حُسمیٰ: (سُمی)

قیادت: حضرت زید بن حارثہؓ۔

سن: ۶ھ۔

مقام: حُسمیٰ جہاں بنی جُذام کے لوگ آباد تھے۔

سبب ومقصد: اسلامی سفیر کو لوٹنے کی سزا دینا؛ چوں کہ ان لوگوں نے حضرت دحیہ کلبیؓ کو قسطنطنیہ کی سفارت سے واپسی پر لوٹ لیا تھا۔

مسلمانوں کی تعداد: ۵۰۰ (پانچ سو) سوار۔

نتیجہ: بنی جذام کا سردار ہُنید بن عوض اپنے بیٹے سمیت مارا گیا۔ اور مالِ غنیمت میں ایک ہزار اونٹ، پانچ ہزار بھیڑ بکریاں اور بہت سے قیدی ہاتھ آئے؛ لیکن بنی جُذام کے ایک سربرآوردہ شخص حضرت ابو یزید بن عمروؓ دربارِ نبوت میں موجود تھے، جو پہلے ہی حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے، چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا بہت لحاظ رکھا کرتے تھے، اس لیے ان کی سفارش پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام قیدی بھی چھوڑ دیے اور سارا مالِ غنیمت بھی واپس کر دیا۔

(۶) سریۂ ام قِرفہ فزاریہ (سریۂ وادی القُریٰ)

قیادت: حضرت زید بن حارثہؓ۔

سن: ۶ھ۔

مقام: وادیٔ قُریٰ جہاں بنوفزارہ کے لوگ رہتے تھے۔

سبب ومقصد: رمضان المبارک ۶ھ میں حضرت زیدؓ ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام کی طرف جا رہے تھے کہ وادیٔ قُریٰ کے مقام پر بنوفزارہ کے ایک گروہ نے قافلہ پر چھاپہ مارا اور سامانِ تجارت لوٹ لیا، حضرت زیدؓ کے ساتھ مسلمانوں کی بہت قلیل جمعیت تھی، اسے فزاری رہزنوں کے ہاتھوں سخت نقصان

واذیت اٹھانی پڑی، حضرت زیدؓ بڑی مشکل سے جان بچا کر مدینۂ منورہ پہنچے اور سارے واقعات رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کر دیے؛ چوں کہ اس سے پہلے بھی یہ لوگ ڈکیتی اور رہزنی کی واردات کر چکے تھے، اس لیے ان کی گوشمالی مقصود تھی۔

مسلمانوں کی تعداد: ۱۲ (بارہ)

نتیجہ: مقابلہ کی تاب نہ لا کر سب بھاگ کھڑے ہوئے؛ البتہ ان کی حکمران ام قرفہ بنت ربیعہ بن بدر اور اس کی بیٹی کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا۔

(۷) سریۂ موتہ

قیادت: حضرت زید بن حارثہؓ۔

سن: جمادی الاولی ۸ھ۔

مقام: موتہ۔

سبب و مقصد: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک سفیر حضرت حارث بن عمیر ازدی کو بلقاء کے رئیس شرحبیل بن عمرو غسانی نے مقامِ موتہ پر شہید کر دیا تھا، اس کے انتقام میں یہ سریہ روانہ ہوا تھا، اور امیرِ لشکر حضرت زید بن حارثہؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سفید جھنڈا بھی عطا فرمایا تھا۔

مسلمانوں کی تعداد: ۳۰۰۰ (تین ہزار)

نتیجہ: اس جنگ میں مسلمانوں کے یکے بعد دیگرے تین امیرِ لشکر:

حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ شہید ہوئے، اس کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ نے علَمِ قیادت سنبھالا اور جنگ کا نقشہ ہی بدل دیا۔ دشمن کی مجموعی تعداد دو لاکھ تھی۔

حضرت زیدؓ کا قائدانہ کردار

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی لڑائی میں حضرت زید کو بھیجا ہو اور انہیں اس لشکر کا قائد نہ بنایا ہو، اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے وقت زندہ ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اپنا جانشین بناتے۔

اسی طرح حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: میں سات لڑائیوں میں حضرت زیدؓ کے ساتھ شریک ہوا، میں نے دیکھا کہ ہر لڑائی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو فوج کا سپہ سالار بنایا۔

قابلِ دید مسرّت

حضرت زیدؓ کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خاندان کا ایک فرد تصور فرماتے تھے، اگر کوئی شخص ان کی شان میں کوئی نامناسب بات کہہ دیتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت رنج ہوتا۔ بعض لوگوں نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کے نسب میں طعن کیا، محض اس بنا پر کہ حضرت زیدؓ کا رنگ گندمی تھا اور حضرت اسامہؓ کا سیاہ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ باتیں پہنچتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت ملال ہوتا۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ

صدیقہؓ سے روایت ہے کہ اُسی زمانے میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت ہی شاداں وفرحاں گھر تشریف لائے، اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور جوشِ مسرت سے چمک رہا تھا، آتے ہی فرمایا: عائشہ! جانتی ہو ابھی ابھی مُجَزِّز مدلجی (مشہور قیافہ شناس) آیا تھا، اُس وقت زید اور اسامہ دونوں ایک چادر اوڑھے سو رہے تھے، صرف دونوں کے پاؤں چادر سے باہر تھے، مُجَزِّز نے دونوں کے پاؤں دیکھتے ہی کہا: یہ پاؤں ایک دوسرے سے پیدا شدہ ہیں۔

اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی کی وجہ یہ تھی کہ قیافہ شناس نے حق کی تصدیق کردی جس سے حاسدوں کی زبانیں بند ہوگئیں؛ ورنہ عام حالت میں ایسے لوگوں کی بات حجت نہیں ہوتی اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منجموں، کاہنوں اور قیافہ شناسوں کی بات پر یقین کرنے کو پسند فرمایا ہے۔

حضرت زید اکابر صحابہؓ کی نظر میں

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں صحابہؓ کے وظائف مقرر کیے، تو اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کا وظیفہ ڈھائی ہزار اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کا تین ہزار مقرر کیا۔ حضرت عبداللہؓ نے عرض کیا کہ: میں تمام غزوات میں اسامہ کے دوش بدوش رہا اور آپ بھی کسی لڑائی میں اسامہ کے والد زید سے پیچھے نہیں رہے، پھر میرا وظیفہ آپ نے اسامہ سے کم کیوں مقرر کیا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: جانِ پدر! تم ٹھیک کہتے ہو؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسامہ کو تم سے زیادہ اور اسامہ

کے باپ کو تمھارے باپ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے سالہا سال بعد ایک دن فاروقِ اعظمؓ کے جلیل القدر فرزند حضرت عبداللہؓ نے مسجدِ نبوی کے کسی گوشے میں ایک نوجوان کو دیکھا جس کی پیشانی نورِ سعادت سے درخشاں تھی، ضعیف العمر حضرت عبداللہؓ کو بے اختیار اس کی طرف کشش محسوس ہوئی، پاس ہی عبداللہ بن دینارؒ بیٹھے تھے، ان سے پوچھا یہ نوجوان کون ہے؟ اے کاش! یہ میرے پاس آئے۔ ایک شخص بولا: ابوعبدالرحمن! کیا آپ اسے نہیں جانتے؟ یہ حضرت زیدؓ کا پوتا محمد بن اسامہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ سن کر تعظیم سے گردن جھکالی اور ہاتھوں سے زمین کریدنے لگے، پھر فرمایا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو دیکھتے تو (اس کے باپ دادا کی طرح) اس کو بھی محبوب رکھتے۔ اتنا کہتے کہتے ان کی آواز بھر آئی اور آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔ اُس وقت آپ کو محمد کے دادا حضرت زید بن حارثہؓ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور حضرت زید بن حارثہؓ کی اپنے آقا سے والہانہ شیفتگی یاد آ گئی، اسی یاد نے انہیں بے قرار کر دیا۔

حضرت زید بن حارثہؓ وہی تو تھے جو سرورِ کونین کے محب بھی تھے اور محبوب بھی، جن کی زندگی کے بے شمار لیل ونہار رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گذرے تھے، جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: میں زید کا وارث ہوں اور زید میرا وارث ہے۔ جو کبھی فرزندِ رسول (ابن محمد) کے نام سے مشہور تھے، اسی

لیے تو ان کی اولاد کو دیکھ کر بڑے بڑے رفیع المرتبت صحابہؓ از خود رفتہ ہو ہو جاتے تھے اور انہیں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ مقدس زمانہ یاد آجاتا، جب زید نے اپنا سب کچھ عشقِ حبیب کی نذر کر دیا تھا۔

قرآنِ کریم پر عمل کا شوق وجذبہ

جب آیتِ کریمہ ''لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ'' نازل ہوئی تو حضرت زیدؓ اپنی ''شِبلہ'' نامی اونٹنی لے کر- جو آپؓ کو اپنے مال میں سب سے زیادہ پسندیدہ تھی- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور فرمایا: یہ صدقہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرمالیا اور اس پر ان کے بیٹے حضرت اسامہ کو سوار کر دیا (ان کو ہدیتاً دے دی) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زیدؓ کے چہرے کے تیور دیکھے تو ناگواری کو تاڑ لیا اور فرمایا: ''اِنَّ اللّٰہَ قَدْ قَبِلَھَا مِنْکَ'' اللہ کے یہاں تمھارا صدقہ قبول ہو گیا ہے۔

نبوی خصائل وعادات کی اتباع اور پیروی

حضرت زیدؓ کو سالہا سال رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی، اور ذاتِ رسالت نے خود ان کی تربیت فرمائی؛ اس لیے آپؓ دین ودنیا کے ہر معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرتے تھے، ہمیشہ پیوند لگے اور کھردرے کپڑے پہنتے، اپنی جوتیوں کی مرمت خود کرتے، غذا میں بالعموم جَو کی روٹی ہوتی، دودھ یا پانی میں بھگو کر خوشی خوشی نوش فرمالیتے۔ ایک مرتبہ کسی نے

کہا: ابواسامہ! آپ اتنا گھٹیا لباس پہنتے ہیں؟ حضرت زیدؓ نے اس کے جواب میں فرمایا: ہماری عزت وتوقیر تو بس اسلام سے ہے، قیمتی لباس سے کیا ہوتا ہے!

تواضع وانکساری

حضرت زیدؓ اگرچہ ایک کامیاب فوجی افسر اور دور اندیش سپہ سالار تھے؛ لیکن میدانِ جنگ میں ایک عام سپاہی اور ان کے درمیان کوئی فرق نظر نہ آتا۔ کبھی یہ جذبہ ان کے اندر نہیں دیکھا گیا کہ میں فوج کا سردار ہوں اور دوسرے لوگ میرے ماتحت اور سپاہی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ: حضرت زیدؓ کسی مہم یا سفر پر جاتے تو اپنے لیے کبھی خیمہ نہ لگاتے؛ بلکہ دھوپ کے وقت ایک چادر کسی درخت یا جھاڑی پر ڈال کر اسی کے سائے میں آرام کرلیتے، اپنے ساتھیوں کو بھی سخت کوشی اور سادگی کی ہدایت فرماتے، اگر ساتھیوں کو پانی ضرورت ہوتی تو خود پانی بھر کر لاتے۔ ایک دن کسی پڑاؤ پر اپنے کندھے پر پانی سے بھرے ہوئے مَشک لا رہے تھے، میں نے کہا: اے امیر! یہ مجھے دے دیجیے، فرمایا: تمہیں اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے! یہ کام میں خود ہی کروں گا؛ تاکہ میرے دل اور دماغ میں امارت کی بو پیدا نہ ہوجائے۔

فقر وغنا اور آخرت کا استحضار

فقر وغنا کا یہ عالم تھا کہ گھر میں ایک پرانے بوریے اور چند معمولی برتنوں کے سوا کچھ سامان نہ تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے ان کی انتہائی سادگی پر تعجب کا

اظہار کیا تو فرمایا: ایسے گھر کی آرائش سے کیا فائدہ، جس سے بہت جلد رخصت ہو جانا ہے۔

عبادت واخلاق

آپؓ کو عبادتِ الٰہی سے خاص شغف تھا، رات کو بہت کم سوتے اور زیادہ وقت نماز میں گزارتے، تہجد کا ساری عمر التزام رہا، آخری شب میں اپنے ساتھیوں کو بھی نماز کے لیے جگا دیتے، خشیتِ الٰہی سے اکثر اشکبار رہتے۔ مہمانوں کی بے حد خاطر تواضع فرماتے، مسکینوں، غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور حاجت مندوں کی خدمت فرض سمجھ کر کرتے۔ غرض یہ ہے کہ آپؓ پوری زندگی خشیتِ الٰہی، اطاعت ومحبتِ نبوی، عبادت وتقویٰ اور خدمتِ خلق کی آئینہ دار تھی، یہی وہ اوصاف وخصائل تھے جنھوں نے حضرت زیدؓ کو خیر الخلائق، رحمتِ عالم، محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''محبوب'' بنا دیا تھا۔

کرامت کا ایک واقعہ

حضرت زیدؓ ایک مرتبہ طائف سے مکۂ مکرمہ آ رہے تھے، کرایہ کا خچر ساتھ تھا، مالکِ خچر بھی ہمراہ تھا، جو حقیقت میں ڈاکو تھا۔ اس نے اثنائے راہ ایک ویرانے میں اپنا خچر کھڑا کر دیا، جہاں بہت سارے انسانوں کی بوسیدہ ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں اور آپؓ کو قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، آپؓ نے اپنے مال وزر کی پیش کش کی؛ لیکن اس نے ایک نہ مانی۔ بالآخر حضرت زیدؓ نے اس سے گزارش کی کہ

مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت دی جائے، ڈاکو نے مسخرے پن کے ساتھ کہا: ٹھیک ہے پڑھ لو، تم سے پہلے بھی ان سب (لاشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) نے نمازیں پڑھی تھیں؛ لیکن کسی کو بھی اس کی نماز نے نہیں بچایا۔

خیر! آپؓ نے نمازِ دوگانہ کی نیت باندھ لی، آپؓ نماز سے فارغ ہوئے، ڈاکو قتل کے لیے آگے بڑھا، اس کو آگے بڑھتا ہوا دیکھ کر حضرت زیدؓ نے بلند آواز سے اپنے رب کو پکارا: ''یا ارحم الراحمین'' اس ندا پر فضا میں ایک آواز گونجی: ''یا فلان''! اے فلانے! ''لا تقتله'' ان کو قتل نہ کرنا، ڈاکو اس ناگہانی آواز پر لرز گیا، اِدھر اُدھر دیکھا کچھ نظر نہ آیا۔ پھر ارادہ کیا، حضرت زیدؓ نے پھر وہی کلمہ دہرایا: ''یا ارحم الراحمین'' فضا سے وہی آواز آئی: ''لا تقتله'' قتل نہ کرنا، ڈاکو خوف زدہ ہو گیا، کچھ پیچھے ہٹا، اب بھی اس کو کچھ نظر نہ آیا۔ سنبھل کر پھر آگے بڑھا، حضرت زیدؓ نے تیسری بار وہی فرمایا: ''یا ارحم الراحمین'' اچانک ایک سوار ہاتھ میں نیزہ لیے ہوئے ڈاکو کے قریب پہنچ گیا اور اس پھرتی سے اس کے پیٹ میں مارا کہ نیزہ آر پار ہو گیا، اور ڈاکو مردہ ہو کر گر پڑا۔ حضرت زیدؓ نے اللہ کا شکر ادا کیا، پھر اس سوار سے پوچھا: اللہ تمہیں جزائے خیر دے! تم کون ہو؟

نو وارد نے کہا: میں ساتویں آسمان کا فرشتہ ہوں، جب آپ نے پہلی دفعہ ''یا ارحم الراحمین'' کہا اس وقت مجھ کو حکم ملا: مدد کے لیے پہنچو۔ اور جب آپ نے دوسری بار ''یا ارحم الراحمین'' کہا اس وقت میں آسمانِ دنیا پر تھا اور جب

آپ نے تیسری دفعہ پکارا تو میں آپ کے قریب آ پہنچا اور ڈاکو کا کام تمام کر دیا۔ لا الٰہ الا اللّٰہ۔ یہ واقعہ عہدِ نبوت ہی میں پیش آیا تھا۔

مستدرکِ حاکم نے ایک روایت نقل کی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک فرشتہ ایسے شخص کے لیے مقرر ہے جو اپنی کسی حاجت و مصیبت کے وقت تین مرتبہ "یا ارحم الراحمین" کہہ کر اللہ کو پکارتا ہے، ایسے وقت وہ فرشتہ اس پکارنے والے کو جواب دیتا ہے کہ: ارحم الراحمین تیری جانب متوجہ ہو گیا ہے۔

خلاصۂ کلام

حضرت زیدؓ کی مبارک اور باسعادت زندگی سے ہم سب کو یہ سبق ملتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غلامی دین و دنیا کی سربلندی کا ذریعہ اور باعثِ افتخار ہے؛ چناں چہ جس شخص نے بھی سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غلامی اختیار کی ہے وہ دین و دنیا کی تمام تر سعادتوں اور ترقیوں کو پا گیا ہے، کائنات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات ہی وہ بابرکت ذات ہے کہ جن کی غلامی سے انسان چھوٹا بننے کے بجائے بڑا بلکہ بہت بڑا بن جاتا ہے، ذلیل ہونے کے بجائے معزز ترین انسان بن جاتا ہے، محروم ہونے کے بجائے سیاہ و سفید کا مالک اور صاحبِ نصیب ٹھہرتا ہے، پستیوں میں جانے کے بجائے بلندیوں اور رفعتوں کے اُس مقام تک پہنچ جاتا ہے جس پر آسمان اور چاند و سورج بھی رشک کرے، گمنام ہونے کے بجائے مرجعِ عام

وخاص بن کر نکھرتا ہے، اور چہار دانگِ عالم میں اس کی محبوبیت کی ہوائیں عام ہوجاتی ہیں۔

آیئے! آج سے ہی ہم بھی یہ عہد کریں کہ ہم سچے دل سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک سنتوں کا اتباع کریں گے اور زندگی کے تمام شعبوں میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی غلامی اختیار کریں گے۔ آقا کی غلامی کے کیا کہنے! یہ وہ غلامی ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے ہفت اقلیم کی سلطنت بھی قربان کی جاسکتی ہے۔

مآخذ و مراجع:

① طبقات ابن سعد (عربی) ② اصحاب الرسول (عربی) ③ رجال مبشرون بالجنۃ (عربی) ④ فرسان النہار (عربی) ⑤ دیوانِ سیدنا حسان بن ثابت الانصاریؓ۔ ⑥ حیاۃ الصحابہ ⑦ سیر الصحابہ ⑧ زندگیاں صحابہؓ کی ⑨ صحابہؓ کے واقعات ⑩ طبقات ابن سعد، مترجم، حصہ دوم ⑪ صحابۂ کرام نمبر (ستارہ ڈائجسٹ) ⑫ جرنیل صحابہؓ ⑬ اصحابِ رسول کی یادیں ⑭ خیر البشر کے چالیس جاں نثار ⑮ عہدِ نبوت کے ماہ وسال ⑯ سیرتِ احمد مجتبیٰ ⑰ سیرۃ المصطفیٰ۔

حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ

از قلم: ثاقب نوادوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ

قدیم زمانہ ہی سے شمع اور پروانہ کی روایت برابر چلی آ رہی ہے۔ جہاں شمع جلی پروانے دیوانہ وار اس پر جان نچھاور کرنے لگے۔ کوئی تہذیب وملت ایسی نہیں جس میں یہ فلسفہ قائم نہ ہوا ہو۔ چناں چہ ان جیسے پروانوں کی جاں سپردگی کے افسانے آج تک لوگ سنتے سناتے اور عش عش کرتے ہیں؛ مگر مکہ، مدینہ کی سر زمین پر شمعِ رسالت کے پروانوں نے عشق ووفا، ایثار وقربانی اور جاں نثاری و جاں سپاری کی وہ تاریخ رقم فرمائی جس کی مثال تو درکنار اس کا کوئی شمّہ بھی شاید ہی کسی کے نصیب میں آیا ہو۔ پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے لائے ہوئے دین کی ابدی صداقتوں کے لیے کٹ مرنے کا جذبہ پوری آب وتاب کے ساتھ ان پروانوں کے قلوب میں موجزن تھا، تاریخ کی پگڈنڈیاں جن کے چراغِ لہو سے فروزاں ہیں، جن کے افسانوں میں جرأت وصداقت کے دیپک دمک رہے ہیں، تاریخِ اسلام کے کشادہ سینہ پر فتح ومسرت کے سجے ہوئے تمغے، انہیں اہلِ وفا کے دم سے ہیں۔ اور اس کا چپہ چپہ ان ہی کے سدا بہار کارناموں کی خوشبوئے وفا سے معطر ہے۔

بھلا سکیں گے نہ اہلِ زمانہ صدیوں تک
مری وفا، مرے عشق و جنوں کے افسانے

محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وارفتگی اور والہانہ محبت کی داستان خود ایک جانی دشمن کی زبانی سنیے۔قریش کی وکالت میں آنے والا ''عروہ'' کہتا ہے: ''لوگو! میں نے قیصر کے قصرِ شاہی کا بھی مشاہدہ کیا ہے، کسریٰ کا جاہ وحشم میری نظروں کے سامنے ہے، نجاشی کے پاس بھی باریاب ہوا ہوں؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ محمد کا دربار ''چیزے دگر است''۔ نہ ان جیسا احترام کہیں دیکھا، نہ ان کے ساتھیوں جیسی عقیدت کہیں نظر آئی۔فرماں برداری کا یہ عالم ہے کہ ایک ابرو کا اشارہ کافی، محبت ایسی کہ جان نچھاور کرنے کو ہر دم تیار، تعظیم اس طرح کہ نگاہیں جھکی ہوئیں اور آواز پست، عقیدت ایسی بے مثال کہ وضو کا پانی بھی لوٹ کر اپنے چہروں اور جسموں پر مَل لیتے ہیں، وارفتگی کی انتہا یہ کہ لعابِ دہن تک زمین پر نہیں گرتا، منتظر پروانے اسے ہاتھوں ہاتھ لے لیتے ہیں''۔

ان محبانِ رسول کے ہر فرد کا دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دھڑکتا، ان کی آنکھیں دیدارِ حبیب کے لیے اشکبار رہتیں، انکا ذہنِ رسا ان ہی کے تصور سے گہر بار، اور ان کے لبوں کو ان ہی کی نطق بوسی کا انتظار رہتا تھا۔

قافلۂ اہلِ جنوں کی ترک تازیوں کا ہدف اسلام دشمن طاقتوں کا خاتمہ اور پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع تھا، دنیا نے دیکھا کہ اس ہدف کے حصول کے لیے یہ پروانے مر گئے، کٹ گئے، کھپ گئے؛ لیکن سچ یہ ہے کہ حق کے لیے مٹنے والے اہلِ جنوں کبھی نہیں مٹتے، ہمیشہ رہے ہیں اور رہیں گے تاریخ کے صفحات پر تابندہ

اور لوگوں کے دلوں اور یادوں میں زندہ۔ ان ہی اہلِ جنوں میں سے ایک ''حضرت عبداللہ بن اُنیسؓ'' بھی تھے۔ کاروانِ اہل جنوں کے ساتھ صحرائے عشق میں آبلہ پائی کی رسم نبھانے والے اسی ''عبداللہ بن اُنیسؓ'' کے حالات ناظرین کی خدمت میں پیش کیے جارہے ہیں:

حیات وخدمات

نام ونسب اور قبیلہ

نام: عبداللہ۔ والد کا نام: انیس۔ کنیت: ابویحییٰ

نسب: عبداللہ بن انیس بن اسعد بن حرام بن خبیب بن مالک بن غنم بن کعب بن تمیم بن نفاثہ بن ایاس بن یربوع بن برک بن وبرہ۔

قبیلہ: آپ کا تعلق قبیلۂ بنوقضاعہ سے تھا، اس قبیلہ سے برک بن وبرہ کی اولاد قبیلۂ جہینہ میں مل گئی تھی؛ اس لیے ان کو ''جہنی'' کہا جانے لگا، حضرت عبداللہ بن اُنیسؓ انہیں میں سے تھے۔ نیز آپؓ کا خاندان خزرج کے خاندان بنوسلمہ کا حلیف تھا اس بناء پر آپؓ ''انصاری'' بھی کہلائے۔

(سرورِ کائنات کے پچاس صحابہؓ، ص: ۵۹۷)

جب آپ کا یثرب آنا ہوا تو یہاں کا رہن سہن نہایت خوب معلوم ہوا، آپ نے یہاں چند رفقا بھی بنالیے تھے جن میں سرِفہرست حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ثعلبہ بن عنمہؓ تھے۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ، ص: ۳۲۱ بحوالہ أصحاب الرسول، ص: ۴۷۳)

نکاح اور اولاد

نکاح: آپ کا نکاح بنوسلمہ ہی کی ایک پاکباز خاتون ہزیلہ بنتِ مسعود بن زید سے ہوا جو پہلے ہی سے مشرف بہ اسلام اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ باتمکین پر بیعت ہونے کی سعادت حاصل کر چکی تھیں۔

اولاد: اولاد چار تھیں: عطیہ، عمرو، ضمرہ اور عبداللہ، مولانا محمد اصغر قاسمی صاحب نے اپنی کتاب ''جنگِ طدر کے تین سو تیرہ مجاہد'' میں ایک اور صاحبزادے ''خلاد'' کا بھی ذکر کیا ہے۔ (اسد الغابہ ۳/ ۱۲۰۔ابوداؤد۔استیعاب۔۱/ ۳۴۷ بحوالہ جنگِ بدر کے تین سو تیرہ مجاہد، ص: ۴۲۳۔صور من حیاۃ الصحابہ، ص: ۳۲۱، بحوالہ اصحاب الرسول، ص: ۴۷۳)

قبولِ اسلام

آپ ایک سلیم الطبع صاحب الفطرت انسان تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کی پُر لطف وشیریں آواز اور رقّت وتاثیر سے لبریز انداز میں تلاوتِ قرآن سنی ہی تھی کہ بے اختیار زبان پہ کلمۂ شہادت جاری ہوگیا اور یوں آپ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

بیعتِ عقبۂ ثانیہ اور پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات

آپ جب سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور اللہ و رسول کی محبت قلب وجگر میں موجزن ہوئی اسی وقت سے سب سے بڑی دلی تمنا پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اور ان کی ملاقات تھی۔ چناں چہ وہ وقت بھی آ ہی گیا: موسمِ حج

کی آمد آمد تھی، سوئے حرم جانے والے تیز گام قافلے رواں دواں تھے، اس موقع پر حضرت عبداللہ بن انیسؓ کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، چہرے سے انبساط کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں، بدن کے روئیں روئیں سے فرحت وشادمانی ٹپک رہی تھی، گویا مسرتوں کا ایک جہاں ان کے دامن میں سمٹ آیا تھا، کیوں کہ حُجاج کے خوش قسمت قافلوں میں ایک قافلہ ان کا بھی تھا۔ آج ان کی سب سے بڑی تمنا پوری ہونے جارہی تھی، زندگی میں پہلی بار پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار کی سعادت حاصل ہونے جارہی تھی؛ لیکن وہ اس بات سے انجان تھے کہ اس ملاقات کے بعد تاریخِ اسلامی کی خوبصورت پیشانی کو ان کے نام سے بھی مرصّع کیا جائے گا اور جبینِ تاریخ پر سنہرے قلم سے ان کے کردار بھی لکھے جائیں گے۔ جب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو اپنا دستِ شوق محبوب کے دستِ بابرکات پر رکھ کر بیعتِ عقبۂ ثانیہ کی سعادت سے ہمکنار ہوئے۔

جوشِ ایمانی

امامِ نوویؒ فرماتے ہیں کہ: جب حضرت عبداللہ بن اُنیسؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ اسلام لائے تو ان دونوں نے مل کر بنوسلمہ کے تمام بتوں کو توڑ ڈالا، بعض روایات میں ان کے ساتھ حضرت ثعلبہ بن عنمہؓ کا نام بھی ملتا ہے۔

طالب الہاشمی اپنی کتاب ''سرورِ کائنات کے پچاس صحابہؓ'' میں لکھتے ہیں: بیعتِ عقبۂ ثانیہ کا شرف حاصل کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن انیسؓ جب

مدینہ پہنچے تو ان کے جوشِ ایمانی کی کیفیت یہ تھی کہ حضرت معاذ بن جبلؓ اور بعض دیگر نوجوانوں کے ساتھ مل کر بنوسلمہ کے ایک ایک گھر گئے اور وہاں موجود بتوں کو پاش پاش کر کے باہر پھینک دیا۔

بنوسلمہ کے ایک رئیس: عمرو بن جموح کو بتوں سے بے حد محبت تھی، یہ باحمیت نوجوان رات کو ان کے گھر پہنچے اور ان کے خاص بت کو اٹھا کر غلاظت کے ایک گڑھے میں پھینک دیا۔ عمرو صبح کو بت کی تلاش میں نکلے تو اسے غلاظت میں اوندھے منہ پڑا ہوا پایا، سخت غضبناک ہوئے اور کہنے لگے: جس نے بھی یہ جرأت کی ہے میں اسے ضرور اس کا مزہ چکھاؤں گا۔ پھر بت کو نہلایا، دھلایا، خوشبو لگائی اور اپنی جگہ پر نصب کر دیا؛ لیکن یہ بت شکن نوجوان ہر رات بت کو اٹھا کر غلاظت میں پھینک آتے۔ جب بار بار یہی قصہ پیش آیا تو عمرو بن جموح اپنے بت سے بیزار ہو گئے اور شرفِ ایمان سے بہرور ہو کر ''رضی اللہ عنہ'' کا تمغہ حاصل کیا۔

(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پچاس صحابہؓ، ص:۵۹۸)

حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد اور ان کی صحبت کا التزام

جب شاہِ امم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ آمد کی خبر پہنچی تو پانچ سو نفر پر مشتمل مدینہ کا ایک جمِّ غفیر پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال کی خاطر نکلا جن میں سے ایک حضرت عبداللہ بن اُنیسؓ بھی تھے، مکہ میں محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار کے بعد ہمیشہ آپؓ کے شام و سحر محبوب کے شوقِ وصال اور اشتیاقِ لذتِ دیدار میں گذرتے۔

جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینۂ منورہ میں قدم رنجہ ہوئے تو آپؓ نے ان کی صحبت کو لازم پکڑلیا؛ تاکہ محبوب کے سانچے میں ڈھل کران کے خیال کو اپنا خیال، ان کے کردار کو اپنا کردار اوران کے مشن کو اپنا مشن بنالیں۔

''اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّار'' اور ''رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ'' کی جیتی جاگتی تصویر

حضرت عبداللہ بن انیسؓ ہردم اسلام کا دفاع کرتے رہے اوراسلام دشمن طاقتوں سے لڑتے رہے، تقریباً تمام غزوات میں تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے اوراعدائے اسلام کے مقابلہ میں فولادی چٹان بن کر ڈٹے رہے۔

امامِ نوویؒ فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن انیسؓ غزوۂ بدر، احد، خندق اور دیگر تمام غزوات میں شریک رہے ہیں۔

(تہذیب الاسماء واللغات ۱/ ۲۶ بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۴۶۹)

مولانا سعید انصاری مرحوم نے ''سیرِ انصار'' میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن انیسؓ غزوۂ بدر میں بھی شریک تھے، لیکن جمہوراہلِ سیر نے اصحابِ بدر کی فہرست میں آپؓ کا نام شامل نہیں کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب.

(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پچاس صحابہؓ، ص:۹۹۵)

دکتور سید بن حسین العفانین اپنی کتاب ''فرسان النہار من الصحابۃ الاخیار'' میں رقم طراز ہیں کہ: عبداللہ بن انیسؓ بیعتِ عقبۂ ثانیہ، احد اوراس کے بعد ہونے والے تمام غزوات میں شریک ہوئے؛ البتہ بدر کے موقع پر صحابہؓ کی ایک جماعت

پیچھے رہ گئی تھی، وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ جنگ نہیں ہوگی اور واقعہ بھی یہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نکلے تو جنگ کا ارادہ نہیں تھا، جنگ تو اتفاقاً پیش آئی، پس یہ حضرات حاضر نہ ہوسکے اور انہیں میں سے ''حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ'' بھی تھے۔

آپؓ نبیٔ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے لوث محبت کرتے تھے، جاں نثاری کا یہ عالم تھا کہ پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر اپنے اموال، اسباب حتیٰ کہ جانِ عزیز تک کا نذرانہ پیش کرنے سے دریغ نہ کیا، سچ کہا ہے مرحوم کلیم عاجز نے:

جو خرد کی راہ کو چھوڑ کر کبھی سوئے دشتِ جنوں گیا
اسے پھر نہ رغبتِ جاں رہی نہ خیالِ سود و زیاں رہا

جس کسی انسان کے متعلق یہ معلوم ہوتا کہ اس نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی مول رکھی ہے تو ان کی یہ تمنا ہوتی کہ اس کے ناپاک وجود سے اس سینۂ گیتی کو پاک کردیں، چناں چہ اس مناسبت سے آپؓ کی کچھ عظیم کارکردگیاں اور اپنے محبوب کی خاطر جان کی پرواہ کیے بغیر تنِ تنہا دشمن کی سرکوبی کے کچھ زبردست کارنامے ہیں جسے آپ کی جبینِ حیات کا ''جھومر'' کہا جاسکتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

دشمنِ رسول خالد بن سفیان کا قتل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ میں یہ خبر ملی کہ خالد بن سفیان ہذلی لشکر کشی کے لیے دستوں کے دستے جوڑے وادیٔ عرنہ یا نخلہ میں خیمہ زن ہے، قبیلۂ ہذیل کا ایک سوادِ عظیم اس کے اردگرد جمع ہے، ان کے علاوہ ایک گروہ وہ بھی ہے جو لوٹ

کھسوٹ اور مال و دولت کی حرص وطمع میں اس کے جھنڈے تلے آ گیا ہے۔ یہ لوگ اپنی ناپاک پھونکوں سے چراغِ اسلام کو بجھا دینا چاہتے تھے، حالانکہ خود نورِ خدا ان کی اس حرکت پر خندہ زن تھا۔ (یُرِیدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ).

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محسوس کیا کہ اگر ہذیل کے سردار خالد بن سفیان کا خاتمہ ہوجائے تو تمام لوگ منتشر ہوجائیں گے۔ چناں چہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کی ایک جماعت کے سامنے فرمایا: خالد بن سفیان سے کون نبٹے گا؟'' معاً حضرت عبداللہ بن اُنیسؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، یہ کام میرے سپرد کردیجیے۔

(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پچاس صحابہؓ، ص:۵۹۶)

تقریباً ۳ھ محرم الحرام پیر کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خالد ہذلی کا قلع قمع کرنے کے لیے بھیج دیا۔

(فرسان من عصر النبوۃ، ص:۲۷۷، ۲۸۷، بحوالہ اصحاب الرسول، ص:۴۷۶)

جاتے جاتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ہدایت دی کہ ''سنا ہے وہ میرے مقابلہ کے لیے مقامِ عرنہ میں لشکر تیار کررہا ہے، سوتم جاؤ اور اس کا کام تمام کرڈالو''۔ حضرت عبداللہ بن اُنیسؓ نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! اس خبیث کی کوئی علامت بیان فرمائیں، جس کے ذریعہ میں اس کی شناخت کرلوں، رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تو اسے دیکھ لے تو تجھ پر ہیبت طاری ہو جائے، اور تو اس سے کنارہ کش ہو جائے اور (اس کی بدصورتی سے) تجھے شیطان یاد آ جائے۔ حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اللہ کے رسول! قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو برحق مبعوث فرمایا! میں نے کبھی کسی سے خوف نہیں کھایا۔

(حلیۃ الاولیاء ۲/ ۵، بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۷۷)

حضرت عبداللہ ابن اُنیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ باتیں بنانے اور دشمن کو فریب دینے کی اجازت چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو جی میں آئے کہہ دینا۔ چناں چہ آپ رضی اللہ عنہ نے تلوار حمائل کر کے وادیٔ عرنہ کا رخ کیا۔

اب آیئے! آگے اِس جرأت مندانہ کارنامہ کی روداد خود آپ ہی کے حوالہ سے پڑھتے ہیں۔ فرماتے ہیں: جب میں ہم دوشِ سفر وادیٔ عرنہ پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ (خالد بن سفیان) چلا جا رہا ہے اور مختلف رنگ و نسل اور متعدد قبائل کے لوگ اس کے ہمراہ ہیں۔ جیسے ہی میں نے اسے دیکھا تو میرے دل پہ خوف کا ہلکا سا بادل چھانے لگا، سو میں جان گیا کہ یہی خالد بن سفیان ہے، اور بے اختیار میری زبان سے نکلا: ”صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ“.

عصر کا وقت ہو رہا تھا سو میں نے چلتے چلتے ہی سر کے اشارہ سے نماز ادا کر لی۔ پھر جب میں اس کے قریب پہنچا تو اس نے کہا: کون؟ میں نے کہا: بنو قضاعہ سے تعلق رکھنے والا ایک شخص، سنا ہے کہ تم محمد کے خلاف لشکر تیار کر رہے ہو،

سو میں تمہارے ساتھ شرکت کی غرض سے آیا ہوں۔ اس نے کہا: یہ سارا مجمع انہیں کے خلاف اکٹھا کیا جارہا ہے۔ پھر میں اس کے ساتھ چلنے لگا اور اس سے چکنی چُپڑی باتیں کرنے لگا، اس کی شان میں کچھ اشعار بھی پڑھے، اور کہا کہ تعجب ہے محمد نے اس نئے دین کی ایجاد کر کے لوگوں کو ان کے آباواجداد سے متنفّر کر دیا اور داناؤں کو بے وقوف ٹھہرا دیا۔ وہ کہنے لگا: محمد کا میرے جیسے کسی آدمی سے سابقہ نہیں پڑا۔

پھر چلتے چلتے جب وہ اپنے خیمہ کے پاس پہنچا تو اس کے رفقا خیمہ سے کچھ دور ہٹ کر اس کا پہرہ دینے لگے۔ اس نے مجھ سے کہا: اے دوست! اِدھر آؤ، میں اس کے قریب گیا، اس نے اپنی باندی سے کہا: دودھ دوہ لے، اس نے دودھ دوہا، خالد نے مجھے دیا، میں نے تھوڑا پیا اور اسے دے دیا، پھر اس نے برتن میں منہ ڈالا، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کہ کوئی اونٹ ہو؛ حتی کہ اس کی ناک بھی برتن میں ڈوب گئی، پھر اس نے کہا بیٹھ جاؤ، میں اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ سو جب سب لوگ سو گئے اور چہار جانب سناٹا چھا گیا تو میں نے موقع پا کر اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور اس کی عورتوں کو اس پر نوحہ کرتے چھوڑ کر مدینہ کی جانب رواں دواں ہو گیا۔

(المغازی ۲ / ۵۳۲، بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۷۸)

سیرتِ مصطفیٰ میں مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ نے لکھا ہے کہ: حضرت عبداللہ بن اُنیسؓ نے خالد بن سفیان کو قتل کیا اور اس کا سر لے کر ایک غار میں جا

چھپے، غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا، جب لوگ تلاش میں نکلے تو جالا دیکھ کر غار میں داخل نہ ہوئے۔ بعد ازاں حضرت عبداللہؓ اس غار سے نکلے، شب کو چلتے دن میں چھپ جاتے، اس طرح ۲۳ / محرم کو مدینہ پہنچے، اور خالد کا سر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھ دیا۔ (الطبقات الکبریٰ ۲ / ۳۵۔ شرح مواہب ۲ / ۶۳۔ زاد المعاد ۲ / ۱۰۹۔ البدایہ والنہایۃ ۴ / ۱۴۰ بحوالہ سیرۃ المصطفیٰ ۲ / ۲۶۷)

خود حضرت عبداللہ ابن اُنیسؓ اسی مہم کو بیان کرتے ہوئے یوں غزل سرا ہیں:

تَرَكْتُ ابنَ ثَوْرٍ كَالحُوَارِ وحوله		نَوَائِحُ تَفْرِی كُلَّ جَيْبٍ مُقَدَّدِ
تَنَاوَلْتُهُ وَالظَّعْنُ خَلْفِیْ وَخَلْفَهُ		بِأَبْيَضَ مِنْ مَاءِ الْحَدِيْدِ الْمُهَنَّدِ
عَجُوْمٌ لهام الدارِعِينَ كَأنّه		شَهَابُ غضًى من مُلْهِبٍ متوقّدِ
أَقُوْلُ لَهُ وَالسَّيْفُ يَعْجُمُ رَأْسَهُ		أَنَا أُنَيْسٌ فَارِسٌ غَيْرُ قُعْدُدِ
وَقُلْتُ لَهُ: خُذْهَا بِضَرْبَةِ مَاجِدٍ		حَنِيْفٍ عَلٰى دِيْنِ النَّبِيِّ مُحَمَّدِ
وَكُنْتُ إِذَا هَمَّ النَّبِيُّ بِكَافِرٍ		سبَقْتُ إِلَيْهِ بِاللِّسَانِ وَبِالْيَدِ

(السیرۃ لابن ہشام ۴ / ۲۴۲، ۲۴۴۔ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۴ / ۱۴۲، ۱۴۳)

ترجمہ: (۱) میں اس (خالد بن سفیان) بیل کے بچے کو اونٹنی کے بچے کی طرح تڑپتا چھوڑ آیا، دراں حالیکہ عورتیں گریبان چاک کر کے اس کے اوپر نوحہ کر رہی تھیں۔

(۲) میں اس کے پاس ہندوستانی تیز تلوار لے کر پہنچا، دراں حالیکہ

عورتیں میرے اور اس کے پیچھے تھیں۔

(۳) زرہ پوشوں کے ایک زبردست لشکر کا منظر ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا کہ سلگتی بھڑکتی آگ کا انگارہ۔

(۴) میں اس وقت کہہ رہا تھا جب تلوار اس کا سر چاٹ رہی تھی کہ میں شہسوار ''ابن انیس'' ہوں، کوئی اپاہج نہیں۔

(۵) اور میں نے اس سے کہا مجھ جیسے دینِ محمدی پر قائم، شریف اور ہلکے پھلکے انسان کا وار ہی تیرے لیے کافی ہے۔

(۶) اور میرا حال تو یہ ہے کہ جب نبی کسی کافر کو انجام تک پہنچانے کا ارادہ فرماتے ہیں تو میں اس کی طرف زبان اور ہاتھ سے سبقت کرتا ہوں۔

دشمنِ اسلام ابورافع یہودی کے ناپاک وجود کا خاتمہ

جب غزوۂ خندق کا معرکہ نمٹ گیا اور اللہ جلّ جلالہ نے تمام احزاب اور لشکروں کو شکست دی اور اُدھر بنوقریظہ بھی اپنے انجام کو پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والے دشمنانِ اسلام کی فہرست میں ایک نام حاکمِ خیبر ابورافع سلاّم بن ابی الحُقیق کا بھی سامنے آیا۔

یہ شخص تھا تو انتہائی کنجوس اور بخیل، مگر شدتِ عداوت کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مسلمانوں کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرنے کی خاطر خطیر رقوم خرچ کیا کرتا تھا، بنونضیر کے یہودیوں کو اسلام کے خلاف بھڑکاتا، اکساتا اور رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دھوکا دہی کے حیلے سکھاتا، ان لوگوں نے اس کی گھناؤنی تدبیریں اپنا کر اس کے مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش بھی کی؛ مگر اللہ تعالیٰ ان کی مکاریوں کے خنجر انہیں کے شہ رگ پر لوٹا دیتے، وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ.

ایک مرتبہ قبیلۂ خزرج کی ایک مجلس میں ابورافع کی دشمنی کا تذکرہ چھڑا اور یہ کہ کس طرح اوس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت میں کوشاں رہنے والے گستاخِ رسول، دریدہ دہن کعب بن اشرف کو واصلِ جہنم کیا تھا۔ چوں کہ قبیلۂ اوس اور خزرج دونوں اللہ کی خوشنودی کی خاطر بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن کعب بن مالک کی روایت میں ہے کہ: اوس والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت و تائید میں کوئی کارنامہ انجام دیتے نہیں کہ خزرج بول اٹھتے: خدا کی قسم! یہ اس کے ذریعہ ہم سے فضیلت نہیں لے جاسکتے، پھر اس وقت تک چین سے نہ بیٹھتے؛ جب تک کہ اس جیسا کوئی کارنامہ انجام نہ دے لیتے، اور جب خزرج والے کوئی کام کرتے تو اوس والوں کا رویہ بھی اسی طرح کا ہوتا۔

(البدایہ والنہایہ ۴ / ۷ ۱۳، بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۱۷۴)

سو جب اوس والوں نے کعب بن اشرف کے قتل کی سعادت حاصل کی تو بھلا خزرج والے کب پیچھے رہ سکتے تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ابورافع

کے قتل کی اجازت چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی۔ چناں چہ خزرج کے قبیلۂ بنوسلمہ میں سے پانچ جانباز تیار ہوئے جن میں ایک ''حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ'' بھی تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی امارت حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی، بچوں اور عورتوں کے قتل سے منع فرمایا اور انہیں رخصت کیا۔

(الدرر:۲۰۹، المغازی ۱/ ۳۹۱، بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۲۷۴)

سربکف مجاہدین کی یہ جماعت اللہ کا نام لے کر نکلی؛ حتی کہ جب خیبر پہنچی تو آفتاب اپنی رعنائیاں کھو کر غروب ہونے کو تھا۔ لوگ اپنے اپنے مویشیوں کو لے کر گھروں کی جانب لوٹ رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: آپ حضرات ادھر ہی ٹھہریں، میں دربان کے پاس جا کر کچھ باتیں بناتا ہوں، شاید اندر جانے کا موقع مل جائے، وہ آگے بڑھے، یہاں تک کہ دروازے کے بالکل قریب ہو گئے اور قضائے حاجت کی ہیئت میں کپڑا سمیٹ کر بیٹھ گئے، جب سب لوگ داخل ہو گئے تو ''بوّاب'' نے ان کو آواز دی: اوئے بندۂ خدا! میں دروازہ بند کر رہا ہوں، تجھے اندر آنا ہے تو آجا۔ اب کیا تھا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اندر داخل ہو گئے اور پاس ہی میں چھپ کر بیٹھ گئے، پھر دربان نے کواڑ لگا دیے اور چابی روشن دان میں رکھ کر چلا گیا۔

جب شب اپنے شباب پر آئی اور رات کی تاریکی نے گہرے سیاہ پردے لٹکا دیے تو حضرت عبداللہ ابن عتیک رضی اللہ عنہ اٹھے اور قلعہ کا دروازہ کھول کر اپنے ساتھیوں

کو اشارہ کیا، اشارہ ملتے ہی یہ حضرات بڑی سرعت کے ساتھ قلعہ میں پہنچ گئے، اور چند ساعتوں کے بعد یہ حضرات ابورافع کے کمپاؤنڈ میں تھے۔ اندر گئے اور قلعہ نما گھر کے جس دروازے کو بھی کھولتے تو دروازہ اندر سے بند کرتے جاتے، گستاخِ رسول دشمنِ خدا بالاخانہ میں رہا کرتا تھا، سو یہ حضرات اوپر اس کی دہلیز پر پہنچ گئے اور دستک دی، اس کی بیوی نے پوچھا: کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہم عرب کے لوگ ہیں کچھ کھانے کو ملے گا؟ اس نے کہا: اندر آجاؤ، وہ رہے تمہارے ساتھی، چناں چہ یہ حضرات اندر گئے اور دروازہ بند کرلیا۔ ابورافع اپنے بستر پر محوِ آرام تھا، سب کے سب تلوار لے کر بجلی کی طرح اس پر ٹوٹ پڑے، یہ دیکھ کر اس کی بیوی چیخنے لگی؛ تاکہ اہلِ قلعہ خبردار ہوجائیں تو ان میں سے ایک نے اپنی تلوار اس کے سر پر اٹھائی، مگر عورتوں کے ساتھ تعرض نہ کرنے کے دیے گئے فرمانِ نبوی نے اس کے ہاتھ روک دیے اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو آج کی رات اس کی بھی آخری رات ہوتی۔ (البدایہ ۴/ ۱۳۷، بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۷۲)

حضرت عبداللہ ابن عتیکؓ ابورافع کے قتل کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جب ہم نے تلواروں کے ذریعہ اس پر وار کیا تو ''حضرت عبداللہ ابن اُنیسؓ'' نے اس کے شکم پر تلوار رکھ کر دبائی اور پھاڑتے چلے گئے، اس وقت ابورافع کی زبان سے نکل رہا تھا ''بس بس، کافی ہے، اتنا کافی ہے''۔

(البدایہ والنہایہ ۴/ ۱۲۷، بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۷۳)

اس طرح یہ پانچوں جاں باز اپنی مہم میں فتح کا پھریرا لہرا کر نکلے، حضرت عبداللہ ابن عتیکؓ کی بینائی کمزور تھی، سو وہ زینہ سے گر پڑے جس کی بنا پر ان کے ہاتھ میں اور اکثر روایات کے مطابق پاؤں میں موچ آ گئی۔ ابن ہشام کی روایت میں مذکور ہے کہ: ہم انہیں اٹھا کر بھاگ نکلے، اور قلعہ سے دور ایک بڑے نالے میں جا کر روپوش ہو گئے، یہودیوں نے مشعلیں جلائیں اور چہار جانب طلب و جستجو کے گھوڑے دوڑا دیے؛ مگر تلاشِ بسیار کے بعد ہماری پرچھائیاں بھی ان کے ہاتھ نہ لگ سکیں اور وہ کفِ افسوس ملتے ہوئے لوٹ گئے۔

جب خطرات ٹل گئے تو یہ لوگ آپس میں کہنے لگے: کس طرح پتہ لگایا جائے کہ وہ دشمنِ خدا مر چکا ہے؟ تو جاں نثار رسول حضرت عبداللہ بن اُنیسؓ اس پُرخطر مہم کے لیے تیار ہوئے اور نکل کھڑے ہوئے؛ حتی کہ جب لوگوں کے جمگھٹے میں پہنچے تو ایک نسوانی آواز سنائی دی، ابورافع کی بیوی کہہ رہی تھی: یہود کے معبود کی قسم! یہ تو مر گئے۔ یہ سننا تھا کہ حضرت عبداللہ ابن اُنیسؓ کا دل باغ باغ ہو گیا، واپس ہوئے اور اپنے ساتھیوں کو یہود کے بے بہبود خدا کی موت کی خوشخبری سنائی، اس کے بعد فتح مند مجاہدوں نے اپنے امیر کو اٹھایا اور چل دیے۔

مدینہ پہنچ کر جب بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے تو پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں دیکھ کر بے ساختہ کہہ اٹھے: أَفْلَحَتِ الْوُجُوْهُ! کامیابی ہو، انہوں نے بھی کہا: أَفْلَحَ وَجْهُكَ! آپ کے لیے بھی کامیابی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم لوگوں

نے اسے مار ڈالا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! چوں کہ ان پانچوں حضرات میں سے ہر ایک اس کے قتل کا دعوے دار تھا، سو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنی اپنی تلوار لاؤ! جب انہوں نے اپنی اپنی تلوار پیش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ کی تلوار کو سونگھ کر فرمایا: اسی نے اسے قتل کیا ہے کہ مجھے اس پر غذا کے اثرات دکھائی دے رہے ہیں۔

(البدایہ والنہایہ ۴/ ۱۳۸۔ سیرۃ ابن ہشام ۲/ ۶۷۵، بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۷۳)

پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی اس تمغہ کے ملنے سے حضرت عبداللہ ابن انیس رضی اللہ عنہ بے حد مسرور ہوئے، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان لوگوں کو دادِ شجاعت دی شاعرِ اسلام حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ یوں گویا ہوئے:

للّٰہ درُّ عصابۃ لاقیتھم		یابن الحقیق وانت یابن الاشرفِ
یَسِرُوْنَ بالبِیض الخفافِ علیکم		مَرَحًا کأُسْدٍ فی عرینٍ مُغْرَفِ
حتی أتوکم فی محلّ بلادکم		فَسَقُوْکُمْ حَتْفًا بِبِیْضٍ ذُفَّفِ
مُسْتبصِرِیْنَ لِنَصرِ دِیْنِ نبیّھم		مستصغرینَ لکلِّ امرٍ مُجْحفِ

(البدایہ ۴/ ۱۳۸، بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ: ۴۷۴۔ قصۂ مقتل سلام بن ابی الحقیق اسنادا ابن اسحاق مرسل صحیح الی عبداللہ بن کعب، ورواہ مالک فی الموطا ۲/ ۴۴۲، بحوالہ اصحاب الرسول: ۴۷۸، ۴۷۹)

ترجمہ: (۱) اے ابن حُقیق اور اے ابن اشرف! کیا ہی بہترین ہے وہ

جماعت جس سے تمہاری مڈبھیڑ ہوئی۔

(۲) وہ جماعت تمہاری جانب تیز تلواریں لے کر بڑی جرأت کے ساتھ اس طرح لپکی جس طرح شیر اپنی کچھار سے نکلتا ہے۔

(۳) تا آنکہ وہ لوگ تمہیں تمہارے ہی علاقہ میں آملے اور اپنی تیز تلواروں کے ذریعہ تمہیں موت کا مزہ چکھادیا۔

(۴) ہاں! ان کی نگاہوں میں اپنے نبی کے (لائے ہوئے) دین پر مرمٹنے کی بڑی اہمیت تھی، اور اس کے مقابلہ میں ہر بڑا کام ان کی نگاہوں میں ہیچ تھا۔

دشمنِ خدا اُسَیر بن رزام کے قتل کا سہرا حضرت عبداللہ بن اُنیسؓ کے سر

ابورافع سلّام بن ابی الحقیق کے قتل کے بعد یہود ایک جٹ ہوئے اور اسیر بن رزام کو اپنا فرماں روا مقرر کیا۔ یہ بدبخت بھی مکروفریب میں اپنے سابق فرماں روا سے کچھ کم نہ تھا؛ بلکہ یہ تو ایک بہادر شخص تھا، اپنی دلیری کو کام میں لاکر غدروفریب کے جال بننے میں بھرپور کوشش صرف کرتا اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے نت نئی ترکیبیں سوچتا۔ ایک دن یہود کو خطاب کرکے کہنے لگا: خدا کی قسم! محمد کی کسی بھی یہودی تک رسائی نہیں ہوسکتی؛ مگر یہ کہ وہ اپنے کسی ساتھی کو بھیجے اور وہ اس کے منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچادے، لیکن میں تنِ تنہا وہ کارنامہ انجام دے سکتا ہوں جو میرے ساتھی نہیں دے سکتے۔ یہود کہنے لگے: وہ کون سا کام ہے جسے

تو تو کرسکتا ہے لیکن تیرے ساتھی نہیں کر سکتے؟ اس نے کہا: میں غطفان جاؤں گا اور وہاں کے لوگوں کو اکٹھا کروں گا۔

چناں چہ اس نے غطفان جا کر لوگوں کو جمع کیا اور کہنے لگا: اے یہود کی جماعت! چلو ہم محمد کے یہاں چلتے ہیں؛ کیوں کہ ان کے علاقہ میں ہی جا کے ان کے کسی بھی آدمی پر موقع پا کر حملہ کیا جا سکتا ہے، وہ لوگ کہنے لگے: کیا ہی خوب رائے ہے! اور اس منصوبہ کی تکمیل کے لیے تیار ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُسیر کے اس برے ارادے کی خبر پہنچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو تیس شہسواروں کے جلو میں اُسیر کی جانب روانہ فرمایا۔ اس سریہ میں حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید کی کہ اسیر کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئیں، اور حکمت کے ساتھ اس سے باتیں کریں۔ مقصود یہ تھا کہ کسی طرح بھی سمجھا بجھا کر خاطر مدارات کے ذریعہ ہی سہی اسے اپنے سے قریب کرلیں؛ تاکہ وہ دینِ حق کی جانب مائل ہو جائے۔

اب آیئے! آگے کا قصہ حضرت عبداللہ ابن انیس رضی اللہ عنہ ہی کی زبانی سنیں، فرماتے ہیں کہ: ہم نکلے اور خیبر پہنچ کر اُسیر کو یہ پیغام بھیجا کہ ہم امن چاہتے ہیں؛ تاکہ جو پیغام ہم لے کر آئے ہیں تمہارے سامنے پیش کریں، اس نے کہا: ٹھیک ہے، کیا تمہارا یہ پیغام میرے ہی لیے ہے؟ ہم نے کہا: ہاں۔ پھر ہم اس کے پاس

گئے اور کہا: یقین جانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں تیرے پاس اس لیے بھیجا؛ تاکہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاکر بات چیت کرلے (صلح کرلے) وہ تیرے ساتھ اچھی طرح پیش آئیں گے اور تجھے خیبر پر عامل برقرار رکھیں گے۔ اسیر کو اس میں رغبت ہوئی اور اس نے یہودیوں سے جانے کے سلسلہ میں مشورہ کیا تو انہوں نے اسے جانے سے روکا اور کہنے لگے: محمد بنو اسرائیل کے کسی آدمی کو عامل نہیں بنا سکتے، اس نے کہا: کیوں نہیں؛ جب کہ ہم جنگ سے تنگ آچکے ہیں۔ چناں چہ وہ اور اس کے ساتھ تیس یہودی نکلے۔

اُس وقت صحابہؓ کو یہ خیال بھی نہ گذرا تھا کہ راستے میں ان یہودیوں کو قتل کردیں گے؛ مگر یہود کی رگ رگ میں غداری پیوست تھی جس سے صحابہؓ بہ خوبی واقف تھے، چناں چہ ان میں کا ہر ایک شخص ایک یہودی کا ردیف بن کر پیچھے بیٹھ گیا؛ تاکہ ہمیشہ ان ازلی دشمنوں سے چوکنّا رہے؛ لیکن جس خطرے کا اندیشہ تھا وہی پیش آیا۔

چناں چہ حضرت عبد اللہ ابن انیسؓ فرماتے ہیں: چلتے چلتے جب ہم ''قرقرۂ ثبار'' نامی جگہ پر پہنچے (جو خیبر سے چھ میل کی دوری پر ہے) تو اُسیر کو اپنے اس فیصلہ پر پشیمانی ہوئی اور ہم نے بھی اس کی پشیمانی بھانپ لی۔ چناں چہ کچھ دیر بعد اس نے میری تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا تو میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا: اے دشمنِ خدا! غداری سے باز رہ، پھر میں نے سونے جیسی ہیئت اختیار کرلی؛ تاکہ

دیکھوں کہ وہ کیا کرتا ہے، تو دوبارہ اس (بدبخت) نے تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا اور تلوار بھی لے لی، مگر میں تیزی کے ساتھ سواری سے اترا اور اس کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور اسی تلوار سے اس پر وار کیا جس کے نتیجہ میں اس کے پاؤں کا پچھلا حصہ کٹ گیا اور وہ سواری سے گر پڑا، گرتے گرتے اس نے اپنے ہاتھ میں موجود عصا کو میرے سر پر دے مارا جو میرے سر پر ایک گہرا زخم چھوڑ گیا۔ ادھر یہ ماجرا دیکھ کر میرے دوسرے ساتھیوں نے بھی تمام یہودیوں کا کام تمام کر ڈالا، سوائے ایک کے جو ہم میں سے کسی کی پکڑ میں نہ آ سکا۔

پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں پہنچے اور پورا واقعہ بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے تمہیں ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمائی ہے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے زخم پر پھونک ماری، اس کے بعد وہ اور آج کا دن؛ کبھی مجھے کوئی تکلیف محسوس نہ ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔

(المغازی ۲ / ۵۶۷۔ سیرۃ حلبیہ ۳ / ۱۸۷، بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶۔ موسوعۃ الغزوات الکبری، صلحِ حدیبیہ: ۹۹، ۱۰۰ بحوالہ فرسان النہار، ص: ۱۰۹)

زندگی کے روشن لمحات

شوقِ جہاد

جب بھی جہاد کا اعلان ہوتا آپؓ بغیر کسی تأمل و ناگواری کے زمزمہ بار

صدائے حق ''لبیک، لبیک'' کہتے ہوئے نکل پڑتے۔غزوۂ خیبر کے وقت آپ کی رفیقۂ حیات حمل کے آخری ایام میں چل رہی تھیں؛ لیکن اس حال میں بھی آپؓ نکل پڑے اور حیرت واستعجاب کی بات یہ ہے کہ اہلیہ محترمہ بھی نکل پڑیں۔

چناں چہ حافظ بیہقیؒ نے ایک حدیث تخریج کی ہے، جس میں حضرت عبداللہ ابن اُنیسؓ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیبر کی جانب نکلا، میرے ساتھ میری بیوی بھی تھی جو حمل سے تھی اور ہوا یہ کہ راستہ ہی میں ولادت ہوگئی۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر دی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اس کے لیے کھجور؛ پانی میں رکھ چھوڑ، تاکہ وہ اسے پی لے''۔سو میں نے ایسا ہی کیا، پھر کوئی ناگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مالِ غنیمت میں تو عورتوں کا حصہ مقرر نہیں فرماتے تھے؛ البتہ انہیں عطیات سے نوازتے، چناں چہ جب ہم نے خیبر فتح کرلیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری بیوی اور پیدا ہونے والے بچے کو بھی عطیات سے نوازا۔

(السیرۃ الحلبیہ ۳/۱۸۷، بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۴۷۹)

لیلۃ الجہنی

آپؓ کی زندگی کے بعض گوشے ایسے ہیں جو آپ کی شخصیتِ عظمیٰ میں چار چاند لگا دیتے ہیں۔آپؓ جب سے مشرف بہ اسلام ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوکر نبوی ہدایت کے چشمۂ صافی سے سیرابی حاصل کرتے رہے،

آپؓ کی یہ تمنا ہوتی کہ کاش رات و دن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں گذریں؛ مگر اپنی صحرائی بستی سے روزانہ بارگاہِ نبوی میں باریاب ہونا ممکن نہ تھا۔

ایک مرتبہ رمضان المبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شبِ قدر کے سلسلے میں دریافت کیا؛ تاکہ شب بیداری اور قیام اللیل کا اہتمام مسجدِ نبوی میں ہوسکے۔ روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انہوں نے کہا: میرا گھر دور ہے، سو آپ شبِ قدر کی تعیین فرمادیں، تاکہ میں اُس شب آجاؤں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو تیئسویں رمضان کی رات کو آجا۔

(جامع الاصول ۵/ ۲۵۲۔الاستیعاب ۲/ ۲۵۰، بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۸۰)

چناں چہ حضرت عبداللہ ابن انیسؓ اس رات کے انتظار میں رہے؛ حتی کہ جیسے ہی وہ رات قریب آئی آپ عصر کی نماز میں مسجدِ نبوی میں داخل ہوئے اور اپنی کسی ضرورت کی خاطر نہ نکلے، یہاں تک کہ صبح کی نماز ادا کرلی۔ نماز سے فراغت کے بعد مسجد کے سامنے اپنی سواری پر بیٹھے اور جنگل کی جانب چل دیے۔

(ابوداؤد۔ جامع الاصول ۹/ ۲۵۲، بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۸۰)

اس کے بعد سے یہ رات مدینہ میں (حضرت عبداللہ ابن اُنیس جہنی کی جانب منسوب کرکے) ''لیلۃ الجُہنی'' کے نام سے مشہور ہوگئی۔ چناں چہ جب جب حضرت عبداللہ بن اُنیسؓ اس رات مدینہ آتے تو اہلِ مدینہ انہیں گھیر لیتے۔

(السیرۃ الحلبیہ ۲/ ۵ بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص ۴۸۰)

اسلامی احکام پر سختی سے کاربند ہونا

آپؓ اللہ اور رسول کی حکم عدولی کرنے والے کے ساتھ بڑا سخت رویّہ رکھتے تھے۔ چناں چہ جب ماعز اسلمیؓ سے گناہ سرزد ہوگیا تو انہوں نے نبیٔ کریم کے پاس آ کر اعترافِ زنا کیا، چوں کہ وہ شادی شدہ تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مقامِ حرّہ لے جانے کا حکم دیا اور حضرت ابوبکرؓ کو ان کے ساتھ بھیجا؛ تاکہ وہ انہیں سنگسار کردیں۔ جب انہیں رجم کیا جانے لگا تو وہ تاب نہ لاکر حرہ کی جانب بھاگے، مگر مُکَیمَنْ میں پکڑے گئے اور جس نے انہیں پکڑا وہ حضرت عبداللہ بن اُنیس تھے۔ یہ انہیں مارتے ہوئے لائے؛ یہاں تک کہ ان کی روح قبض ہوگئی۔ جب آپؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے انہیں کیوں نہیں چھوڑ دیا، ممکن تھا کہ وہ توبہ کرلیتے اور ان کی توبہ قبول ہوجاتی۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۴۸۱)

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں آپؓ کی قدر ومنزلت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ مبارک میں آپؓ کی بڑی قدر ومنزلت تھی، وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے پوری طرح واقف تھے؛ حتی کہ ان کے احوال اور رہن سہن تک سے واقفیت رکھتے تھے۔ چناں چہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ''حِمْیَر'' کے ایک آدمی آئے، اسلام لائے، اور وفات پاگئے، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان صاحب کے کسی مسلمان وارث کو تلاش

کرو۔ لوگوں نے بڑی چھان بین کی مگر کوئی نہ مل سکا، سو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نسب میں جو قضاعہ کے سب سے قریب ہو اس کے حوالے کر دو، جب دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ تو حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

(طبقات ابن سعد ۷ / ۴۹۸، بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۸۱)

محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات اور غموں کا پہاڑ ٹوٹنا

آپ رضی اللہ عنہ برابر پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہے؛ حتی کہ حبیب کے رحلت فرما جانے کا اندوہناک واقعہ پیش آیا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جدا ہونا گویا ان کے اوپر رنج والم کا پہاڑ ٹوٹنا تھا، مارے غم کے قریب تھا کہ ان کا دل پھٹ پڑے، زمین اپنی تمام تر کشادگیوں کے باوجود ان پر تنگ ہو چکی تھی، آپ کے حزن وملال کا اندازہ آپ کے اُن اشعار سے لگایا جا سکتا ہے، جو آپ نے روتے روتے کہے:

تَطَاوَلَ لَيْلِيْ وَاعْتَرَتْنِيْ الْقَوَارِعُ		وَخَطْبٌ جَلِيْلٌ لِلْبَلِيَّةِ جَامِعُ
غداةَ نَعَى النَّاعِيْ إِلَيْنَا مُحَمَّدًا		وَتِلْكَ الَّتِيْ تَسْتَكُّ مِنْهَا الْمَسَامِعُ
فَلَوْ رَدَّ مَيْتًا قَتْلُ نَفْسِيْ قَتَلْتُهَا		وَلٰكِنَّهُ لَايَدْفَعُ الْمَوْتَ دَافِعُ
وَلٰكِنَنِيْ بَاكٍ عَلَيْهِ وَمُتبعٌ		مصيبتَه انّی إِلَى اللّٰهِ رَاجِعُ

(طبقات ابن سعد ۲ / ۳۲۱، ۳۲۰، بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۸۲)

ترجمہ: (۱) میری راتیں دراز ہو گئیں اور مجھ پر مصائب ٹوٹ پڑے اور پے در پے بڑی بڑی مشکلات نے مجھے آ گھیرا۔

(۲) صبح کے وقت موت کی خبر سنانے والے نے محمد کی وفات کی ایسی (دلخراش) خبر سنائی جسے سن کر ہمارے کان جواب دے گئے۔

(۳) اے کاش! میری جان کا نذرانہ اس نفسِ نفیس کو لوٹا دیتا تو میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیتا؛ لیکن موت کو کوئی چیز روک نہیں سکتی۔

(۴) لیکن میں ان پر آہ و بکا کر رہا ہوں اور ان کی مصیبت کو (اپنے اوپر) اوڑھنے والا ہوں کہ میں بھی اللہ ہی کی طرف لوٹنے والا ہوں۔

دورِ خلافت میں مثالی کردار

پیارے رسول کی جدائی کے بعد جب حضرت ابو بکرؓ نے زمامِ خلافت سنبھالی تو اس وقت بھی فدائے اسلام حضرت عبداللہ بن اُنیسؓ وہ مخلص جنگجو ثابت ہوئے جو اللہ کے راستے میں قتال صرف اس لیے کرتے کہ کلمۃ اللہ بلندی کو پہنچے اور کلمۂ کفر پستی کی کھائیوں میں جا گرے اور منصۂ شہود پر خدا کا یہ فرمان ظہور پذیر ہو "وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا"، "وَ كَلِمَةُ الَّذِيْنَ كَفَرُو السُّفْلٰى". آپؓ خلیفۂ اول کے ترتیب دیے ہوئے لشکر میں شامل ہوئے؛ تاکہ مرتدین کا قلع قمع کریں اور مسلسل دادِ شجاعت دیتے رہے؛ حتی کہ بفضل اللہ جزیرۃ العرب در ماندہ ہو کر اسلام کے قدموں میں آ گرا۔

جب مسلمانوں کے فتح یاب لشکر زمین کے بیشتر حصوں میں پھیلتے گئے تو حضرت عبداللہ ابن انیسؓ بھی ان میں شامل ہوئے اور مصر تک پہنچ گئے، پھر فتحِ

افریقہ کے بعد وہاں اشاعتِ اسلام میں شرکت کی سعادت حاصل کی اور اخیر عمر تک خلفائے راشدین کے سائے تلے مخلص مجاہد اور متحرک غازی بن کر رہے۔

(رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۸۲)

ہدیہ اور جنت کی بشارت

عہدِ رسالت میں جب آپؓ نے بڑے زبردست کارنامے انجام دیے اور ان مصیبتوں کو جھیلا جسے باری تعالیٰ نے ''بلائے حسن'' سے تعبیر کیا ہے، تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے بہت خوش ہوئے۔ چناں چہ جب آپ تنِ تنہا خالد بن سفیان ہذلی کے لشکر میں جا کر اسے جہنم رسید کر آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں جنت کی بشارت دی اور وہ تاریخی ہدیہ دیا جو اسلامی تاریخ کے حسین رخسار پر خوبصورت تل کے مانند ہے۔ آیئے! انہیں کی زبانی اس واقعہ کو سنیں، فرماتے ہیں: جب میں اس مہم سے واپس ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھ کر فرمایا: أَفْلَحَ وَجْهُكَ، کامیابی ہو تمہیں۔ میں نے کہا: أَفْلَحَ وَجْهُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! آپ کو بھی کامیابی ہو، میں نے خالد بن سفیان کو قتل کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے سچ کہا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے لے کر گھر تشریف لے گئے اور مجھے عصا مبارک عطا فرمایا اور کہا: اس کو اپنے پاس رکھو۔ میں اسے لے کر لوگوں کے پاس آیا، وہ کہنے لگے: یہ عصا کیسا ہے؟ میں نے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرحمت فرمایا اور کہا: اس کو اپنے پاس رکھو، لوگوں نے کہا: جا کر پوچھو، یہ کس کام کے لیے ہے؟ میں نے واپس حاضرِ خدمت

ہوکر کہا: اللہ کے رسول! یہ عصا آپ نے مجھے کیوں عطا فرمایا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: تاکہ تو جنت میں اس پر ٹیک لگائے، کیوں کہ جنت میں عصا کا سہارا لینے والے بہت کم ہوں گے۔

(السیرۃ الحلبیۃ ۳/ ۱۸۷۔ المغازی ۲/ ۵۳۲ بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۷۹، ۴۸۳)

امام احمدؒ و بیہقیؒ نے اس روایت کو کچھ ترمیم کے ساتھ بیان کیا ہے، جس میں یہ بھی اضافہ ہے: ''تاکہ یہ روزِ قیامت میرے اور تیرے مابین نشانی رہے''۔

(اصحاب الرسول، ص: ۴۷۶)

اس بشارت کو سن کر آپؓ برابر جنت کی تمنا میں رہے اور پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عظیم ہدیہ کو پاکر بے انتہا مسرور ہوئے۔ پھر اس عصا کو اپنی تلوار کے ساتھ ملا لیا، ہر موقع پر اس کے ذریعہ فخر کرتے اور سفر و حضر میں اس کی برکتوں سے فیضیاب ہوتے رہے۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۸۴)

نمایاں وصف: شجاعت و جوانمردی

آپؓ کا شمار ان جانباز صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے جو ہمت و مردانگی، بہادری و دلیری اور اقدام پسندی میں نمایاں مقام رکھتے تھے، گھمسان کے رن اور لشکروں کے مڈبھیڑ میں بھی موت کا خوف انہیں نہ ستاتا، جرأت تو گویا ان کی گھٹی میں سمائی ہوئی تھی، جب سے دنیا میں آنکھیں کھولی تو جرأت و پیش قدمی ان سے واقف اور وہ جانبازی و اقدام پسندی سے واقف کار رہے، نہ کبھی کسی سے خوف کھاتے اور نہ

کبھی کسی سے مبہوت ہوتے۔ یہ کفن بدوش مجاہد؛ ضیافتِ رحمان، بزمِ ایمان اور سائبانِ خیرالادیان: اسلام کی طرف سب سے پہلے سبقت کرنے والوں میں سے ایک تھے جن کی مدح سرائی میں قرآن مجید سخن بہ لب ہے: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ. (التوبۃ)

روایتِ حدیث میں آپ کا مقام

آپؓ کا شمار حفاظِ حدیث میں بھی ہے، چناں چہ ذخیرۂ حدیث میں آپؓ سے چوبیس حدیثیں مروی ہیں۔

(تہذیب الاسماء واللغات ۲/ ۲۵۰ بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ: ۴۸۱)

آپؓ سے روایت بیان کرنے والے: حضرت ابوامامہؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت عبداللہ بن ابی امیہ وغیرہ اور جلیل القدر تابعین کی ایک جماعت ہے۔ (الاستیعاب ۲/ ۲۵۰)

جب آپؓ اپنی عمر کے آخری ایام میں شام چلے گئے تھے تو حضرت جابرؓ صرف ایک حدیث کے لیے سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے حاضرِ خدمت ہوئے اور قصاص کے متعلق حدیث سنی۔

(الاصابہ ۲/ ۲۷۰، حیاۃ الصحابہ ۳/ ۱۹۶، بحوالہ سرورِ کائنات کے پچاس صحابہ: ۶۰۱)

حضرت قاری صدیق صاحب باندویؒ نے اپنی کتاب ''آداب المتعلمین'' میں اس واقعہ کو بالتفصیل اس طرح تحریر فرمایا ہے: کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں: مجھے ایک حدیث کے بارے میں یہ پتہ چلا کہ فلاں صحابی نے رسول اللہ سے سنی ہے، اسی وقت میں نے ایک اونٹ خریدا اور اس پر سوار ہو کر اس صحابی کی تلاش میں چل پڑا۔ ایک مہینہ کی مسافت کے بعد ملکِ شام حضرت عبداللہ بن انیسؓ کے پاس جا پہنچا جنہوں نے یہ حدیث سنی تھی، ان کے دروازے پر اونٹ بٹھا دیا، گھر میں خبر بھیجی کہ جابر آپ کی چوکھٹ پر کھڑا ہے۔ خادم نے لوٹ کر کہا کہ میرے آقا فرماتے ہیں کہ: آپ جابر بن عبداللہؓ ہیں؟ میں نے کہا: ہاں! یہ سنتے ہی حضرت عبداللہ بن انیسؓ باہر آئے اور مجھ سے معانقہ کیا، میں نے کہا: سنا ہے کہ آپ کے پاس مظالم کے بارے میں ایک ایسی حدیث ہے جو میں نے رسول اللہ سے نہیں سنی؟ انہوں نے جواب دیا: بے شک! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگوں کو (اور شام کی طرف دستِ مبارک سے اشارہ فرمایا) اللہ تعالیٰ اس حال میں جمع کرے گا کہ ننگے بدن ننگے پاؤں ہوں گے، پھر انہیں ایسی آواز سے پکارے گا کہ دور و نزدیک سب جگہ سنی جائے گی، فرمائے گا: میں ہوں منصف شہنشاہ، کوئی جنتی جنت میں نہیں جا سکتا جب تک کہ کوئی ایک دوزخی بھی اس پر طمانچہ تک کا دعویدار رہے، اسی طرح دوزخی کے بارے میں فرمایا۔ میں نے عرض کیا: وہاں بدلہ کیسے دیا جائے گا جب کہ خدا کے حضور ننگے

پاؤں، ننگے بدن ہوں گے، جواب میں فرمایا: نیکیوں اور بدیوں سے یعنی پہلے اس کی نیکی حقدار کو دے دی جائے گی اور اگر اس کی نیکیاں ختم ہوجائیں گی تو جن کا حق ہے ان کی بدیاں اس پر لاد دی جائیں گی۔

اس واقعہ سے حدیث میں آپؓ کی جلالتِ شان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت جابر جیسے جلیل القدر صحابیؓ ایک مہینے کی مسافت طے کر کے صرف ایک حدیث سننے کی خاطر آپؓ کے پاس تشریف لائے۔

عقائد واخلاق کے سلسلہ میں ان کی یہ حدیث بہت مشہور ہے: عن عبداللّٰہ بن أنیس رضی اللہ عنہ: قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِنَّ مِنْ أَكْبَرَ الْكَبَائِرِ الشِّرْكَ بِاللّٰهِ، وَعُقُوْقَ الْوَالِدَيْنِ، وَالْيَمِيْنَ الْغَمُوْسَ، وَمَا حَلَفَ حَالِفٌ بِاللّٰهِ يَمِيْنَ صَبْرٍ، فَأَدْخَلَ فِيْهَا مِثْلَ جَنَاحِ بَعُوْضَةٍ، إِلَّا جُعِلَتْ نُكتَةً فِيْ قَلْبِهٖ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ المصابیح ۲ / ۱۰۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑے گناہ یہ ہیں: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا اور عدالت میں جو قسم کھانے والا قسم کھائے اور اس میں مچھر کے پر کے برابر گڑبڑ کرے تو (اللہ کی طرف سے) اس کے دل میں قیامت تک کے لیے ایک داغ بنادیا جاتا ہے۔ (سرورِ کائنات کے پچاس صحابہ: ۶۰۱)

وفات

آپؓ کی پوری حیاتِ مبارکہ جہاد وقربانی سے بھری پڑی ہے، آخری

عمر میں ملکِ شام کو اپنا مسکن بنایا اور اپنے دوست حضرت معاذ بن جبلؓ کے ساتھ ۔جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایما پر وہیں مقیم تھے۔رہے۔

(مجمع الزوائد ۱۰ / ۶۲ بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۸۴)

طالب الہاشمی اپنی کتاب ''سرورِ کائنات کے پچاس صحابہؓ'' میں رقم طراز ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے چند سالوں بعد ہی حضرت عبداللہ بن انیسؓ نے حدودِ مصر کے قریب (ملکِ شام کے اندر) غزہ کے ساحلی علاقہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔بعض روایتوں میں ہے کہ وہ مصر اور افریقہ بھی گئے تھے، غالباً یہ ان کا سفرِ جہاد تھا۔(سرورِ کائنات کے پچاس صحابہ، ص:۶۰۰)

آپؓ نے اپنی زندگی کے بچے کھچے ایام شام ہی میں گزارے، حضرت امیر معاویہؓ کے عہدِ امارت ۵۴ھ میں انہیں محسوس ہوا کہ موت قریب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ساتھیوں سے ملنے کا وقت قریب سے قریب تر ہوا چاہتا ہے، تو آپ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیے ہوئے عظیم ہدیہ کو تلاش کیا اور گھر والوں کو بلا کر وصیت فرمائی کہ اس متبرک ہدیہ کو ان کے ساتھ دفن کر دیں؛ تاکہ یہ روزِ جزا ان کے اور پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان نشانی ثابت ہو اور وہ اسے جنت میں تھامے رکھے۔(سرورِ کائنات کے پچاس صحابہ، ص:۶۰۰)

ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ: آپؓ نے اس عصا کو اپنے ساتھ چمٹائے رکھا؛ یہاں تک کہ پاک روح عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف سدھار گئی، یہ عصا

ان کے کفن کے ساتھ ملا دیا گیا اور دونوں کو ایک ساتھ سپردِ خاک کر دیا گیا۔ یالھا من منقبةٍ. (رجال مبشرون بالجنة، ص:۴۸۵)

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کریں
سبزہ نو رُستہ اس گھر کی نگہبانی کریں

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ

از قلم: قاسم مولی پوری (پالنپوری)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی ساری کائنات کے لیے رحمت بن کر آئی تھی، خدا فراموشی اور شرک وکفر کے ظلمت کدوں کے لیے روشنی کا پیغام تھی، دم توڑتی انسانیت کے لیے نویدِ حیات تھی، بہیمیت ودرندگی کے دلدل میں غرق انسانیت کو مجد وشرف کے صدا بہار چمن زاروں میں لے جانے کے لیے اس کائنات میں آئی تھی۔ چناں چہ جاں گداز حالات اور روح فرسا ماحول میں آپ نے دنیا سے رخصت ہونے سے قبل صحابہؓ کی ایک جماعت تیار کی جنھوں نے نبوی پیغام اور مشن کو پوری امانت ودیانت داری سے اپنی ذمہ داری سمجھ کر دنیا کے گوشے، گوشے میں پھیلایا۔

انہیں یارانِ باصفا، شہیدانِ عشق ووفا میں ایک حضرت عبداللہ بن عمر بن حرامؓ کی ذات گرامی ہے، جن کی زندگی کے اہم پہلوؤں کو قارئین کے سامنے اجاگر کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

نام ونسب

نام: عبداللہ۔ کنیت: ابوجابر۔ قبیلہ: بنوسلمہ

سلسلۂ نسب: عبداللہ بن عمرو بن حرام بن ثعلبہ بن کعب بن غنم بن سلمہ بن سعد بن علی بن اسد بن سارده بن یزید بن جشم بن خزرج۔ (سیر الصحابہ ۵/ ۶۷)

اہلِ سیر نے ان کے سالِ ولادت کی تصریح نہیں کی؛ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی کے اواخر میں (ہجرت سے تقریباً چالیس برس پہلے) پیدا ہوئے۔ قبیلۂ بنوسلمہ کے اہم سردار اور نہایت ممتاز شخص تھے۔

(خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص:۲۷۸)

واقعۂ اسلام

بنوسلمہ کی آبادی حرہ اور مسجدِ قبلتین تک پھیلی ہوئی تھی، لیکن خاص عبداللہؓ بن عمرو کا خاندان قبرستان اور ایک چھوٹی مسجد کے درمیان آباد تھا، عبداللہؓ کے والد عمرو بن حرام صاحبِ ثروت آدمی اور اپنے خاندان کے رئیس تھے، عین الارزق نامی ایک چشمہ اور کئی قلعے ان کے تصرف میں تھے، ان کی وفات کے بعد یہ ساری جائیداد حضرت عبداللہ کو ملی، نواحِ مدینہ میں حضرت عبداللہ کے کھیت تھے۔

(رجال قرآن ۳/ ۲۴)

آپ وہ بڑے کثیر العیال اور کشادہ دست تھے؛ اس لیے ریاست اور تمول کے باوجود مقروض رہتے تھے۔

انصار میں اسلام کی ابتداء بیعتِ عقبہ سے ہوئی، ۱۱ سنہ نبوت میں چھ انصاری مکہ جا کر شرفِ اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت سے بہرہ ور ہوئے۔ دوسرے سال مدینہ کی بارہ سعید روحوں نے یہ سعادت حاصل کی اور اسی سال ان کی درخواست پر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو اسلام کا مبلّغِ

اول بنا کر مدینۂ منورہ روانہ کیا تو ان کی تبلیغی مساعی کے سبب انصار کے گھر، گھر میں اسلام کا چرچا پھیل گیا۔ معلوم نہیں کیا چیز ہوئی کہ حضرت عبداللہؓ اس زمانے میں اسلام قبول نہ کر سکے، البتہ ۱۳ سنہ نبوت کے موسمِ حج میں جب اہلِ مدینہ کا ایک قافلہ حج کے لیے مکہ جانے کو تیار ہوا تو وہ بھی اس میں شامل ہو گئے۔

(اس زمانے میں عرب کے مسلم اور کافر سبھی حج کو اپنا فریضہ سمجھتے تھے)۔

اس قافلہ میں چوہتر (۷۴) مسلمان اور باقی سب کافر تھے۔ ابن جریر طبری نے حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت نقل کی ہے کہ اثنائے سفر میں ہم نے عبداللہؓ بن عمرو بن حرام سے کہا:

''اے ابو جابر آپ بھی ہماری قوم کے ایک سردار ہیں اور آپ کو بڑی عزت اور مرتبہ حاصل ہے، لیکن ہمیں یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ آپ ابھی تک کفر و شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے ہیں، اگر آپ اپنی روش پر قائم رہے تو قیامت کے دن آپ کو سخت عذاب ہوگا۔ ہم نہیں چاہتے کہ آپ جیسے ذی فہم آدمی کا یہ انجام ہو۔ کیا ہی خوب ہو کہ آپ ہمارا ساتھ دیں اور دینِ حق قبول کرنے میں تاخیر نہ کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے ملاقات کا وعدہ فرما رکھا ہے، ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کریں گے''۔

غرض ہم نے ایسے دل نشیں پیرائے میں عبداللہ کو اسلام کی دعوت دی کہ وہ فی الفور ہمارے ہاتھ مسلمان ہو گئے۔ ان کے نوجوانوں فرزند جابرؓ بھی اس

قافلہ میں شامل تھے وہ بھی ان کے ساتھ ہی سعادت اندوز اسلام ہو گئے۔

(خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص:۲۷۹،۲۷۸)

حضرت جابرؓ کے سعادت اندوزِ اسلام ہونے کا واقعہ کچھ اس طرح ہے:

ایک دن حضرت عبداللہؓ سفر کی تیاری کر رہے تھے، قافلے کی روانگی سے پہلے حضرت عبداللہؓ نے اپنے بیٹے کو کھیتوں کی دیکھ بھال کے متعلق ہدایات دیتے ہوئے کہا: میرے آنے تک اچھا بیٹا بن کر رہنا اور اپنی ماں کا کہنا ماننا، اس خوشی میں واپس پر تجھے نئے کپڑے بنوا کر دوں گا اور تو جو کھلونا اور مٹھائی کہے گا لے کر دوں گا؛ لیکن حضرت جابرؓ کسی طرح ماننے والے نہ تھے، اصرار کر کے والد کے ساتھ رختِ سفر باندھ لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات اور بیعت کے لیے چل پڑے۔ جب بیعت کے بعد واپس ہونے لگے تو راستے میں معصوم جابر نے اپنے والد سے سوالات پوچھنے شروع کر دیے۔

جابر: ابو جان! جنھوں نے سب آدمیوں سے مصافحہ کیا، جن کا چہرا روشن، گفتگو سچی اور خوشبو عمدہ تھی وہ کون تھے؟

والد: بیٹا! یہی اللہ کے سچے رسول ہیں۔

جابر: وہ اللہ کون ہے جس نے انہیں مبعوث کیا ہے؟

والد: بیٹا! وہی اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا جو روشن دِن لاتا ہے تو ہم کھیتوں میں جاتے ہیں، جو رات کا اندھیرا لاتا ہے تو ہم اپنے گھر جاتے ہیں۔

جابر: پیارے ابا جان! آپ جو کہنا چاہتے ہیں میں اسے اچھی طرح سمجھ نہیں پایا۔

والد: بیٹا! میں اس کی وضاحت کیے دیتا ہوں، بیٹا! اس پانی کو تو دیکھتا ہے جو پہاڑ کی کھوہ سے ہمارے کھیتوں میں آتا ہے تیرے خیال میں اسے کون بھیجتا ہے؟

جابر: ابو جان! مجھے اس کا علم نہیں۔

والد: بیٹا! وہ بیج تو نے دیکھے ہوں گے جنہیں میں نے چند دن پہلے ڈالا تھا پھر ہم دونوں نے انہیں پانی دیا تھا، پھر مٹی سے نرم نازک پودے نکل آئے تھے۔

جابر: جی ہاں، ابا جان!

والد: یہ پودے کس نے اگائے تھے؟

جابر: ابا جان! میں نہیں جانتا۔

والد: بیٹا! کیا تو نے آسمان دیکھا ہے جو ستاروں سے بھرا ہوا ہے، جن سے چھن چھن کر روشنی آتی ہے اور مسافر رہنمائی حاصل کرتے ہیں؟ اسی طرح کوچ کرنے والوں کی اوقات کی تعیین بھی کرتے ہیں؟

جابر: ہاں، ابا جان!

والد: ان خوبصورت ستاروں کو آسمان پر کس نے سجایا ہے؟ وہ گرتے نہیں اور کس نے ایسی شاندار ترتیب سے رکھا ہے کہ وہ کبھی ٹکرائے نہیں؟

جابر: میں نہیں جانتا ابا جان!

والد: میرے پیارے بیٹے! جس ذات نے یہ سارے کام انجام دیے وہی اللہ ہے جو ہر قسم کے نقائص وعیوب سے پاک اور بلند تر ہے، وہ اکیلا ہے، بے نیاز ہے۔ اس نے کسی کو جنم نہیں دیا اور نہ کسی نے اسے جنم دیا ہے، اور نہ کوئی اس کا ہم سر ہے۔ یہی اللہ ہے جو نقائص وعیوب سے منزہ اور بلند شان والا ہے۔ اسی نے اپنے بندے محمد بن عبداللہ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے؛ تاکہ آپ لوگوں کو بتوں کی پرستش سے ہٹا کر اکیلے اللہ کی عبادت پر لگا دیں اور انہیں انسان کی بندگی سے نکال کر اکیلے غالب اللہ کی بندگی پر لگا دیں۔

بیٹا! اب تو بھی اس کلمہ کا اقرار کر لے جو تجھ سے پہلے تیرے والد نے کیا ہے۔ اس پر معصوم جابر نے کلمۂ شہادت کا اقرار کیا: "أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا رسول الله". اور یوں چھوٹی سی عمر میں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ (رجال قرآن ۳/۲۶، ۲۷، ۲۸)

چناں چہ اس طرح حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن حرام تاریخ کے روشن باب میں داخل ہوئے؛ اس کے بعد انھوں نے اپنی جان اپنا مال اور اپنے اہل کو اللہ کے راستے میں اور دینِ اسلام کی خدمت میں خوب لگایا اور ان کے اعمال مشک کی خوشبوں سے معطر ہو کر ظاہر ہونے لگے اور دعوتِ حق کے سلسلہ میں ایک لحظہ بھی نہیں ٹھہرے، بلکہ مسلسل دعوت حق دیتے ہی رہے۔

(سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام، ص: ۵۰)

اسلام لانے کے بعد ایمان نے ان کے دل میں جگہ پکڑ لی اور ہمیشہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار کے مشتاق رہتے اور ہمیشہ اس بات کی تمنا ہوتی کہ بار بار چہرۂ انور کو دیکھے۔ (اصحاب الرسول، ص:۵)

اسلام لانے کے بعد

اہلِ قافلہ میں سے حضرت عویم بن ساعدہ اور کچھ دوسرے حضرات (جو اسلام قبول کر چکے تھے) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے درخواست کی کہ مدینہ کے اہل حق سے ملاقات کا کوئی وقت مقرر فرمائیں۔ چناں چہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم النصر الآخر سے پہلی والی رات مقرر فرمائی۔ چناں چہ اہلِ مدینہ مقررہ رات کو چھپتے، چھپاتے دو دو چار چار کر کے مقررہ جگہ پہنچے۔ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا حضرت عباسؓ کے ساتھ موجود تھے۔ (حضرت عباسؓ نے اُس وقت اسلام قبول نہیں کیا تھا۔)

حضرت معاذؓ بن رفاعۃ سے روایت ہے کہ: جب سب لوگ اس مقام پر اکٹھا ہوئے تو حضرت عباسؓ نے گفتگو شروع کی: ''اے خزرج کے لوگو! (اس زمانے میں ''اوس اور خزرج'' کے مجموعے کو ''خزرج'' کہا جاتا تھا) تم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی ہے تو سن لو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے قبیلے اور رشتہ داروں کے درمیان مضبوط حیثیت کے مالک ہے۔ ہم میں سے جنھوں نے اس کا دین قبول کر لیا ہے اور وہ بھی جنھوں نے قبول نہیں کیا؛ سب ان کی حفاظت اور

حمایت کررہے ہیں؛ مگر وہ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سب کو چھوڑ کو تمھارے پاس ہی جانا چاہتے ہیں۔ اب تم سوچ لو کہ تم میں اتنی قوت اور حوصلہ ہے کہ سارے عرب کی مخالفت مول لے سکو؛ کیوں کہ تمام عرب متحد ہو کر تم پر یلغار کر دیں گے۔ لہٰذا آپس میں اچھی طرح مشورہ کر کے کوئی متفقہ فیصلہ کرو؛ کیوں کہ سب سے اچھی چیز سچی بات ہے''۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص:۲۸۰)

اس کے بعد حضرت عباسؓ نے پوچھا: ''ذرا تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم اپنے دشمن سے کس طرح نبرآزما ہوتے ہو؟''

اس پر حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن حرام بولے: ''واللہ اے عباس! ہم لڑنے مرنے والے لوگ ہیں، جنگ ہماری گھٹی میں پڑی ہوئی ہے، ہم اس کے ماہر ہو چکے ہیں؛ کیوں کہ یہ ہمیں باپ، دادا سے ورثے میں ملی ہے، ہم پہلے تیر اندازی کرتے ہیں، یہاں تک کہ ہمارے تیر ختم ہو جائے، پھر ہم نیزوں سے دشمن پر پل پڑتے ہیں، یہاں تک کہ نیزے بھی ٹوٹ جائیں، پھر ہم تلواریں کھینچ لیتے ہیں اور دشمن سے دو بدو مقابلہ کرتے ہیں، یہاں تک کہ ایک نہ ایک فریق ختم ہو جاتا ہے''۔

حضرت عبداللہؓ کی ولولہ انگیز باتیں سن کر حضرت عباسؓ نے فرمایا: ''واقعی تم جنگ آزما لوگ ہو''۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص:۲۸، ۳۸، ۲۷۹)

خزرج کے نو نقبا میں سے ایک حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام تھے، وہ

اپنے خاندان بنوسلمہ کے- جوخزرج ہی کی ایک شاخ تھا-نقیب بنائے گئے۔مدینہ واپس پہنچ کرانھوں نے بڑی تندہی کے ساتھ اسلام کی اشاعت فرمائی۔سرورِعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پران کے بارے میں ارشادفرمایا:''خداتم انصارکوہماری طرف سے جزائے خیردے،خصوصاً عبداللہؓ بن عمروبن حرام اورسعدبن عبادہ کو''۔(خیرالبشرکے چالیس جاں نثار،ص:۲۸۳)

جہادفی سبیل اللہ

ذوالحجہ ۱۳ سنہ نبوت میں بیعتِ کبریٰ کے بعدسرورِعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکے کے مسلمانوں کومدینہ کی طرف ہجرت کرنے کاحکم دے دیا،لیکن آپ خودڈھائی مہینے تک مکہ میں مقیم رہے،اس دوران مکہ کے بیشترمسلمان ہجرت کرکے مدینہ دارالامن میں پہنچ گئے۔اس کے بعدجب حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خودہجرت کرکے مدینۂ منورہ تشریف لائےتواہلِ مدینہ نے دیدہ ودل فرش راہ کردیےاوربیعتِ عقبہ کے عہدکےمطابق اپنی جانیں اوراپنامال نبیٔ امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اوراعانت کے لیےوقف کردیا۔

رمضان المبارک ۲ ھ میں میدانِ بدرمیں حق وباطل کاپہلامعرکہ برپا ہواتوحضرت عبداللہ بن عمروانُ ۳۱۳ رنفوسِ قدسی میں سےایک تھے،جن کواس موقع پررحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہم رکابی کاشرف حاصل ہوا،اورجواپنی بےسروسامانی کے باوجودکفرکی مہیب طاقت سے بھڑگئے،انھوں نےمحض اللہ کےفضل

سے اپنی قوتِ ایمانی کے بل پر مشرکین کو عبرتناک شکست دی اور انہیں سخت جانی نقصان پہنچایا۔

اس کھلی ہوئی ہزیمت نے قریشِ مکّہ کو دوبارہ مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے ابھارا، چناں چہ وہ پہلے سے سہ چند تیاری کے ساتھ اگلے سال مدینۂ منورہ پر چڑھ آئے۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینۂ منورہ سے باہر نکل کر کوہِ احد کے دامن میں اس شیطانی لشکر کے مقابل ہوئے اس وقت صرف سات سو فدائیانِ توحید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے، جب کہ کیل کانٹے سے لیس حملہ آوروں کی تعداد تین ہزار تھی۔ غازیانِ اسلام میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ بھی شامل تھے۔

بخاری شریف میں ہے کہ غزوہ سے پہلے ایک شب انھوں نے اپنے نوجوان فرزند حضرت جابرؓ کو بلایا اور کہا:

''بیٹے! میرا دل کہہ رہا ہے کہ اس لڑائی میں مجھے سب سے پہلے شہادت نصیب ہوگی۔ مجھے اپنی جان مال واولاد ہر چیز سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبوب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تم سب سے بڑھ کر محبوب ہو۔ تم کو وصیت کرتا ہوں کہ تم گھر پر رہ کر اپنی بہنوں کی اچھی طرح خبر گیری کرنا اور مجھ پر جو قرض ہے، اس کو ادا کر دینا۔

یہ وصیت حضرت عبداللہؓ نے اس لیے فرمائی کہ ان کی نو بچیاں تھیں جن میں چھ بہت چھوٹی تھیں، نو بہنوں کے صرف ایک بھائی حضرت جابرؓ تھے، اگر وہ

بھی لڑائی میں شامل ہوجاتے تو گھر بالکل خالی ہوجاتا۔

میدان کارزار گرم ہوا تو حضرت عبداللہؓ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوکر شیر کی طرح مشرکوں پر جھپٹے اور دور تک ان کی صفوں میں گھستے چلے گئے۔ ایک مشرک اسامہ الاعور بن عبید (بروایت دیگر سفیان بن عبدِ شمس) نے ان پر تاک کر حملہ کیا۔ حضرت عبداللہؓ کی روح اسی آن میں قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی اور بالآخر ان کے دل کی تمنا پوری ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلَیہ راجِعُون

شقی القلب مشرک نے اُن کی لاش کا مُثلہ کرڈالا۔ لڑائی ختم ہوئی تو مسلمانوں نے ان کی نعش پر پردہ ڈالا، حضرت جابرؓ نے آکر ان کی لاش پر سے کپڑا ہٹایا تو ان کی حالت دیکھ کر رونے لگے، بنوسلمہ ان کو بہتیرا منع کرتے تھے لیکن ان کا گریہ تھمتا نہ تھا۔ حضرت عبداللہؓ کے بہنوئی حضرت عمرو بن جموح اور بھانجے خلاد بن عمروؓ بھی اس لڑائی میں مردانہ وار لڑکر شہید ہوگئے تھے۔ ان کی بہن ہند بنت عمرو بن حرام میدانِ احد میں پہنچیں تو شوہر، بیٹے اور بھائی کو خاک وخون میں غلطاں دیکھا، یہ ان کے لیے ایک صدمۂ عظیم تھا، لیکن جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے درمیان موجود پایا تو دل کو قرار آ گیا۔ تاہم جب حضرت عبداللہؓ کے منہ سے کپڑا ہٹایا گیا تو بھائی کو دیکھ کر بے اختیار منہ سے چیخ نکل گئی اور حضرت جابرؓ کے ساتھ مل کر رونے لگی۔ اسی موقع پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ تم روؤ یا نہ روؤ، فرشتے اپنے پروں سے عبداللہ پر سایہ کیے ہیں (یعنی یہ رنج وغم کا موقع نہیں،

عزت وشان اور خوشی ومسرّت کا مقام ہے)۔

جنت کی بشارت

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جنت کی خوشخبری عنایت ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہند بنت عمرو بن حرام سے فرمایا: یاھند! قد توافقوا فی الجنة جمیعًا، عمرو بن الجموح وابنک خلادو اخوک عبداللّٰہ (اے ہند! آپ کے شوہر عمرو بن جموح اور آپ کے بیٹے خلاد اور آپ کے بھائی عبداللہؓ وہ سب کے سب ایک ساتھ جنت میں ہیں۔)

(رجال مبشرون بالجنة، ص: ۶۳)

تجہیز وتکفین

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ہند بنت عمرو اپنے شوہر عمرو بن جموح، لختِ جگر خلادؓ اور بھائی عبداللہؓ تینوں کی لاشیں اونٹ پر لاد کر بغرضِ تجہیز وتکفین مدینہ کو چلی۔ راستے میں حضرت عائشہؓ میدانِ جنگ کی طرف آتی ہوئی ملیں، انھوں نے حضرت ہندؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا، ہندؓ نے کہا: ''الحمدللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ خیریت ہیں اور یہ لاشیں: میرے شوہر، فرزند اور بھائی کی ہیں''۔ اتنے میں اونٹ خود بہ خود بیٹھ گیا، اس کو بہت ہانکا گیا؛ لیکن اس نے ایک قدم بھی مدینہ کی جانب نہ بڑھایا۔ امّ المومنین نے پوچھا، شاید اس پر بوجھ زیادہ ہے۔ حضرت ہند نے عرض کیا: ''نہیں ہم اس سے زیادہ بوجھ اس اونٹ

پر لادتے ہیں''۔

ام المومنینؓ نے فرمایا: ''کیا ان میں سے کسی نے مدینہ سے چلتے وقت کچھ کہا تھا؟

ہندؓ نے کہا: ''میرے شوہر عمرو بن جموح نے چلتے وقت دعا مانگی تھی کہ الٰہی! مجھے اپنے اہل وعیال میں واپس نہ لائیو''۔

ام المومنینؓ نے فرمایا: ''انصار میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب کسی بات پر قسم کھالیتے ہیں تو اللہ ان کی قسم پوری کرتا ہے۔ عمرو بن جموح بھی ایسے ہی لوگوں میں سے تھے۔ اب تم لاشوں کو میدانِ احد میں دوسرے شہیدوں کے ساتھ دفن کردو''۔

ہندؓ نے اب اونٹ کا منھ احد کی جانب کیا تو وہ تیزی سے چلنے لگا اور تینوں شہدا کو پھر میدان احد میں پہنچادیا، جہاں خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے سامنے سپردِ خاک کیا۔

بعض روایات میں یہ اخیری جملے بجائے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت جابرؓ اپنے والد عبداللہؓ کی لاش اونٹ پر لاد کر مدینہ لے گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہوا تو حکم کیا کہ عبداللہ کی لاش میدانِ احد میں واپس لائیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ وہ اپنی خوردسال بہنوں کی خواہش پر لاش مدینے لے جا کر بنوسلمہ کے خاندانی قبرستان میں دفن کرنا چاہتے تھے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت نہ دی۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق ایک ایک قبر میں دو دو شہید دفن کیے گئے۔

بخاری شریف میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ''غزوۂ احد میں میرے باپ اور چچا کو ایک چادر میں کفنایا گیا''۔

(خیرالبشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۲۸۷، ۲۸۶)

بخاری میں حضرت جابرؓ سے روایت مروی ہے کہ میرے باپ اور چچا کو ایک ہی چادر میں کفن دیا گیا، لیکن دوسری کتابوں میں عمرو بن جموح کا نام مذکور ہے جو حضرت عبداللہؓ کے بہنوئی تھے۔

دونوں کی قبروں کا محلِ وقوع احد پہاڑ کے دامن میں برساتی نالے کے پاس تھا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ادفنوا عبد اللّٰہ بن عمرو بن حرام وعمرو بن الجموح في قبر واحد لما كان بينهما من الصفا''. (عبداللہ بن عمرو بن حرام اور عمرو بن جموح کو ایک ہی قبر میں دفن کرو؛ اس لیے کہ ان کے درمیان خلوص تھا''۔ نیز فرمایا: ''ادفنوا الهذين المتحابين في قبر واحد'' (ان دو آپس میں محبت

کرنے والوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرو)۔(رجال قرآن ۳/ ۳۳)

اولاد وازواج

حضرت جابر کے علاوہ آپ کی نو لڑکیاں تھیں جن میں چھ نہایت خورد سال تھیں۔(جنگ بدر کے ۳۱۳ مجاہد۔سیر الصحابہ ۵/ ۴۳۱)

حضرت مولانا معین الدین ندوی نے ''سیر الصحابہ'' میں صفحہ نمبر ۲۵۸ پر لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ نے اپنے پیچھے دس خرد سال بچیاں چھوڑی تھی۔(سیر الصحابہ ۵/ ۲۵۸)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ کی ایک بیوی تھی جن کا نام انیسہ بنت عنمہ بن عدی تھا۔(سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام،ص:۵۶)

فضائل ومناقب

مکارم ومحاسن کے لحاظ سے حضرت عبداللہؓ جلیل القدر صحابہؓ میں شمار ہوتے ہیں، بنوسلمہ میں اشاعتِ اسلام کے لیے انھوں نے جو کوشش کی اور جس سر گرمی کا اظہار فرمایا اور پھر راہِ خدا میں جس طرح اپنے آپ کو قربان کیا اس کا اعتراف خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تھا:

سنن نسائی میں ہے:''جَزَی اللّٰہُ الْأَنْصَارَ عَنَّا خَیْرًا لَا سِیَّمَا آل عَمْرِو بْنِ حَرَامٍ وَ سَعْدِ بْنِ عُبَادَۃَ''.(سیر الصحابہ ۵/ ۶۹)

صاحبزادے حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

مجھ سے ارشاد فرمایا: ''اے جابر! تجھ کو کیا ہو گیا؟ میں ہر وقت تجھ کو شکستہ حال اور غمزدہ دیکھ رہا ہوں''؟ میں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! آپ کو معلوم ہے میرے والد عبداللہ بن عمرو غزوۂ احد میں شہید ہو گئے، اپنے پیچھے بڑا خاندان اور بھاری قرض چھوڑ گئے ہیں، کچھ زمین و جائیداد بھی نہیں جس سے گھر والوں کی کفالت کر سکوں، یہی غم و فکر مجھے ستائے ہے''۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل بھر آیا، فرمایا: اے جابر! کیا تم کو ایک خوشخبری نہ سناؤں؟'' میں نے عرض کیا: ضرور! یارسول اللہ ارشاد فرمائیں۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی بندے سے منہ در منہ (بالمشافہ) کلام نہیں کیا اور اس کی شان بھی یہی ہے؛ مگر اللہ نے تیرے باپ سے منہ در منہ (بالمقابل) کلام کیا اور دریافت فرمایا: میرے بندے! تیری کیا تمنا ہے؟ تیرے والد نے عرض کیا: اے میرے رب! صرف ایک ہی تمنا ہے کہ آپ مجھے دوبارہ زندہ کریں، پھر اپنی راہ میں دوبارہ شہادت نصیب کریں، میں آپ کی راہ میں ایک بار اور شہید ہونا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یہ تو نہیں ہو سکتا؛ اس لیے کہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ واپسی نہیں ہوگی۔

(اصحابِ رسول کی یادیں، ص: ۱۲۷، ۱۲۶)

عرض کیا: میری نسبت کوئی وحی بھیج دے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: ''ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله أمواتا بل أحياء

عند ربھم یرزقون" (آلِ عمران) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ: آپ کے اس ارشاد کے بعد سارا غم دور ہو گیا۔ حضرت عبداللہؓ کے لیے اس سے زیادہ اور کیا چیز قابلِ فخر ہو سکتی ہے کہ ان کی وفات کو ۱۴۰۰ رسال کی مدتِ مدید گذر چکی، تاہم ان کا نام آج تک باقی ہے اور تا ابد زندہ رہے گا۔

(جنگِ بدر کے ۳۱۳ مجاہد، ص: ۴۳۰، ۴۳۱۔ سیر الصحابہ ۵ / ۶۹)

چوں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ اپنے پیچھے بھاری قرض چھوڑ گئے تھے، تو حضرت جابرؓ کو اس کی ادائیگی کا فکر ہوا؛ لیکن کہاں سے کرتے؟ کل دو باغ تھے، جن کی پوری پیداوار قرض کو کافی نہ تھی۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گھبرائے ہوئے آئے اور کہا: یہودیوں کے پاس کچھ کم کروا دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں کو طلب فرما کر حضرت جابرؓ کا مدعی بیان کیا؛ لیکن انھوں نے چھوڑنے سے انکار کر دیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اچھا دو مرتبہ میں اپنا قرض وصول کر لو، نصف اس سال اور نصف دوسرے سال، وہ لوگ اس پر بھی راضی نہ ہوئے۔ آپ نے یہ دیکھ کر حضرت جابرؓ کو تسلّی دی، اور فرمایا: سنیچر کے دن تمھارے گھر آؤں گا موجودہ پیداوار سے قرض ادا کریں گے، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنیچر کو صبح کے وقت تشریف لے گئے، پانی کے پاس بیٹھ کر وضو فرمایا، مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھی، پھر خیمہ میں آ کر متمکن ہوئے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ

بھی پہنچے، تقسیم کا وقت آیا تو ارشاد ہوا کہ چھوہاروں کو قسم وار الگ کر کے خبر دینا۔ چناں چہ آپ کو خبر دی گئی آپ تشریف لے آئیں اور ڈھیر پر بیٹھ گئے۔ حضرت جابرؓ نے بانٹنا شروع کیا اور آپ دعا کرتے رہے۔ خدا کی قدرت کا کھلا مظاہرہ یہ ہوا کہ قرض ادا ہو گیا اور اس کے بعد بھی کچھ بچ گیا۔ حضرت جابرؓ آپ کے پاس آئے اور بیان کیا کہ قرض ادا ہو گیا اور اتنی اتنی کھجوریں بچ گئیں، اس پر آپ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ (سیر الصحابہ ۵/۲۵۸)

کرامات

تدفین کے ۶ رمہینے کے بعد حضرت جابرؓ نے نعش کو اس قبر سے نکال کر دوسری قبر میں دفن کیا، کان کے سوا پورا جسم سالم تھا، ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ابھی ہی دفن کیے گئے ہیں۔

اس واقعہ کے چھالیس برس کے بعد سیلاب آیا، جس نے قبر کھول دی، لاش بعینہٖ جوں کی توں تھی۔ (سیر الصحابہ ۵/۶۸)

مولانا حکیم رحمٰن علی خان نے اپنی کتاب ''المشاہد'' میں حضرت جابرؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ: جب امیر معاویہؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک نہر جاری کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے راستے میں کئی شہیدوں کی قبریں پڑتی تھیں، انھوں نے شہید کے ورثا کو اطلاع بھیجی کہ وہ اپنے مورثوں کی متبادل قبروں کا انتظام کریں، ورثا نے اپنے اپنے مورثوں کی قبریں کھولیں تو ان کی لاشوں کو تر و تازہ پایا،

میں نے اپنے والد (عبداللہ بن عمرو) کے جسم کو بالکل نرم اوران کے ہاتھ کو جھکتا لچکتا پایا۔ (خیرالبشر کے چالیس جاں نثار،ص:۲۸۷)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے چہرے پر ایک زخم تھا جس پران کا ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ کسی نے ان کا ہاتھ چہرے سے ہٹادیا تو زخم سے خون نکلنے لگا، پھران کا ہاتھ خود بہ خود اپنی جگہ پر پہنچ گیا تو خون بند ہوگیا۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ آپ علم وفضل کے لحاظ سے بلند وارفع تھے، صلاح وتقویٰ کے پیکر تھے۔ یقیناً آپ فضائل ومناقب میں صحابہ کرامؓ کی مقدس جماعت میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، اوران فضائل میں سے ایک فضیلت جو آپ کا طرۂ امتیاز ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی سے روبرو گفتگو نہیں کی، آپ سے روبرو گفتگو فرمائی۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ پوری زندگی ان نفوس قدسیہ کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وماتوفیقي إلا باللّٰہ

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ

از قلم: صابر ظہیر عادل احمد سورتی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ

زمانۂ جاہلیت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل تقویٰ و پرہیز گاری، صدق وصفا اور نیک صفات وعمدہ خصائل کے حامل افراد چراغ لے کر ڈھونڈے جاتے تھے۔ ایسے خوش قسمت نفوسِ قدسیہ میں یثرب کے رہنے والے حصین بن سلاَم کا بھی شمار ہوتا ہے، جو راست گوئی میں بھی مسلّم تھے اور راست روی میں بھی، ان میں حسنِ سیرت بھی تھی اور حسنِ صورت بھی، علمی اعتبار سے بھی فائق تھے اور عملی اعتبار سے بھی، خود اپنے بارے میں بھی متفکر رہتے اور لوگوں کی بھی فکر فرماتے۔

نام ونسب اور خاندان

آپ کا نام: حصین تھا اور آپ کی کنیت: ابو یوسف تھی۔ آپ کے والدِ ماجد کا اسمِ گرامی: سلام تھا، اور دادا کا نام: حارث تھا۔ نسبی اعتبار سے آپ کا تعلق مشہور یہودی قبیلے ''بنو قینقاع'' سے تھا جس کا سلسلہ بالآخر حضرت سیدنا یوسفؑ سے جاملتا ہے۔ قبیلۂ خزرج کے خاندانِ بنی عوف کی ایک شاخ ''قواقل'' سے آپ کا حلیفانہ تعلق تھا۔ والد کی جانب سے آپ کا نسب نامہ مختصراً یوں ملتا ہے:

حصین بن سلام بن حارث۔ (سیر الصحابہ ۵/ ۲۳۲)

حلیۂ مبارک

آپ کا مفصل حلیہ معلوم نہ ہو سکا، البتہ آپ کے چہرے پر خشوع کے آثار ہر وقت نظر آتے تھے، اور بڑھاپے میں کمزوری کی وجہ سے عصا لے کر چلتے تھے۔ (سیر الصحابہ ۵ / ۲۳۴)

اسلام سے پہلے

حضرت عبداللہ بن سلامؓ یہود کے بڑے عالم اور توریت کو پڑھنے اور جاننے والے تھے، توریت کے ساتھ ساتھ انجیل کے بھی عالم و ماہر تھے، مذہبی کتابوں کا بہ کثرت مطالعہ فرماتے تھے۔ جب آپؓ تورات کا مطالعہ کرتے ہوئے اُن آیات پر پہنچتے جن میں نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد و بشارت کا ذکرِ خیر ہوتا، تو ان میں تدبر کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف پر بغور نظر ڈالتے اور اس بات پر بڑے مسرور ہوتے کہ پیغامِ امن و سلامتی لے کر آنے والے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے ہمارے شہر یثرب میں تشریف لائیں گے اور اسی شہر کو تادمِ وصال اپنا مستقر بنائیں گے۔ راتوں کو اٹھ کر اللہ کے حضور بہ ذریعۂ دعا اپنی تمنا کا اظہار اس طرح فرماتے کہ: اے اللہ! تو میری عمر میں اتنی برکت عطا فرما کہ میں اُس نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور پذیر ہونے کا مشاہدہ کر سکوں، جس کے لیے پورا عالم منتظر ہے، ان کے دیدار و ملاقات کا شرف حاصل کر سکوں، اور سب سے پہلے ایمان لا کر سعادت مند بن سکوں۔ چناں چہ الحاح و زاری اور صدقِ دل سے مانگی

ہوئی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے عمر میں برکت عطا فرمائی؛ حتیٰ کہ چشمِ فلک نے دیکھا کہ انھوں نہ صرف نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت پائی؛ بلکہ ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہ کر اپنے آپ کو ایسا مزکّی فرمایا کہ زبانِ رسالت سے آپ کے لیے ''بہشتِ ابدی'' کا مژدہ سنایا گیا۔

جب حضرت عبداللہ بن سلامؓ کو حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے کی اطلاع ملی، تو آپؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف وعلامات کو، تورات میں مذکور نبیٔ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف وعلامات سے منطبق کر کے دیکھا، اس سے یقین ہو گیا کہ آپ ہی وہ نبی ہیں جن کی تورات میں خبر دی گئی ہے؛ لیکن چوں کہ یہود بزعمِ خویش اس غلط فہمی کے شکار تھے کہ آخری نبی ہم میں یعنی بنی اسرائیل ہی میں سے ہوگا؛ لیکن جب نبیٔ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت بنو اسماعیل میں ہوئی تو حسد وجلن کی وجہ سے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار کر دیا۔ یہودیوں کی یہ کھلی ہوئی منافقت آپؓ کو ایک آنکھ نہ بھائی؛ لیکن آپ فتنے کے خوف سے خاموش رہ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کا انتظار فرماتے رہے اور اسلام کے نگینۂ بیش بہا کو رازِ نہفتہ کی طرح اپنے قلب میں چھپائے رکھا۔ (صور من حیاۃ الصحابہ، ص: ۴۴۲)

مدینہ میں نبیٔ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد

مکہ سے یثرب ہجرت شروع ہوگئی، مسلمان اپنے گھر بار چھوڑ چھاڑ کر جانے لگے، ''یثرب'' اب ''مدینۃ النبیؐ'' ہوا چاہتا تھا، جاں نثاروں کو اطلاع مل گئی

کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکۂ مکرمہ چھوڑ کر مدینۂ منورہ کے لیے نکل چکے ہیں؛ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نزیلِ قبا ہو کر مالک بن نجّار کے محلہ میں فروکش ہو گئے، تب آپؓ کو ایک شخص نے آ کر ''آمدِ رسول'' کی خوش خبری سنائی۔ اُس وقت آپ درختِ خرما پر چڑھے ہوئے کھجوریں توڑ رہے تھے، اِس خبر کو سن کر فرطِ مسرت وخوشی میں نعرۂ تکبیر بلند کرنے لگے، درخت کے نیچے بیٹھی آپ کی پھوپھی: خالدہ بنتِ حارث آپ کی اس خوشی کو دیکھ کر بول پڑی: بھتیجے! اگر تجھے موسیٰ بن عمرانؑ کے آنے کی اطلاع دی جاتی تب بھی تو اس قدر خوشی کا اظہار نہ کرتا۔ آپؓ نے جواب دیا: پھوپھی جان! بہ خدا! یہ حضرت موسیٰ بن عمرانؑ کے بھائی ہی ہیں، ان ہی کی ملت پر ہیں، اور حضرت موسیٰؑ کو جس مقصد سے بھیجا گیا تھا اُسی مقصد سے اِنہیں بھی بھیجا گیا ہے۔ پھوپھی نے کہا: اوہو! تو کیا یہ وہی نبی ہیں جن کے کمالات تم ہمارے سامنے بیان کیا کرتے تھے، جو اگلے تمام پیغمبروں کی تصدیق کریں گے اور ربِ کائنات کے بتائے ہوئے تمام احکام کو لوگوں تک پہنچائیں گے؟ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے جواب میں کہا کہ: جی! یہ وہی نبی ہیں۔ تب پھوپھی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا کہ: اچھا! یہ وہی نبی ہیں تب تو ہماری بڑی خوش قسمتی ہے کہ نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ہمارے شہر میں نزولِ اجلال فرمایا۔ (صور من حیاۃ الصحابہ، ص: ۴۴۲)

اسلام کے سایۂ عاطفت میں

جو شخص ایک مدت سے تشنہ لب ہو وہ چشمۂ آبِ حیات دیکھ کر دوڑ نہ

پڑے تو کیا کرے؟! حضرت عبداللہ بن سلامؓ بھی تیزی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لپکے، کیا دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در پر بہت سے عشاق حاضر ہیں، اور آپ کے اردگرد جمِ غفیر ہے جو دیدار کے لیے ٹوٹ پڑا ہے۔ آپ بھی اس ازدحام میں شامل ہو کر آگے بڑھنے لگے؛ حتی کہ جب آپ قریب ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخِ انور پر نظر پڑتے ہی دل پکار اٹھا کہ: ''یہ چہرہ کسی جھوٹے کا ہو ہی نہیں سکتا''۔ ابھی تو یہ عاشقِ زار رخِ انور کے دیدار میں منہمک تھا کہ زبانِ رسالت میں جنبش ہوئی اور پہلا کلام جو آپ کے کان میں رس گھولتا ہوا دل میں اتر گیا وہ یہ تھا:

''اَیُّھَا النَّاسُ! اَفْشُوا السَّلَامَ، وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصِلُوا الْاَرْحَامَ، وَصَلُّوا بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَام، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَام'' [ترمذی: ۲۴۸۷] (ترجمہ: اے لوگو! سلام عام کرو، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، اور رات کی اس گھڑی میں نماز ادا کرو جب لوگ سو رہے ہو؛ ان سب اعمال کے نتیجہ میں بہ عافیت جنت میں داخل ہو جاؤ گے)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی سنا تو کافی متأثر ہوئے اور ویسے بھی آپؓ کے دل کی دنیا ایمانی کرنوں سے منور ہو چکی تھی؛ لیکن فتنے کے ڈر سے اظہار نہیں فرماتے تھے۔ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میزبانِ رسول حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے یہاں قیام پذیر ہوئے، تب حضرت عبداللہ بن سلامؓ پھر سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تین ایسے سوال کیے جن کے جواب صرف ایک نبی ہی دے سکتا ہے:

[۱] پہلا سوال یہ تھا کہ: قیامت کی سب سے پہلی علامت کونسی ہوگی؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ: وہ ایک ایسی آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب تک ہنکالے جائے گی۔

[۲] دوسرا سوال یہ تھا کہ: جنت میں سب سے پہلے کونسی چیز کھلائی جائے گی؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ: مچھلی کا جگر سب سے پہلے کھلایا جائے گا۔

[۳] تیسرا سوال یہ تھا کہ: اس کی کیا وجہ ہے کہ بچہ کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی ماں کے؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ: زوجین میں سے جس کا مادۂ منویہ غالب ہوتا ہے بچہ اسی کے مشابہ ہوتا ہے۔

یہ جوابات سن کر حضرت عبداللہ بن سلامؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہوئے اور گوشۂ قلب میں نہفتہ اسلام کا اظہار کیا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر توحید و رسالت کی گواہی دی۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۸۴)

تمھارا نام عبداللہ بن سلام ہے

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کا نام دریافت فرمایا، تو جواب دیا کہ میرا نام ''حصین بن سلام'' ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: نہیں نہیں! تمھارا نام تو ''عبداللہ بن سلام'' ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ: جی بہتر ہے، میں عبداللہ بن سلام ہی

ہوں، جس ذاتِ پاک نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج کے بعد مجھے عبداللہ بن سلام کے علاوہ اپنے لیے کوئی دوسرا نام محبوب و مرغوب نہ ہوگا۔ (صور من حیاۃ الصحابہ، ص: ۴۴۳)

اہلِ خانہ کو دعوتِ اسلام

جب آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلسِ بابرکت سے اٹھے تو سب سے پہلے اپنے گھر گئے اور اہلِ خانہ کو اسلام کی دعوت دی، اور بحمد اللہ سب نے اسلام قبول کر لیا۔ آپؓ کی پھوپھی خالدہ بنتِ حارث نے بھی اسلام قبول کیا۔ (صور من حیاۃ الصحابہ، ص: ۴۴۴)

آپ کے دو بھتیجے تھے: سلمہ اور مہاجر؛ ان دونوں کو بھی بڑی دردمندی اور خلوص کے ساتھ اسلام کی دعوت دی اور ان سے فرمایا: تم جانتے ہو کہ توریت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: میں بنی اسماعیل میں سے ایک نبی مبعوث کروں گا، جس کا نام احمد ہوگا، جو کوئی اس کو مان لے گا نجات پائے گا، اور جو اس کا انکار کرے گا وہ لعنت کا سزاوار ہوگا۔ ''سلمہ'' اسلام قبول کر کے خوش قسمت قرار پائے اور ''مہاجر'' انکار کر کے محروم و تہی دست رہا۔

اسی موقع پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: ﴿وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ ترجمہ: اور کون ہے جو ابراہیم کے طریقے سے انحراف کرے؟ سوائے اُس شخص کے جو خود اپنے آپ کو حماقت میں مبتلا کر چکا ہو! حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے دنیا میں

اُنہیں (اپنے لیے) چن لیا تھا، اور آخرت میں اُن کا شمار صالحین میں ہوگا۔

(توضیح القرآن، البقرۃ: ۱۳۰) (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۸۶)

یہودیوں کو دعوتِ اسلام

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کو یہودیوں کے مکر وفریب کا خوب علم تھا؛ کیوں کہ وہ خود یہودی ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے عالم وپیشوا بھی تھے، آپؓ کو ان کے ایمان کی فکر تھی۔ چناں چہ آپؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ: یہ یہودی بڑے بہتان باز اور افترا پرداز ہوتے ہیں، وہ مجھے عالم تسلیم تو کرتے ہیں؛ لیکن میں ان کے مفتری ہونے کا بھی عالم ہوں؛ لہٰذا میں ایک گوشے میں چھپ جاتا ہوں، آپ سربرآوردۂ یہود کو بلا کر ان کے سامنے اسلام پیش کریں اور میرے بارے میں ان کی رائے پوچھیں، اور ہاں! میرے اسلام کی ان کو مطلق خبر نہ ہونے پائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے بڑے یہودیوں کو بلایا، ان کو اسلام کی دعوت دی؛ لیکن انھوں نے نفی میں جواب دیا، اور کہا کہ: ہم جس طریقہ پر ہیں وہی ہمارے لیے بہتر ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے متعلق دریافت فرمایا کہ: ان کا مقام ومرتبہ تمھارے درمیان کیسا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ: وہ ہمارے سردار ہیں اور سردارزادے ہیں، وہ ہمارے مقتدیٰ بھی ہیں اور صاحبِ علم بھی؛ ان کے والد بھی اسی طرح ہمارے مقتدیٰ اور صاحبِ علم رہ چکے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر ''حصین بن سلام'' اسلام لے آئے، تو کیا تم بھی اسلام

لے آؤ گے؟ یہودیوں نے کہا کہ: وہ اسلام قبول کر ہی نہیں سکتے، اللہ اسلام لانے سے ان کی حفاظت فرماوے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؓ کو- جو ایک گوشۂ مکان میں چھپے ہوئے ساری گفتگو سن رہے تھے- آواز دی۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے ظاہر ہو کر بہ آوازِ بلند کلمۂ شہادت پڑھا، اور یہودیوں کو بھی قبولِ اسلام کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ: اے لوگو! خدا کا خوف کرو، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خدا نے جو احکام بھیجے ہیں، اُسے تسلیم کرو اور تمہیں اس بات کا کہاں علم نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی خاتم النبیین ہیں، تورات میں بھی تو ان کا ذکر ہے، میں تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان لا چکا ہوں، اور ان کی تصدیق بھی کرتا ہوں۔

بس یہ سننا تھا کہ یہودی آگ بگولہ ہو گئے اور گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہوئے کہنے لگے کہ: تم جھوٹے ہو، تم ہماری جماعت کے بدترین آدمی ہو اور بدترین شخص کے بیٹے ہو، ہمارے درمیان سب سے بڑے جاہل ہو اور سب سے بڑے جاہل کے بیٹے ہو۔ اِس طرح آپؓ پر عیب لگانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ: اے پیغمبرِ خدا! مجھے ان کی اسی بہتان طرازی کا خوف تھا۔ (صور من حیاۃ الصحابہ، ص: ۴۴۴)

یہودیوں کے طعنے اور قرآن کی گواہی

حضرت عبداللہ بن سلامؓ چوں کہ علم دوست شخصیت تھے، اسلام لانے کے بعد رات دن کی مختلف گھڑیوں میں قرآنِ کریم کی تلاوت فرماتے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے فرمودات کو ہمہ تن متوجہ ہوکر سنتے اور ملامت گروں کی ملامت سے ذرہ برابر متأثر نہ ہوتے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے ہمراہ کل انتالیس یہودی حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تھے، جنھوں نے اپنے ایمان میں کمال پیدا کیا تھا، ایمان نہ لانے والے یہودی ان حضرات کو خوب طعنہ دیتے، اور کہتے کہ: محمد پر ایمان لاکر ان کی پیروی کرنے والے ہمارے گروہ کے سب سے ذلیل افراد ہیں، اگر وہ ہم میں باعزت اور بہتر ہوتے تو اپنے آباواجداد کے دین کو چھوڑ کر کبھی کسی غیر کے مذہب کو اختیار نہ کرتے، اُس وقت یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: ﴿لَيْسُوْا سَوَاءً، مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ﴾ ترجمہ: سارے اہلِ کتاب ایک جیسے نہیں ہیں۔ اہلِ کتاب ہی میں وہ لوگ بھی ہیں جو (راہِ راست پر) قائم ہیں، جو رات کے اوقات میں اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں، اور جو (اللہ کے آگے) سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ (توضیح القرآن، آلِ عمران: ۱۱۳) (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۱۸۳)

اسلام پر ثباتِ قدمی کی شہادت خدا اور رسول کی زبانی

اس شخص کے ایمان کا کیا عالم ہوگا جس کے بارے میں خود کتابِ ہدایت ''کامل الایمان'' ہونے کی گواہی دے، اور ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موت تک اسلام پر جمے رہنے کی شہادت دے۔ چناں چہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ ترجمہ:

اور بے شک اہلِ کتاب میں بھی کچھ ایسے لوگ ہیں جو اللہ کے آگے عجز و نیاز کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ پر بھی ایمان رکھتے ہیں، اور اُس کتاب پر جو تم پر نازل کی گئی ہے اور اُس پر بھی جو اُن پر نازل کی گئی تھی، اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تھوڑی سی قیمت لے کر بیچ نہیں ڈالتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے پاس اپنے اجر کے مستحق ہیں۔ بے شک اللہ حساب جلد چکانے والا ہے۔ (توضیح القرآن، آلِ عمران:۱۹۹)

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ ایں الفاظ اسلام پر ثبات قدمی کی گواہی دی کہ: ''اَنْتَ عَلَی الْاِسْلَامِ حَتّٰی تَمُوْتَ'' تم اسلام ہی پر برقرار رہو گے؛ تا آنکہ تم اس دنیا سے رخصت ہو جاؤ۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۱۸۶)

جذبۂ جہاد اور غزوات میں شرکت

طالب الہاشمی لکھتے ہیں: ''حافظ ابن عبدالبرؒ نے ''الاستیعاب'' میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا کلام نقل کیا ہے کہ: لوگو! تمھارا کسی موقع پر قریش سے مقابلہ ہوگا، اس وقت اگر مجھ میں طاقت نہ ہو تو مجھے کسی تختے پر لٹا کر لے جانا اور دشمنوں کے سامنے رکھ دینا۔ آپ کا یہ کلام کس موقع کا ہے؟ یہ تو معلوم نہ ہو سکا۔ اگر بدر سے پہلے کا ہے تو آپؓ بدر و اُحد میں ضرور شریک رہے ہوں گے یا ممکن ہے کہ کسی عذر کی وجہ سے آپ شریک نہ ہو سکے ہوں''۔ البتہ اصحابِ سیر کے یہاں آپ کا نام شرکائے بدر و اُحد میں نہیں ملتا، ہاں! اَحزاب اور اس کے بعد کے غزوات میں شرکت کی صراحت ملتی ہے، اور شمس الائمہ سرخسیؒ نے بنونضیر کے محاصرے میں خصوصیت

کے ساتھ آپ کی شرکت کا ذکر فرمایا۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص:۳۸۸)

مدینہ سے مشرقی جانب وادیٔ بطحان کے قریب یہودی قوم بنونضیر آباد تھی، انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح وامن کا معاہدہ کر رکھا تھا کہ ہم آپ کے مقابلہ پر کسی کی مدد نہیں کریں گے، لیکن قریش کے اکسانے پر عہد شکنی کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ۴ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے علاقہ میں کسی ضرورت سے تشریف لے گئے، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں تشریف فرما تھے، وہاں اوپر سے ''ابن حجاش'' نامی یہودی بدبخت نے چکی کا بھاری پاٹ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ڈالنے کا ارادہ کیا، تبھی اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ وحی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس شرارت سے آگاہ کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے اٹھ کر چل دیے، پھر مسلمانوں کو حکم دیا کہ: بنونضیر کے مکانوں اور قلعوں کا محاصرہ کریں۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص:۳۸۸)

غزوۂ بنونضیر اور غزوۂ بنوقریظہ میں آپ کا کردار

چناں چہ جب مسلمانوں نے بنونضیر کے قلعے کا محاصرہ کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان یہودیوں کے درختوں کو اکھیڑنے اور جلانے کا حکم دیا اور اِس کام پر ایسے دو صحابی مقرر فرمائے جو درختوں کا اچھا خاصا علم رکھتے تھے، اُن میں سے ایک حضرت ابولیلیٰ مازنی رضی اللہ عنہ تھے اور دوسرے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت ابولیلیٰ مازنی رضی اللہ عنہ عجوہ کھجور کے عمدہ عمدہ درختوں کو جلا رہے تھے اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ عجوہ کھجور کے درختوں کے عِلاوہ دوسرے درختوں کو جَلا

رہے تھے۔ دیگر صحابہؓ نے جب یہ دیکھا تو دونوں سے اِس کے متعلق دریافت کیا۔ حضرت ابولیلیٰ مازنیؓ نے جواب دیا کہ: عجوہ کھجور کے درخت اِن یہودیوں کو زیادہ پسند ہے، اس کو جلانے کی وجہ سے ان کو زیادہ تکلیف ہوگی اور وہ جلد ہتھیار ڈال دیں گے اور حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے جواب دیا کہ: مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ عن قریب ہم کو اُن پر غلبہ عطا فرمائے گا، جس کے نتیجے میں ان کے مال وجائداد غنیمت کے طور پر ہم کو حاصل ہوں گے۔ ان دونوں کے عمل سے اللہ تعالیٰ خوش ہوئے اور یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: ﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ ترجمہ: تم نے کھجور کے جو درخت کاٹے، یا اُنھیں اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، تو یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے تھا اور اس لیے تھا؛ تاکہ اللہ نافرمانوں کو رُسوا کرے۔ (توضیح القرآن، الحشر: ۵)

(رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۱۸۷)

غزوۂ بنوقریظہ میں آپ کا بڑا اہم کردار رہا ہے، جب بنوقریظہ نے اپنے ہتھیار ڈال دیے اور تنگ آکر وہ اس بات پر آمادہ ہوگئے کہ ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو بھی فیصلہ فرمائیں گے وہ انہیں منظور ہوگا، تب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہؓ کو حکم دیا کہ: وہ یہودیوں کو ایک جانب جمع کرے، یہودیوں کے جمع ہوجانے کے بعد اُن پر حضرت عبد بن سلامؓ کو نگران مقرر کیا، چناں چہ آپؓ نے اس ذمہ داری کو بہ حسن وخوبی انجام دیا۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۱۸۷)

عہدِ خلافتِ راشدہ میں آپؓ کا کردار

غرض یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال تک پوری سرگرمی کے ساتھ دینِ اسلام کی خدمت میں مصروف رہے، آپ کی وفات کے بعد زندگی کا زیادہ تر حصہ عبادت اور درس وتدریس میں گذرا، عہدِ خلافتِ راشدہ میں بھی بعض خاص مواقع پر آپ عملی میدان میں نظر آئے۔

چناں چہ عہدِ فاروقی میں حضرت عمرؓ بیت المقدس کی صلح کے لیے جن چند مہاجرین وانصار کو ساتھ لے گئے تھے، ان میں آپ بھی شامل تھے۔

(خیر البشر کے چالیس جاں نثار ص:۳۸۹)

حضرت عمرؓ کی وفات کی خبر سن کر حضرت عبداللہ بن سلامؓ کو بڑا غم ہوا تھا، اور ایسے وقت آپؓ کے جنازہ پر حاضر ہوئے جب کہ نمازِ جنازہ ہو چکی تھی، اس وقت آپؓ نے فرمایا کہ: میرے آنے سے پہلے لوگوں نے حضرت عمرؓ کی نمازِ جنازہ پڑھ لی، لیکن لوگ حضرت عمرؓ کے بارے میں تعریفی کلمات کہنے میں مجھ سے سبقت نہیں کر سکتے۔ چناں چہ آپؓ نے حضرت عمرؓ کے جنازہ کے پاس کھڑے رہ کر یہ تعریفی کلمات ارشاد فرمائے کہ: اے عمر! آپ ہمارے بہترین دینی بھائی تھے، حق کے بارے میں بڑے کشادہ دل، اور باطل کے بارے میں بڑے سخت دل تھے، خوشی کے موقع پر رضامندی کا اظہار فرماتے تھے، اور غصہ کے موقع پر غضب ناک ہوتے تھے، اور نہ لوگوں کی بہت تعریف کرتے تھے، نہ آپ کی لوگ پیٹھ

پیچھے برائی کرتے تھے۔(رجال مبشرون بالجنۃ،ص:۱۹۰)

فتحِ نہاوند جو عراق وایران میں ہوئی تھی، اس میں بھی آپ شریک رہے تھے۔(اصحاب الرسول،ص:۶۵)

نازک لمحات میں حضرت عثمانؓ کا دفاع

نیز حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب کاشانۂ خلافت کا بلوائیوں نے محاصرہ کرلیا تب آپ نے بڑی دلیری اور جرأت کے ساتھ حضرت عثمانؓ سے عرض کیا: یہ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں، میں حاضرِ خدمت ہوں، فرمایئے! آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ: محاصرہ کرنے والوں کو منتشر کرنے کی کوشش کرو۔ تب آپؓ نے باہر نکل کر باغیوں کے سامنے مبنی برصداقت خطبہ دیا جس میں پہلے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا بیان فرمائی، پھر کڑکتے لہجہ میں یوں گرجے کہ: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا، جنت اور جہنم کے درمیان خطِ فاصل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ونافرمانی ہے، اور جو متبعِ دین بنے رہیں اللہ نے انہیں کو غلبہ عطا کیا، ہر چند کہ مشرکین ناپسند کرتے رہے، پھر آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی، اس کے بعد سے مدینہ کو فرشتے حفاظت کے لیے گھیرے ہوئے ہیں۔ اب جس کی تقدیر میں ہدایت لکھی ہوئی تھی وہ ہدایت پر رہے اور جس کی تقدیر میں گمراہی لکھی ہوئی تھی وہ گمراہ ہوئے۔ اگر گذشتہ زمانے میں کسی نبی کو قتل کیا جاتا تھا تو اس کے عوض ستر ہزار جنگجو قتل کیے جاتے، اور کسی خلیفہ کو قتل کیا جاتا تو نبی کے عوض

جتنے قتل کیے جاتے اس کے نصف یعنی پینتیس ہزار جنگجو قتل کیے جاتے۔ تم حضرت عثمانؓ کے قتل کرنے کا منصوبہ چھوڑ دو؛ ورنہ روزِ قیامت اللہ کے حضور اس طرح حاضر ہونا ہوگا کہ تمھارے ہاتھ شل ہوں گے۔ باپ کا حق بیٹے پر جس طرح ہوتا ہے اسی طرح تمھارے اوپر امیر المؤمنین کا حق ہے''۔

بلوائی یہ سن کر بھڑک اٹھے اور کہا کہ: یہ یہودی ہے، جھوٹا ہے، اسے بھی عثمان کے ساتھ قتل کر دو۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ اپنی طرف یہودیت کی نسبت کس طرح گوارا کر سکتے تھے؟ آپ نے دوٹوک جواب دیا کہ: میں یہودی نہیں، مسلمان ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا نام عبداللہ رکھا ہے، تم خود جھوٹے ہو، میرے ہی متعلق اللہ فرماتا ہے: ﴿قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ﴾ (الرعد: ۴۳) ترجمہ: میرے اور تمھارے درمیان گواہی کے لیے اللہ کافی ہے۔ نیز ہر وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔ (توضیح القرآن) اور اللہ فرماتا ہے: ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (الاحقاف: ۱۰) ترجمہ: کہو: ''ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے ہو، اور تم نے اس کا انکار کر دیا، اور بنو اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس جیسی گواہی بھی دے دی، اور اس پر ایمان بھی لے آیا، اور تم اپنے گھمنڈ میں مبتلا رہے (تو یہ کتنے ظلم کی بات ہے؟) یقین جانو کہ اللہ ایسے لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا جو

ظالم ہوں''۔ (توضیح القرآن) ایک بات کان کھول کر سن لو: اگر تم نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا تو، خدا کی قسم! فرشتے مدینہ سے دوری اختیار کرلیں گے، اور پھر تا صبح قیامت اللہ کی وہ شمشیر نیام سے نکل جائے گی، جو ابھی تک نیام میں بند تھی۔

بلوائیوں پر اس تقریر کا کچھ اثر نہ ہوا، اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر کے ہی دم لیا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے صدمہ سے آپؓ بے اختیار چیخ اٹھے: ''آہ! آج عرب کی قوت کا خاتمہ ہوگیا''۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۹۰)

آیتِ کریمہ کا پس منظر

حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے اس تقریر میں فرمایا کہ آیتِ کریمہ ''قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي مِثْلِهٖ'' میرے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اس کا پس منظر کچھ اس طرح ہے: حضرت عوف بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ یہودیوں کی عبادت گاہ وکلیسا کی طرف چل دیے، میں بھی آپ کے ہمراہ ہوگیا، کلیسا میں داخل ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: یہودیو! تم مجھے ایسے بارہ شخص بتلاؤ جو میرے بارے میں رسالت کی گواہی دے، یقین جانو اس کے نتیجہ میں اللہ کے غضب سے تم محفوظ ہوجاؤ گے۔ سب خاموش رہے، کسی نے جواب نہیں دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر دریافت فرمایا، مگر اب بھی کسی نے کچھ جواب نہیں دیا، بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جاتے ہوئے یہ فرمایا کہ: ''میں ہی حاشر ہوں (یعنی تمام امت بروزِ قیامت میرے ہی پیچھے جمع کی

جائے گی)، میں ہی عاقب ہوں (یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا)، اور میں ہی مصطفیٰ (یعنی چن کر بھیجا گیا ہوں) ہوں خواہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کلیسا سے نکلنے کے قریب تھے کہ ایک شخص کہنے لگا کہ: یہودیو! تمھاری میرے بارے میں کیا رائے ہے؟ تم مجھے کیسا گردانتے ہو؟ یہودیوں نے جواب دیا کہ: آپ ہماری جماعت کے سب سے بڑے عالم ہو، آپ سے زیادہ جانکار ہمارے درمیان کوئی نہیں۔ اس شخص نے کہا کہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد وہی پیغمبر ہیں جس کے بارے میں توریت میں خبر دی گئی ہے۔ اس شخص کے اس جملہ کو سن کر یہودی بھڑکے اور کہنے لگے کہ: تو جھوٹ بول رہا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: یہودیو! تم خود جھوٹے ہو۔

حضرت عوفؓ فرماتے ہیں کہ: ہم کلیسا میں آئے تھے تب دو تھے اور جاتے وقت تین ہو گئے یعنی وہ گواہی دینے والے بھی ہمارے ساتھ ہو لیے، اور وہ شاہد و گواہی دینے والے حضرت عبداللہ بن سلامؓ تھے، جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَ اسْتَكْبَرْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (الاحقاف:۱۰) ترجمہ: کہو: ''ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے ہو، اور تم نے اس کا انکار کر دیا، اور بنو اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس جیسی گواہی بھی دے دی، اور اس پر ایمان بھی لے آیا، اور تم اپنے گھمنڈ میں مبتلا رہے (تو یہ

کتنے ظلم کی بات ہے؟) یقین جانو کہ اللہ ایسے لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا جو ظالم ہوں''۔ (توضیح القرآن) (اصحاب الرسول، ص: ۶۲)

حضرت علیؓ کے لیے ایک پیشین گوئی

اِسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ بھی آپؓ کو بڑا نیک گردانتے تھے، چناں چہ جب حضرت علیؓ دارالخلافۃ کو کوفہ منتقل کرنے لگے، تب حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے اپنی دوررَس نگاہوں سے ایک مشورہ دیا کہ: آپ اگر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے منبر کو چھوڑ کر چلے گئے، تو پھر ہوسکتا ہے کہ دوبارہ کبھی اُس کا دیدار نہ ہوسکے۔ اُس وقت حضرت علیؓ نے اُن کے بارے میں کہا تھا کہ: عبداللہ بن سلامؓ بڑے نیک و پارسا آدمی ہیں؛ اس لیے وہ اِس طرح فرمارہے ہیں۔ لیکن بعد میں دنیا نے حضرت عبداللہؓ کی اِس پیشین گوئی کو سچ ہوتے دیکھا۔

(خیرالبشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۹۱)

آپؓ کی وفات

حضرت امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت ۴۳ھ میں آپؓ کی وفات ہوئی۔

(سیر الصحابہ ۵/ ۲۳۴)

آپؓ کی اولاد

آپؓ کے دو بیٹے تھے، دونوں کو صحابیت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ بڑے بیٹے کا نام ''یوسف'' تھا جب وہ پیدا ہوئے تھے تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ ان کو حصولِ برکت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں لے گئے تھے، تب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے

ان کے سر پر اپنا دستِ بابرکت پھیرا، اور اپنی آغوش میں لے کر ''یوسف'' نام تجویز فرمایا تھا اور دوسرے بیٹے کا نام ''محمد'' تھا، اول الذکر صاحبزادے ہی کی نسبت سے آپ کی کنیت ''ابو یوسف'' مشہور ہوئی۔ (سیر الصحابہ ۵ / ۲۳۴)

آپؓ سے مروی روایات

حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طویل صحبت پائی اور بہ کثرت ارشاداتِ نبوی سے مستفیض ہوئے؛ لیکن اس کے باوجود احادیث بیان کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے؛ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد آپؓ کے پیشِ نظر تھا کہ: جو شخص میری طرف منسوب کر کے کوئی جھوٹی بات قصداً کہے گا تو اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالینا چاہیے۔ چناں چہ آپؓ سے فقط پچیس روایات مروی ہیں۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۹۲)

آپؓ سے روایت کرنے والوں میں حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن مغفلؓ، حضرت زرارہ بن اوفیؓ، اور حضرت انسؓ بن مالک جیسے جلیل القدر صحابہؓ اور کئی رفیع المرتبت تابعین شامل ہیں۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار ص: ۳۹۲)

آپؓ سے ایک خاص روایتِ مسلسل بھی مروی ہے جس کے اخیر میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو ''سَبَّحَ لِلّٰہ'' کی چند آیتیں پڑھ کر سنائی، حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے بھی اسی طرح وہ آیتیں پڑھ کر اپنے شاگردوں کو سنائی، اس کے بعد ان کے شاگرد ''عطا بن ابی رباح'' نے بھی اپنے شاگردوں کو اسی طرح

پڑھ کر سنائی، اور پھر اسی طرح ان کے شاگرد ''ہلال بن ابی میمونہ'' اور ان کے شاگرد ''یحییٰ بن ابی کثیر'' نے اپنے شاگردوں کو پڑھ کر سنائی، اس کے بعد حضرت یحییٰ کے شاگرد ''امام اوزاعیؒ'' پر یہ سلسلہ ٹوٹ گیا۔ (سیر الصحابہ ۵/ ۲۳۵)

آپؓ کا مقام و مرتبہ

حضرت عبداللہ بن سلامؓ بڑے راسخ فی العلم تھے اور لوگوں کا مرجع بنے ہوئے تھے، صحابہؓ کے قلوب آپ کی تعظیم سے بھرے ہوئے تھے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کے مرض الوفات میں لوگوں نے اُن سے نصیحت و وصیت طلب کی، حضرت معاذؓ نے جواباً فرمایا کہ: میں تو دنیا سے جاتا رہوں گا؛ البتہ علم باقی رہے گا، اگر کسی کو علم کی حقیقی طلب ہو تو وہ اسے چار حضرات کے پاس جا کر حاصل کرے: (۱) حضرت ابودرداءؓ (۲) حضرت سلمان فارسیؓ (۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۴) حضرت عبداللہ بن سلامؓ۔ یہود میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ ہی ہیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: عبداللہ بن سلام دس اہلِ جنت میں سے دسویں ہیں۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۹۳)

حضرت سلمان فارسیؓ کو بھی آپؓ سے بڑی محبت تھی۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ خود فرماتے ہیں کہ: حضرت سلمانؓ نے مجھ سے کہا: برادرِ محترم! اگر ہم میں سے کوئی بھی اِس دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف پہلے کوچ کرے، تو وہ اپنے بھائی کو ضرور ملنے

آئے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے پوچھا کہ: کیا یہ ممکن ہے؟ حضرت سلمانؓ نے جواب دیا کہ: ہاں ضرور! کیوں نہیں!! مؤمن کی روح آزاد ہوتی ہے، وہ جہاں چاہے جاسکتی ہے؛ اور کافر کی روح مقید ہوتی ہے۔ بعد میں حضرت سلمانؓ کی وفات ہوئی، تو ایک روز دوپہر کے وقت آپؓ نے حضرت سلمانؓ کو خواب میں دیکھا کہ وہ آرہے ہیں اور آکر اُنھوں نے سلام کیا، حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے جواب دے کر مزاج پُرسی کی، اور پھر پوچھا کہ: سب سے زیادہ فضیلت والا عمل آپ نے کونسا پایا؟ حضرت سلمان نے خواب ہی میں جواب دیا کہ: توکّل! تم توکل کو تھامے رکھنا، وہ بڑا اچھا عمل ہے۔ اس طرح تین مرتبہ فرمایا۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۹۳)

طالب الہاشمی نے حافظ ذہبیؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ: ''آپؓ مدینہ میں اہلِ کتاب کے سب سے بڑے عالم تھے، اور اسلام لانے کے بعد قرآن کے بھی بڑے عالم بن گئے تھے۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۹۳)

ولی ہو تو ایسا ہو

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ اپنی قوم کے چند مؤمنوں کے ساتھ آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ: اے پیغمبرِ خدا! جب سے ہم نے اسلام قبول کیا ہے، ہماری قوم نے ہم سے بائیکاٹ کرلیا ہے، اور آپس میں یہ طے کر رکھا ہے کہ ''نہ وہ ہمارے ساتھ نشست و برخواست رکھیں گے، نہ ہم سے نکاح کا معاملہ کریں گے، اور نہ ہم سے گفتگو و کلام کریں گے'' چوں کہ

ہمارے مکانات آپ لوگوں کے مکانات سے کافی دور ہیں، جس کی وجہ سے ہم اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ بھی زیادہ اٹھ بیٹھ نہیں سکتے، ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہمارا کوئی ولی اور کارساز ہے ہی نہیں، اُس وقت یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: ﴿اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ، وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ (المائدہ: ۵۵، ۵۶) ترجمہ: تمھارے یار و مددگار تو اللہ، اس کے رسول اور ایمان والے ہیں جو اس طرح نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں کہ وہ (دل سے) اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہوتے ہیں، اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو دوست بنائے تو (وہ اللہ کی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے اور) اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے۔ (توضیح القرآن) (رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۱۸۹)

من جانب اللہ اصلاح

حضرت عبداللہ بن سلامؓ قبل الاسلام مذہبِ موسوی پر مکمل عمل کرتے تھے، اس لیے اسلام لانے کے بعد بھی مذہبِ سابق کے ان احکام پر عمل کرنا چاہتے تھے جو اسلام کے منافی نہیں۔ چناں چہ مذہبِ محمدی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے مذہبِ موسوی میں سے جن پر عمل کرنا ممکن تھا ان پر عمل کرنے کا ارادہ کیا جیسے یومِ شنبہ کی تعظیم کرنا مذہبِ موسوی میں تھا اور اسلام اس سے منع بھی نہیں کرتا تھا تو اس کی تعظیم کرنے کا ارادہ کیا، اسی طرح مذہبِ موسوی میں اونٹ کا گوشت

کھانا حرام تھا اور اسلام میں کھانا فرض بھی نہیں تھا تو اونٹ کا گوشت نہ کھانے کا ارادہ کیا۔ بہ ظاہر اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت وطاعت کا جذبہ زیادہ نظر آتا ہے؛ لیکن اسلام نے پیش بندی کے خاطر اس خیال کی تردید کی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے تنبیہ فرمائی: ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ﴾ (البقرۃ: ۲۰۸) ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ۔ (توضیح القرآن۔ معارف القرآن ۱/ ۴۹۸)

آپؓ کی اتباعِ نبوی کا عالم

کونسے صحابی ایسے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کی مکمل پیروی کرنے کی کوشش نہ کرتے ہو؛ لیکن آپؓ اس سلسلہ میں امتیازی خصوصیت کے حامل تھے۔ چناں چہ آپؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک پیالہ مدتوں سنبھال رکھا، جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیا کرتے تھے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ بھی آپ نے ذہن نشین کر رکھی تھی۔

ایک مرتبہ حضرت ابو بریدہؓ مدینۂ منورہ تشریف لائے، تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے ملاقات ہوئی، حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ: آپ گھر تشریف آؤ؛ تاکہ میں آپ کو اس برتن میں ستو پلاؤں جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیا کرتے تھے اور تمہیں وہ جگہ بتلاؤں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابو بریدہؓ آپؓ کے گھر حاضر ہوئے، تو حضرت عبداللہؓ نے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والے برتن

میں ستو پلایا، کھجور کھلائی اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ بتلائی۔ حضرت ابو بریدہؓ نے بھی اس جگہ نماز پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۱۸۸)

دینی معاملات میں آپؓ کی سمجھ بوجھ اور اجتہادی شان

بڑے بڑے عظیم المرتبت صحابہ آپؓ سے مسائل اور احادیث دریافت کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ (جو راویوں کے سرخیل ہیں) نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے دریافت کیا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ جس میں بندہ اللہ سے ''نماز کی حالت'' میں جو کچھ مانگتا ہے وہ اسے دیا جاتا ہے''۔ تو وہ گھڑی کونسی ہے؟ آپؓ نے جواب دیا کہ: وہ عصر سے مغرب کے درمیان کا وقت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ: وہ گھڑی تو نماز کی حالت کی ہے، اور عصر اور مغرب کے درمیان تو کوئی نماز ہی نہیں ہے!! تو عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت کیسے ہوسکتا ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ: کیا تم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نہیں سنا کہ: جو شخص نماز کے انتظار میں ہوتا ہے تو گویا وہ نماز ہی کی حالت میں ہوتا ہے۔ تو جو شخص مغرب کی نماز کے انتظار میں ہوگا تو وہ گویا نماز کی حالت ہی میں ہے۔ اس پر حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ: آپ ٹھیک فرما رہے ہیں۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص:۳۹۲)

اوقات کی قدردانی

آپؓ اوقات کے بڑے قدردان تھے۔ دن بھر خود کو مشغول رکھنے کے

لیے اسلام سے پہلے آپ نے اوقات کے تین حصے مقرر کر رکھے تھے: ایک حصہ چرچ وکلیسا میں لوگوں کو نصیحت ووصیت کرنے کے لیے مقرر تھا، دوسرا حصہ آپ کی خانہ داری وباغ کی رکھوالی کے لیے متعین تھا، اور تیسرے حصہ میں آپ حصولِ علم میں مشغول رہتے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اوقات کی قدردانی، مخلوق کی خدمت وغمگساری اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں روز افزوں ترقی ہوتی رہی۔ یقیناً آپ کی زندگی کا ہر لمحہ اصلاحِ خلق، مخلوق کی نفع رسانی اور حصولِ علم میں گذرتا تھا۔

(صور من حیاۃ الصحابہ، ص: ۴۴۱)

تواضع

جس طرح اللہ نے آپؓ کو دینی نعمت سے نواز رکھا تھا اسی طرح دنیوی نعمت سے بھی نوازا تھا؛ لیکن کبھی حبِ دنیا اور غرور وتکبر کو اپنے دل میں گھسنے نہیں دیا۔ آپ کی عاجزی وانکساری ہر انسان کے لیے درسِ عبرت ہے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ: آپؓ لکڑیوں کے گٹھر کو کندھوں پر اٹھا کر بازار لے جارہے تھے، لوگوں نے دیکھا تو آپؓ سے کہا: آپ کو تو اللہ نے مال ودولت سے نواز رکھا ہے، اگر آپ کسی خادم سے اٹھوا لیتے تو اچھا ہوتا، آپ کو راحت ملتی! آپؓ نے جواب دیا کہ: میں اس طرح سے اپنے نفس کے تکبر کو توڑتا ہوں؛ کیوں کہ مجھے ڈر ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا مستحق نہ ہو جاؤں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متکبر کو وعید سنائی ہے کہ جس کے قلب میں رائی کے برابر بھی کبر و

گھمنڈ ہوگا وہ بہشت میں داخل نہ ہوگا۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۸۷)

بشارتِ جنت

حضرت قیس بن عبادہ تابعیؒ کے بیان کے مطابق جنت کی بشارت ملنے کا پس منظر یہ ہے کہ:

ایک مرتبہ حضرت قیسؒ مسجدِ نبوی کے ایک حلقۂ علم میں بیٹھے ہوئے تھے، تبھی وہاں ایک بزرگ آئے اور انھوں نے اس خوبصورت انداز میں دو رکعت نماز ادا کی جس کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ پھر وہ لوگوں سے مذاکرہ کرنے لگے، میں نے دیکھا کہ وہ لوگوں سے بڑے نرم اور شیریں لہجہ میں بات کر رہے تھے، مجلس کے ختم پر جب وہ بزرگ جانے لگے تب وہاں کچھ لوگوں نے کہا: جسے جنّتی شخص کا دیدار کرنا ہو اِن بزرگ کو دیکھ لے۔ حضرت قیسؒ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ بڑے میاں کون ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ: یہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن سلامؓ ہیں۔

حضرت قیسؒ حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے پیچھے ہو لیے؛ حتیٰ کہ جب وہ شہر کے کنارے پر واقع اپنے گھر میں داخل ہو گئے، تب حضرت قیسؒ نے خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی، آپؓ نے اجازت دے دی۔ حضرت قیسؒ داخل ہوئے، آپؓ نے پوچھا کہ: بھتیجے! کیا بات ہے؟ حضرت قیسؒ نے کہا کہ: مسجد میں بیٹھے لوگ آپ کے بارے میں جنّتی ہونے کی خبر دے رہے تھے؛ اسی لیے میں

آپ کے پیچھے پیچھے آیا ہوں؛ تاکہ خود آپ سے جان سکوں کہ لوگوں کو آپ کے جنتی ہونے کا علم کیسے ہوا؟ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا کہ: بیٹے! جنتیوں کو تو اللہ ہی جانتا ہے۔ حضرت قیسؒ نے کہا کہ: پھر بھی اُن کے کہنے کی کوئی تو وجہ ہوگی؟ آپؓ نے فرمایا کہ: ہاں ہے! میں تم کو بتلاتا ہوں۔ پھر آپؓ نے اُس کا پس منظر یہ بیان فرمایا کہ:

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک خواب دیکھا تھا، کہ ایک آدمی نے آکر مجھے اُٹھایا، اور میرا ہاتھ پکڑ کر کہیں لے جانے لگا، ہم ایک جگہ پہنچے جہاں بائیں جانب ایک راستہ تھا، تو میں نے وہاں جانا چاہا، اُس آدمی نے مجھے وہاں جانے سے روک دیا، اور کہا کہ: تمھارا راستہ یہ نہیں ہے۔ پھر دائیں جانب ایک راستہ نظر آیا جو بالکل واضح تھا، اُس آدمی نے کہا کہ: تم اِسی راستے پر چلو۔ میں نے اُس راستے پر چلنا شروع کیا اور چلتا گیا؛ حتی کہ ایک باغ تک پہنچا جو کافی بڑا، ہرا بھرا اور تر و تازہ تھا، باغ کے درمیان میں ایک لوہے کا ستون تھا جو کافی لمبا تھا، جس کی ابتدا زمین میں تھی اور انتہا گویا ثُریا سے باتیں کر رہی تھیں، اُس ستون پر ایک حلقہ (کڑا) بنا ہوا تھا جو سونے کا تھا، اُس آدمی نے مجھ سے کہا کہ: تم اِس ستون پر چڑھو، اس کی لمبائی دیکھ کر میں نے کہا کہ: میں اس پر چڑھنے کی سکت نہیں رکھتا ہوں۔ اُس وقت ایک خادم میرے پاس آیا، جو مجھ کو اُٹھانے لگا، اُس کی مدد سے میں نے چڑھنا شروع کیا؛ حتیٰ کہ ستون کے آخری کنارے تک پہنچ گیا، پھر اُس

حلقے کو میں نے مضبوطی سے پکڑ لیا اور پکڑے رکھا۔ اِتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔

بیدار ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گیا اور تعبیر دریافت کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب کی تعبیر اِس طرح بیان فرمائی کہ: بائیں جانب والا راستہ ''اصحابِ شمال'' کا تھا جو جہنم کی طرف جارہا تھا اور دایاں راستہ ''اصحابِ یمین'' کا تھا جو جنت کی طرف جارہا تھا اور وہ باغ ''چمنستانِ اسلام'' تھا اور وہ ستون ''دین کا ستون'' تھا اور وہ حلقہ، وہی حلقہ ہے جس کو قرآن کے بیان کے مطابق ''کامل الایمان'' شخص تھامتا ہے (آیتِ کریمہ ﴿فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا﴾ کی طرف اشارہ ہے)، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی کہ: تم اِس حلقے کو آخری دَم تک تھامے رکھو گے۔ زبانِ رسالت سے اپنے خواب کی یہ خوبصورت تعبیر سن کر مارے خوشی کے بے اختیار میری زبان پر تکبیر وتہلیل جاری ہوگئی۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۱۹۷)

خلاصۂ واقعہ یہ ہے کہ جس راستے پر حضرت عبداللہ بن سلامؓ چلے تھے اُس راستے کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحابِ یمین یعنی جنتیوں کا راستہ قرار دیا اور تادمِ حیات اس پر برقرار رہنے کی خوش خبری سنائی؛ اسی لیے لوگ آپؓ کو ''جنّتی'' کہہ رہے تھے۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے جنتی ہونے کی بشارت کا ایک اور واقعہ بھی ہے کہ: کچھ صحابہؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جن میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی تھے، اسی اَثنا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ثرید سے بھرا پیالہ

پیش کیا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں سے کچھ تناول فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا کہ: ابھی ایک جنّتی شخص آ کر اس برتن میں سے کھائے گا۔ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ: مجھے یہ تمنا ہوئی کہ میرا بھائی عمیر بن ابی وقاص آئے اور اس برتن میں سے کھائے؛ لیکن ان سے پہلے حضرت عبداللہ بن سلامؓ آ گئے اور انھوں نے اس برتن میں سے کھایا۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۱۹۶)

حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے روئے زمین پر چلنے والے کسی بھی شخص کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنت کی خوش خبری دیتے ہوئے نہیں سنا سوائے حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۱۹۶)

اسی طرح حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے بارے میں فرمایا کہ: وہ دس اہلِ جنت میں سے دسویں ہیں۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۱۹۸)

غرض یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ ایسے جلیل القدر صحابی ہیں جن کو ان کی راست گوئی، صداقت شعاری، تقویٰ و پرہیزگاری اور حکمت و دانائی کے باعث ''جنتی'' ہونے کی خوشخبری ملی، آپ کی حیاتِ طیبہ سے سب سے بڑا اسبق یہ ملتا ہے کہ صرف ''حق'' کا جان لینا کافی نہیں ہے؛ بلکہ جان کر بلاخوفِ لومۃ لائم لبیک کہتے ہوئے اس کو قبول کرنا اور اس پر ہزار مخالفتوں اور طعنوں کے باوجود استقامت کے ساتھ جمے رہنا کامیابی کی ضمانت ہے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

از قلم: سلمان عبدالحمید پالنپوری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

چھٹی صدی عیسوی جاری تھی، سرزمینِ یثرب بت پرستی کا مرکز بنی ہوئی تھی، ظلم وتشدد اپنے عروج پر تھا، پھول جیسی معصوم بچیوں کو زندہ درگور کیا جارہا تھا، اوس وخزرج کی آبائی جنگ ہزاروں لوگوں کو خاک وخون میں ملا چکی تھی، عورت کے بدلے مرد، غلام کے بدلے آزاد اور ایک آزاد کے بدلے دو آزاد آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا، انسانی خون ندی کی طرح بہا جارہا تھا، ظلم و بربریت کی خوار دار جھاڑیوں میں انسانیت کا دامن تار تار تھا، بیٹا خون میں ہاتھ بھگو کر باپ، دادا کے انتقام کا حلف اٹھاتا تھا، تقریبات اور محفلوں کی زینت کا معیار زر وزن اور شراب کی کثرت تھی۔

الغرض نوعِ انسانی کفر وشرک، ظلم و بربریت کی ایسی کھائی میں گر چکی تھی کہ جس سے نکلنے کا دور دور تک کوئی امکان نہ تھا، تبھی یکا یک رحمتِ الٰہی جوش میں آئی، حالات نے پلٹا کھایا، ہواؤں کے تیور بدلے، فضاؤں میں انقلاب کی خوشبو آئی، ہدایت کے جھونکے چلے، اور بدرالدرجیٰ، نورالہدیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمانِ نخلستان پر جلوہ گر ہوئے، جس نے سارے ہی اوس وخزرج کے کہکشاں کو جگمگا دیا۔ اسی محفلِ کہکشاں کا ایک ستارہ ایسا تھا جس کا اسلام نہ صرف اس کی ذات تک منحصر تھا؛ بلکہ اس کی صرف ایک صدا پر اس کی پوری برادری حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئی۔ شمعِ

ہدایت کے اس پروانے نے درسگاہِ رسالت میں رہ کر ایسی تربیت پائی کہ اس کی موت پر عرشِ الٰہی فرطِ مسرت سے جھوم اٹھا اور جس کی رحلت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراپا حزن وملال بنے اشک بار تھے، جس کی قبر سے مشک وعنبر کی خوشبو پھوٹ رہی تھی۔

کون تھا یہ ستارہ؟ ہاں یہ "رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم ورضوا عنہ" کے گروہِ مقدس کا کوکبِ درخشاں: صدیق الانصار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ آپ کی کچھ سوانحی جھلکیاں ذیل میں پیشِ خدمت ہیں:

نام ونسب اور خاندان

آپ رضی اللہ عنہ کا نام سعد، کنیت ابوعمرو اور لقب سید الاوس ہے۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے: سعد بن معاذ بن نعمان بن امرؤ القیس بن زید بن عبد الاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج بن بنت عمرو بن مالک بن اوس۔

والدہ کا نامِ نامی کبشہ بنت رافع تھا، جو رشتے میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی چچازاد بہن تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کے والدِ محترم معاذ بن نعمان زمانۂ جاہلیت ہی میں انتقال کر چکے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی والدۂ محترمہ نے اسلام کا زمانہ پایا اور نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ تشریف آوری سے قبل مشرف بہ اسلام بھی ہوگئیں اور اپنے فرزندِ ارجمند کے انتقال کے بعد ایک عرصے تک زندہ رہیں۔ (سیر الصحابہ ۵ / ۱۳)

آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ ان سعادت مند عورتوں میں سے ہیں جنہوں نے آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی تھی۔

(طبقات ابن سعد ۳/ ۲۔ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۰۳)

آپؓ کی زوجۂ محترمہ کا نام ہند بنت سماکؓ تھا جو قرابت میں حضرت اسید بن حضیرؓ کی پھوپھی تھیں۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۰۳)

حضرت سعد بن معاذؓ کی اولاد میں دو صاحبزادے تھے: (۱) عمرو بن سعد (۲) عبداللہ بن سعد۔ یہ دونوں ہند بن سماک کے بطن سے تھے۔ (حوالۂ بالا)

آپؓ کا تعلق اوس کے شریف ترین قبیلے قبیلۂ بنو عبدالاشہل سے تھا، چوں کہ سیادتِ عامہ اس میں موروثی طور پر چلی آ رہی تھی، اسی لیے آپ بھی اپنے قبیلہ کے ذی اثر وذی وجاہت سردار بنے۔

''یثرب'' مدینۃ النبی کی راہ پر

یہودِ یثرب کے تین بڑے بڑے قبائل: بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ - جو وہاں پہلے ہی سے بود و باش اختیار کیے ہوئے تھے -، ہمیشہ مدینہ کے مشرکین اوس وخزرج کو یہ کہہ کر عار دلاتے اور دھمکاتے رہتے تھے کہ: عنقریب نبیٔ آخر الزماں کا ظہور ہونے والا ہے، اور ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ یثرب ان کی ہجرت گاہ ہوگی۔ جب ان کی یہاں تشریف آوری ہوگی تو ہم ان کی اتباع کریں گے، ان کی قیادت وامارت میں تمہارے ساتھ قتال کریں گے اور عاد وارم کی طرح تمہارا وجود صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے۔ مذہبی کتابوں کی آڑ لے کر اس طرح

کی باتوں سے ان کو ہر آن مرعوب رکھتے تھے۔

اِدھر سرزمینِ مکہ میں وقتِ مقررہ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت ملی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوتِ اسلام کا آغاز فرمادیا، اکثر لوگ ٹھکراتے رہے، اور کچھ خوش نصیب دولتِ اسلام سے مالا مال ہوئے۔ چوں کہ موسمِ حج میں زمانۂ جاہلیت کی رسم کے مطابق سارے عرب سے حجّاج کے قافلے مکہ آتے تھے، موسمِ حج کے اس سنہرے موقع کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غنیمت سمجھتے اور باہر سے آنے والوں کے سامنے اسلام پیش کرتے۔ منجملہ انہیں لوگوں میں سے قبیلۂ خزرج کے چھ سعید الفطرت اشخاص بھی تھے، جن کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام پیش کیا، ان نیک طبع اور خوش قسمت جیالوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو بلا چوں و چرا دل و جان سے قبول کرلیا، اور اس پیغامِ ربّانی کے لیے بیک زبان لبیک کہا، کیوں کہ ان لوگوں نے یہودِ مدینہ کی زبانی یہ بات سن رکھی تھی کہ نبیٔ آخرالزماں آنے والے ہیں۔ جب ان حضرات کو یقین ہوگیا کہ یہی نبیٔ آخرالزماں ہیں جن کے متعلق یہود نے ہم کو آگاہ کیا تھا تو انہوں نے اس موقع کو غنیمت جانا کہ یہود محمد پر ایمان لائے اس سے پہلے ہم اس نعمتِ عظمیٰ سے بہرہ ور ہوجاتے ہیں۔ اس طرح یہ حضرات دولتِ اسلام سے مالا مال ہوئے، پھر ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور اپنی قوم کی دکھ بھری باتیں اور ان کے احوالِ فاسدہ وعقائدِ باطلہ بیان کیے اور اخیر میں رخصت ہوتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ بابرکت پر اس بات کا عہد و پیمان

کیا کہ ہم یثرب جا کر اپنی پسماندہ قوم کو اسلام کی دعوت دیں گے، اور بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو ہمارے ذریعہ نعمتِ اسلام سے سرفراز فرماوے۔

یہ پہلا موقع تھا جب سرزمینِ یثرب میں خورشیدِ اسلام کی کرن نمودار ہوئی اور نہایت خاموشی کے ساتھ دعوتِ اسلام کا آغاز ہوا، اب رفتہ رفتہ مدینہ میں اسلام سعید الفطرت یثربیوں کے ویران وکھنڈر دلوں کو دستک دینے لگا، اور تاریکیوں کو روشنیوں میں تبدیل کرنے لگا، کچھ لوگ بتدریج اسلام سے مانوس ہوتے گئے۔ دوسرے سال موسمِ حج کے آتے آتے مدینہ کی نجی محفلوں میں سے کوئی محفل ایسی نہ تھی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکرِ خیر نہ ہونے لگا ہو۔

چناں چہ جب دوسرے سال ایامِ حج کی ابتدا ہوئی تو گذشتہ سال کے مقابلے میں دوگنا حضرات یعنی کل بارہ افراد پر مشتمل قافلہ مکۂ مکرمہ پہنچا، لیکن اس باران نیک بخت اشخاص میں صرف خزرج ہی نہ تھے؛ بلکہ ان میں تین شخصیات قبیلۂ اوس کی بھی تھیں، اس سال بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے بیعت لی۔

یہی وہ بیعت ہے جس کو اہلِ سیر وتاریخ ''بیعتِ عقبۂ اولیٰ'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

مدینہ میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی آمدِ باسعادت

حج سے فراغت پر جب اہلِ یثرب اپنے وطن کی جانب لوٹنے لگے تو ان کی درخواست پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحابِ سابقین اولین میں سے شہزادۂ

عصر حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ہمرکاب کر دیا؛ تاکہ وہ ان کو اسلام اور احکاماتِ اسلام کی تعلیم دے اور ساتھ ہی یثرب کی فضا میں حکمت کے ساتھ سرِ عام دعوتِ اسلام پیش کرنے کا سلسلہ شروع کیا جائے۔

چناں چہ حضرت مصعب بن عمیرؓ تعمیلِ ارشاد کی غرض سے ان سعادت مندوں کے ہمراہ مدینہ پہنچے، وہاں جا کر سردارِ قبیلہ حضرت اسعد بن زرارہؓ کے یہاں فروکش ہوئے، آپ وہاں لوگوں کو دینی احکام سکھلاتے، قرآن کی تلاوت کر کے سناتے اور حکیمانہ انداز میں مؤثر مواعظ کے ذریعہ لوگوں کے سامنے اسلام اور اس کی خوبیاں پیش فرماتے۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے دعوتی مہم کو فروغ دینے اور اس کے حلقۂ اثر کو وسیع تر کرنے کے لیے جس حکیمانہ اسلوب، صبر و حلم، رفقت و لینیت اور محاسنِ اخلاق سے کام لیا اس نے یثرب کے بت پرستانہ ماحول میں ایک مقدس انقلاب برپا کر دیا، آہستہ آہستہ لوگ اسلام اور اس کی خوبصورت تعلیمات سے روشناس ہونے لگے، اسلام کا دائرہ پھیلتا گیا؛ یہاں تک کہ مدینہ کی نصف آبادی اسلام سے بہرہ یاب ہوگئی۔

ایک طرف لوگ تیزی سے حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھوں کفر و شرک کے سیاہ دلدل سے نکل کر اسلام کے مشک بیز و مہک ریز گلشن کی طرف دوڑے چلے آ رہے تھے۔ تو دوسری طرف قبیلۂ اوس کی شاخ بنو عبدالاشہل کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ بشمول اپنی قوم کے کفر و شرک کی وحشیانہ زندگی میں مست

تھے، حالاں کہ آفتابِ رسالت کی شعاعیں فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوکر سر زمینِ یثرب کو منور کر چکی تھیں۔

حضرت سعد بن معاذؓ اسلام کے سایۂ عاطفت میں

ایک دن حضرت اسعد بن زرارہؓ اور حضرت مصعب بن عمیرؓ قبیلۂ بنوعبدالاشہل اور قبیلۂ بنوظفر کے ارادے سے نکلے، بنوظفر کے ایک باغ میں داخل ہوئے، ان کے گردوپیش بہت سے مسلمان حضرات اکٹھے ہو گئے۔ ان دنوں سعد بن معاذ اور ان کے چچیرے بھائی اسید بن حضیر اپنی قوم بنوعبدالاشہل کے سردار تھے، ان کے مابین ایسی گہری دوستی تھی کہ آپس میں ایک دوسرے سے دوری ان کو گراں گذرتی تھی۔ یہ دونوں حضرات اپنی کسی نشست گاہ پر جلوہ افروز تھے کہ یکا یک کعب بن حرث ان کے پاس آ کر عرض کرنے لگے کہ معصب بن عمیر نامی ایک شخص جو مکہ سے آ کر آپ کے خالہ زاد بھائی اسعد بن زرارہ کا مہمان بنا بیٹھا ہے اور قبائلِ مدینہ کو اپنے موروثی اور خاندانی دین سے منحرف کر کے ایک قریشی کا نیا دین قبول کرنے کی دعوت دے رہا ہے، اور ہمارے ہی کچھ لوگ اپنے آبائی دین سے دست بردار ہو کر اس کے ساتھ ہو لیے ہیں، وہ آج بنوظفر کے باغ میں بیٹھا دعوتِ اسلام دے رہا ہے۔ جب سعد بن معاذ نے کعب بن حرث کی بات سنی تو غصہ سے آگ بگولہ ہو گئے اور اپنے مصاحب اسید بن حضیر سے کہا: تم کس خواب میں ہو؟ وہ دونوں ہمارے دیار میں گھس کر ہمارے ضعیف اور کمزور

لوگوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں، اور ان کو ان کے آبائی مذہب سے ہٹا کر اس صاحبِ قریش کا دین قبول کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ تم جاؤ! اور انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر کے سختی سے منع کر دو کہ وہ آئندہ ہمارے محلات میں نظر نہ آئیں، اگر وہ میرے خالہ زاد بھائی اسعد بن زرارہ کے مہمان نہ ہوتا تو میں اس مکّی کے ساتھ نہایت ترش روئی سے پیش آتا؛ کیوں کہ میں اسعد بن زرارہ کا سامنا کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔

جب اسید بن حضیر نے یہ بات سنی تو غیظ و غضب سے تاب نہ لا سکے، اپنا برچھا اٹھا کر سیدھے بنو ظفر کے باغ میں پہنچے، حضرت اسعد بن زرارہؓ نے جب ان کو آتے دیکھا تو حضرت مصعب بن عمیرؓ سے کہا: یہ بنو عبد الاشہل کے دو سرداروں میں سے ایک ہے، اگر یہ اسلام کی دولت سے سرفراز ہو جائے تو ہمیں بڑی تقویت حاصل ہوگی؛ لہٰذا آپ ان کے سامنے اللہ کی باتیں ٹھیک ٹھیک انداز سے پیش کریں؛ تاکہ یہ کسی طرح کفر کی غلاظت اور شرک کی ناپاکی سے نکل آئے۔ اسید بن حضیر آتے ہی داعیانِ حق پر برس پڑے، کہنے لگے کہ: تم ہمارے کمزروں کے ساتھ دھوکا دہی سے کام لے رہے ہو، اپنی سلامتی چاہتے ہو تو یہاں سے چلے جاؤ، ہمیں تمہاری چنداں ضرورت نہیں ہے، اور یاد رکھو! آئندہ پھر کبھی بھی ہمارے محلات کا رخ نہ کرنا؛ ورنہ نتیجہ کے ذمہ دار تم ہوں گے۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ ان کا آتشی کلام نہایت ہی صبر و تحمل سے سنتے

رہے، اور اخیر میں ملائم لہجہ کے ساتھ نہایت متواضعانہ انداز میں فرمایا: برادرِ محترم! تم تھوڑی دیر ہماری بات تو سن لو! اگر آپ کی فطرتِ سلیمہ کے موافق ہے تو ٹھیک ہے؛ ورنہ ماننے اور نہ ماننے میں آپ کو اختیار ہے۔ حضرت مصعبؓ کی دل رُبا گفتگو نے حضرت اسید کے سرخ چہرہ پر پانی کے چھینٹوں کا کام کیا، آخر کار اپنا نیزہ زمین پر گاڑ کر بیٹھ گئے، کہنے لگے کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو، سناؤ! کیا سنانا چاہتے ہو؟ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے نہایت ہی دل آویز پیرایہ میں تعلیماتِ اسلام کو بیان فرمایا، اور قرآن کریم پڑھ سنایا۔ بس پھر کیا تھا کلامِ الٰہی سنتے ہی اسلام کی محبت دل میں جاگزیں ہوگئی، تاریکی اور ظلمت کے سیاہ بادل چھٹ گئے اور نورِ اسلام سے ان کا دل منور ہوگیا۔ ان دونوں حضرات کا بیان ہے کہ: خدا کی قسم! اسید کے چہرے کی بشاشت اور ان کے اندازِ کلام کی نرمی کو دیکھ کر ہم سمجھ گئے کہ اسلام ان کے دل میں گھر کر گیا ہے۔ تلاوت کے اختتام پر وہ بے اختیار بول اٹھے: جس دین کا کلام اتنا اچھا ہے خود وہ دین کتنا اچھا ہوگا۔ اسلام کی خوبی اور قرآن کی نغمگی نے ان کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ جب تم اس دین میں داخل ہوتے ہو تو کیا کرتے ہو؟ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے جواباً فرمایا کہ: پہلے تم غسل کر کے پاک کپڑے پہن لو، جب وہ غسل وطہارت سے فارغ ہوگئے تو ان دونوں حضرات نے ان کو کلمۂ شہادت پڑھوایا۔ کلمۂ شہادت پڑھنے کے بعد دوگانہ ادا کیا، اور اخیر میں جاتے وقت ان حضرات سے کہا کہ میرے پیچھے ایک ایسا شخص ہے کہ اگر وہ اسلام کا لبادہ

اوڑھ لیں گے تو ان کی قوم کا ایک آدمی بھی ان کی مخالفت کرنے کی جرأت نہ کر سکے گا، اسے میں تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ یوں کہہ کر اپنا نیزہ لیا اور اپنی قوم کی طرف چل پڑے۔

اُس وقت حضرت سعد بن معاذ اپنی قوم کے چند لوگوں کے ساتھ مجلس لگائے بیٹھے تھے، جب حضرت اسیدؓ کو آتے دیکھا تو ان کے چہرہ کو دیکھ کر بھانپ گئے اور کہنے لگے: بہ خدا! یہ وہ چہرہ نہیں ہے جسے لیے ہوئے اسید گئے تھے۔ حضرت اسیدؓ نے وہاں پہنچ کر حضرت سعدؓ کو مخاطب کر کے کہا: میرے بھائی! وہاں تو کوئی اور ہی سماں ہے، بنو حارثہ کے لوگ آپ کے خالہ زاد بھائی کے قتل کے درپے ہو گئے ہیں، کیوں کہ ان کو پتہ چل چکا ہے کہ وہ آپ کے خالہ زاد بھائی ہیں، اور ان کو قتل کر کے آپ کی تحقیر و تذلیل کرنا چاہتے ہیں، ایسے نازک وقت میں آپ کا وہاں جانا بہت ضروری ہے۔ یہ بات سن کر ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا، نہایت غضب آلود ہو کر برچھا ہاتھ میں لیا اور تیزی سے لپکے؛ تا کہ بنو حارثہ کا ہاتھ پڑنے سے پہلے اپنے بھائی تک پہنچ جائیں۔

وہاں جا کر جب ان دونوں کو مطمئن دیکھا تو سمجھ گئے کہ دراصل اسید کا مقصد ان کی باتیں سنوانا تھا۔ حضرت اسعد بن زرارہؓ نے نظر پڑتے ہی حضرت مصعب بن عمیرؓ سے کہہ دیا تھا کہ: یہی قبیلۂ بنو عبدالاشہل کا مکھیا اور چودھری ہیں، اگر یہ اسلام لے آئے تو ان کی قوم کا کوئی بھی شخص اسلام کے بغیر نہ رہے گا۔

حضرت سعد وہاں پہنچتے ہی حضرت اسعد بن زرارہؓ پر لعن طعن کرنے لگے، کہنے لگے کہ: اے ابوامامہ! بہ خدا! اگر تمہاری قرابت کا پاس ولحاظ نہ ہوتا تو یہ قریشی مجھ سے نہ بچ سکتا، تم لوگ ہمیں ناگوار باتیں سنا سنا کر دھوکا دینا چاہتے ہو، غرض اس قسم کی بہت ترش وتلخ باتیں کہتے رہے۔

حضرت اسعد بن زرارہؓ قبیلۂ خزرج کے خاندانِ نجار کے رئیس تھے، وہ اِن کی باتوں سے ہرگز مرعوب ہونے والے نہ تھے، لیکن اس موقع پر نہایت ہی صبر وضبط سے کام لیا، اور مشفقانہ انداز میں کہا: بھائی! ذرا اطمینان سے بیٹھ کر ان صاحب کی بات کو سن لو، اگر دل کو لگے تو ٹھیک ہے؛ ورنہ جو کام آپ کو پسند نہ ہوگا وہ ہرگز دوبارہ نہیں کیا جائے گا۔ حضرت سعد نے کہا: یہ تم نے منصفانہ بات کی۔ یہ کہہ کر اپنا نیزہ گاڑے بیٹھ گئے۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے ان کے سامنے اسلام اور اس کی حسین تعلیمات پیش فرمائیں، اور سورۂ زخرف کی چند ابتدائی آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ جس سخی داتا نے حضرت اسیدؓ کو فطرتِ سعید سے نوازا تھا، اسی ذات نے حضرت سعد کو بھی اس دولتِ عظمیٰ کا مالک بنایا تھا۔ تلاوتِ قرآن سے ان کے دل پر برق سا اثر ہوا، جو خوبصورت چہرے پر صاف نظر آرہا تھا؛ بلکہ حضرت مصعب وحضرت اسعد رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ان کے بولنے سے پہلے ہی ہم نے ان کے چہرے کی شادمانی اور انبساط کو تاڑ لیا کہ اب اسلام نے ان کے قلب میں جگہ بنالی ہے، کلامِ الٰہی کے نور سے کفر وشرک کی اندھیریاں کافور ہوگئیں،

آفتابِ اسلام کی نورانی کرنوں نے آئینۂ دل پر اپنا عکس ڈالا تو نہاں خانۂ قلب کا گوشہ گوشہ چمک اٹھا، اور ہدایت کی نورانی شاخیں ان پر سایہ فگن ہوگئیں، بے ساختہ حضرت سعدؓ کے منہ سے وہی بات نکلی جو حضرت اسید نے کہی تھی، اور کلمۂ شہادت پڑھ کر ۱۱ نبوی ۳۰ رسال کی عمر میں حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے، پھر دوگانہ ادا کر کے اپنا نیزہ لیے وہاں سے چل دیے اور اپنے بھائی حضرت اسید بن حضیرؓ کے ساتھ سیدھے اپنی قوم کی جلوت گاہ میں آئے۔

تا قیامت تم سے نہ بولوں اگر

لوگوں نے جب ان کو ایک دوسری کیفیت کے ساتھ آتے دیکھا تو کہنے لگے بہ بخدا! یہ بھی اپنا اصلی چہرہ کہیں چھوڑ آئے ہیں۔ آپؓ نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو جمع فرمایا اور ان کے سامنے کھڑے ہو کر کہا: اے بنو عبدالاشہل! تم مجھے اپنے درمیان کیسا جانتے ہو؟ وہ کہنے لگے: آپ ہمارے سردار ہیں، ہم سب میں اصوب الرائے ہیں، ہمارے قبیلے میں سب سے زیادہ عقلمند اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں، جب قوم ان کی سیادت و شرافت کی معترف ہوگئی تو فرمایا کہ: میں اپنے آپ پر تمہارے کسی بھی مرد و زن سے گفتگو کرنے کو حرام سمجھوں گا جب تک کہ وہ سب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لے آئے۔

حضرت سعدؓ کو اپنی قوم اور خاندان کے درمیان جو بے پناہ رسوخ حاصل تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس اعلان کو سنتے ہی اکثر و بیشتر حضرات اُسی وقت دامنِ اسلام میں

پکے ہوئے پھل کی طرح آ گرے اور نعمتِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے، البتہ جو اکّے دکّے باقی رہ گئے تھے وہ بھی شام کی زردی رات کی سیاہی میں تبدیل ہونے سے پہلے پہلے مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

(البدایہ والنہایہ ۳/ ۵۳، ۱۵۲ بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۰۲ تا ۳۰۵۔ اصحاب الرسول، ص: ۳۳۳، ۳۳۴۔ خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹)

حضرت مصعب بن عمیرؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ کے قبیلے میں تشریف لا کر وعظ فرمایا اور لوگوں کو دعائیں دیں۔

بت توڑ دیے گئے

اسلام لانے کے بعد حضرت سعدؓ کو صنم پرستی سے کچھ ایسی نفرت و کدورت ہو گئی کہ خود اپنے بھائی حضرت اسید بن حضیرؓ کے ساتھ بنو عبدالاشہل کے صنم خانے میں پہنچے اور اس کی ایسی گت بنائی کہ گویا کہ اس کا وجود سرے سے تھا ہی نہیں۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۴۲۱۔ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۰۵)

حضرت سعدؓ کا نمایاں شرف

حضرت سعدؓ کا ایمان ایک ایسا عظیم کارنامہ تھا جس میں کوئی دوسرا ان کا شریک و سہیم نہیں، کیوں کہ ان کے اسلام لانے سے ان کا پورا قبیلہ اسلام کے سایۂ عاطفت میں داخل ہو گیا تھا، اور آپؓ کی اسی ممتاز خصوصیت کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے: خیر دور الأنصار بنو النجار ثم بنو عبدالا شهل۔ ترجمہ: انصار

کے دو بہترین قبیلوں میں پہلا بنونجار ہے اور دوسرا بنوعبدالاشہل۔

(بخاری شریف ۱/ ۵۳۴، رقم الحدیث: ۳۶۵۲۔ مسلم شریف ۲/ ۳۰۵)

قریشیوں کے اندیشے

اب یثرب میں پوری قوت کے ساتھ اسلام کا غلغلہ بلند ہوا، اکثریت کا مذہب بدل گیا، ظلمت سے نور اور کفر سے اسلام کا سفر طے کیا گیا؛ یہاں تک کہ مدینے کا کوئی کچا پکا گھر ایسا نہ تھا جہاں اسلام اور رسولِ اسلام کا ذکرِ خیر نہ ہونے لگا ہو، سعید الفطرت یثربیوں کے اسلام کی خبر مشرکینِ مکہ کے مہر زدہ کانوں میں پڑی تو ان کو اپنے سرغنوں کے متعلق یہ خدشہ لاحق ہوا کہ ''سعدین'' کی طرح یہ بھی اپنے آبائی ملت سے ہاتھ دھو نہ بیٹھے، لہٰذا جب رات ہوئی تو قریشیوں نے جبلِ ابی قبیس سے ایک نادی کی گونجتی ہوئی آواز سنی، وہ پکار رہا تھا:

فَإِنْ يَسْلَمِ السَّعْدَانِ يُصْبِحْ مُحَمَّدُ	بِمَكَّةَ لَا يَخْشَى خِلَافَ الْمُخَالِفِ

اے قریشیو! اگر دونوں سعد صحیح سالم رہیں گے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکۂ معظّمہ میں یہ حالت ہوگی کہ وہ کسی مخالف کی مخالفت سے نہ ڈریں گے۔

جب سورج نے اپنی کرنیں افق پر پھیلا دیں تو ابوسفیان بھڑک اٹھے، کہ کس ''سعدین'' کی بات کی جارہی ہے، سعد بن بکر یا سعد بن ہزیم؟ جب اس دن کا سورج مغرب کے دامن میں جا چھپا اور رات نے اپنے سیاہ پردے ڈال دیے تو جبلِ ابی قبیس کا نادی شبِ گذشتہ کے ''سعدین'' کی وضاحت کرتے ہوئے کہہ

رہا تھا:

أَيَا سعدُ سَعْدَ الاَوْس كُنْ اَنْت نَاصِرًا		وَيَا سعْدُ سَعْدَ الْخَزْرَجِيينَ الْغَطارِف

اے قبیلۂ اوس کے سردار سعد! تو مددگار بن جا اور اے سرداروں اور شرفا کے قبیلۂ خزرج کے سعد! تم بھی

اَجِيْبَا اِلىٰ دَاعِى الْهُدىٰ وَتَمَنَّيَا		عَلَى اللّٰهِ فِى الفردَوْس مُنْيَة عَارِف

تم دونوں ہدایت کی طرف بلانے والے کی بات مان لو اور اللہ تعالیٰ سے جنت میں انعام و بدلے کی امید رکھو۔

فَاِنَّ ثَوابَ اللّٰه لِلطالِبِ الهُدىٰ		جِنانٌ مِنَ الْفردَوْس ذَاتُ رَفَارِف

کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ثواب طلب گارِ ہدایات کے لیے تہہ بہ تہہ جنتی باغات کی شکل میں موجود ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۳/ ۱۶۵ بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۳۰۶)

پھر جب صبح ہوئی تو ابوسفیان نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا کہ: اچھا ہوا اس نے وضاحت کردی، بہ خدا! وہ تو رئیس الاوس اور رئیس الخزرج سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ ہیں۔ (حوالۂ بالا)

نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت اور مدینہ تشریف آوری

جب اپنوں اور بیگانوں کے ظلم وستم تمام حدود پار کر گئے تو بہ حکمِ الٰہی صحابۂ کرامؓ نے مدینہ کی جانب ہجرت کا آغاز کردیا، رفتہ رفتہ صحابہؓ پہنچتے گئے، آخر کار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جبرئیلِ امینؑ حاضر ہوکر کہنے لگے: یارسول

اللہ! آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہجرت کی اجازت مرحمت فرمادی ہے۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدھے جا کر حضرت صدیقِ اکبرؓ کے گھر دستک دی اور ان کو یہ مژدۂ جانفزا سنایا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مصاحبت کی درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ کی معیت کو قبول فرمایا۔ دونوں حضرات رات کے وقت روانہ ہوئے اور بطحا کے قریب ہی غارِ ثور میں پناہ گزیں ہوئے، وہاں تین دن بسر کر کے آگے روانہ ہو گئے۔ اِدھر اہلِ یثرب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کی خوشخبری سن کر ہر روز مدینہ سے باہر ٹیلوں اور پہاڑوں پر چڑھ چڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار فرماتے، آخر کار انتظار کی گھڑیاں اختتام کو پہنچیں اور ایک دن جب دوپہر کی تپتی دھوپ سے مایوس ہو کر دیوانے واپس لوٹ رہے تھے کہ اچانک ایک یہودی نے - جو پہاڑ پر چڑھ کر دیکھ رہا تھا -، آواز دی تمہیں تمہارا مطلوب حاصل ہو گیا، یہ آواز سنتے ہی انصار ہتھیار سے مسلح ہو کر مدینہ سے باہر دوڑ پڑے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نہایت والہانہ استقبال کیا۔ (بخاری شریف ۱/ ۵۵۲، رقم الحدیث: ۳۷۶۸)

مدینہ کے شب و روز

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے حضرت سعدؓ کی خوشی کا جو عالم تھا اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا ہے، گویا مدتوں کے تشنہ لب کو چشمۂ حیواں مل گیا ہو، ہر وقت حاضرِ خدمت رہتے، خدمت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ ہر گھڑی چہرۂ انور کے دیدار سے لطف اندوز ہوتے رہتے۔ زندگی کی آخری گھڑی تک حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف پاتے رہے اور مشکوٰۃِ نبوت سے رشد و ہدایت کی باتیں سن کر مستفیض ہوتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا عاشقانہ تعلق پیدا ہو گیا تھا کہ ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تن، من، دھن کی بازی کے لیے تیار رہتے تھے۔

(اصحاب الرسول، ص: ۳۳۵)

مستحکم رشتۂ مواخات

مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے والے اصحاب میں وہ حضرات بھی تھے جو کسی زمانہ میں مکہ کے رئیسوں میں شمار ہوتے تھے؛ لیکن فرمانِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حرفِ آخر سمجھ کر سب مال و دولت چھوڑے تنِ تنہا نہتے مدینہ آ گئے تھے، نہ ان کے پاس مال و دولت اور نہ ہی پسِ پشت کوئی خاندان۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار اور مہاجرین کے درمیان رشتۂ مواخات قائم فرمایا، چناں چہ امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا رئیس الاوس حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عقدِ مواخات ہوا۔ اسی قول کو ابن خلدون نے تاریخ ابنِ خلدون (۱/ ۷۲) میں اور علامہ شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی (۱/ ۲۰۷) میں بیان کیا ہے۔ اگرچہ دوسرا قول ابن عون کا یہ ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو باہم اسلامی بھائی قرار دیا گیا تھا۔

اس بھائی چارگی اور یگانگت کی وجہ سے مسلمانوں کے دلوں میں خوشی و مسرت کی ایک لہر دوڑ پڑی اور آپسی محبت و الفت سے ان کے قلوب منور و معطر

ہو گئے۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۰۷)

حضرت سعدؓ کی ہمت وشجاعت، غیرتِ دینی اور حمیتِ اسلامی

جب کفارِ مکہ کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ مدینہ کے انصار ومہاجرین میں اسلام کا رنگ پوری طرح غالب آ چکا ہے تو اہلِ یثرب کے ساتھ لڑنے جھگڑنے پر آمادہ ہو گئے، اور مدینہ کے مسلمانوں کو مکہ میں حاضری دینے اور بیت اللہ کی زیارت سے روکنے لگے، اور طرح طرح کے روڑے اٹکانے لگے۔

لیکن حضرت سعد بن معاذؓ کا معاملہ برعکس تھا، وہ کفارِ مکہ کے سربرآوردہ لوگوں میں سے امیہ بن خلف کے دوست تھے، ان دونوں کا باہمی دستور یہ تھا کہ جب حضرت سعد بن معاذ مکہ آتے تو امیہ بن خلف کے مہمان بنتے، اور جب امیہ بن خلف مدینہ آتا تو سعد بن معاذ کے یہاں ٹھہرتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے بعد ایک موقع سے حضرت سعد بن معاذؓ عمرہ کے ارادہ سے مکہ تشریف لے گئے، اور بدستور امیہ بن خلف کے یہاں فروکش ہوئے، رسمی بات چیت اور خیر خیریت کے بعد امیہ سے کہا کہ مجھ کو بیت اللہ کی زیارت اور طواف کرنا ہے تو تم میرے لیے کوئی ایسا موقع تلاش کرو جس میں بالکل بھیڑ بھاڑ نہ ہو۔ لہٰذا عین اس وقت جب آفتاب سروں پر تھا، امیہ حضرت سعدؓ کو لے کر نکلا، اتفاق سے صحنِ کعبہ میں فرعون الامت ابوجہل کا سامنا ہو گیا، تو اس نے آپؓ کو گھورتے ہوئے پوچھا: ابوصفوان! (امیہ کی کنیت ہے) یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ امیہ نے کہا: یہ

یثرب کے سعد بن معاذ ہیں۔ یہ سننا تھا کہ ابوجہل نہایت برافروختہ ہوکر کہنے لگا کہ: تم تو بڑے امن واطمینان کے ساتھ مکہ میں گھوم رہے ہو، حالاں کہ تم نے ایک صابی اور بددین کو پناہ دے رکھی ہے اور تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ان کے معین ومددگار بنو گے، بہ خدا! اے سعد! تم اگر ابوصفوان کے ساتھ نہ ہوتے تو آج بچ کر اپنے وطن نہ جاسکتے۔ حضرت سعدؓ نے بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے ہوئے بہ آوازِ بلند کہا: اگر تم نے مجھ کو طوافِ بیت اللہ سے روکا تو میں تمہارا مدینہ سے ہوکر شام جانے والا تجارتی راستہ بند کردوں گا، جس کی تم کو مجھ سے بھی زیادہ ضرورت ہے۔ جب حضرت سعدؓ نے بلند آواز سے اس کا منہ توڑ جواب دیا تو امیہ نے کہا: اے سعد! مکہ کے سردار ابوالحکم سے اس طرح بات نہ کرو، اپنی آواز پست رکھو، حضرت سعدؓ نے کہا: اے امیہ! اب رہنے بھی دے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی یہ سن رکھا ہے کہ مسلمان تجھ کو قتل کریں گے، امیہ نے پوچھا: کہاں؟ حضرت سعدؓ نے کہا کہ: جگہ کا تو علم نہیں، لیکن یہ بات پکی ہے کہ تو مسلمانوں کے ہاتھوں کیفرِ کردار کو پہنچے گا۔

امیہ نے جب یہ بات سنی تو حواس باختہ ہوگیا اور گھر آکر اپنی بیوی سے کہنے لگا: اے امِ صفوان! تم نے سعد کی بات سنی؟ امِ صفوان نے کہا: سعد کیا کہتے ہیں؟ امیہ نے کہا کہ: سعد کا کہنا ہے کہ انہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبانی سنا ہے کہ مسلمان مجھ کو قتل کریں گے، میں نے پوچھا کہاں؟ تو بولے پتہ نہیں ہے۔ امیہ

نے حلف اٹھا کر کہا کہ: بہ خدا! میں آج کے بعد کبھی مکہ سے باہر نہیں جاؤں گا۔ اسی لیے جب بدر کا موقع آیا تو ابوجہل نے کہا: لوگو! لڑائی کے لیے اٹھو اور اپنے قافلے کو بچاؤ، تو امیہ مکہ سے باہر نکلنے کے لیے ٹال مٹول کرنے لگا، یہ خبر سن کر ابوجہل اس کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابوصفوان! تو سردار ہے، جب لوگ تجھ کو دیکھیں گے کہ تیرے قدم تھرا رہے ہیں اور تو خود پس وپیش کر رہا ہے تو لوگوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور وہ بھی نہیں نکلیں گے۔ ابوجہل امیہ کو سمجھاتا رہا اور کچھ طعنے بھی دیے، آخر کار امیہ نے کہا: گر یہی بات ہے تو بہ خدا! میں ایک تیز اور پھرتیلا اونٹ خریدوں گا جس کی نظیر مکہ میں نہ ہوگی۔ پھر امیہ نے کہا: اے امِّ صفوان! میرا توشہ تیار کرو، جواب ملا: اے ابوصفوان! تم اپنے یثربی بھائی کی بات بھول گئے؟ امیہ نے کہا: نہیں بھولا ہوں، میں تو صرف تھوڑی دوران لوگوں کے ساتھ جاؤں گا اور واپس لوٹ آؤں گا۔ چناں چہ سفر شروع ہوا، لشکر جہاں کہیں پڑاؤ ڈالتا تو امیہ اپنا اونٹ اپنے پاس بندھا ہوا رکھتا؛ تاکہ بھاگنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے پائے، اور وہ اس طرح برابر احتیاط اور بچاؤ کرتا رہا؛ لیکن تقدیر کا لکھا غالب رہا اور وہ بدر کے دن واصل جہنم ہو گیا۔ (بخاری شریف ۲ / ۵۶۳)

اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ پیشین گوئی صادق آئی جو اس نے سید الاوس حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی زبانی سنی تھی۔ نیز اس وقعہ میں حضرت سعد بن معاذ کی دینی حمیت وغیرت اور ہمت وحوصلے کو بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ کس طرح دشمنوں

کی سرزمین میں ان کے سب سے بڑے سردار سے بلاخوف وخطر بھڑ گئے اور اسے دندان شکن جواب دیے، نیز اپنے میزبان کی خاطر مداہنت و بے غیرتی کو برداشت نہیں کیا؛ بلکہ اسے بھی صاف صاف اس کے بھیانک انجام کی خبر دے ڈالی، یہ بات سوائے دینی غیرت وحمیت کے کب حاصل ہوسکتی ہے۔

غزوۂ بدر کا پس منظر

مدینہ پہنچنے کے بعد بھی جب قریش کی دھمکیاں مسلسل گھن گرج پیدا کرتی رہیں اور پیامبروں کے ذریعہ مسلمانوں کی بیخ کنی کی دھمکیاں دی گئیں، حضرت سعد بن معاذؓ کے ساتھ ابوجہل کا جابرانہ سلوک اور قریشیوں کے بزدلانہ حملے سامنے آتے رہے تو ان تمام دھمکیوں اور پالیسیوں کے سدِّ باب اور ان کے قلوب پر مسلمانوں کی فولادی قوت کا سکہ جمانے کے لیے ایک جنگ ''بدر'' کی شکل میں ظاہر ہوئی۔

ہوا یہ کہ قریش کے ایک تجارتی قافلے کی اطلاح ملی، جس کے منافع سے اہلِ مکہ تیاری کر کے مدینہ پر چڑھ آنے کا ارادۂ بدر رکھتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوچا کہ خود ہی آگے بڑھ کر اس تجارتی قافلہ پر زد لگانی چاہیے۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۳۱۳ صحابہؓ کی مختصر جمعیت لے کر ۱۲/ رمضان ۲ھ میں تعاقب کے لیے روانہ ہوئے۔ (تحفۃ القاری ۸/ ۴۱)

انصارِ مدینہ کی طرف سے حضرت سعدؓ کی جاں نثارانہ تقریر

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقامِ صفرا پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ تجارتی کارواں تو بچ کر

نکل گیا ہے، اور اس کی حفاظت کی خاطر مکہ سے ایک ہزار کا لشکرِ جرار کیل کانٹوں سے لیس ہو کر مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کے ارادے سے نکلا ہوا ہے، تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے رائے طلب کی تو مہاجرین میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ نے یکے بعد دیگرے جاں نثارانہ تقریریں کیں، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَشِیْرُوْا عَلَیَّ اَیُّھَا النَّاسُ. اے لوگو! مجھے مشورہ دو! تو حضرت مقداد بن اسودؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! آپ میدانِ کارزار میں قدم رکھ لیجیے، بہ خدا! ہم آپ سے اِس وقت وہ بات نہ کہیں گے جو بنو اسرائیل نے موسیٰؑ سے کہی تھی: اِذْھَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا ھٰھُنَا قَاعِدُوْنَ. (المائدہ: ۲۴) (تم اور تمہارا رب جا کر بھڑ لو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں) جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی فدا کارانہ تقریر سنی تو آپ کا چہرہ فرطِ مسرت سے کھل اٹھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دعا دی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضراتِ مہاجرین کی رائے سننے کے بعد بھی بار بار پوچھ رہے تھے: اَشِیْرُوْا عَلَیَّ اَیُّھَا النَّاسُ، اے لوگو! مجھے مشورہ دو، اس ارشاد سے آپ کا مقصد حضرات انصار کی رائے دریافت کرنا تھا، کیوں کہ ''بیعتِ عقبۂ ثانیہ'' میں انصارِ مدینہ کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت وصیانت کا وعدہ اور اعدائے اسلام کی سرکوبی کا عہد صرف مدینہ کے ساتھ ہی مخصوص ومقید تھا، اور چوں کہ بدر؛ مدینہ سے باہر تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رائے طلب فرما رہے تھے۔ حضرت سعد بن معاذؓ

اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اشارہ سمجھ گئے، اور کھڑے ہو کر کہنے لگے: یارسول اللہ! شاید آپ کا روئے سخن انصار کی طرف ہے، یہ کہہ کر ایک ولولہ انگیز تقریر کی کہ: یارسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے، اور آپ کی رسالت کو دل وجان سے تسلیم کیا، ہم آپ کی لائی ہوئی باتوں کی حقانیت کے شاہد ہیں، اور ہم نے آپ سے آپ کی باتوں کو سن کر عمل پیرا ہونے کا عہد و پیمان باندھ رکھا ہے، آپ مدینہ سے کسی اور ارادہ سے نکلے تھے اور اللہ تعالیٰ نے دوسری صورت پیدا فرمادی، لہٰذا جو آپ کی مرضیٔ مبارک میں ہو کیجیے، اور جس سے چاہے تعلقات قائم فرمائیں، جس سے چاہیں تعلق قطع کریں اور جس سے چاہے صلح کریں اور جس سے چاہیں دشمنی کریں، ہم آپ کے شانہ بشانہ رہیں گے، ہم میں سے کوئی پیچھے نہیں رہے گا۔ اور ہمارے مال میں سے جس قدر چاہیں لے لیں، اور جس قدر چاہیں ہمیں عطا فرمائیں، اور مال کا جو حصہ آپ لیں گے وہ اس حصہ سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہوگا جو آپ ہمارے پاس چھوڑیں گے۔ اور ہم تو چاہتے ہی ہیں کہ ہم بھی آپ کے ساتھ رہ کر اسلام کے دشمنوں سے دو دو ہاتھ لے، اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپ ہم کو مقامِ برک الغماد (یمن میں ایک جگہ کا نام ہے) تک جانے کا حکم دیں گے تب ہم وہاں بھی جا کر ان سے برسرِ پیکار رہوں گے۔ ربِ ذوالجلال کی قسم! اگر آپ ہم کو سمندر میں جست لگانے کا حکم دیں گے، تب ہم سمندر میں بھی کود پڑیں گے، لہٰذا جیسی آپ کی مرضیٔ مبارک ہو کریں، اللہ تعالیٰ

ہماری طرف سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائیں گے۔

(البدایہ والنہایہ ۳ / ۲۶۲ بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۰۹۔ شرحِ مواہبِ لدنیہ ۱ / ۴۱۳ بحوالہ کشف الباری ۸ / ۶۳۔ سیرۃ مصطفی ۲ / ۶۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد کا یہ جاں نثارانہ جواب سن کر مسرور ہوئے اور فرمایا کہ: اللہ کے نام پر چلو اور تم کو بشارت ہو: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ ابوجہل یا ابوسفیان کی دو جماعتوں میں سے کسی ایک پر ضرور فتح و نصرت عطا کروں گا۔

کنٹرول روم

چناں چہ لشکر کو چ کر کے بدر کے میدان میں جا پہنچا، جنگ کی تیاری کے وقت حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کیا کہ ایک اونچے مقام پر آپ کے لیے عریش (چھپّر) تیار کرتے ہیں؛ تاکہ آپ وہاں سے میدانِ کارزار کو دیکھ سکیں، نیز تیروں سے بھی محفوظ رہیں۔ (آج کی اصطلاح میں اس کو کنٹرول روم، ہیڈ کوارٹر کہہ لیجیے) یہ چھپر میدان کے شمال مشرق میں بلندی پر تعمیر کیا گیا، چند سانڈنی سوار بھی مقرر کیے گئے جن کا کام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام فوج تک پہنچانا تھا، حضرت سعدؓ نے خدمتِ اقدس میں یہ بھی عرض کیا کہ: اگر خدانہ خواستہ جنگ کا پانسہ پلٹ جائے تو آپ ان پر مدینہ واپس جاسکیں گے؛ کیوں کہ آپ کی سلامتی سب پر فوقیت رکھتی ہے، اگر مدینہ میں پیچھے رہ جانے والوں کو خیال ہوتا کہ آپ لڑائی سے

دو چار ہوں گے تو وہ کبھی وہاں نہ ٹھہرتے، وہ بھی ہم سے زیادہ آپ کے وفادار ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس بات پر خوشی کا اظہار فرمایا اور ان کے حق میں دعائے خیر کی، حضرت سعدؓ کی کمان میں چند جاں نثار انصاروں کا محفوظ دستہ بھی بنا جو اس ہیڈ کوارٹر کے قریب پہرا دیتا رہا۔ (سیرتِ احمد مجتبیٰ ۲ / ۲۱۳، ۲۱۴)

بدر میں اوس کی طرف سے علَم برداری کا شرف

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت سعدؓ کا جوشِ جہاد اور جذبۂ فدویت دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور خوشی سے کھل اٹھا، لہٰذا جب لشکر کو ترتیب دینے کا وقت آیا تو قبیلۂ اوس کا علَم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے حضرت سعد بن معاذؓ کو عطا فرمایا۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۲۴۲، ۲۴۳)

معرکۂ کارزار اور نتیجۂ جنگ

جب صف بندی ہوگئی تو دستور کے مطابق مبارزت اور انفرادی مقابلوں سے جنگ کا آغاز ہوا، جس میں معاندین میں سے ولید بن عقبہ، عتبہ ابن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ جہنم رسید ہوئے، اس کے بعد باقاعدہ جنگ کا آغاز ہوا، گھمسان کا رن پڑا، کئی سرغنے واصل جہنم ہوئے۔ وعدہ کے مطابق نصرتِ الٰہی نورانی مخلوقات کی شکل میں شانہ بشانہ رہیں، جس کی وجہ سے دشمنوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ ۷۰ / کافر مارے گئے، ان میں سخت انتشار پھیل گیا، اور بالآخر راہِ فرار اختیار کی، مسلمانوں نے تعاقب کیا تو ۷۰ / قیدی ہاتھ لگے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے

مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔

قرآن حضرت سعد بن معاذؓ کی طرفداری میں

غزوۂ بدر میں مسلمانوں نے بہ نصرتِ خداوندی کامیابی پالی اور مالِ غنیمت کے ساتھ مدینہ واپس لوٹے جن میں ستّر قیدی بھی تھے۔ مدینہ پہنچ کر اسیرانِ بدر کے متعلق مسئلہ زیرِ بحث آیا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا: یارسول اللہ! میری رائے یہ ہے کہ ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت سعد بن معاذؓ نے اپنا عندیہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ: یارسول اللہ! ہر ایک کو قتل کر کے ان کا صفایا کر دیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کی تنگ حالی کو دیکھتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے کو ترجیح دی، لیکن خدائے یکتا و یگانہ کو کچھ اور ہی منظور تھا، تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ حضرت جبرئیلؑ حضرت عمر اور حضرت سعد بن معاذؓ کی طرفداری میں وحی الٰہی لے کر حاضر ہوئے: ”مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُوْنَ لَهُ أَسْرىٰ حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ، تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ. (الانفال: ۶۷) ترجمہ: نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے قیدی باقی رہیں جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خوں ریزی نہ کرلیں، تم تو دنیا کا مال واسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت کو چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست بڑی حکمت والے ہیں۔ (معارف القرآن: ۴/۲۸۱)

غزوۂ احد

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو بہت کچھ ہاتھ لگا تھا، اور مخالفین نے بہت کچھ گنوایا تھا، حریف قوم کو کاری زخم بھی لگے، بیش قیمت مالی نقصان ہوا، اور اس پر مستزاد یہ کہ قریش کے دبدبے اور شجاعت کا بھرم کھل گیا، اس لیے ان کا جذبۂ انتقام کسی خبیث اژدہے کی طرح بل کھا رہا تھا، دو نظریاتی قوموں کا تصادم دیر سویر لازمی تھی، اور یہ تصادم غزوۂ احد کی شکل میں رونما ہوا۔

غزوۂ احد کے مشورے میں حضرت سعد بن معاذؓ کی طرف سے تنبیہ

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت عباسؓ کے ذریعہ قریش کے اس ناپاک ارادے کا علم ہوا تو صحابۂ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ آیا مدینہ میں رہ کر ان سے لڑا جائے، یا مدینہ سے باہر نکل کر حملہ کیا جائے؟ خود منشائے نبوی بھی یہی تھا کہ حدودِ مدینہ میں رہ کر لڑا جائے؛ لیکن بعض جوانانِ اسلام جن کو بدر کی حاضری نصیب نہ ہوئی تھی، ان کے سینوں میں شہادت کی تمنائیں انگڑائیاں لے رہی تھیں، اس لیے وہ اس بات پر مصر رہے کہ باہر نکل کر دنداں شکن جواب دیا جائے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان نوجوانوں کو اپنے اصرار پر اٹل پایا تو نمازِ عصر سے فراغت کے بعد آپ کا شانۂ مبارک میں تشریف لے گئے۔ اس دوران حضرت سعد بن معاذؓ آکر نوجوان صحابہ سے کہنے لگے کہ تم نے اپنی رائے پر مصر رہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناحق باہر نکلنے پر مجبور کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے کے خلاف کرنا ہرگز مناسب نہ

تھا، اس لیے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف لائیں تو تم پچھلے اصرار پر معذرت کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منشا پر لبیک کہہ دو۔ چناں چہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر سے مسلح ہو کر تشریف لائے تو ان حضرات نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اصرار و گستاخی کی معذرت چاہی اور کہا: آپ اپنے منشا کے مطابق بے دریغ عمل فرمائیے، ہم مدینہ میں رہ کر آپ کی وفاداری کا حق ادا کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: کسی نبی کے لیے یہ بات زیبا نہیں کہ وہ ہتھیار سے لیس ہو کر نکلے اور بغیر فیصلہ کیے ہتھیار اتار دے۔

(سیرت ابن ہشام ۳/ ۶۸ بحوالہ کشف الباری ۸/ ۲۰۶۔ طبقات ابن سعد بحوالہ سیر الصحابہ ۵/ ۱۵)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کی نگہبانی وحفاظت

جس وقت مدینہ میں یہ خبر پہنچی کہ ابوسفیان کی قیادت میں کفارِ قریش کا تین ہزار کا لشکرِ جرار اپنے ناپاک ارادے لیے مدینہ کی طرف بڑھ رہا ہے تو اس رات حضرت سعد بن معاذ، حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے ارد گرد حراست ونگہبانی کا فریضہ انجام دیا، اور مدینہ کے ناکوں اور موڑوں پر بھی کچھ دستے بھیج دیے؛ تاکہ دشمن شب خون نہ مار سکے۔ (ابن سعد ۲/ ۷۳ بحوالہ کشف الباری ۸/ ۲۰۵)

افراتفری اور انتشار کے وقت حضرت سعدؓ کی ثابت قدمی

چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۵ رشوال ۳ھ بروز جمعہ جاں نثاروں کا لشکر لے

کر نکلے اور احد کے دامن میں پہنچ کر صف بندی فرمائی اور تیر اندازوں کا ایک دستہ جو ۵۰ رصحابہ کی جمعیت پر مشتمل تھا احد کے ایک مورچہ پر بھیج دیا، ساتھ ہی یہ تاکید اور ہدایت فرمائی کہ چاہے فتح وکامرانی ہمارے قدم چومے یا ہم ہزیمت وشکست سے دوچار ہوں تم اپنے مقام پر ثابت قدم رہنا۔

ابتدائے جنگ میں تو مسلمانوں ہی کا پلہ بھاری رہا؛ یہاں تک کہ اہلِ حق بازی جیتنا ہی چاہتے تھے کہ یکا یک فتح وکامرانی افراتفری اور انتشار سے بدل گئی، ہوا یہ کہ مسلمانوں کو غالب آتا دیکھ کر تیر اندازوں کی ٹولی اپنے امیر کے منع کرنے کے باوجود وہاں سے ہٹ گئی۔ جب دشمن نے یہ نازک وحساس ناکہ خالی پڑا دیکھا تو آگ وخون کا حملہ کر دیا اور مجاہدین میں ایسی سراسیمگی اور افراتفری پھیلی کہ ان کے ہوش وحواس بجانہ رہے۔ ایسے پریشان کن حالات میں یہ افواہ پھیلی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نعوذ باللہ شہید ہو گئے، یہ سن کر مسلمانوں کے ہاتھوں سے طوطے اڑ گئے اور ایسی کھلبلی مچی کہ مجاہدینِ اسلام میدانِ کارزار میں تتر بتّر ہو گئے، اور بدر الدجیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغے میں آ گئے۔ ایسے ہیبت ناک منظر میں جن عشاقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد رہ کر ڈٹ کر دفاعی پوزیشن کا کارنامہ انجام دیا ان میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا نام سرِ فہرست تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے ان پُرخطر ساعتوں میں اعدائے اسلام کے وحشیانہ حملوں کے سامنے لڑ کر ہمت وجوانمردی کے جوہر دکھلائے۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۱۲)

حمراء الاسد میں اپنے قبیلے کے ساتھ نکلنا

احد کے بعد مغموم ومجروح اور زخم خوردہ مجاہدین اپنے گھروں کی جانب روانہ ہوئے، ہر کوئی زخمیوں کے علاج ومعالجہ اور ان کی پیوند کاری میں مصروفِ کار تھا، مدینہ کی گلیاں وکوچے ماتم کناں تھے، بیواؤں نے گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی، افقِ مدینہ پر الم واندوہ سے بھری غم کی فضا چھائی ہوئی تھی، لیکن یہ زخم صرف ظاہرِ تن تک محدود تھے، جگر میں مخفی ایمان کو ایک خراش تک نہ آئی تھی۔ اسی دوران منادیٔ رسول کی صدا گونجی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم کو تمہارے اعدا کے تعاقب کا حکم دے رہے ہیں، اور ہاں! صرف وہی حضرات لشکر کشی کے لیے نکلے جو جبلِ احد کے دامن میں شریک ہوئے تھے۔ جب شیرانِ جیشِ محمدی کے کانوں میں یہ بات پڑی تو عشاق حکمِ رسول کے آگے سرنگوں ہوکر شمشیر بکف نکل پڑے۔ انہیں عاشقانِ زار اور سپاہیانِ جاں نثار میں ایک ہستی حضرت سعد بن معاذؓ کی بھی تھی، آپؓ نہ صرف تنِ تنہا نکلے، بلکہ اپنے برادرانِ اوس کو جمع فرمایا، یہ سب حضرات زخموں سے چور تھے؛ لیکن حضرت سعدؓ سب سے کہہ رہے تھے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے کہ ہم ان معاندینِ اسلام کا پیچھا کریں، تو حضرت اسیدؓ نے کہا: ''سَمْعًا وَطَاعَةً لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ'' خدا اور رسول کا حکم سر آنکھوں پر، جب یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دیکھا تو لسانِ رسالت سے دعائیہ کلمات نکل پڑے۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۱۲)

غزوۂ خندق

مدینہ سے جلاوطن کیے جانے والے بنونضیر کی اکثریت خیبر جا کر آباد ہوگئی تھی، لیکن مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوت انہیں ایک آنکھ نہ بھائی، وہ اسلام کی روز افزوں طاقت سے جلنے لگے، اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہوگئے۔ جب غزوۂ احد میں مسلمانوں کو ظاہری پسپائی ہوئی تو انتقامی جذبے ان کے دل میں مچل اٹھے اور انہوں نے کفارِ مکہ کو اکسایا اور قریش کے حلیف قبیلوں اور دیگر کچھ قبائل کو معاوضہ دے کر مسلمانوں کے خلاف یلغار کے لیے برانگیختہ کر دیا، اس طرح مختلف قبیلوں سے ملا کر دس ہزار کے قریب لشکرِ جرار تیار ہوگیا، چوں کہ یہ سب لوگ مختلف قبیلوں اور متفرق علاقوں سے آئے ہوئے تھے؛ اس لیے اس جنگ کو ''غزوۂ احزاب'' بھی کہا جاتا ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان بدخواہوں کی روانگی کی خبر پہنچی تو صحابۂ کرامؓ سے مشورہ فرمایا: مختلف تجاویز سامنے آئیں بالآخر حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے پر اتفاق کرتے ہوئے مدینہ کے اردگرد خندق کھودی گئی؛ اس لیے اس کو ''غزوہ خندق'' بھی کہا جاتا ہے۔

بنوقریظہ کی بدعہدی پر حضرت سعدؓ کا ان کو سمجھانا

جب یہود و مشرکین مسلمانوں کے استیصال کے گندے عزائم لے کر مدینہ پہنچے تو خندق نے ان کا استقبال کیا، عربوں میں دشمن کو روکنے کے لیے خندق

کا استعمال انوکھا طریقہ تھا، سارا لشکر ہکا بکا رہ گیا، مجبوراً محاصرہ کیے پڑے رہے، بالآخر جب مسلمانوں سے دو بدو مقابلہ کی کوئی صورت نہ بن پائی تو آپسی چال بازی سے یہ بات قرار پائی کہ بنوقریظہ کو نصرت واعانت کا وعدہ کر کے مسلمانوں سے نقضِ عہد کے لیے ورغلایا جائے۔ چناں چہ لومڑی کی سی مکاری کی باتیں لے کر خیبر کا سرغنہ حیی بن اخطب بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس پہنچا اور طرح طرح کی چکنی چپڑی باتیں کر کے اور سبز باغات دکھا کر اس کو عہد شکنی پر آمادہ کرلیا۔ چناں چہ بنوقریظہ عہد توڑ کر عملی طور پر جنگی کارروائیوں میں مصروف ہو گئے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی غداری کی اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حقیقتِ حال کے لیے حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ کو روانہ کیا، اور ان حضرات سے فرمایا کہ اگر نقضِ عہد کی خبر صحیح ہو تو مبہم خبر دینا۔ جب یہ دونوں حضرات وہاں پہنچے تو ان کو انتہائی خباثت پر آمادہ پایا اور کعب بن اسد کو واہیات بکتے ہوئے دیکھا؛ کہہ رہا تھا: من رسول اللّٰہ؟ رسول اللہ کون ہیں؟ ہمارے اور ان کے درمیان کبھی کوئی عہد ومعاہدہ تھا ہی نہیں۔ حضرت سعد بن معاذؓ چوں کہ دورِ جاہلیت میں بنوقریظہ کے حلیف تھے، اس لیے انہوں نے ان کو انجامِ بد سے ڈراتے ہوئے صاف صاف کہہ دیا کہ: اے بنوقریظہ! تم اپنے معاہدوں سے بخوبی واقف ہو۔ اگر تم اپنی اسی مکاری اور عیاری سے باز نہ آئے تو تم کو بھی وہی سزا بھگتنی پڑے گی جو بنونضیر نے بھگتی؛ لیکن یہ خبیث طینت اور شریر فطرت یہودی بات

سننے کے بجائے ٹھٹھا اڑانے لگے، علانیہ گالیاں بکنے لگے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی اہانت کرنے لگے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ لوگ کسی طرح ماننے والے نہیں ہیں تو وہاں سے لوٹے اور تعمیلِ ارشاد کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کنایتاً کہا: عضل اور قارہ. (یعنی جس طرح قبیلۂ عضل وقارہ نے غداری کی تھی انہوں نے بھی غداری کر رکھی ہے)۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۱۵)

حضرت سعدؓ کی غیرتِ ایمانی

جب زیرک اور معاملہ فہم صحابہؓ نے اس کنایہ کو فراستِ ایمانی سے بھانپ لیا تو ایک خوفناک سا منظر سامنے آ گیا؛ اس لیے ایک ایسے فیصلہ کن اقدام کی ضرورت محسوس کی گئی، جس سے دشمنوں کے دَل میں پھوٹ پڑ جائے اور یہ نااتفاقی ان کے باہمی عہد کے نقض کا سبب بن جائے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غطفان کے سردار عیینہ ابن حصن اور حارث بن عوف کو بلا کر کہا: ہم تم کو مدینہ کی پیداوار کا ایک تہائی حصہ دیں گے اس شرط کے ساتھ کہ تم اپنے لوگوں کو لے کر وطن لوٹ جاؤ، اور اس صلح پر مشتمل ایک دستاویز بھی لکھو، جب ان لوگوں نے اس صلح پر آمادگی ظاہر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ سعدین (حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ) کو بلایا اور پورا واقعہ ان کے گوش گزار کر دیا۔ یہ سن کر حضرت سعدؓ بول اٹھے: یارسول اللہ! یہ آپ کی طبعی چاہت ہے یا من عند اللہ ہم کو مامور بنایا گیا ہے؟ اگر من جانب اللہ ہم کو اس کا مکلف بنایا ہے تو سرِ تسلیم خم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا کہ میں نے اپنے طور سے لوگوں پر چھائے خوف کے بادل ہٹانے کے لیے یہ تدبیر سوچی ہے؛ کیوں کہ سارے عرب نے متحد ہوکر تم پر یلغار کردی ہے۔ تب آپؓ نے بڑے جوش وہمت سے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! ہم مشرک تھے، بت پرستی کی گھٹاٹوپ تاریکیوں میں جکڑے ہوئے تھے، اللہ اور اس کے رسول سے دور دور تک کا کوئی رشتہ نہ تھا، ایسے حالات میں بھی سوائے بیع اور مہمانی کے ان سے یہ بات نہ بن سکی کہ وہ ہم سے ایک کھجور کھا سکے۔ اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے صدقے سے اپنی معرفت کروائی، اسلام جیسی دولتِ عظمیٰ سے مالا مال کیا اور آپ جیسی ذاتِ عالی کو ہمارے لیے باعثِ ہدایت بنایا، باری تعالیٰ کے دیے ہوئے احسانات کی وجہ سے ہم عزت کی بلندیوں کو چھونے لگے، واللہ! ہم ان کو ایک کھجور تک نہیں دیں گے، ہمارے اور ان کے مابین فاصل صرف تلوار ہوگی۔ یہ کہہ کر حضرت سعدؓ نے اس دستاویزی نوشتے کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ سے لے کر مٹادیا۔ دل میں شعلہ زن جذبۂ جہاد، ایمانی غیرت وحمیت اور قابلِ فخر ہمت و حوصلہ کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور پر فرحت وانبساط کی لہریں دوڑ پڑیں۔

(رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۳۱۶)

حضرت سعدؓ کا رجز پڑھنا

خندق کے دن عورتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلۂ بنو حارثہ کی فارع نامی گڑھی میں بقصدِ حفاظت قلعہ بند کردیا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: میں اور

امِ سعد دونوں اسی قلعہ میں تھے اور حضرت سعدؓ ہمارے آگے سے یہ رجز پڑھتے ہوئے گذر گئے:

لَبِّثْ قَلِيلًا يُدْرِكُهُ الْهَيْجَا حمل	مَا أَحْسَنَ الْمَوْتُ إِذَا حَانَ الْأَجَلُ

اے سعد! تھوڑی دیر ٹھہر جا تو جنگ کو برپا پائے گا۔ کیا ہی اچھی موت ہے جب وقت آجائے۔

جب حضرت سعدؓ یہ رجزیہ کلام پڑھتے ہوئے وہاں سے گذرے تو ان کی والدہ نے ان سے کہا: بیٹے! جلدی جاؤ، تم نے بڑی دیر کردی ہے۔ ماں عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے امِ سعد سے کہا: کاش! سعد کی زرہ تھوڑی کشادہ ہوتی؛ پتہ نہیں کیوں مجھے ان کے غیر ملبوس حصہ پر تیر لگ جانے کا اندیشہ محسوس ہو رہا ہے۔ چناں چہ مورچے پر پہنچ کر آپؓ ابھی کچھ دیر چلے تھے کہ حبان ابن قیس بن عرقہ نے ”خذها وانا ابن العرقة“ کہہ کر ایک تیر حضرت سعدؓ کی طرف تاک کر مارا، جس کی وجہ سے حضرت سعدؓ کی شہ رگ کٹ گئی اور شدت سے خون بہنے لگا۔ بعد میں یہی زخم آپؓ کی شہادت کا سبب بنا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت سعدؓ کے لیے خیمہ نصب کروانا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ابن عرقہ کے متکبرانہ کلمات اور حضرت سعدؓ کے زخم کاری کا ماجرا سنا تو فرمایا: ابن عرقہ کا چہرہ آگ میں جھلسے۔ پھر حضرت سعدؓ کے پاس تشریف لائے اور اس زخم کو خود اپنے دستِ بابرکت سے داغا، جس سے فوری

طور پر خون بہنا تو بند ہو گیا؛ تاہم زخم تازہ رہا۔ آپؓ کو آرام کی ضرورت تھی، اختتامِ جنگ پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجدِ نبوی کے صحن میں آپؓ کے لیے ایک خیمہ نصب کروایا اور حضرت رفیدہ اسلمیہؓ کو- جو طبیبہ تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی اور آپریشن کیا کرتی تھیں-، حضرت سعدؓ کی خدمت اور علاج و معالجہ کے لیے مامور فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ نفسِ نفیس ان ایامِ علالت میں آپؓ کی تیمارداری کے لیے تشریف لاتے، اور خوب دل جوئی فرماتے۔

(مسلم شریف ۲ / ۹۵۔ صحابۂ کرامؓ نمبر، سیارہ ڈائجسٹ، ص:۲۰۹)

بارگاہِ ایزدی میں حضرت سعدؓ کی دعا

انہیں ایامِ علالت میں ایک دن بارگاہِ الٰہی میں دعا گو ہوئے اور فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَعلَمُ اَنَّہٗ لَیْسَ اَحَدٌ اَحَبَّ اِلَیَّ اَنْ اُجَاھِدَھُمْ فِیْکَ مِنْ قَوْمٍ کَذَّبُوْا رَسُوْلَکَ وَاَخْرَجُوْہُ فَاِنِّیْ اَظُنُّ اَنَّکَ قَدْ وَضَعْتَ الْحَرْبَ بَیْنَنَا وَبَیْنَھُمْ فَاِنْ کَانَ قَدْ بَقِیَ مِنْ حَرْبِ قُرَیْشٍ شَیْءٌ فَاَبْقِنِیْ لَھُمْ حَتّٰی اُجَاھِدَھُمْ فِیْکَ وَاِنْ کُنْتَ وَضَعْتَ الْحَرْبَ فَافْجُرْھَا وَاجْعَلْ مَوْتَتِیْ فِیْھَا. ترجمہ: اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ مجھ کو تیرے راستے میں ایسے لوگوں سے لڑنے کے سوا کوئی چیز محبوب نہیں ہے جنہوں نے تیرے رسول کی تکذیب کی، اور ان کو وطن سے بے وطن کر دیا۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ اب ہمارے اور ان کے درمیان لڑائی ختم ہو گئی ہے، پس اگر تو نے ان کے اور ہمارے درمیان لڑائی کو باقی رکھ چھوڑا ہے تو مجھ کو زندہ رکھ؛

یہاں تک کہ میں ان سے تیرے راستہ میں جہاد کروں اور اگر لڑائی کا سلسلہ ختم کر دیا ہے تو میرا یہ زخم کھول دے اور اسی میں مجھ کو موت عطا فرما۔

(بخاری ۲/ ۵۹۱۔ مسلم شریف ۲/ ۹۵)

غزوۂ بنو قریظہ

اِدھر غزوۂ خندق کا اختتام کچھ یوں ہوا کہ حضرت نعیم بن مسعودؓ کے پھوٹ ڈالنے اور قدرتِ الٰہی سے تیز ہواؤں کے چلنے نے ان کے قدم اکھیڑ دیے، خیموں کی طنابیں ٹوٹ گئیں، ہانڈیاں اور دیگچیاں الٹ گئیں، کفار کے اوسان خطا ہو گئے وہ ان سب مصائب کی تاب نہ لا سکے اور محاصرہ اٹھا کر ناکام و نامراد اپنے وطن کی طرف چل دیے۔

مسلمان مدینہ اپنے گھروں کو واپس لوٹے، ظہر کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہتھیار اتار کر حضرت امِ سلمہؓ کے گھر میں غسل کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ جبرئیلؑ تشریف لائے اور کہا کہ: یارسول اللہ! آپ نے ہتھیار کھول دیے؛ حالاں کہ فرشتے تو ابھی بھی مسلح ہیں، اللہ تعالیٰ بنو قریظہ کی طرف لشکر کشی کا حکم دے رہے ہیں، اور ہم بھی اس بات پر مامور ہیں۔ (بخاری ۲/ ۵۹۰)

جب جبرئیلؑ بنو قریظہ کی طرف اشارہ کر کے چلے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں منادی کرا دی کہ: جو شخص سمع و طاعت پر قائم ہے وہ شخص مغرب کی نماز بنو قریظہ ہی میں پڑھے۔ اس ندا کا گونجنا تھا کہ شمعِ حق کے پروانوں نے سواریوں

کے رخ موڑ دیے اور سیدھے بنوقریظہ پہنچے۔ (بخاری ۲/ ۵۹۱)

بنوقریظہ کا محاصرہ اور ان کا حضرت سعدؓ کے فیصلہ پر اترنا

جب یہودیوں نے لشکرِ اسلام کو اپنی آنکھوں سے آتا ہوا دیکھا تو ساری ہوا اکھڑ گئی اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ اسلامی سپاہیوں نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا، یہودیوں نے سمجھا کہ چند دن رہ کر مسلمان چلے جائیں گے، لیکن جب محاصرہ طویل ہو گیا تو ان لوگوں نے اپنی خیر اسی میں سمجھی کہ اپنی قسمت کا فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ کردے۔ چناں چہ ان لوگوں نے اس بات پر رضامندی کا اظہار کیا کہ محمد ہمارے حق میں جو فیصلہ فرمائیں گے وہ ہمیں منظور ہوگا۔

چوں کہ زمانۂ جاہلیت میں اوس کے بنوقریظہ کے ساتھ حلیفانہ تعلقات رہے تھے، اس لیے وہ حضرات دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض رسا ہوئے کہ یا رسول اللہ! آپ نے ہمارے خزرجی بھائیوں کی درخواست پر بنونضیر کے ساتھ جس طرح کا معاملہ فرمایا تھا اسی طرح کا معاملہ آپ ہماری التماس پر ان کے ساتھ فرمائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: کیا آپ لوگ اس بات پر راضی نہیں ہو کہ آپ ہی کا ایک آدمی ان کے بارے میں فیصلہ کرے، اوس نے کہا: کیوں نہیں۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معاملہ کا حکم حضرت سعدؓ کو بنایا۔ اوس نے کہا: وہ جو فیصلہ کریں گے ہمیں بسر وچشم قبول ہوگا۔

(کشف الباری ۸/ ۳۰۰۔ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۲۱)

ادھر حضرت سعدؓ کو خندق کے کاری زخم نے نڈھال کر رکھا تھا، اس لیے بنوقریظہ میں حاضری کی نوبت نہ آئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بلوا بھیجا۔ چناں چہ آپؓ گدھے پر بیٹھ کر تشریف لائے اور جب چھاؤنی کے قریب پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا: ''قوموا الی سیدکم''. اپنے سردار کی تعظیم کے لیے اٹھو۔ جب ان کو گدھے پر سے اتار کر لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: بنوقریظہ نے تم کو اپنا حَکَم بنایا ہے، تم ان کے حق میں جو فیصلہ کرو گے انہیں منظور ہوگا۔ (بخاری: ۲/ ۵۹۱) حضرت سعدؓ نے دریافت کیا کہ: میں ان کے حق میں جو فیصلہ کروں گا، وہ ان پر نافذ ہوگا؟ لوگوں نے کہا: ہاں! پھر اپنے چہرے کو تعظیماً دوسری طرف رکھتے ہوئے کہا کہ: اِن پر بھی جو یہاں ہیں؟ گویا کہ روئے سخن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! مجھ پر بھی۔ پھر حضرت سعدؓ نے حمیتِ ایمانی سے بھرپور لہجہ میں فرمایا: میرا فیصلہ ان کے متعلق یہ ہے کہ ان کے جنگجوؤں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قید کر دیا جائے، اور ان کے اموال تقسیم کر دیے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعدؓ سے فرمایا: ''لَقَدْ حَکَمْتَ فِیْھِمْ بِحُکْمِ اللّٰہِ مِنْ فَوْقِ سَبْعَۃِ اَرْقِعَۃ''. تم نے ان کے حق میں وہی فیصلہ کیا ہے جو ساتوں آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔

(ابن سعد ۳/ ۶۔ البدایہ والنہایہ ۴/ ۱۱۴ بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۲۲۔ وفی البخاری معناہ باب مراجعۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الاحزاب الخ ۲/ ۵۹۰۔ مسلم ۲/ ۹۵)

شاعرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسان بن ثابتؓ نے حضرت سعدؓ کے فیصلہ کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے:

لَقَیْتُ قُرَیْظَۃَ مَا سَاھَا		وَحَلَّ بِحِصْنِھَا ذُلٌّ ذَلِیْلُ

بنوقریظہ نے ایسی سزا پائی جو ان کو ناگوار گذری اور قلعوں والوں کو بڑی ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔

وَسَعْدٌ کَانَ اَنْذَرَھُمْ بِنُصْحٍ		بِاَنَّ اِلٰھَکُمْ رَبٌّ جَلِیْلُ

حالاں کہ حضرت سعدؓ نے ڈراتے ہوئے ان کی فہمائش کی تھی کہ تمہارا پروردگار ربِّ جلیل ہیں۔

فَمَا بَرِحُوْا بِنَقْضِ الْعَھْدِ حَتّٰی		فَلَا ھُمْ فِیْ بِلَادِھِمُ الرَّسُوْلُ

پھر بھی وہ برابر نقضِ عہد کرتے رہیں؛ یہاں تک کہ رسول اللہ نے ان کو انہیں کے علاقہ میں قتل کردیا۔

اَحَاطَ بِحِصْنِھِمْ مِنَّا صُفُوْفٌ		لَہُ مِنْ حَرِّ وَقْعَتِھِمْ صَلِیْلُ

اور ہماری کچھ جماعتوں نے ان کا محاصرہ کیا کہ جن کے حملے کی شدت کی وجہ سے ان کے قلعوں میں تلواروں کی جھنکاریں ہیں۔

(ابن ہشام ۲/۲۷۱، ۲۷۲ بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۲۲)

رجال مبشرون میں بحوالہ البدایہ والنہایہ حضرت سعدؓ کی بارگاہِ ایزدی میں مانگی ہوئی دعا میں ایک جملہ مزید آیا ہے: ”وَلَا تُمِتْنِیْ حَتّٰی تَقَرَّ عَیْنِیْ مِنْ بَنِیْ

قُرَیْظَۃَ'' البتہ مجھے اس وقت تک موت مت دینا؛ یہاں تک کہ بنوقریظہ کے بارے میں میرا قلب وجگر ٹھنڈا ہوجائے۔

(البدایہ والنہایہ ۴/ ۱۰۸ بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۱۷)

دکتور سید بن حسین عفانی نے ''فرسان النہار'' میں ایک تفصیلی روایت ذکر کی ہے، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ: خندق کے دن حضرت سعد کو تیر لگا جس سے ان کی شہ رگ کٹ گئی اور خون بہنے لگا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو آگ سے داغا جس سے خون نکلنا تو بند ہوگیا، تاہم زخم پر خون جم کر زخم پورا پھول گیا اور بالآخر پھٹ گیا اور خون دوبارہ بہنے لگا، چناں چہ دوسری مرتبہ زخم کو داغا گیا وہ زخم پھر پھول کر پھٹنے کے قریب ہوگیا تب حضرت سعد نے دعا کی کہ: اے اللہ! جب تک بنو قریظہ کے معاملہ میں میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوجائے موت نہ دینا۔ راوی کہتے ہیں کہ: اس دعا کے بعد زخم کا بہنا بند ہوگیا یہاں تک کہ بنوقریظہ کے متعلق آپ کو حَکَم بنالیا گیا اور آپ نے فیصلہ فرمادیا، جوں ہی فیصلے کا نفاذ ہوا زخم بہہ پڑا اور اسی زخم میں وفات ہوئی۔ (فرسان النہار ۳/ ۵۶۵)

حضرت سعدؓ کی وفات

حضرت سعدؓ بنوقریظہ کے متعلق فیصلہ فرما کر اپنے خیمہ کی طرف لوٹے، چوں کہ ان کے زخم کو داغا گیا تھا، اس لیے وقتی طور پر خون تھم گیا، لیکن اس جگہ پر ورم ہوگیا، چناں چہ ایک دن ایک بکری خیمہ میں گھس گئی، حضرت سعدؓ خیمہ میں

سورہے تھے اور اس نے اس زخم پر پیر رکھ دیا، جس کی وجہ سے وہ زخم اپنے بالائی حصہ میں سینہ کے پاس والے گڑھے سے کھل گیا، اور خون کا پرنالہ جاری ہوگیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ تشریف لائے اور حضرت سعدؓ کا سر اپنی گود مبارک میں رکھا، دراں حالیکہ حضرت سعدؓ کا چہرہ اور داڑھی خون آلود ہوگئی تھی، اور بڑے درد کے ساتھ دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اِنَّ سعدًا قَدْ جاھَدَ فِیْ سبیْلِكَ وَصَدَّقَ رَسولَكَ وَقَضَی الَّذِیْ عَلَیْهِ فَتَقَبَّلْ رُوْحَهُ مَا تَقَبَّلْتَ بِهٖ رُوْحًا. الٰہی! تیری راہ میں سعد نے بڑی زحمت اٹھائی ہے، اس نے تیرے رسول کی تصدیق کی ہے، اور حقوقِ اسلام کو ادا کیا ہے، بارِالٰہا! اس کی روح کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کر جیسا تو اپنے دوستوں کی روح کے ساتھ کرتا ہے۔

جب حضرت سعدؓ نے یہ دعائیہ کلمات سنے تو آنکھیں کھولی اور کہا: السلام علیک یارسول اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ۳/ ۱۷۵۔ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۲۲)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جَزَاکَ اللّٰهُ خَیْرًا مِنْ سَیدِ قَوْمٍ قَدْ اَنْجَزْتَ اللّٰهَ مَا وَعَدْتَّهُ وَلَیُنْجِزَنَّكَ اللّٰهُ مَا وَعَدَكَ. اللہ تم کو جزائے خیر دے، تم نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا، اللہ تعالیٰ بھی تم سے اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔

بالآخر آپؓ کی مانگی ہوئی دعا قبول ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود مبارک میں ذی القعدہ ۵ھ میں ۳۷ سال کی عمر پا کر آپؓ نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

حضرت سعدؓ کی وفات پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کا حزن وملال

جب حضرت سعدؓ کے انتقال کی خبر پھیلنی شروع ہوئی، تو صحابۂ کرامؓ آ آ کر جمع ہونا شروع ہو گئے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آ کر جب یہ دلخراش منظر دیکھا تو چیخ ماری: ہائے! میری کمر ٹوٹ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہ کہو۔ حضرت عمرؓ آئے "انا للّٰہ وانا الیہ راجعون" کہا، اور شدتِ گریہ سے ان کی آواز گلوگیر ہونے لگی۔ اور بلبلِ رسالت حضرت حسان بن ثابتؓ بھی روتے ہوئے کہنے لگے:

لَقَدْ سَجَمَتْ عَنْ دَمْعِ عَيْنِيْ عَبْرَةً		وَحُقَّ لِعَيْنِيْ اَنْ تَفِيْضَ عَلٰى سَعْدٍ

میری آنکھوں سے بڑے بڑے آنسو نکل پڑے، اور اب یہ آنکھیں اسی لیے ہوگئی ہیں کہ سعد کے لیے آنسو بہاتی رہے۔

فَاِنْ تَكُ قَدْ وَدَّعْتَنَا وَتَرَكْتَنَا		وَاَمْسَيْتَ فِيْ غَبْرَاءَ مَظْلِمَةِ اللَّحْدِ

پس اگر تم ہم سے رخصت ہو گئے اور ہمیں چھوڑ کر، تیرہ وتار ایک لحدی قبر میں جا کے سو گئے (تو کوئی حرج نہیں)

فَاَنْتَ الَّذِيْ يَا سَعْدُ اُبْتَ بِمَشْهَدٍ		كَرِيْمٍ وَاَثْوَابِ الْمَكَارِمِ وَالْحَمْدِ

کیوں کہ اے سعد! تم تو وہ شخص ہو کہ حمد وثنا اور شرافت کے لباس میں ملبوس ہو کر عزت کے مقام پر سو گئے ہو۔

بِحُكْمِكَ فِيْ حَيِّ قُرَيْظَةَ بِالَّذِيْ		قَضَى اللّٰهُ فِيْهِمْ مَا قَضَيْتَ عَلٰى عَمْدِ

تم قبیلۂ بنوقریظہ کے بارے میں ایسا فیصلہ کر کے مقامِ عزت کو پہنچے ہو، جو تم نے اپنی رائے سے کیا تھا اور اللہ نے وہی برقرار رکھا۔

فَوَافَقَ حُكْمَ اللّٰهِ حُكْمُكَ فِيهِمْ		وَلَمْ تَعْفُ اِذْ ذُكِّرْتَ مَا كَانَ مِنْ عَهْدِ

اس طرح تمہارا فیصلہ ان کے بارے میں اللہ کے فیصلہ کے بالکل موافق ہو گیا، پھر اس سلسلہ میں تم نے ان کو معاف بھی نہیں کیا، جب کہ تمہیں عہد و پیمان کا واسطہ بھی دیا جا رہا تھا۔

فَاِنْ كَانَ رَيْبُ الدَّهْرِ اَمْضَاكَ فِي الْاُوْلٰى		شَرَوْا هٰذِهِ الدُّنْيَا بِجَنَّاتِهَا الْخُلْدِ

پس اگر زمانہ کی گردش نے تمہیں ہلاک کر دیا ان لوگوں کی وجہ سے جنہوں نے جنت کی دائمی نعمتیں چھوڑ کر دنیا کو ترجیح دی۔

فَنِعْمَ مَصِيْرُ الصَّادِقِيْنَ اِذَا دُعُوْا		اِلَى اللّٰهِ يَوْمًا لِلْوَجَاهَةِ وَالْقَصْدِ

پس حق پرست اور صداقت پسند لوگوں ہی کی واپسی زیادہ خوش آئند ہوگی، جب قیامت کے دن ان کو اللہ کے حضور اعزاز و اکرام کے لیے بلایا جائے گا۔

(سیر اعلام النبلاء ۳/ ۱۷۵۔ ابن ہشام ۲/ ۲۶۹، ۲۷۰ بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۲۵، ۳۲۶)

جس وقت حضرت سعدؓ کو غسل دیا جا رہا تھا اس وقت ان کی دکھیا ماں اپنے جگر پارے کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے رو رہی تھی:

وَيْلَ اُمِّ سَعْدٍ سَعْداً صَرَامَةً وَحَدَّا		سُؤْدَدًا وَمَجْدًا وَفَارِسًا مُعِدَّا
سَدَّ بِهِ مَسَدَّا		بِقَدِّهَا مَا قَدَّا

سعد کی ماں کو سعد کی ہلاکت کا افسوس ہے جو ایک قوتِ نافذہ اور تلوار کی دھار تھا۔ جو مجسم سیادت وقیادت اور مجد وشرف تھا اور جو ہر وقت تیار سوار تھا۔ جس کے ذریعہ سے دشمن کا راستہ بند تھا اور جو دشمن کے سر کاٹ کر رکھ دینے والا تھا۔

(ابن سعد ۳/ ۴۲۔ البدایہ والنہایۃ ۴/ ۱۲۷ بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۲۳۔ سیرۃ ابن ہشام مترجم ۲/ ۲۸۹)

جب حضرت عمرؓ نے دکھیا ماں کے یہ کلمات سنے تو کہا: اے امِ سعد! اب چھوڑ دیجیے! سعد کا تذکرہ مت کیجیے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''كُلُّ نَائِحَةٍ يكذب إِلَّا أُمَّ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ''. جتنی رونے والی عورتیں ہیں، وہ جھوٹ بولتی ہے؛ لیکن امِ سعد سچ کہتی ہیں: جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روانہ ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کے صحابہ بھی تھے، صحابہ کہتے ہیں: آپ بہت تیز چل رہے تھے جس کی وجہ سے ہماری چادریں گر جاتی تھی اور ہمارے جوتے نکل جاتے تھے، ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے چلنے میں لوگوں کا تھکا دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھے اندیشہ ہے کہ ہم سے پہلے فرشتے پہنچ کر سعد کو غسل نہ دے جیسا کہ اس سے پہلے انہوں نے حنظلہ کو دیا تھا۔ (فرسان النہار ۳/ ۵۶۶۔ طبقات ابن سعد ۳/ ۸۷۰)

تجہیز وتکفین

حضرت سعدؓ کو حضراتِ صحابہ حارث بن اوس بن معاذ، اسید بن حضیر اور

سلمہ بن سلامہ وقش رضی اللہ عنہم نے غسل دیا۔ جب وہ پانی ڈال رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں موجود تھے۔ پہلا غسل پانی سے دیا گیا، دوسرا پانی اور بیری سے اور تیرا کافور سے۔ انہیں تین سوتی چادروں میں کفنایا گیا اور جب جنازے کو ان کے مکان سے لے کر چلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا گیا کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنازے کو پایوں کے درمیان سے اٹھائے ہوئے تھے۔ (طبقات ابن سعد ۳/ ۱۰)

جب جنازہ روانہ ہوا تھا تو خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساتھ ساتھ شریک تھے، جنازہ نہایت ہلکا تھا، حضرت سعدؓ چوں کہ لحیم و شحیم تھے؛ اس لیے منافقین نے مضحکہ اڑایا اور کہا کہ: یہ جنازہ کس قدر ہلکا ہے، اور یہ بات ان کے قریظہ کے حق میں ظالمانہ فیصلہ کرنے کی وجہ سے ہے!! جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ: بہ خدا! ان کے جنازہ کو فرشتے اٹھائے ہوئے تھے۔ (ترمذی ۲/ ۲۲۴)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اس نیک بندے کی وفات پر عرش ہلنے لگا اور آسمان کے دروازے کھول دیے گئے اور ان کے جنازہ میں ستّر ہزار ایسے فرشتوں کا نزول ہوا جو اس سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترے۔ (سیر اعلام النبلاء ۳/ ۱۸۲)

حضرت ابوسعید خدریؓ نے جنت البقیع میں قبر مبارک کھودی تھی جس میں آپؓ کو دفن کیا گیا۔ (طبقات ابن سعد ۳/ ۱۰)

تدفین سے فراغت کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائے تو

حزن وملال کے پیکر بنے ہوئے تھے، ریشِ اقدس ہاتھ میں تھی اور آنکھوں سے مسلسل آنسو گر کر اسے تر کر رہے تھے۔

(سیر الصحابہ ۵ / ۱۸۔ خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۲۳۶)

فضائل ومناقب

حلیۂ مبارک

حضرت عمرو بن سعد بن معاذ سے روایت ہے کہ حضرت سعدؓ کا رنگ گورا تھا، قدوقامت میں دراز تھے، آنکھیں بڑی اور خوبصورت تھیں، بدن دوہرا تھا اور ڈاڑھی گنجان تھی۔ (سیرِ اعلام النبلاء ۱۷۸۔ سیر الصحابہ ۵ / ۱۸)

عرشِ الٰہی کا جھوم اٹھنا

۱) بعض روایات کے مطابق حضرت سعدؓ کی رات کے وقت وفات ہوئی تھی، کسی کو اس کا علم نہ تھا، نصف لیل گذرنے پر حضرت جبرئیل امینؑ ریشم کا عمامہ باندھے ہوئے تشریف لائے، اور فرمایا: یارسول اللہ! یہ کس کی میت ہے، جس کی روح کے اوپر آتے ہی آسمان کے دروازے کھول دیے گئے اور عرش بھی جھوم اٹھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلدی سے کھڑے ہوکر آپ کے چہرے سے کپڑا ہٹا کر دیکھا تو طائرِ روح اپنے آشیانے کی طرف پرواز کر چکا تھا۔

(سیر اعلام النبلاء ۳/ ۱۸۱۔ البدایہ والنہایہ ۴ / ۱۲۷ بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ: ۳۲۳)

۲) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد

فرماتے ہوئے سنا کہ: سعدؓ کی موت پر عرش جھوم اٹھا۔

(بخاری ۱/ ۵۳۶۔ مسلم ۲/ ۲۹۴)

۳) جب حضرت سعدؓ کی وفات ہوگئی تو آپؓ کی ماں بہت رنجیدہ تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: میں آپ کو ایسی بات نہ بتاؤں جس سے تمہارے آنسو تھم جائیں اور غم ختم ہو جائے؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارا بیٹا سب سے پہلا انسان ہے جس کے سامنے اللہ تعالیٰ ہنسے اور جن کی آمد پر عرش جھوم اٹھا۔

(طبقات ابن سعد ۳/ ۱۲۔ سیر اعلام النبلاء ۳/ ۱۸۱)

ان کے اسی فضل و منقبت کی وجہ سے ایک انصاری شاعر فخریہ کہتے ہیں:

وَمَا اهْتَزَّ الْعَرْشُ مِنْ مَوْتِ هَالِكٍ	سَمِعْنَا بِهِ إِلَّا لِسَعْدِ أَبِي عَمْرٍو

کسی مرنے والے کی موت پر عرش نہیں ہلا، مگر سعد ابو عمرو کی موت پر۔

حضرت سعدؓ کا قضائے الٰہی کے مطابق فیصلہ کرنا

حضرت عامر بن سعد اپنے والد سعد بن ابی وقاصؓ سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت سعد بن معاذؓ نے بنو قریظہ کے حق میں فیصلہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے ان کے حق میں وہی فیصلہ کیا جو ساتوں آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کر چکے ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ۳/ ۱۷۷۔ مسلم شریف ۲/ ۹۵)

حضرت سعدؓ کے تولیے

حضرت واقد بن عمرو بن سعد بن معاذ فرماتے ہیں کہ میں حضرت انسؓ کے

پاس آیا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا: آپ کون ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ: میں واقد بن عمرو بن سعد بن معاذ ہوں، تو وہ رونے لگے اور کہا کہ: تم شکل وصورت میں اپنے دادا کے مشابہ ہو، سعد بن معاذ لوگوں میں سب سے زیادہ رتبے والے اور دراز قد تھے۔ پھر فرمایا کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک ریشمی جبہ بھیجا گیا جس میں زری کا کام کیا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو پہنا اور منبر پر چڑھے اور کھڑے ہو گئے یا بیٹھ گئے تو لوگ کپڑے کو ہاتھ لگا کر تعجب کی نظروں سے دیکھنے لگے اور کہا: یارسول اللہ! ہم نے تو آج تک ایسا کپڑا نہیں دیکھا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: تمہیں اس کپڑے کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، سعد بن معاذ کے تو لیے جنت میں اس سے بہتر ہوں گے۔ (ترمذی ۱/ ۳۰۲۔ بخاری ۱/ ۵۳۶۔ مسلم شریف ۲/ ۲۹۴)

حضرت سعد بن معاذؓ مستجاب الدعوات تھے

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بخار کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ: جو شخص اس بخار سے دوچار ہوگا وہ جہنم سے بچا لیا جائے گا، چناں چہ حضرت سعد بن معاذؓ نے اللہ تعالیٰ سے اس بخار کی دعا کی اور ان کی دعا قبول ہوئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ زخمی ہونے کی حالت میں اس بخار کے شکار ہوئے اور بخاری ہی کی حالت میں ان کی وفات ہوئی۔ (سیر اعلام النبلاء ۳/ ۱۷۴)

دیگر مناقب

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قبیلۂ بنو عبد الاشہل

کے تین آدمی سب سے بڑھ کر تھے: سعد بن معاذ، اسید بن حضیر اور عبادہ بن بشر۔ (سیر الصحابہ ۵/۱۹)

جنت البقیع میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے جب آپ رضی اللہ عنہ کی قبر کھودی تو فرمایا: واللہ! مجھے اس شخص کی قبر سے مشک کی خوشبو آ رہی ہے۔ (ابن سعد ۳/۱۰)

تین خصلتیں

وہ خود فرماتے ہیں کہ یوں تو میں ایک سیدھا سادہ انسان ہوں؛ لیکن تین چیزوں میں غایت درجہ پہنچ چکا ہوں: (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہوئی تمام باتوں کو قطعی طور پر من جانب اللہ یقین کرتا ہوں۔ (۲) جب نماز میں ہوتا ہوں تو کبھی ذہن میں وسوسہ نہیں آتا ہے۔ (۳) جب بھی کسی جنازے میں شریک ہوتا ہوں تو منکر نکیر کے سوال کی فکر دامن گیر ہوتی ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ تین خصلتیں پیغمبروں کی ہوتی ہیں۔ (اصحاب الرسول، ص: ۳۴۳)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ

از قلم: وسیم احمد بن عبدالصمد ویارا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت سے قبل انسانیت تنزّلی وپستی کی تمام حدود پار کر چکی تھی، آتش کدے مسلسل سلگتے ہی جارہے تھے، صنم خانے عروج پر تھے، کوئی ستاروں کے سامنے دست بستہ کھڑا تھا تو کوئی آفتاب کے سامنے سرخم کیے ہوئے تھا، کوئی بے جان بتوں کے سامنے نذرانے پیش کررہا تھا تو کوئی صحرا کے خیالی بھوتوں کو معبود بنائے بیٹھا تھا، مختصر یہ کہ انسانیت ضلالت وگمراہی کی وادی میں حیران وسرگشتہ ٹھوکریں کھارہی تھی، انسان انسان کا خون چوسے جارہا تھا، حکمران اپنی محفلوں میں چراغاں کرنے کے لیے انسانوں کو جلاتے اور ان ہی کی چیخ وپکار سے موسیقی کا مزہ لوٹتے تھے، شراب سرِ عام پی جارہی تھی، ایسا لگتا تھا کہ اب انسان کو دوبارہ تمدن کی راہ میسر نہ ہوگی، لیکن اللہ تعالیٰ کو بنی آدم پر ترس آیا، رحمتِ الٰہی جوش میں آئی اور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں مبعوث فرمایا، آپ کی جانکاہ محنتوں اور زہرہ گداز جانفشانیوں سے حالات نے پلٹا کھایا، کفر کی تاریکی چھٹی، ایمان کی روشنی عالم پر چھا گئی انسانیت نے سکون کی سانس لی، جاہل قوم امت کی پیشوا بنی۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں ایمان کی صدا بلند کی، تو ابتداءً جاں نثاروں کی ایک چھوٹی سی جماعت نے دعوتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لبیک کہا، اور قریش کی ایک

بڑی جماعت نے اس صدا پر لبیک کہنے کے بجائے مخالفت کی اور طویل عرصے تک مصیبتوں کے اس قدر پہاڑ ڈھائے کہ اس قافلۂ نور کو مکہ کی پاکیزہ سرزمین چھوڑنے پر مجبور کر دیا، ایمان والوں کا یہ قافلہ ہجرت کر کے مدینہ میں سکونت پذیر ہوا، وہاں کے میزبانوں نے ان ''مہاجروں'' کی بے مثال نصرت کی، اور ''انصار'' کا لقب پایا۔

ان سطور میں انصار ہی میں سے ایک جلیل القدر صحابی کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، جن کی پرورش اسلام کی آغوش میں ہوئی، رہتی دنیا تک قرآن نے جن کی صداقت کی شہادت دی، جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے جنت کی بشارت دی، تاریخ نے اس پاکباز و جاں نثار شخص کو ''حضرت زید بن ارقم انصاریؓ'' کے نام سے یاد کیا، ذیل میں ان کی زندگی کی کچھ جھلکیاں پیش خدمت ہیں:

حیات و خدمات

ولادت باسعادت

اہلِ سیر نے آپؓ کی ولادت باسعادت کے بارے میں کوئی صراحت نہیں کی؛ البتہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ کی ولادت ہجرت سے دس یا گیارہ سال قبل تقریباً ۶۱۳ء یا ۶۱۴ء میں ہوئی۔

نام زید، کنیت ابو عمر، قبیلۂ خزرج سے آپ کا نسب متعلق ہے۔ سلسلۂ نسب والد کی جانب سے یہ ہے: زید بن ارقم بن زید بن قیس بن نعمان بن مالک

الاغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر۔

(خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص:۲۵۹)

زمانۂ طفولیت اور اس کا ماحول

اسلام سے پہلے عرب جن حالات سے دوچار تھے، ان سے تاریخ کا کوئی طالبِ علم نا آشنا نہیں ہے، ہر طرف شراب و کباب کی رنگین محفلیں سجی ہوئی تھیں، ہر بڑا چھوٹے کو کھائے جا رہا تھا، بچیوں کی ولادت منحوس خیال کی جاتی تھی، ایسے پُر خطر حالات میں صغرِ سنی ہی میں آپؓ کے والد داغِ مفارقت دے گئے، اس طرح آپ کو بچپن میں والد کی نعمت سے محروم ہونا پڑا۔

اسلام قبول کرنے کا واقعہ

آپؓ کے اسلام لانے کے متعلق تاریخ نگار لکھتے ہیں کہ والد زمانۂ طفولیت میں انتقال کر گئے، کوئی سہارا نہیں تھا، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ دور کے رشتہ سے آپؓ کے چچا ہوتے تھے، انہوں نے باپ کا حق ادا کرتے ہوئے، اپنے سایۂ عاطفت میں لیا اور آپ کی پرورش و پرداخت کی، تربیت کا خاص خیال رکھا، بیٹے کی طرح پیار دیا اور باپ کی جدائیگی کے غم کو زائل کر دیا۔ چوں کہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحبت یافتہ تھے اور بیعتِ عقبۂ کبیرہ میں سعادت اندوزِ اسلام ہو چکے تھے۔ بیعتِ عقبۂ کبیرہ سے فراغت کے بعد مدینہ تشریف لائے تو ننھے زید کو بھی اسلام کی تلقین کی، اسلام کے پاکیزہ طریقوں سے واقف کیا

تو آپ نے بلاچوں و چرا چچا کی پیروی کی اور ہجرتِ نبوی سے قبل ہی ''فرزندانِ اسلام'' کے زمرہ میں شامل ہوگئے، گویا یوں کہا جاسکتا ہے کہ آپؓ کی پرورش اسلام کی آغوش میں ہوئی۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۲۲۲)

ہجرتِ نبوی کے منتظر

تجھے دیکھے تو دل کرے دیکھتا ہی رہوں

جب مکہ میں رفتہ رفتہ اسلام پھیلنے لگا تو کفارِ مکہ کے تیور بھی بدلنے لگے، مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ ڈھائے جانے لگے، کمزور ظلم کی چکی میں پسے جانے لگے، مسلمانوں کے لیے مکّہ کی سرزمین کو تنگ کردیا گیا۔

ایسے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی، مظلوموں کا قافلہ متفرق طور پر ہجرت کرکے مدینہ پہنچتا رہا، کچھ عرصے کے بعد خود مظلوموں کے ماویٰ وملجا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ہجرت کا حکم ہوا۔ اس کی اطلاع مدینہ پہنچی، مدینہ والے تو پہلے ہی سے آقا کے دیدار کے منتظر تھے، مہاجرین وانصار میں خوشی کی لہر دوڑ پڑی، ہر دن انتظار میں گذرتا تھا۔

کب ہو جائے ٹھنڈ آنکھیں تیرے دیدار سے
وقت گذرتا نہیں کوئی بغیر تیری یاد کے

بالآخر وہ گھڑی آ گئی جب ان کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں، ان کی آنکھیں نبی کے دیدار سے روشن اور ان کے دل سکون وطمانینت سے سرشار ہوئے، ایک

عجیب سا ماحول تھا، بچے بھی خوشی کے مارے جھوم رہے تھے، شہر کی گلیوں اور سڑکوں پر خوشی کے مارے اچھلتے کودتے پھرتے تھے، ان میں زید بن ارقمؓ بھی تھے، اس وقت آپؓ کی عمر تقریباً دس، گیارہ سال کی تھی، فضا میں بس ایک ہی آواز گونج رہی تھی۔ "جاءَ رسُول اللّٰہ، جاءَ نَبِیُّ اللّٰہ"۔

اس دیدہ زیب منظر کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یوں بیان فرمایا: وَخَرَجَ النَّاسُ حِیْنَ قَدِمْنَا الْمَدِیْنَةَ فِي الطُّرُقِ وَعَلَى الْبُیُوْتِ وَالْغِلْمَانِ وَالْخَدَمِ یَقُوْلُوْنَ: اَللّٰہُ أَکْبَرُ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ جَاءَ مُحَمَّدٌ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ جَاءَ مُحَمَّدٌ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ.

جب ہم لوگ مدینہ پہنچے تو لوگ سڑکوں اور گھر کی چھتوں پر استقبال کے لیے کھڑے ہوئے، چھوٹے چھوٹے بچے اور خدام گلیوں اور کوچوں میں پکارتے پھرتے تھے کہ اللہ اکبر! اللہ کے رسول آ گئے، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے۔

ماں عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب اللہ کے رسول مدینہ تشریف لائے تو عورتیں اور بچے یوں پکار رہے تھے:

طلع البدر علینا		من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا		مادعا للّٰہ داع
ایھا المبعوث فینا		جِئْتَ بِالاَمر المطاع

(رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۲۲۲)

عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جب تجھ سے ملے تو بس تیرے ہی ہو کر رہ گئے

حضرت زیدؓ کم عمری کے باوجود نبی سے قریب قریب رہنے کی کوشش کرتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجالس میں پابندی کے ساتھ شریک ہوتے کہ کہیں آپ کی کسی مجلس میں شرکت سے محروم نہ رہے، جب مسجدِ نبوی کی تعمیر ہوئی تو زید بن ارقم بھی اس کے عالی ہمت وخوش قسمت مزدوروں میں سے ایک مزدور تھے۔

(ایضا،ص: ۲۲۳)

حکمِ جہاد اور آپؓ کا شوقِ شہادت

۱۲ر صفر ۲ ھ میں اللہ کی طرف سے قتال کی اجازت ملی۔ اسی حکمِ جہاد کے پیشِ نظر صحابہؓ میں جہاد کی تیاریاں ہونے لگیں، اچانک یہ اطلاع ملی کہ قریش کا قافلہ آ رہا ہے، ہنگامی روانگی کا اعلان ہوا، لوگ جان و مال کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے لگے، زید مال کے ساتھ تو کیا پہنچتے؛ مگر جان کے ساتھ ضرور پہنچنا چاہتے تھے؛ لیکن صغرِ سنی نے آپؓ کے قدم روک دیے، اس وقت آپؓ کی عمر ۱۱ / سال تھی۔ (اصحاب الرسول،ص: ۱۳۲)

غزوۂ احد

حیراں ہوں کہ روؤں، کہ پیٹوں جگر کو میں

بدر کی شکست نے اہلِ مکہ کو آتشِ زیر پا کر دیا، کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں

ماتم بپا نہ ہو، کسی کا بیٹا، کسی کا بھائی، یا کوئی عزیز بدر کی بھینٹ چڑھ چکا تھا، جو سردار گرفتار ہوئے وہ ذلت سے دوچار تھے، ہر دل میں انتقام و عداوت کے شعلے بھڑک رہے تھے، اسی جذبۂ انتقام کی تسکین کے لیے سردارانِ قریش ۳ھ میں دارالندوہ میں جمع ہوئے اور مدینہ پر حملہ آوری کا پلان طے پایا، ابوسفیان کو سپہ سالار بنایا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس وقت اس کی اطلاع ہوئی تو صحابہؓ کو مستعد ہوجانے کا حکم دیا۔ زید بن ارقمؓ شوقِ شہادت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اجازت طلب کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صغرِ سنی کی وجہ سے شرکت سے منع فرمادیا، ننھے زید دل میں ارمان لیے بادلِ ناخواستہ گھر واپس چلے گئے۔

(ابن ہشام ۲/ ۶۶۔ زادالمعاد ۳/ ۱۹۵، بحوالہ اصحاب الرسول، ص: ۱۳۲)

غزوۂ خندق

یہودیوں کے اکسانے کی وجہ سے ۵ھ میں کفارِ مکہ ایک بار پھر انتقام کے لیے دس ہزار کا لشکرِ جرّار لے کر مدینہ پر حملہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے، اس کی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ لیا، حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے پر فیصلہ ہوا کہ شہر کے باہر خندق کھودی جائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین ہزار صحابہؓ کو لے کر شہر کے باہر تشریف لے گئے، اور خندق کھودنے کا کام شروع فرمایا۔ ان خندق کھودنے والوں میں زید بن ارقمؓ بھی شامل تھے، یہ آپؓ

کے آغازِ شباب کا زمانہ تھا اور خون میں حرارت تھی؛ اس لیے خندق کی کھدائی اور دوسرے کاموں میں بڑے جوش وخروش سے حصہ لیا۔

(خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص:۲۵۹)

غزوۂ بنی مصطلق

یہ غزوہ شعبان ۶ھ میں پیش آیا، حضرت زید بن ارقمؓ اس معرکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب تھے، یہ مہم کامیابی کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچی، اسی غزوہ سے واپسی کے بعد واقعۂ افک پیش آیا۔

خندق اور بنو مصطلق کے علاوہ حضرت زیدؓ دوسرے کئی غزوات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قدم بہ قدم شریک رہے، صحیح بخاری میں خود ان سے ایک روایت منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۹/غزوات کیے ہیں، ان میں سے ۱۷/میں، مَیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا۔

(بخاری، کتاب المغازی۔ رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۲۳۲)

بعض روایات کے مطابق غزوۂ بنو مصطلق غزوۂ خندق سے پہلے پیش آیا؛ لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ غزوہ، خندق کے بعد پیش آیا۔

(خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص:۳۵۹)

حضرت زیدؓ کی زندگی کا نمایاں ورق

بنو مصطلق کی شکست کے بعد لشکرِ اسلام مریسیع سے متصل بستی میں چند

روز کے لیے ٹھہر گیا، وہاں اثنائے قیام میں ایک دن بدقسمتی سے ایک مہاجر حضرت جہجاہؓ بن مسعود غفاری اور ایک انصاری حضرت سنان بن وبراء الجہنیؓ پانی نکالنے کی بابت آپس میں جھگڑ پڑے، بات بڑھتی گئی؛ یہاں تک کہ جہجاہؓ نے سنانؓ کو ایک لات رسید کر دی، انصار کے نزدیک کسی کی لات کھانا سخت ننگ کی بات تھی، چناں چہ سنانؓ نے اپنی مدد کے لیے انصار کو پکارنا شروع کیا۔ جہجاہؓ نے اپنے آپ کو خطرہ میں دیکھا تو انہوں نے مہاجرین کو آواز دی کہ: میری مدد کے لیے پہنچو، انصار مجھے مارے ڈالتے ہیں۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بھی اس موقع پر موجود تھا، اس کو مسلمانوں کے درمیان نفاق ڈالنے کا نادر موقع ہاتھ آیا، اس نے انصار کو سخت اشتعال دلایا اور سنان کی مدد کے لیے ابھارا، دوسری طرف سے کچھ مہاجرین بھی تلوار سونت کر نکل آئے، اس طرح انصار و مہاجرین میں کُشت وخون ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رہی تھی، قریب تھا کہ تلواریں ٹکراتیں اور خون کی ندیاں بہہ جاتیں؛ مگر کسی طرح رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوشِ مبارک تک اس شور کی آواز پہنچ گئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور فرمایا: ”مَابَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ؟ مَالَكُمْ وَلِدَعْوَةِ الْجَاهِلِيَّةِ؟ دَعُوْهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ“ یہ جاہلیت کی دہائی کیسی؟ تم لوگ کہاں اور جاہلیت کی دہائی کیسی؟ اسے چھوڑو! یہ بہت بری چیز ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد سن کر دونوں طرف کے کچھ اصحاب آگے بڑھے

اور سنان ؓ اور جہجاہ ؓ کو گلے ملوادیا اس طرح معاملہ رفع دفع ہوگیا؛ لیکن عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھی منافقین پر یہ بات سخت شاق گذری، وہ آپس میں سر جوڑ کر بیٹھے تو عبداللہ نے ان کے سامنے اپنے دل کی بھڑاس یوں نکالی:

''یہ سب کچھ تمہارا اپنا ہی کیا دھرا ہے، اگر تم مہاجرین کی امداد بند کردو تو وہ تنگ آ کر خود ہی مدینہ چھوڑ دیں گے۔ خدا کی قسم! مدینہ واپس جا کر ہم میں سے جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو شہر بدر کردے گا''۔

اتفاق سے اس مجمع میں حضرت زید بن ارقم ؓ بھی موجود تھے، جن کو دینِ حق اور داعیٔ حق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ محبت تھی، عبداللہ بن اُبی کی باتیں سن کر ان کا خون کھول اٹھا، فوراً اپنے چچا حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ کی خدمت میں دوڑے گئے، سارا واقعہ ان کے گوش گزار کردیا، ان کو بڑی غیرت آئی اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور ابن اُبی کی خرافات کا ذکر کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید ؓ کو بلا کر دریافت کیا تو انہوں نے وہی باتیں دہرائیں جو اپنے چچا سے کہہ چکے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''شاید تم عبداللہ سے ناراض ہو، ہوسکتا ہے کہ تم سے سننے میں کچھ غلطی ہوگئی ہو''۔

زید بن ارقم ؓ نے قسم کھا کر کہا: ''یارسول اللہ! میں نے فی الواقع یہ باتیں عبداللہ بن اُبی کے منہ سے سنی ہیں''۔ اس پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن اُبی کو بلا کر پوچھا کہ کیا تم نے یہ باتیں کہی ہیں؟ وہ صاف مُکر گیا اور قسمیں کھانے لگا کہ میں

نے ایسی باتیں ہرگز نہیں کہی، یہ لڑکا جھوٹ بولتا ہے۔

تمام انصار کو ابن اُبی کی قسموں پر یقین آ گیا، اور وہ حضرت زیدؓ کو ملامت کرنے لگے کہ تم نے خواہ مخواہ ایسی شکایت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناراض کر دیا۔ (رجال مبشرون بالجنۃ ص:۲۲۸)

جب شرمندہ ہوتُو، تو رب تا قیامت صادق کہے تجھے

حضرت زیدؓ کو بڑا رنج ہوا، نہایت شرمندہ ہوئے اور اپنی قیامگاہ پر جا کر بیٹھ رہے، کبیدگیٔ خاطر کی وجہ سے خیمے سے باہر نکلنا دشوار ہو گیا، اسی شکستگی اور دل گرفتگی کے عالم میں نیند کا غلبہ ہوا اور سو گئے، ابھی بیدار نہیں ہوئے تھے کہ رحمتِ الٰہی کو جوش آ گیا، اور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سورۂ منافقون نازل ہوئی جس میں حضرت زیدؓ کی تصدیق کی گئی اور منافقین کا سارا کچا چٹھا واشگاف الفاظ میں کھول دیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً آدمی بھیجا کہ جا کر زید کو بلا لاؤ۔

ڈرتے ڈرتے خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ منافقون کی نازل شدہ آیتیں سنائیں: ”يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهُ الْأَذَلَّ، وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ.“ (المنافقون:۸) وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ واپس لوٹیں گے تو عزت والا ذلیل کو نکال دے، اور عزت تو اللہ ہی کی ہے اور اس کے رسول کی اور ایمان والوں کی اور لیکن منافق جانتے نہیں ہیں۔

پھر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہنستے ہوئے آپؓ کا کان پکڑ کر ارشاد فرمایا: لڑکے کا کان سچا تھا "إِنَّ اللّٰهَ صَدَقَكَ يَا زَيْدُ" اے زید! اللہ نے تمہاری تصدیق کر دی۔ کیسی سعادت مندی حضرت زید بن ارقمؓ کو حاصل ہوئی کہ پروردگار نے خود ان کی صداقت کی گواہی دی۔ (بخاری: ۴۶۱۷ بحوالہ خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۵۸)

بیعتِ رضوان کا شرف

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ اور صحابہ بیت اللہ کا طواف کر کے سر منڈوا رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کے سامنے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے ارادۂ عمرہ کا اظہار فرمایا، چودہ سو یا پندرہ سو صحابہ پر مشتمل ایک بڑی جماعت آپ کے ہمرکاب ہوگئی۔ ان میں حضرت زید بن ارقمؓ بھی تھے۔

ماہِ ذیقعدہ ۶ھ میں یہ قافلہ مدینہ سے بہ ارادۂ عمرہ روانہ ہوا، جب قافلہ مقامِ عسفان کے قریب پہنچا تو کسی مخبر نے اطلاع دی کہ قریش نے متفرق قبائل کے لوگوں کو بڑے پیمانے پر جمع کر رکھا ہے، یقیناً وہ راستہ مسدود کرنے کی کوشش کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر جاری رکھا، حدیبیہ پہنچ کر قافلہ فروکش ہوا، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کو حقیقتِ حال سے باخبر کرنے کا ارادہ کیا، اس مقصد کے لیے حضرت عثمانؓ کو مکّہ روانہ کیا اور حکم دیا کہ کفارِ مکہ سے کہہ دینا کہ ہم تو عمرے کے ارادے سے آئے ہیں، ہمارا مقصد لڑائی کرنا نہیں ہے۔ حکمِ نبوی کے مطابق حضرت عثمانؓ مکہ روانہ ہوئے۔

آپؓ نے مکہ میں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کا مقصد ذکر کیا اور پیغامِ نبوی پہنچا دیا، مگر واپس لوٹنے میں تاخیر ہوئی اور اُدھر مسلمانوں کو کہیں سے یہ خبر ملی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا۔ اپنے بھائی کی مظلومانہ شہادت پر جوشِ ایمانی وحمیتِ دینی سے دل مچل اٹھے، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے ایک درخت کے نیچے صحابہؓ سے بیعت لی، جسے ''بیعتِ رضوان'' کہا جاتا ہے۔ حضرت زید بن ارقمؓ کو بھی ان نفوسِ قدسیہ کے ساتھ بیعت کا شرف حاصل ہوا، اس طرح آپ ان خوش بخت صحابہ میں شامل ہو گئے جن کو اللہ نے ''اصحاب الشجرہ'' کا لقب عطا فرمایا اور کھلے لفظوں میں اپنی رضامندی کا پروانہ سنایا۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص:۲۶۱)

غزوۂ موتہ

جمادی الاولیٰ ۸ھ میں حضرت زید بن ارقمؓ اپنے جلیل القدر چچا حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے ساتھ غزوۂ موتہ کے لیے روانہ ہوئے۔ دونوں چچا بھتیجے ایک ہی اونٹ پر سوار تھے، اثنائے راہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بڑے ذوق وشوق سے چند اشعار پڑھنے لگے، جن میں شہادت کا تذکرہ تھا، حضرت زید ان اشعار کو سن کر رونے لگے۔ اس پر حضرت ابن رواحہؓ کو غصہ آ گیا، انہوں نے اپنا دُرّہ اٹھایا اور جھڑک کر حضرت زیدؓ سے کہا: ''اس میں تیرا کیا حرج ہے کہ اللہ مجھے شہادت کی توفیق دے اور تو میرے کجاوے کو میرے خاندان میں واپس لے

جاوے''۔(رجال مبشرون بالجنۃ،ص:۲۳۴)

خلفائے راشدین کے دور میں آپ کی خدمات

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ہر موڑ پر نمایاں کارنامے انجام دیتے رہے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان آپ کا درجہ اور مقام بڑھا ہوا تھا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں آپ اسلامی لشکر کے ایک مخلص سپاہی بن کر راہِ خدا میں جہاد کرتے رہے اور اسلام کی بڑی بڑی فتوحات میں شریک رہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں علمی اور جہادی خدمات انجام دیتے رہے، عہدِ فاروقی میں آپ کو بڑا رتبہ حاصل تھا، اور حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ آپ کا بڑا اکرام فرماتے تھے، اور بہت سے امور میں آپ معتَمد شمار ہوتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کے زمانۂ خلافت میں جب فتنہ ظاہر ہوا تو اس سے الگ تھلگ رہ کر زندگی بسر کرنے لگے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخلصانہ روابط تھے، چناں چہ جنگِ صفین میں ان کے لشکر میں شامل ہو کر دادِ شجاعت دی۔(رجال مبشرون بالجنۃ،ص:۲۴۱)

آپ رضی اللہ عنہ کی وفات

صاحبِ طبقات کا بیان ہے کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اخیری عمر میں کوفہ کے کندہ نامی محلہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔اور مختار بن ابوعبید ثقفی

کے دور ۶۸ھ میں وہیں فوت ہوئے، إنا لله وإنا إليه راجعون انتقال کے وقت آپؓ کی عمر تقریباً ۷۸ / سال تھی۔ (طبقات ابن سعد ۶ / ۱۳۶)

ازواج واولاد

آپ کی زوجہ: ہند بنت یزید بن عمرو تھیں، اولاد میں تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں: قیس، سوید، انیسہ، محمد۔

اوصاف ومناقب

علمی کمالات

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد آپؓ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ درس وارشاد اور تعلیم وتعلّم میں گزارا۔ آپؓ اپنے زمانہ میں مرجعِ علم وفضل تھے، لوگ دور دور سے استفادہ کے لیے آتے تھے، بعض مرتبہ لوگ ''اقصائے قسطاس'' سے مسئلہ پوچھنے کے لیے آئے۔ جہاں کہیں جاتے تو شائقینِ حدیث آپ کی جانب رجوع کرتے۔ ایک مرتبہ بصرہ یا مکہ گئے، حضرت عباسؓ نے درخواست کی کہ فلاں حدیث جس کو آپ نے روایت کیا تھا، اس کے سننے کا مشتاق ہوں۔

ایک مرتبہ عطیہ عوفی نے آ کر کہا کہ: آپ نے میرے داماد سے فلاں حدیث بیان کی تھی، میں اس ارادہ سے حاضر ہوا ہوں کہ خود براہِ راست آپ سے سنوں، انہوں نے حدیث بیان کی تو عطیہ بولے یہ فقرہ بھی تھا؟ فرمایا: إِنَّمَا أَنَا أُخْبِرُكَ كَمَا سَمِعْتُ، بھائی! میں نے جو کچھ سنا تھا تم سے بیان کر دیا۔

احادیث کے علاوہ جو دعائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنیں اور یاد تھیں وہ لوگوں کو بتلاتے تھے، ایک مرتبہ کہا: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو سکھلاتے تھے اور ہم تم کو سکھلاتے ہیں''۔

احتیاط اور تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ آپؓ حدیث کے ذکر کرنے سے بہت ہچکچاتے اور گھبراتے تھے۔ عبدالرحمن بن لیلیٰ فرماتے ہیں کہ: ہم حدیث کی درخواست کرتے تو فرماتے، اب تو میں بوڑھا ہو چکا ہوں، اب وہ زمانہ گذر گیا، وہ سب خواب وخیال ہوگیا، حدیثوں کا بڑا سرمایہ نسیان وسہو کی نذر ہوگیا، چوں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث بیان کرنا یہ بہت بڑی ذمہ داری کا کام ہے، اس لیے جو حدیث خود بیان کردوں وہ سن لیا کرو، باقی روایت کی تکلیف دینا مناسب نہیں۔

آپؓ سے روایت کرنے والے: انس بن مالکؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابوالطفیلؓ، ابوعثمان مہندی، عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ، عبد خیر ہمدانی، طاؤس، نضر بن انس، ابوعمر شیبانی، ابوالمنہال، عبدالرحمن بن معطم، ابواسحٰق سبیعی، محمد بن کعب، ابوحمزہ طلحہ، ابن یزید، عبداللہ بن حارث بصری، قاسم بن عوف، یزید بن جان وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔ (سیر الصحابہ ۵/ ۳۳۲)

تواضع

جو عالی ظرف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے ملتے ہیں

اس قدر تبحّرِ علمی اور جلالتِ قدر کے باجود انہیں معاصرین کے علم وفضل کا

اعتراف کرنے میں کوئی باک نہیں تھا۔ حضرت ابو منہال کا بیان ہے کہ: میں نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے ''بیعِ صرف'' سے متعلق سوال کیا۔ برّاء کہتے تھے: زید سے پوچھو، یہ مجھ سے زیادہ بڑے عالم ہیں، اور زید کہتے تھے کہ: برّاء مجھ سے افضل اور مجھ سے بڑھ کر ہیں، انہیں سے پوچھو۔ بالآخر دونوں نے متفق ہوکر کہا کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ سونے کی بیع چاندی سے ادھار کی جائے''۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۲۶۳)

اتباعِ سنت

آپ رضی اللہ عنہ سراپا سنتِ نبوی کے متبع تھے، ہر وقت کوشش میں رہتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر کیسے عمل کروں؟

جب کبھی جنازے کی نماز پڑھاتے چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ خلافِ عادت پانچ تکبیریں کہیں، ایک شخص نے ہاتھ پکڑ کر پوچھا کہ سہو تو نہیں ہوگیا؟ فرمایا: یہ بھی میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے، اس کو کیوں کر چھوڑ سکتا ہوں۔ (سیر الصحابہ ۵/ ۳۳۳)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

تلوار کے سایہ میں ہم نے حق بات کہی ہے

امر بالمعروف و نہی عن المنکر آپ رضی اللہ عنہ کی عادتِ شریفہ تھی، کبھی کسی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ مسجدِ قبا میں کچھ لوگ چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے، آپؓ کا گذر وہاں سے ہوا، تو فرمانے لگے کہ شاید ان کو معلوم نہیں کہ اللہ کی طرف بہ کثرت رجوع کرنے والوں کی نماز (چاشت) کا اس سے بہتر ایک وقت ہے اور وہ جب ہے کہ گرمی کی شدت سے تلوے جلنے لگے۔ (مسندِ احمد: ۳۶۷۰)

زندگی کے آخری ایام آپؓ نے کوفہ میں گزارے، چوں کہ وہیں مستقل سکونت اختیار کر چکے تھے، آپ کے قیامِ کوفہ کے دوران ہی کربلا کا سانحہ پیش آیا، اور حضرت حسینؓ شہید کیے گئے، حضرت زیدؓ کو اس سے سخت صدمہ پہنچا۔ ابوحنیفہ دینوری نے ''اخبار الطوال'' میں لکھا ہے کہ: حضرت حسینؓ کا سرِ اقدس عبیداللہ بن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے اپنی چھڑی آپؓ کے ہونٹوں پر مارنی شروع کر دی، حضرت زید بن ارقمؓ بھی وہاں موجود تھے وہ تڑپ اٹھے اور فرمایا:

''نہ نہ! ان لبوں سے اپنی چھڑی ہٹالے، خدا کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان لبوں پر بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے''۔

پھر ان کی آواز بھرا گئی اور انہوں نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ ابن زیاد جس نے خاندانِ رسالت کو تاراج کیا تھا، بھلا ان کی کیا عزت کرتا، جھلاّ کر بولا:

''روتے کیوں ہو؟ خدا تمہاری آنکھوں کو رلاتا رہے، خدا کی قسم! اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ بڑھاپے کے باعث تمہاری عقل ٹھکانے نہیں رہی تو میں تمہارا سر اڑا دیتا''۔

یہ آپ ہی کا جگر تھا کہ ایسی سخت باتوں اور ایسے جاں گداز ماحول کے باوجود خاندانِ نبوت کے ساتھ اظہارِ محبت سے باز نہیں آئے۔

(خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۲۶۲)

جنت کی بشارت

راضی برضا ہے تو مزہ دیکھ	دنیا میں بیٹھ کر جنت کی فضا دیکھ

عاشقِ رسول حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اپنے انہیں اوصاف ومحاسن کی بدولت بارگاہِ رسالت میں خاص امتیاز کے حامل ہوگئے تھے؛ یہاں تک کہ کبھی علیل ہوتے تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ نفسِ نفیس ان کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے۔

مسندِ احمد میں ہے کہ: ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں کوئی تکلیف ہوگئی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''ابن ارقم! اگر یہ تکلیف دور نہ ہوئی اور آپ نابینا ہوگئے تو کیا کروگے؟ عرض کیا: ''یارسول اللہ! صبر کروں گا، اور آخرت میں اجر کی امید رکھوں گا''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم صبر کروگے اور آخرت میں اجر کی امید رکھوگے تو تمہارا بدلہ جنت ہے''۔

آپ رضی اللہ عنہ کی بیٹی انیسہ کا بیان ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد میرے والد نابینا ہوگئے، پھر اللہ نے دوبارہ بینائی لوٹادی''۔ جس وقت آپ رضی اللہ عنہ آنکھوں سے نابینا ہوگئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے صبر واحتساب کے پہلو کو مقدم رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی سنی ہوئی بشارت کے مستحق ٹھہرے۔ (اصحاب الرسول، ص: ۱۳۲)

ہم عصروں سے آپؓ کے معاملات

اپنے ساتھیوں کے دکھ ودرد اور رنج وغم ودرد میں شریک ہوتے، اور انہیں اطمینان دلاتے تھے، ان کے مصائب میں ہمدردی اور غمگساری سے کام لیتے تھے۔

خاندانِ نبوت کے مصائب پر تو آپؓ کا دل تڑپ اٹھتا تھا۔ واقعۂ حرّہ میں یزیدی فوج کے ہاتھوں حضرت انس بن ماکؓ کے ایک فرزند اور کچھ دوسرے رشتہ دار شہید ہوگئے تو حضرت زیدؓ نے ان کو تعزیت کا خط لکھا جس میں بایں الفاظ ان کا غم ہلکا کرنے کی کوشش کی کہ: ''میں تم کو خدا کی ایک بشارت سناتا ہوں، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا ہے: خدایا! انصار، ان کی اولاد، اولاد در اولاد، ان کی عورتوں، ام کے پڑوسیوں اور ان کے غلاموں کی مغفرت فرما''۔ یہ ایسی بشارت تھی جو حضرت انسؓ کا غم ہلکا کرنے کے لیے کافی تھی۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۲۴۲)

روایتِ حدیث میں آپ کا مقام

حضرت زید بن ارقمؓ علم وفضل کا مجمع البحرین تھے، تاہم روایتِ حدیث میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے، اس لیے ان سے مروی احادیث کی کل تعداد نوے (۹۰) ہے، ان سے روایت کرنے والوں میں کئی جلیل القدر صحابہؓ اور سرآمدِ روزگار تابعین شامل ہیں جن کی ایک جھلک اگلے صفحات میں گذر چکی ہے۔

(سیر الصحابہ ۵/ ۳۳۱)

مرویات

۱)عَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یَقُوْلُ: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعِجْزِ وَالْکَسْلِ، وَالْبُخْلِ، وَالْھَرَمِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ، اَللّٰھُمَّ أٰتِ نَفْسِیْ تَقْوَاھَا وَزَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکَّاھَا، اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلَاھَا، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَایَخْشَعُ، وَمِنْ نَفْسٍ لَاتَشْبَعُ، وَمِنْ دَعْوَۃٍ لَا یُسْتَجَابُ لَھَا. (مسلم:۲۷۲۲)

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے عاجز ہوجانے سے، کاہلی سے، بڑھاپے سے، اور عذابِ قبر سے پناہ مانگتا ہوں، اے اللہ! میرے نفس کو پرہیزگاری عطا فرما، اور اسے آلائشوں سے پاک فرما کہ تو ہی پاک کرنے والی بہترین ذات ہے، اس کا ولی اور مولیٰ تو ہی ہے، اے اللہ! تجھ سے بے فائدہ علم، نہ ڈرنے والے دل اور نہ سیر ہونے والے نفس اور نہ قبول ہونے والی دعا سے پناہ مانگتا ہوں''۔

۲)عن زید بن ارقم رضی اللّٰہ عنہ قال: أَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ. (مسند احمد)

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: (بچوں میں) سب سے پہلے جو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا وہ علی رضی اللہ عنہ ہے۔

۳)أَبَا حَمْزَۃَ مَوْلَی الْأَنْصَارِ قَالَ سَمِعْتُ زَیْدَ بْنَ أَرْقَمَ قَالَ: کُنَّا عِنْدَ

رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِيْ مَنْزِلٍ نَزَلُوْهُ فِيْ مَسِيْرَةٍ، فَقَالَ: مَا أَنْتُمْ بِجُزْءٍ مِنْ مِأَةِ أَلْفِ جُزْءٍ مِمَّنْ يَرِدُ عَلَى الْحَوْضِ مِنْ أُمَّتِيْ قَالَ قُلْتُ: كَمْ كُنْتُمْ يَوْمَئِذٍ ؟قَالَ: كُنَّا سَبْعُ مِائَةٍ أَوْ ثَمَانُ مِائَةٍ. (مسند احمد)

ترجمہ: ابوحمزہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے زید بن ارقمؓ کو بیان فرماتے ہوئے سنا کہ: ہم نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں ایک منزل پر پڑاؤ ڈالا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کے افراد کی جو تعداد حوض (حوض کوثر) پر وارد ہونے والی ہے، تم اس کا ایک لاکھ حصہ بھی نہیں ہو۔ راوی بیان فرماتے ہیں: میں نے پوچھا کہ اس دن تمہاری تعداد کتنی تھی؟ فرمایا ہماری تعداد سات سو (۷۰۰) یا آٹھ سو (۸۰۰) تھی۔

۴) عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَمَرَهُمْ أَنْ يَتَدَاوَوْا مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ بِالْعُوْدِ الْهِنْدِيِّ وَالزَّيْتِ. (مسند احمد)

ترجمہ: زید بن ارقمؓ سے مروی ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو نمونیا کی بیماری کے علاج کے لیے عود ہندی اور زیتون کے تیل کے استعمال کرنے کا حکم دیا۔

۵) عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: مَنْ لَمْ يَأْخُذْ مِنْ شَارِبِهٖ فَلَيْسَ مِنَّا. (سنن الترمذی، رقم:۲۷۶۱)

ترجمہ: زید بن ارقمؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ: جو شخص اپنی مونچھ نہ کترتا ہو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ آپ علم وفضل کے اعتبار سے نہایت اعلیٰ وارفع تھے، حق وصداقت، صلاح وتقویٰ کے پیکر تھے، زہد وورع، خوف وخشیت سے لبریز تھے، طاعت و عبادت کے پابند تھے، حفظِ احادیث میں ایک امتیازی شان رکھتے تھے، مزید برآں آپ عظیم مجاہد اور مستجاب الدعوات بھی تھے، نیز تادمِ حیات سید الاولین والآخرین، تاجدار مدینہ، محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر کاربند رہے اور اسلام کی حمایت وحفاظت کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ ان مقدّس ومکرّم ہستیوں کی محبت والفت ہمارے قلب وجگر میں پیوست فرمائے اور تادمِ آخران کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ

از قلم: یاسر دساڑا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ

یہ ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ ہر قوم اپنا مستقبل اپنے ماضی ہی کے آئینہ میں سنوار سکتی ہے؛ اس لیے جو قوم وملّت بھی مستقبل میں کامیابی کی خواہاں ہو اس کا اپنے ماضی سے جڑے رہنا ایسا ہی ضروری ہے جیسے مچھلی کے لیے پانی اور سانس لینے کے لیے ہوا، کیوں کہ جو قوم اپنے ماضی سے کٹ جاتی ہے وہ مستقبل میں کامیابی کی راہیں طے نہیں کر سکتی اور ستارۂ بلندی پر استقامت کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتی ہے۔

شجرِ اسلام کی آبیاری جس کاروانِ جاں باز سے ہوئی اس کارواں کے مقتدا اور رہنما صحابۂ کرامؓ ہیں جنھوں نے اس کی آب پاشی کے لیے اپنے لہو کے نذرانے پیش کیے اور اس کی سرسبزی وشادابی کے خاطر اپنے اہل وعیال کو خیر باد کہنے میں بھی کوئی جھجھک محسوس نہیں کی، جس کے نتیجے میں انہیں بارگاہِ الٰہی سے ”رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ“ کا تمغہ عنایت کیا گیا اور ان ہی میں بعض ایسی مایۂ ناز شخصیات بھی ہیں جن کو آستانۂ ختمِ نبوت سے مختلف مواقع پر اس عالمِ فانی ہی میں ”عالمِ جاودانی کے سدا بہار باغات“ کی خوش خبری دی گئی جن کو دنیا ”رجال مبشرون بالجنۃ“ کے لقب سے یاد کرتی ہے، صحیح کہا ہے کسی نے:

قدم بوسی کی دولت مل گئی تھی چند ذروں کو
ابھی تک وہ چمکتے ہیں ستاروں کی جبیں ہو کر

ایسے بشارت یافتہ لوگوں میں سے ایک حضرت ''مالک بن سنانؓ'' بھی ہیں۔ان سطور میں آپ ہی کی ذاتِ گرامی پر روشنی ڈالنے کی طالبِ علمانہ کاوش کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ اسے راقمِ سطور، قارئین اور جملہ اہلِ اسلام کے حق میں خیر کا ذریعہ بنائے، آمین۔

نام ونسب اور اہل وعیال

آپ کا نامِ نامی اسمِ گرامی مالک بن سنان ہے، آپ کا سلسلۂ نسب یوں ہے: مالک بن سنان بن عبید بن ثعلبہ۔ مدینہ کے دو نامور قبیلوں میں سے قبیلۂ خزرج سے آپ کا تعلق تھا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ - جو جلیل القدر صحابی ہیں-، آپ ہی کے فرزند تھے۔ آپ کا نکاح انیسہ بنت عمرو بن قیسؓ سے ہوا، جو قبیلۂ نجار سے تھیں اور ان ہی سے سعد (ابوسعید خدری) اور فریعہ نامی ایک صاحبزادی ہوئی، آپ کی شریکۂ حیات اور دخترِ نیک اختر دونوں اسلام کی دولت سے مشرف ہوئیں۔ حارثہ اور ثابت نامی آپ کے دو بھائی تھے اور دو بہنیں تھیں: رباب اور ربیع، یہ دونوں بھی اسلام لائیں اور ان کو آستانۂ نبوت سے بیعت ہونے کا شرف بھی نصیب ہوا۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۱۳)

قبولِ اسلام

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یثرب میں قدم رنجہ فرمانے سے قبل یثرب کی حالت ناگفتہ بہ تھی، جنگ وجدال کی فضا عام تھی، ہر طرف لڑائی جھگڑے کا ماحول اور عصبیت

کا دور دورہ تھا، مدینہ کے دو مشہور قبیلے اوس اور خزرج کے مابین قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوتا رہتا تھا، مذہباً یہ دونوں قبیلے بت پرست تھے، اور دوسری طرف یثرب میں یہودیوں کا زور تھا، ان کے تین بڑے بڑے قبیلے وہاں سکونت پذیر تھے: بنو قریظہ، بنونظیر اور بنوقینقاع۔ یہودی اہلِ کتاب ہونے کی وجہ سے حضور کے اسمِ گرامی، اخلاق و اطوار، صفات اور عادات اور آپ کی ہجرت گاہ سے خوب واقف تھے، اس لیے وہ اپنی نجی محفلوں میں نبیٔ آخر الزماں کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ کی بات ہے کہ مالک بن سنان کا کسی غرض سے قبیلۂ بنو عبدالاشہل میں جانا ہوا تو انھوں نے یوشع نامی ایک یہودی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا کہ وہ آپ کے اخلاق و عادات بیان کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ: یہ شہر (یثرب) آپ کا ''دارالہجرۃ'' ہوگا۔ مالک بن سنان کے لیے یہ بالکل نئی بات تھی، آپ تحقیق کی غرض سے قبیلۂ بنوقریظہ میں گئے۔ جب وہاں پہنچے تو وہاں بھی ایک جمِ غفیر تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ کر رہا تھا، ان میں سے ایک یہودی جس کا نام زبیر بن باطا تھا، بول اٹھا کہ: وہ سرخ سیارہ نمودار ہو چکا ہے جو صرف کسی نبی کے خروج و ظہور پر طلوع ہوا کرتا ہے اور انبیائے کرام میں صرف ایک ہی نبی باقی ہے، جن کا نام ''احمد'' ہے، جو یہاں ہجرت کر کے آئیں گے۔ ان سب باتوں کو سن کر مالک بن سنان کے دل میں حضور سے ملنے کی امنگیں انگڑائیاں لینے لگیں اور وہ اپنے اس جذبہ کو چھپا نہ سکے۔ چناں چہ اپنے اہلِ خانہ اور نیک دل

فرزند سعد کے سامنے ان باتوں کا تذکرہ چھیڑ دیا، جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت جاگزیں ہوگئی۔ بعدازاں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر کے صحابی ہونے کا شرف حاصل کیا اور اپنے صاحبزادے سعد کو مستقل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رکھ چھوڑا؛ تاکہ وہ مشکاۃِ نبوت سے کچھ فیض حاصل کر سکے۔ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی برکت سے سعد جلیل القدر صحابی ہوئے جن کو دنیا نے حضرت ''ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ'' کے نام سے یاد کیا۔ (بحوالۂ مذکورہ، ص: ۱۵)

آپ کی زندگی کے روشن پہلو

مالک بن سنان کا قبیلہ مدینہ کے دو نامور قبیلوں میں سے تھا، آپ کو اپنے قبیلہ میں بڑا مقام حاصل تھا، مبدأ فیاض نے آپ کو فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ ذوق سے سرفراز فرمایا تھا۔ صحیح سالم فطرت کے مالک اور اعلیٰ خوبیوں کے حامل تھے، معاشرے میں ہمیشہ آپ کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، آپ اوس و خزرج کی آپسی لڑائیوں میں اکثر صلح کرواتے تھے اور اس قتل و قتال کو- جو طویل عرصے سے دونوں قبیلوں میں چلا آ رہا تھا- ناپسند فرماتے، اور لوگوں کو اس کے ختم کرنے کی دعوت بھی دیتے تھے۔ (بحوالۂ مذکورہ، ص: ۱۴)

جب بدر کے میدان میں حق و باطل کا معرکۂ اول پیش آیا تو اُس وقت بعض صحابہ کی طرح مالک بن سنان بھی اس میں حاضر نہ ہوسکے تھے؛ اس لیے کہ

ان حضرات کا خیال تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو قافلۂ قریش - جو شام سے آ رہا ہے اس - کا راستہ روکنے کے لیے تشریف لے گئے ہیں۔ اور واقعہ بھی یہی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی غرض سے تشریف لے گئے تھے، باضابطہ جنگ کا کوئی ارادہ نہیں تھا، لیکن تقدیرِ الٰہی سے ہوا یہ کہ وہ قافلہ تو بچ بچا کر نکل گیا، اور کفارِ مکہ کا لشکر سامنے آ گیا اور ان سے جنگ چھڑ گئی۔ چناں چہ نصرتِ الٰہیہ شاملِ حال ہوئی اور فتح وظفر نے مسلمانوں کی قدم بوسی کی۔ ایک آدمی مدینہ میں فتح کی خوشخبری دیتا ہوا داخل ہوا، لوگوں نے اس کو مبارکباد پیش کی اور اوس وخزرج کے سرداروں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیر مقدم کر کے آپ کے صحیح سالم لوٹنے پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ ایک صحابی - جن کا نام اسید بن حضیر تھا - حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! اگر ہم اس بات کو جانتے ہوتے کہ آپ دشمن کے مقابلہ کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں تو ہم ہرگز پیچھے نہ رہتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے سچ کہا۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۱۶)

جنگِ احد کی تیاریاں

غزوۂ بدر جو رمضان ۲ھ میں پیش آیا تھا، اس میں کفارِ مکہ کو شدید نقصان پہنچا تھا، ان کے نامور سرداروں کا خاتمہ ہو چکا تھا اور ایک بڑی تعداد گرفتار کر لی گئی تھی، سرزمینِ عرب میں قریش کا جو رعب ودبدبہ تھا وہ خاک میں مل گیا تھا۔ ان سارے نقصانات کی تلافی اور اپنی شکست وریخت کا بدلہ لینے کے لیے کفارِ مکہ نے اگلے ہی سال جنگ کی تیاریاں شروع کریں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمِّ بزرگوار عباس بن عبدالمطلب اُس وقت تک مکہ ہی میں مقیم تھے، انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفارِ مکہ کی ان سازشوں سے روشناس کرنے کے لیے خط لکھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کی ان فتنہ آرائیوں کی خبر لگتے ہی تیاریاں شروع فرمادیں۔ صحابہؓ سے جنگ کے متعلق مشورہ بھی کیا، آپ کے سامنے دو پہلو تھے: ایک یہ کہ مدینہ سے باہر نکل کر ان کا سامنا کیا جائے اور دوسرا یہ کہ مدینہ میں رہتے ہوئے ہی ان سے مقابلہ کیا جاوے، دونوں طرح کی رائے آپ کے سامنے آئی۔ (بحوالۂ مذکورہ: ۱۷)

شجاعت و جوانمردی کا ایک نمونہ

وہ جواں مرد صحابہ جنھیں جنگِ بدر میں دادِ شجاعت دینے کا موقع نہیں مل سکا تھا، انھوں نے خوب ہمت اور جرات کا مظاہرہ کیا اور مدینہ سے باہر جا کر سامنا کرنے کا مشورہ دیا، جن میں حضرت سعد بن عبادہؓ اور نعمان بن مالکؓ وغیرہ تھے، وہ کہنے لگے: حضور! ہمیں یہ اندیشہ ہے کہ اگر ہم آگے بڑھ کر مقابلہ نہیں کریں گے تو کفارِ مکہ یہ سمجھیں گے کہ مسلمان بزدلی کی وجہ سے مقابلہ کرنے سے کترا گئے۔

چناں چہ حضرت حمزہؓ - جو روزہ کی حالت میں تھے- کھڑے ہوئے اور یہ قسم کھالی کہ جب تک مدینہ سے باہر نکل کر کفار کا سامنا نہیں کرلوں گا روزہ افطار نہ کروں گا۔ اور حضرت نعمان بن مالکؓ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! کیوں ہمیں جنت سے محروم رکھتے ہو، قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! میں

اس میں داخل ہو کر رہوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کس طرح؟ کہنے لگے: میں اللہ اور رسول سے محبت رکھتا ہوں اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ جنگ کے میدان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاؤں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے سچ کہا۔

اس موقع پر حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے بھی بڑی جواں مردی کا مظاہرہ کیا۔ آپؓ نے اپنی زرہ پہن لی اور تلوار سونت کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے تو ہر دو معاملوں میں خیر ہے، یا تو ہم کامیاب ہوں گے جو ہمارا مقصود ہے یا اللہ ہم کو شہادت کی موت نصیب فرمائے گا جو ہمارا مطلوب ہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن		نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

بالآخر یہ طے ہوا کہ مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جاوے۔

(رجالِ مبشرون بالجنۃ، ص: ۱۷، ۱۸)

جاں نثاری اور فداکاری کی ایک جھلک

چناں چہ لشکر احد کی جانب روانہ ہوا اور جب مقامِ شیخین پر پہنچا تو حضور نے لشکر کا جائزہ لیا اور سترہ بچوں کو- جن کی عمر پندرہ سال سے کم تھی- واپس کر دیا ان میں حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کے نیک بخت صاحبزادے سعد بھی تھے۔

اِس مقام پر ایثار اور فداکاری کا وہ منظر سامنے آیا جس پر تاریخ خود نازاں ہے کہ حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ اپنے اکلوتے لڑکے اور جگر گوشے: سعد کو

رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے کر گئے؛ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو لشکر میں شامل کرلیں۔ خود سعد کا بیان ہے کہ: جنگِ احد کے وقت میری عمر تیرہ سال کی تھی، میرے والد مالک بن سنان میرا ہاتھ پکڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لے گئے اور کہا: یہ مضبوط ہڈیوں والا ہے، اسے بھی فوج میں شامل فرمالیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری طرف دیکھا اور کم عمری کی وجہ سے مجھے واپس کردینے کا حکم دیا، چناں چہ مجھے واپس کردیا گیا۔ جب لشکر احد کی وادی میں پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر میں سے پچاس تیراندازوں کو عبداللہ بن جبیر کی قیادت میں ایک بلند چوٹی پر ٹھہرنے کا حکم دیا، جہاں سے چکر کاٹ کر دشمن کے حملہ کرنے کا اندیشہ تھا اور انہیں کہہ دیا کہ ہمیں جنگ میں فتح ہو یا شکست تمہیں اپنی جگہ نہیں چھوڑنی۔

(رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۱۹، ۲۰)

جنگِ احد

چناں چہ دونوں فریق آمنے سامنے ہوئے اور گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی، ابتداء مسلمانوں کا پلّہ بھاری رہا اور کفار میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے، مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے اور وہ دستہ بھی جو چوٹی پر مستعد کھڑا تھا اپنے قائد کے ہزار منع کرنے کے باوجود ایک اجتہادی غلطی کی وجہ سے اپنی متعینہ جگہیں چھوڑ کر مالِ غنیمت کے حصول میں لگ گیا۔

مسلمانوں کی پشت خالی ہوگئی، پیٹھ پر سے حملہ کرنے کا موقع غنیمت سمجھا

گیا، خالد بن ولید- جو اُس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے- کفار کی ایک جماعت لے کر اسی راستہ سے مسلمانوں کے پیچھے آ گئے، اِدھر مسلمان اپنی پشت سے بے خبر مالِ غنیمت لوٹنے میں مشغول تھے، اچانک خالد بن ولید نے ان پر حملہ کر دیا۔ اس اچانک حملہ سے مسلمان حواس باختہ ہو گئے اور اس کی تاب نہ لا سکے، یہ منظر دیکھ کر بھاگنے والے کفار بھی رک گئے اور انھوں نے بھی پلٹ کر وار کر دیا، مسلمان دونوں طرف سے کفار کے نرغے میں آ گئے اور ایک بار پھر میدانِ کارزار گرم ہو گیا، تلواروں کی چمک سے آنکھیں چکا چوند ہونے لگیں، نیزے خون میں تیرنے لگے، ڈھالیں ٹوٹنے لگیں، اچانک ہونے والے حملے نے کچھ سوچنے سمجھنے اور سنبھلنے کا موقع نہ دیا، افراتفری کے اس عالم میں خود مسلمان ایک دوسرے کو مارنے لگے اور آناً فاناً جنگ کا پانسا پلٹ گیا۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۲۱)

حضرت مصعب بن عمیرؓ شکل وصورت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ تھے اور لوائے نبوی تھامے ہوئے تھے، عبداللہ بن قمیئہ نامی ایک کافر نے یہ سمجھا کہ یہ علَم خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھائے ہوئے ہیں، اس لیے مسلمان میدان نہیں چھوڑ رہے ہیں۔ اس نے حضرت مصعبؓ پر حملہ کیا اور شہید کر دیا اور چلانے لگا کہ: میں نے محمد کو قتل کر دیا، میں نے محمد کو قتل کر دیا۔ یہ خبر لشکر میں اس طرح پھیلی جیسے سوکھی پتیوں میں آگ، مسلمان فطری طور پر حواس باختہ ہو گئے اور ان میں وقتی طور پر تزلزل اور ڈگمگاہٹ پیدا ہو گئی، ان کے قدم میدان سے اکھڑنے لگے۔ کچھ لوگ جنگ

سے کنارہ کش ہو گئے، بعضوں نے پہاڑوں کا راستہ لیا اور بہت سے جاں باز عاشق یہ خیال کر کے کہ محبوب کے بعد جینے کا مزہ ہی کیا! دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے اور جامِ شہادت نوش کر گئے۔ (سیرتِ احمد مجتبیٰ ۲/ ۳۲۰)

اسی اثنا میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ لیا اور آپ کو پہچانتے ہی زور سے پکارا کہ: یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور زندہ ہیں۔ یہ آواز سنتے ہی سب مسلمان اُدھر آنے لگے اور دشمنوں کا ہدف بھی ذاتِ اقدس ہو گیا، چار کم بخت مشرکین نے شمعِ نبوت کو بجھانے کا مشورہ کیا تھا: ابی بن خلف، عبداللہ بن قمیئہ، عتبہ بن ابی وقاص اور عبداللہ بن شہاب یہ چاروں حضور کی تاک میں تھے۔

معدودے چند جاں فروش صحابہ رضی اللہ عنہم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھیرے ہوئے تھے، موقع پا کر ان چار میں سے تین مشرکین گھیرا توڑنے میں کامیاب ہو گئے، عبداللہ بن قمیئہ نے اس قدر سختی سے آپ پر حملہ کیا کہ رخسارِ مبارک زخمی ہو گیا، خَود کے دو حلقے اس میں دھنس گئے، پھر اپنی تلوار سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھے پر وار کیا اس وار کا نشان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک مہینہ تک رہا۔ اور عبداللہ بن شہاب نے حضور کو پتھر مارا جس سے پیشانی زخمی ہو گئی اور خون بہنے لگا، اور عتبہ بن ابی وقاص نے پتھر مار کر حضور کے دندانِ مبارک کو شہید کر دیا۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۲۱)

جنت کی بشارت

چہرۂ انور سے خون بہنے لگا، اُس وقت عشق و محبت کا وہ منظر سامنے آیا جس

سے عقلیں حیران ہوجاتی ہیں کہ محبوب کا خون بھی زمین پر گرنا گوارا نہ کیا۔ حضرت مالک بن سنانؓ آگے بڑھے اور اس کو پی لیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کہا: تھوک دو، لیکن وہ کہنے لگے: قسم ہے خدا کی، میں ہرگز نہیں تھوکوں گا۔

جب انھوں نے خون پی لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ مَسَّ دَمُهُ رَمَی لَمْ تَمَسَّهُ النَّارُ. میرا خون جس خون سے مل گیا اس کو آگ نہیں چھوئے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ أَرَادَ أَنْ يَنْظُرَ إِلىٰ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ إِلىٰ هٰذَا. جو شخص یہ چاہے کہ جنتی مرد کو دیکھے تو (مالک بن سنان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) اس کو دیکھ لے۔ (بحوالہ مذکورہ، ص: ۲۲-۲۶)

صحابۂ کرامؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو عشق تھا اس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا اور نہ عقل اس کا اندازہ لگا سکتی ہے۔ کسی نے صحیح ہی کہا ہے:

عشق ہی رازِ حقیقت کو سمجھ سکتا ہے
عقل کا کام نہیں وہم و گماں کے آگے

شہادت

یہ ہے صحابیٔ رسول مالک بن سنان جن کے دل میں حضور کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، زمانہ ان کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، جنھوں نے محبوب کے خون کا ایک قطرہ زمین پر گرنا پسند نہیں کیا اور اس کو پی گئے، جس کے نتیجہ میں جنت کی بشارت اور دوزخ سے نجات کا پروانہ مل گیا، سچ کہا ہے اقبال

مرحوم نے

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اسی جذبۂ عشق ومحبت کی بنا پر محبوب کو زخمی نہ دیکھ سکے اور اُس ظالم سے انتقام لینے کے لیے میدان کی طرف چل پڑے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زخمی کیا تھا؛ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، کفارِ مکہ کا ایک شہسوار جس کا نام غراب بن سفیان تھا سامنے آیا اور اس نے آپؓ پر حملہ کیا اور اس زور سے تلوار ماری کہ آپ زخمی ہوکر گر پڑے، زخم کاری تھا، زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکے اور جامِ شہادت نوش فرمایا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون (بحوالۂ مذکورہ، ص:۲۲)

کم نہ تھی عشق میں بھی شانِ تجلی لیکن
عشق پروانہ بنا شمع شبستاں نہ ہوا

ان سطور کے رقم کرتے وقت نہ جانے کیوں خیال آتا ہے کہ آج جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو نہیں؛ لیکن ان کا لایا ہوا دین زخمی زخمی ہے، کفر کے بھیڑیے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، بدن زخموں سے چور ہے، خون رِس رہا ہے اور اسلام کی مظلوم ومضطرب آنکھیں اس ہنگامۂ کارزار میں کسی مالک بن سنان کی راہ تک رہی ہیں، ہے کوئی جو اس خاموش پیغام پر لبیک کہے۔!!

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ

از قلم: محمد اطہر بمبوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ

چودہ سو برس پہلے سرزمینِ عرب میں لوگ بت پرستی میں مبتلا تھے، جنگل راج تھا، جس کی لاٹھی اس کی بھینس تھی، امرا اور طاقتور ظلم کرتے اور کمزور اور غریب ظلم کی چکی میں پسے جاتے تھے، انسان مویشیوں کی طرح منڈیوں میں بکتے اور ان سے جانوروں کی طرح کام لیا جاتا تھا۔ ایسے ماحول میں اللہ تعالیٰ نے بدر و حنین کے سپہ سالار، شفیع الوریٰ، شمس الضحیٰ، شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آ کر لوگوں کو ایک خدا کی عبادت کی دعوت دی، بھلائیوں پر ابھارا اور برائیوں سے روکا، خوش قسمت لوگوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا اور آپ کے حامی بن گئے، اور حامی بھی ایسے ہوئے کہ اپنا جان و مال سب کچھ دینے کے لیے تیار ہو گئے؛ یہاں تک کہ جو معذور تھے وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور دینِ اسلام پر جان نچھاور کرنے کے لیے بے تاب رہتے تھے۔ ان ہی معذورین میں سے ایک جانباز، شجاع، مردِ مجاہد وہ بھی ہیں جنھوں نے اسی جذبہ کے ساتھ میدانِ احد میں شہادت کا جام نوش کیا اور احد کے گنجِ شہیداں میں مدفون ہوئے۔ وہ مردِ مجاہد کوئی اور نہیں؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحبت یافتہ حضرت عمرو بن جموحؓ ہیں، آیئے ان کی سیرت پر نظر ڈالتے ہیں:

تعارف

نام: عمرو، کنیت: ابومعاذ، والد کا نام جموح تھا۔ نسب یہ ہے: عمرو بن جموح بن زید بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ، آپ قبیلۂ خزرج کے خاندانِ بنوسلمہ سے تعلق رکھتے تھے، (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۲۲) بنوسلمہ کے رئیس ہونے کے علاوہ آپ کو مذہبی پیشوائی بھی حاصل تھی، یعنی بت خانے کے متولی تھے۔

حلیہ: گورا رنگ، گھونگھریالے بال، اور پیر میں لنگ تھا۔ (سیر الصحابہ ۵/ ۱۰۲)

گھرانہ: آپ کے چار لڑکے تھے: معاذ، معوّذ، خلاّد، عبدالرحمن۔ بعض روایتوں میں تین بیان کیے گئے ہیں، اور ہند نامی ایک لڑکی کا بھی ذکر ملتا ہے۔

(رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۰)

آپ کی بیوی ہند بنتِ عمرو بن حرامؓ تھیں جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ کی بہن تھیں۔

اسلام سے قبل کے حالات

زمانۂ جاہلیت میں عرب کے سرداروں میں یہ رواج تھا کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے لیے خاص طور پر الگ الگ بت بنا رکھے تھے؛ تاکہ ہر صبح وشام اس سے برکت حاصل کرے، خوشی کے وقت اس کے نام پر جانور ذبح کرے اور مصیبت اور پریشانی کے وقت اس سے حفاظت و پناہ کی درخواست کرے۔ اس

وقت کے رواج کے مطابق عمرو بن جموح کے پاس بھی ایک بت تھا جس کو انھوں نے بہت قیمتی اور عمدہ لکڑی سے بنایا تھا۔ عمرو بن جموح اس سے بہت زیادہ محبت کرتے، اس کے رکھ رکھاؤ کا بڑا اہتمام کرتے، اس کی دیکھ بھال کے لیے فکرمند رہتے اور ہمیشہ بڑی محبت کے ساتھ اس کو بہت مہنگی خوشبو سے معطر کرتے تھے۔

(صحابہؓ کے واقعات، ص: ۱۲۴)

اہلِ خانہ کا قبولِ اسلام اور آپ کی بے خبری

شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو اسلام کی تبلیغ کے لیے یثرب بھیجا تھا۔ آفتابِ اسلام کی شعائیں ان کے ذریعہ یثرب کے گھر گھر پر ضوفگن ہو رہی تھیں اور اوس وخزرج کی غیر معمولی تعداد اسلام میں داخل ہو کر اپنے اسلام لانے کا اعلان کر چکی تھی، ان ہی میں قبیلۂ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ اور ان کی پوری قوم بھی تھی۔

بنوسلمہ کے بھی بہت سے افراد اپنے آبائی دین کو خیر باد کہہ کر مسلمانوں کے گروہ میں شامل ہو گئے تھے۔ جن میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ، حضرت عمرو بن جموحؓ کی بیوی اور آپ کے لڑکے بھی تھے؛ لیکن عمرو بن جموح اس سے بالکل بے خبر تھے، اس وقت آپ کی عمر تقریباً ساٹھ برس سے زیادہ تھی۔

عمرو بن جموح کی بیوی نے دیکھا کہ مدینے کے اکثر باشندے حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے ہیں اور ان کے خاوند اور چند بڑے سرداروں کے علاوہ کوئی بھی

شرک پر باقی نہیں ہے۔ آپؓ کی بیوی حضرت ہندؓ کو آپؓ سے بڑی محبت تھی اور آپ کا بہت زیادہ احترام بھی کرتی تھیں، ان کو اس بات کا ڈر تھا کہ اگر انھوں نے کفر نہیں چھوڑا اور اسی حال میں موت آ گئی تو جہنم میں جائیں گے اور یہ بھی ڈر تھا کہ اگر کسی دن بڑے میاں کو حقیقتِ حال کی خبر ہوگئی تو گھر میں بہت فساد برپا ہوگا؛ اس لیے وہ اور سب گھر والے اللہ سے دعا مانگتے تھے کہ گھر کے سربراہ کا سینہ بھی اللہ تعالیٰ ایمان کے لیے کھول دے۔

گھر والے آپ کے دل میں ایمان کا چراغ روشن کرنے کے لیے مختلف طریقوں پر غور بھی کرتے رہتے اور اس کے ساتھ وہ پوری احتیاط کرتے کہ وقت سے پہلے ان کے ایمان لانے کا راز فاش نہ ہونے پائے؛ لیکن قدرتِ الٰہی کو یہ منظور نہ تھا۔

چناں چہ جب یثرب میں ایمان و اسلام کی خوشبو تیزی سے پھیلنے لگی تو عمرو بن جموح کو اپنے لڑکوں کے متعلق یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں یہ لوگ اپنے آباو اجداد کے دین کو چھوڑ کر اس داعیٔ اسلام کی پیروی نہ اختیار کر لیں، جس نے تھوڑی ہی مدت میں بہت سے افراد کو اپنا ہم خیال و ہمنوا بنا لیا ہے، انھوں نے اپنے بیٹوں پر نگاہ رکھنا شروع کر دیا۔ (قبولِ حق کے بعد صحابۂ کرامؓ کی داستانِ عزیمت، ص: ۲۱۰)

قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک دن انھوں نے اپنے صاحبزادے معاذؓ کو حضرت مصعب بن عمیرؓ سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ گھر آ کر اپنی بیوی سے

کہا: ''یَا هِنْدُ! اِحْذَرِیْ اَنْ یَلْتَقِیَ اَوْلَادُكِ بِهٰذَا الرَّجُلِ (یعنی مصعب بن عمیر) حَتّٰی نَرٰی رَأْیَنَا فِیْهِ'' ہند! خبردار، دیکھو! اس بات کا خیال رکھنا کہ جب تک ہم کسی فیصلے پر نہ پہنچ جائیں تمھارے لڑکے اس شخص سے ملنے نہ پائیں''۔ بیوی نے کہا: ''سَمْعًا وَطَاعَةً، وَلٰكِنْ هَلْ لَكَ اَنْ تَسْمَعَ مِنَ ابْنِكَ مُعَاذٍ مَا یَرْوِیْهِ عَنْ هٰذَا الرَّجُلِ'' آپ کا حکم سر آنکھوں پر؛ لیکن کیا آپ وہ بات سننا پسند کریں گے جو آپ کے بیٹے نے مصعب بن عمیر سے سن رکھی ہے۔ عمرو بن جموح آگ بگولہ ہو گئے اور بولے: ''وَیْحَكِ، وَهَلْ صَبَا مُعَاذٌ عَنْ دِیْنِهٖ وَاَنَا لَا اَعْلَمُ'' تمھارا ناس ہو، کیا وہ میری لاعلمی میں اپنے دین سے پھر گیا ہے؟'' نیک بیوی کو ان پر ترس آ گیا اور انھوں نے جواب دیا: ''كَلَّا، وَلٰكِنَّهٗ حَضَرَ بَعْضَ مَجَالِسِ هٰذَا الدَّاعِیَةِ، وَحَفِظَ شَیْئًا مِمَّا یَقُوْلُهٗ'' نہیں، ایسا نہیں ہے؛ بلکہ وہ اس داعی کی مجلس میں شامل ہوا تھا اور وہاں اس نے اس کی کچھ باتیں یاد کر لی ہیں''۔ عمرو نے کہا: اس کو میرے پاس بلاؤ۔ (صور من حیاۃ الصحابہ، ص: ۷۷)

عمرو بن جموح کا قرآن سن کر متأثر ہونا

جب حضرت معاذؓ ان کے پاس پہنچے تو انھوں نے کہا کہ: ''یہ شخص جو کچھ کہتا ہے اس میں سے کچھ باتیں مجھے بھی سناؤ۔ یہ سن کر بیٹے نے باپ کو کلامِ الٰہی کی یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ

عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ. ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے، سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پالنے والا سارے جہان کا، بے حد مہربان نہایت رحم والا، مالک روزِ جزا کا۔ تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ بتلا ہم کو راہ سیدھی، راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا جن پر نہ تیرا غصہ ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔ (ترجمۂ شیخ الہند)

عمرو بن جموح اپنے بیٹے کی زبان سے ادا ہونے والے پُرنور کلمات پوری توجہ وانہماک اور غور وفکر کے ساتھ سنتے رہے، بالآخر قرآن کی پاکیزگی اور خوبصورتی کو محسوس کر کے سر اٹھایا اور کہنے لگے: مَا اَحْسَنَ هٰذَا الْكَلَامَ وَمَا اَجْمَلَهُ، وَهَلْ كُلُّ كَلَامِهٖ مِثْلُ هٰذَا؟'' کتنا خوبصورت اور حسین ہے یہ کلام، کیا اس کی ساری باتیں ایسی ہی ہیں؟ معاذ نے کہا: نَعَمْ، يَا اَبَتَاهُ! وَاَحْسَنُ مِنْ هٰذَا، فَهَلْ لَكَ اَنْ تُبَايِعَهُ؟ فَقَدْ صَنَعَ ذَالِكَ عَامَّةُ قَوْمِكَ'' جی ہاں، میرے والد بزرگوار! ان کا کلام بہت ہی خوبصورت ہے، کیا آپ ان سے بیعت ہونا چاہتے ہیں؟ آپ کا پورا قبیلہ ان سے بیعت کر چکا ہے۔ عمرو نے کہا: لَسْتُ فَاعِلًا حَتّٰى اَنْظُرَ فِيْ هٰذَا الْاَمْرِ'' میں غور وفکر کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا ہوں۔

پھر انھوں نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ تم کس چیز کی تبلیغ کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم آپ کے پاس آئیں گے تو سنائیں گے۔ چناں چہ وہ وعدہ کے مطابق ان کے پاس گئے، داعیٔ اسلام حضرت مصعب بن

عمیرؓ نے ان کو سورۂ یوسف کی ابتدائی آیتیں سنائیں، عمرو سن کر نہایت متاثر ہوئے؛ لیکن یہ کہتے ہوئے لوٹ گئے کہ میں ''مناۃ'' سے مشورہ کیے بغیر دین سے نہیں پھر سکتا ہوں، دیکھتا ہوں وہ مجھے کیا رائے دیتا ہے؟ معاذ نے کہا: ابا جان! یہ ممکن ہی نہیں کہ مناۃ آپ سے بات کرے، یہ تو ایک لکڑی کا بنا ہوا بت ہے جس میں نہ سننے کی صلاحیت ہے نہ جواب دینے کی اور نہ ہی کچھ عقل ہے، یہ آپ کو مشورہ کیا دے گا؟ عمرو بن جموح غصے سے بولے: تم میرے معبود ''مناۃ'' کی توہین مت کرو، اور میرا فیصلہ اچھی طرح سن لو، جب تک میں اس سے مشورہ نہیں کروں گا اپنا دین نہیں چھوڑوں گا''۔

(رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۳۲۔ صحابہ کے واقعات: ۱۲۶، ۱۲۷)

مناۃ سے مشورہ

اس کے بعد عمرو بن جموح وہاں سے اٹھ کر ''مناۃ'' کے پاس پہنچے، اور اس کے سامنے اپنے سیدھے اور تندرست پاؤں کے بل کھڑے ہو گئے۔ (ان کا ایک پاؤں لنگڑا تھا)۔ پہلے تو انھوں نے بت کی بہترین حمد وثنا کی، پھر بولے:

''یَا مَنَاۃُ! لَا رَیْبَ أَنَّكَ قَدْ عَلِمْتَ بِاَنَّ هٰذَا الدَّاعِیَةَ الَّذِیْ وَفَدَ عَلَیْنَا مِنْ مَكَّةَ لَا یُرِیْدُ اَحَدًا بِسُوْءٍ سِوَاكَ، وَاَنَّهُ اِنَّمَا جَاءَ لِیَنْهَانَا عَنْ عِبَادَتِكَ، وَقَدْ كَرِهْتُ اَنْ اُبَایِعَهُ عَلَى الرَّغْمِ مِمَّا سَمِعْتُهُ مِنْ جَمِیْلِ قَوْلِهِ حَتّٰى اسْتَشِیْرَكَ، فَاَشِرْ عَلَیَّ. فَلَمْ یُرَدِّ عَلَیْهِ (مَنَاۃُ) بِشَیْءٍ. فَقَالَ: لَعَلَّكَ قَدْ غَضِبْتَ وَاَنَا لَمْ اَصْنَعْ شَیْئًا یُؤْذِیْكَ

بَعْدُ، وَلٰكِنْ لَا بَأْسَ، فَسَاَتْرُكُكَ اَيَّاماً حَتّٰى يَسْكُتَ عَنْكَ الْغَضَبُ".

ترجمہ: مناۃ! تجھے یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ داعی جو مکہ سے ہمارے یہاں پہنچا ہے، وہ تیرے علاوہ کسی اور کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا، وہ صرف اس لیے یہاں آیا ہے کہ ہم کو تیری عبادت سے روک دے۔ اور میں اس کی اچھی باتیں سننے کے باوجود بھی ان کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں، مجھے یہ بات مناسب معلوم نہیں ہوتی کہ یونہی اس کے ہاتھ پر بیعت کرلوں؛ حالاں کہ میں نے اس کی بہت عمدہ باتیں سن رکھی ہیں۔ آج میں تجھ سے مشورہ لینے آیا ہوں تو مجھے اس سلسلے میں مناسب مشورہ دے۔

لیکن جب مناۃ کی طرف سے ان کی بات کا کوئی جواب نہ ملا تو یہ صورتِ حال دیکھ کر بڑے غمگین ہوئے اور آبدیدہ ہوکر معذرت خواہانہ لہجے میں کہا: میرے پیارے مناۃ! شاید تو ناراض ہوگیا ہے میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں: آئندہ کوئی ایسا کام نہیں کروں گا جو تیرے لیے تکلیف دہ ہو۔ خیر! کوئی بات نہیں، میں چند روز انتظار کرتا ہوں؛ تاکہ تیرا غصہ ٹھنڈا ہوجائے۔

(خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۲۵۔ صحابہؓ کے واقعات، ص: ۱۲۷)

مناۃ سے نفرت اور اسلام سے محبت

حضرت معاذؓ نے جب یہ منظر دیکھا تو سمجھ گئے کہ اب ان کے والد ایمان نہیں لائیں گے، وہ بجھے ہوئے دل کے ساتھ اپنے بھائیوں کے پاس گئے اور سارا

حال انہیں کہہ سنایا۔

بھائیوں کو جب کوئی راستہ نہ سوجھا تو وہ اپنے دوست حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس پہنچے، تمام ساتھی آپس میں مشورہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ جب تک مناۃ کی محبت بڑے میاں کے دل سے نہیں نکلتی وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ آخر انھوں نے اس مسئلے کو حل کرنے کی ایک ترکیب نکال ہی لی۔

ایک رات عمرو بن جموح کے گھر سے نہایت خاموشی کے ساتھ کچھ سائے نکلے، تھوڑی دیر کے بعد ان کے ساتھ ایک اور سایہ آملا، ان سب کا رخ بنوسلمہ کے ایک گڑھے کی طرف تھا، جہاں وہ گندگی ڈالا کرتے تھے۔ ان چاروں نے ایک لمبی سی بھاری چیز اٹھا رکھی تھی، اسے انھوں نے اُس گندگی کے ڈھیر میں پھینک دیا اور واپس لوٹ گئے۔ اس کا خوب خیال رکھا گیا تھا کہ یہ کام کرتے ہوئے کوئی دیکھ نہ لے اور وہ اس میں کامیاب رہے۔

دوسرے دن کا سورج طلوع ہوا، عمرو بن جموح معمول کے مطابق اپنے بت کی پوجا کرنے اور اس سے برکت حاصل کرنے کے لیے اس کے پاس پہنچے؛ لیکن وہ یکدم چونک اٹھے، ان کا بت ''مناۃ'' اپنی جگہ سے غائب تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ''مناۃ'' خود کہیں نہیں جاسکتا تو پھر کس نے اسے غائب کیا؟ وہ اپنے دل سے پوچھنے لگے، پھر وہ زور زور سے بڑبڑانے لگے: ''تم لوگوں کا برا ہو، آج رات میرے معبود کے ساتھ کس نے دشمنی کی ہے''؟ لیکن اہلِ خانہ میں سے کسی نے ان

کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ گھر کے اندر اور باہر اس کو تلاش کرتے رہے، غصہ بھی بڑھتا رہا، چیخ چیخ کر گھر والوں کو دھمکی بھی دیتے رہے۔ آخر کار کافی تلاش کے بعد ان کو اپنا بت ایک گڑھے میں منہ کے بل پڑا ہوا مل گیا۔ انھوں نے اس کو وہاں سے نکالا اور اسے دھو کر صاف کیا اور خوشبو لگا کر دوبارہ اس کی جگہ پر رکھتے ہوئے بولے: ''اَمَا، واللّٰہِ لَو اَعْلَمُ مَنْ فَعَلَ ھٰذَا لَاَخْزَیْتُہ'' خدا کی قسم! اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ تمھارے ساتھ کس نے یہ نازیبا حرکت کی ہے تو میں اسے بہت ذلیل و رسوا کرتا۔

انھوں نے اپنے طور پر معلوم کرنے کی کوشش بھی کی، لیکن کچھ سراغ نہ مل سکا کہ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ رات ہوئی تو پھر ان کے گھر سے کچھ سائے نکلے اور گندگی کے ڈھیر تک آئے، کل کی طرح انھوں نے پھر ایک چیز کو گندگی میں پھینکا اور خاموشی سے واپس ہو لیے۔

اگلی صبح عمرو بن جموح کا بت پھر اپنی جگہ سے غائب تھا، وہ بہت سٹپٹائے، اب انہیں خود شرم محسوس ہونے لگی کہ وہ گھر والوں کو کیا بتائیں کہ ان کا معبود ''مناۃ'' آج پھر غائب ہو گیا ہے۔ وہ خود ہی خاموشی سے باہر نکلے، آج پھر تلاش کرتے ہوئے کل والی جگہ پر گئے، مناۃ وہیں پر گندگی میں پڑا ہوا تھا۔ غصے سے بڑ بڑاتے ہوئے اسے باہر نکالا اور نہلا دھلا کر عود کی دھونی دے کر اسے پھر اپنی جگہ پر واپس رکھ دیا۔

ان کے بیٹے خاموشی سے اپنے والد کی یہ مصروفیات دیکھتے رہے؛ لیکن کسی نے جان بوجھ کر ان سے بات نہ کی۔ اگلے دن پھر یہی معاملہ ہوا اور پھر تو معمول ہی بن گیا: وہ صبح اٹھتے اور مناۃ کو غائب پاتے، سیدھا گندگی کے ڈھیر میں جاتے اور وہ انہیں وہیں کوڑے کرکٹ میں منہ کے بل گرا مل جاتا۔

بالآخر روز روز کی اس مغز پاشی سے تنگ آ کر ایک دن انھوں نے اپنی تلوار مناۃ کے گلے سے لٹکا دی اور بولے: ''یَامَنَاۃُ! اِنِّیْ وَاللّٰہِ مَا اَعْلَمُ مَنْ یَصْنَعُ بِكَ ھٰذَا الَّذِیْ تَرٰی، فَاِنْ كَانَ فِیْكَ خَیْرٌ فَادْفَعِ الشَّرَ عَنْ نَفْسِكَ، وَھٰذَا السَّیْفُ مَعَكَ'' اے میرے مناۃ! خدا کی قسم! مجھے معلوم نہیں کہ تیرے ساتھ یہ حرکت کون کرتا ہے، اگر تیرے اندر ذرا بھی خیر ہو تو تو خود اپنا دفاع کر۔ یہ تلوار تیرے پاس موجود ہے۔

عمرو یہ کہہ کر جب واپس لوٹ رہے تھے تو دل میں یہ سوچ رہے تھے کہ اب بھی اگر مناۃ نے اپنی حفاظت نہ کی تو پھر مصعب بن عمیر کا کہنا صحیح ہی ہوگا کہ یہ معبود محض لکڑی یا پتھر کے بت ہی ہیں جو کسی کو فائدہ دے سکتے ہیں نہ نقصان!

ادھر رات ہوئی اور عمرو گہری نیند سو گئے تو پھر وہی پُراسرار سائے حرکت میں آئے، انھوں نے روز کی طرح آج بھی مناۃ کو وہاں سے اٹھایا اور اس کی گردن میں پڑی ہوئی تلوار نکال لی اور گھر کے باہر لے گئے۔ معمول کے مطابق جب ان کا ساتھی ان کی مدد کو آیا تو اس نے ایک رسّی کا سرا بھی ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا،

اُس رسّی کے ساتھ ایک مردہ کتا بندھا ہوا تھا، انھوں نے مرا ہوا کتا منات کے گلے میں لٹکایا اور آج اسے ایک پرانے کنویں میں پھینک آئے۔ بنوسلمہ کے لوگوں نے اس کنویں کا پانی نکالنا بند کر دیا تھا اور اب وہ اس میں کوڑا کرکٹ پھینکتے رہتے تھے۔ اپنے کام سے فارغ ہوکر چاروں سائے اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو گئے۔

صبح ہوئی تو عمرو جلدی سے اپنے بت کی طرف گئے کہ دیکھیں آج بھی وہ غائب ہے یا اس نے بے عزتی کرنے والے سے بدلہ لے لیا ہے؛ لیکن بت کو اپنی جگہ نہ پا کر بہت مایوسی ہوئی، وہ بڑبڑاتے ہوئے ایک دفعہ پھر اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، کئی گھنٹوں کی تگ ودَو اور تلاش وجستجو کے بعد انھوں نے مناۃ کو گندے کنویں میں اوندھے منہ لٹکا دیکھا جس کے ساتھ ایک مردار کتا بندھا ہوا تھا۔ آج انہیں پہلی مرتبہ بت پر بہت غصہ آیا، اس کے گلے میں مردہ کتے کو دیکھ کر انہیں بت سے شدید نفرت ہوگئی اور یہی وہ لمحہ تھا جب انھوں نے کفر وشرک چھوڑ کر اسلام کے چشمۂ صافی سے سیرابی کا فیصلہ کرلیا۔ چناں چہ مناۃ کو مخاطب کرتے ہوئے بولے: ''خدا کی قسم! اگر تو واقعی معبود ہوتا تو تیرے ساتھ یہ سلوک کبھی نہ ہوتا، جب تو اپنی خود حفاظت نہیں کرسکا تو میرے کیا کام آئے گا، تو ٹھیک جگہ پہنچ گیا ہے، اب اس بدبودار کتے کی لاش کے ساتھ یہیں پڑا رہ''۔

قبولِ اسلام

اس مرتبہ وہ اسے چھوڑ کر واپس آ گئے۔ گھر پہنچے تو ان کے تینوں بیٹے ان کا

انتظار کر رہے تھے، باپ کو مناۃ کے بغیر دیکھ کر دل ہی دل میں بہت خوش ہوئے، ان کی بیوی نے پوچھا: ''اللہ آپ کے دشمنوں کو برباد کرے، آج آپ مناۃ کے بغیر ہی گھر واپس آ گئے''۔ عمرو بن جموح بولے: ''وہ بے کار بت اپنی ٹھیک جگہ پہنچ گیا ہے۔ مصعب بن عمیرؓ اور ان کی باتوں پر ایمان لانے والے بالکل صحیح کہتے ہیں: یہ بت کچھ نہیں کر سکتے، آؤ! ہم اس نئے دین کو قبول کر کے مسلمان ہو جائیں، خدا کی قسم! میں ان بتوں سے بہت بے زار ہو گیا ہوں''۔

ان کے بیٹوں اور بیوی نے گھر کے سربراہ کے منہ سے یہ الفاظ سنے تو مارے خوشی کے پھولے نہ سمائے، بیٹے انہیں ساتھ لے کر حضرت مصعب بن عمیرؓ کے پاس گئے، جہاں حضرت عمرو بن جموحؓ نے اللہ کے ایک ہونے کی گواہی دی اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا اقرار کیا۔ سبحان اللہ!!

باپ کے مسلمان ہونے کے بعد سب بھائی اپنے دوست حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس پہنچے، وہ آج بہت خوش تھے۔ دراصل وہ سائے جو روزانہ مناۃ کو گندگی میں پھینکتے تھے حضرت عمر بن جموحؓ کے بیٹے تھے اور ان کے ساتھی حضرت معاذ بن جبلؓ تھے، جنھوں نے آخری دن مناۃ کے گلے میں مردہ کتا لٹکا دیا تھا۔ یہ ساری ترکیب انھوں نے اس لیے لڑائی تھی کہ ان کے بوڑھے باپ کو معلوم ہو کہ یہ بت کچھ نہیں کر سکتے، یہ تو بے جان چیزیں ہیں۔

(قبولِ حق کے بعد صحابۂ کرامؓ کی داستانِ عزیمت، ص: ۲۱۱، ۲۱۵)

علامہ سمہودی نے ''وفاء الوفاء'' میں لکھا ہے کہ بت کے مردہ کتے کے ساتھ باندھے جانے والے واقعہ کے معاً سرِ راہ آپ کی ملاقات کسی مسلمان سے ہوئی، اس کے سامنے اپنا دکھڑا رونے لگے، مسلمان نے ملامت کی کہ: تم نے اپنے آپ کو خواہ مخواہ تضحیک کا نشانہ بنا رکھا ہے، یہ بت بھی بھلا کسی کو نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں، میری مانو تو ان بتوں پر تین حرف بھیجو اور خدائے واحد اور اس کے رسولِ برحق پر ایمان لے آؤ۔ عمرو کے دل میں ان کی یہ باتیں مزید اثر کر گئیں اور گھر آ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ (خیر البشر کے چالیس جان نثار، ص: ۳۲۴)

دوسری روایت میں ان کے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح ہے کہ جب وہ ''مناۃ'' سے مشورہ کرنے کے لیے گئے اور دیر تک باتیں کرنے کے بعد انہیں کوئی جواب نہ ملا تو اس کے بعد وہ اس سے بے زار ہو گئے اور وہیں کھڑے کھڑے اس کو توڑ دیا اور مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

مسلمان شاعر

علامہ ابن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمرو بن جموحؓ ایک خوش گو شاعر بھی تھے۔ انھوں نے بعد میں اپنے بت کی ہجو میں یہ شعر کہے تھے:

تَاللّٰهِ لَوْ كُنْتَ اِلٰهًا لَمْ تَكُنْ		اَنْتَ وَكَلْبٌ وُسْطَ بِئْرٍ فِيْ قَرَنْ
اُفٍّ لِمَصْرَعِكَ اِلٰهًا مُسْتَدِنْ		اِلَّا فَتَشْنَاكَ عَنْ سَوَائِ الْغَبَنْ
هُوَ الَّذِيْ اَنْقَذَنِيْ مِنْ قَبْلِ اَنْ		اَكُوْنَ فِيْ ظُلْمَةِ قَبْرٍ مُرْتَهِنْ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ ذِي الْمِنَنْ		اَلْوَاهِبِ الرَّزَّاقِ دَيَّانَ الدِّيْنِ

(خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۲۴)

ترجمہ: خدا کی قسم اگر تو الٰہ ہوتا تو تُو اور (مرا ہوا) کتا کنوئیں کے اندر ایک رسّی کے ساتھ بندھے ہوئے نہ ہوتے۔

لعنت ہو تیرے اُس جگہ پڑے ہونے پر، وہ کیسی ذلیل جگہ تھی! اگر میں تجھے اس ذلیل جگہ سے تلاش کر کے نہ لاتا تو تُو وہیں اوندھا پڑا ہوتا۔

اُس خدائے پاک نے مجھے اِس سے پہلے بچا لیا کہ میں قبر کی تاریکی میں رہن رکھا جاتا۔

ساری تعریف اس خدائے بزرگ و برتر کی جو احسان کرنے والا، رزق دینے والا اور بدلہ کے دن کا مالک ہے۔

نیز علامہ ابن اسحاقؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن جموحؓ نے راہِ ہدایت پانے پر ان اشعار میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا:

اَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مِمَّا مَضٰى		وَاسْتَنْقَذَ اللّٰهُ مِنْ نَارِهٖ
وَاَثْنِيْ عَلَيْهِ بِنُعْمَائِهٖ		اِلٰهَ الْحَرَامِ وَاَسْتَارِهٖ
فَسُبْحَانُهٗ عَدَدَ الْخَاطِبِيْنَ		وَقَطْرَ السَّمَاءِ وَمِدْرَارِهٖ
هَدَانِيْ وَقَدْ كُنْتُ فِيْ ظُلْمَةٍ		حَلِيْفِ مَنَاةَ وَاَحْجَارِهٖ
وَاَنْقَذَنِيْ بَعْدَ شَيْبِ الْقَذَّالِ		مِنْ شَيْنِ ذَاكَ وَمِنْ عَارِهٖ

فَقَدْ كِدتُّ أَهْلِكُ فِيْ ظُلْمَةٍ		تَدَارَكَ ذَاكَ بِمِقْدَارِهٖ
فَحَمْدًا وَشُكْرًا لَهُ مَا بَقِيْتُ		اِلٰهَ الْاَنَامِ وَجَبَّارِهٖ
اُرِيْدُ بِذَاكَ اِذْ قُلْتُهٗ		مُجَاوِرَةُ اللّٰهِ فِيْ دَارِهٖ

(خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص:۳۲۶)

ترجمہ: میں اپنی گذشتہ زندگی کے لیے اللہ کے سامنے توبہ کرتا ہوں اور اللہ کی آگ (دوزخ) سے نجات طلب کرتا ہوں۔

اللہ کے انعام پر میں اس کی حمد وثنا کرتا ہوں، وہی بیت الحرام اور اس کے پردوں کا معبود ہے۔

میں اللہ ہی کی تسبیح وتقدیس کرتا ہوں آسمان سے اترنے والے قطروں اور مسلسل برسنے والی بوندوں کی تعداد کے برابر۔

میں گمراہی میں مبتلا تھا، منات اور دوسرے پتھروں کی عبادت کرتا تھا، اسی اللہ نے مجھے ہدایت دی۔

بڑھاپے میں جب میرے سر کے بال سفید ہو گئے، اللہ نے مجھ کو بت پرستی سے نجات دی۔

قریب تھا کہ گمراہی کی تاریکی مجھے ہلاک کر ڈالے، حق تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے مجھے بچالیا۔

جب تک میرے دم میں دم ہے، میں اسی اللہ کی حمد اور شکر کرتا رہوں گا،

جو تمام مخلوق اور جابر لوگوں کا مالک ہے۔

یہ اشعار میں نے اس لیے کہے ہیں کہ میں اللہ کے گھر میں اس کا پڑوسی ہو جاؤں۔

جذبۂ ایمانی اور احساسِ ندامت

حضرت عمرو بن جموحؓ کے ایمان لانے کی خبر جیسے ہی قبیلے کے دوسرے افراد تک پہنچی، بقیہ قبیلہ بھی پورا مسلمان ہو گیا، حضرت مصعب بن عمیرؓ خصوصی طور پر قبیلۂ بنی سلمہ میں تشریف لے گئے اور سب کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد ہوئی تو وہ اپنے پورے خاندان کے ہمراہ ان کے حضور دعائے خیر کے طالب ہوئے۔

اسلام کے سایۂ عاطفت میں داخل ہونے کے بعد حضرت عمروؓ ہمیشہ کوشش کرتے کہ زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں گزاریں۔ اپنی زندگی کی گمراہیوں کا انہیں شدید قلق رہتا، ہمیشہ اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے اور اپنے بیٹوں کو بطور خاص نصیحت کرتے کہ انہیں اپنی ساری زندگی اللہ کے دین کے لیے وقف کر دینی چاہیے۔ وہ اپنے دوستوں سے یہ بھی کہا کرتے تھے کہ: میں کوئی ایسا کام کرنا چاہتا ہوں جس سے میرے ماضی کا شرک دھل جائے۔

انہیں بتایا جاتا کہ سچا ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ ہر گناہ معاف کر دیتے

ہیں، لیکن وہ کہتے: شرک بہت بڑا گناہ ہے، خود اللہ کا فرمان ہے کہ یہ اللہ کو گالی دینے کے مترادف ہے؛ اس لیے اس گناہ سے دامن کا صاف ہونا آسان بات نہیں ہے۔

غزوات اور جذبۂ شہادت

رمضان ۲ھ میں غزوۂ بدر پیش آیا۔ حضرت عمروؓ اپنے فرزندوں کے ہمراہ اس میں بڑے جوش اور جذبہ کے ساتھ شریک ہوئے اور بڑی پامردی سے دادِ شجاعت دی۔ صحیح مسلم میں ہے کہ اس غزوہ میں جن دو نوجوانوں نے ابوجہل کو قتل کیا ان میں سے ایک حضرت معاذ بن عمرو بن جموحؓ تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمرو بن جموحؓ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوسکے۔ ضعیف العمری اور ان کے پیر کے لنگ کی وجہ سے ان کے فرزندوں نے انہیں میدانِ جنگ میں جانے سے روک رکھا تھا۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۲۷)

غزوۂ بدر کے تعلق سے ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر کو لے کر مقام ''سقیا'' - جو مدینہ سے ایک میل دور پر کنواں ہے- پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں لشکر کو پھیلایا؛ اس لیے کہ لشکروں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ سفر کے دوران جنگ کی شکل اختیار کرلیتے ہیں؛ تاکہ اگر دشمن دورانِ سفر مقابلے کے لیے آجائے تو وہ تیاری کی حالت میں ہوں۔ اسی دوران حضرت خلاد بن عمروؓ کو مدینہ جانے کی ضرورت درپیش ہوئی تو وہ مدینہ تشریف لے گئے، ان کے والد

حضرت عمروؓ نے ان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور لشکر کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو پھیلا رہے ہیں۔ اسی وقت حضرت عمروؓ نے فتح کا فال لیا اور کہا: نِعْمَ الْفَال، وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ تَغْنَمُوْا وَأَنْ تَظْفَرُوْا بِمُشْرِکِیْنَ قُرَیْش" کیا ہی اچھی فال ہے، بہ خدا! مجھے امید ہے کہ تم غنیمت حاصل کرو گے اور قریش کے مشرکوں کے مقابلے میں فتح حاصل کرو گے"۔

غزوۂ احد میں شرکت کی تمنا

غزوۂ بدر کے ایک سال ہی کے وقفہ سے غزوۂ احد کا واقعہ پیش آیا۔ احد کے موقع سے انھوں نے اپنے تینوں بیٹوں کو کافروں سے مقابلے کی تیاریاں کرتے ہوئے دیکھا، وہ انہیں صبح وشام بہادر شیروں کی طرح آتے جاتے دیکھتے، ان کے چہرے شہادت کے شوق وجذبے سے جگمگا رہے تھے۔ اس صورتِ حال نے ان کے اندر بھی جوش وجذبے کو ابھارا اور انھوں نے اپنے بیٹوں سمیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے کا تہیہ کرلیا؛ لیکن ان کے بیٹے پھر ان کو جنگ میں شریک ہونے سے منع کرنے لگے؛ کیوں کہ وہ عمر رسیدہ اور بوڑھے تھے، اس کے علاوہ ان کے پاؤں میں لنگڑا پن تھا اور ایسی حالت میں اسلام جہاد میں شرکت سے معذور قرار دیتا ہے۔

ان کے بیٹوں نے ان سے کہا: "یَا اَبَانَا! اِنَّ اللّٰہَ عَذَرَکَ، فَعَلَامَ تُکَلِّفُ نَفْسَکَ مَا اَعْفَاکَ اللّٰہُ مِنْہُ" ابا جان! اللہ تعالیٰ نے آپ کو معذور قرار دیا ہے۔ آپ

خود کو ایسی بات کا پابند کیوں بناتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر رکھا ہے۔ حضرت عمروؓ ان کی اس بات سے سخت ناراض ہوئے اور ان کی شکایت لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یَا نَبِیَّ اللّٰہِ! اِنَّ اَبْنَائِیْ هٰؤُلَاءِ یُرِیْدُوْنَ یَحْبِسُوْنِیْ عَنْ هٰذَا الْخَیْرِ وَهُمْ یَتَذَرَّعُوْنَ بِاَنِّیْ اَعْرَجُ، وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَطَأَ بِعَرْجَتِیْ هٰذِهِ الْجَنَّةَ".

''اے اللہ کے نبی! میرے یہ بیٹے مجھے اس کارِ خیر (جہاد میں شریک ہونے) سے باز رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ میں لنگڑا ہوں اور معذور ہونے کی وجہ سے جہاد میں شریک ہونا میرے لیے ضروری نہیں ہے۔ خدا کی قسم! مجھے امید ہے کہ میں اپنی اس لنگڑے پاؤں ہی سے جنت میں داخل ہوں گا''۔

مجاہد کی دعا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا یہ ذوق وشوق دیکھا تو ان کے بیٹوں سے فرمایا: ''دَعُوْهُ، لَعَلَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَرْزُقُهُ الشَّهَادَةَ'' ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو، ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان کو شہادت عطا فرمائے''۔ چناں چہ بیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق خاموش ہو گئے۔

گھر آ کر انھوں نے اپنی اہلیہ سے اس طرح کی گفتگو شروع کر دی کہ جیسے وہ میدانِ جنگ سے واپس نہیں آئیں گے۔ انھوں نے نصیحت کی کہ: ان کے ذمہ اگر کوئی قرض ہو تو ادا کر دیا جائے، ان کے حق میں دعائے خیر کی جائے اور

بچوں کی زندگیوں کو اللہ کے دین کے لیے وقف کر دیا جائے۔ اس کے بعد انھوں نے قبلہ رو ہو کر اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیے اور دعا کی: ''اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ الشَّھَادَۃَ وَلَا تَرُدَّنِیْ إِلیٰ اَھْلِیْ خَائِبًا''. خدایا! مجھے شہادت کی دولت نصیب فرما اور شہادت سے محروم کر کے مجھے اپنے اہل وعیال میں واپس نہ لوٹانا''۔

غزوۂ احد دراصل غزوۂ بدر کا ردِّعمل تھا، ابوجہل کی موت کے بعد قریشِ مکہ کی قیادت ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی۔ یہ معرکہ بھی مدینہ کی بستی سے باہر نکل کر لڑا گیا۔ حضرت عمروؓ کیوں کہ لنگڑے تھے؛ اس لیے ان کے لیے بھاگ کر میدانِ جنگ میں دو بدو لڑنا بظاہر ممکن نہ تھا، البتہ وہ تیر اندازی ضرور کر سکتے تھے، لیکن محض تیر اندازی تک محدود رہنا انھوں نے اپنی عزت کے منافی جانا اور سینہ تان کر یہ اعلان کیا کہ وہ میدانِ جنگ میں لڑیں گے۔ بعض صحابہؓ نے ان کی لنگڑی ٹانگ کی طرف اشارہ کیا تو وہ تلوار لے کر آگے بڑھے اور لکڑی کا سہارا لے کر بڑی تیزی سے لڑنے کا مظاہرہ کیا، سب لوگ ان کی تیزی دیکھ کر حیران رہ گئے۔

قتل ہوں گے تیری خاطر سے، خوشی اس کی ہے
آج اترائے ہوئے پھرتے ہیں مرنے والے

یوں انھوں نے اپنے بارے میں یہ تأثر غلط کر دکھایا کہ وہ ایک کمزور حریف ثابت ہوں گے۔ البتہ ان کے بیٹوں نے آپس میں مشورہ کر کے خلادؓ کی یہ ذمہ داری لگائی کہ وہ باپ کے ساتھ رہیں گے۔

آغازِ جنگ

جب معرکہ شروع ہوا تو لوگوں نے عجیب منظر دیکھا: عمروؓ بالکل اگلی صفوں میں تھے اور پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ: ''اِنِّیْ لَمُشْتَاقٌ اِلَی الْجَنَّةِ، اِنِّیْ لَمُشْتَاقٌ اِلَی الْجَنَّةِ'' میں جنت کا مشتاق ہوں، میں جنت کا مشتاق ہوں''۔ جنگ کا پہلا معرکہ شروع ہوا تو حضرت حمزہؓ غزوۂ بدر کی طرح ٹوپی پر شترمرغ کا پر لگائے ہوئے دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ ان کے ساتھ حضرت علی ابن طالبؓ اور دوسرے جنگجو صحابہؓ نے قتل وقتال کا بازار گرم کر دیا۔

غزوۂ بدر کی طرح پہلے ہی مرحلے میں کفار کے دس سے زیادہ افراد خاک وخون میں لتھڑ گئے، جلد ہی ان کے قدم اکھڑ گئے اور وہ میدانِ جنگ سے بھاگنے لگے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کا پیچھا کیا اور مالِ غنیمت سمیٹنے لگے۔

دوسری طرف پہاڑ کی جانب متعین تیراندازوں کا دستہ یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس دستے کو اسلامی لشکر کے عقب میں متعین کیا گیا تھا، دراصل یہ واحد راستہ تھا جہاں سے گذر کر مسلمانوں کے عقب پر حملہ کیا جا سکتا تھا۔ اسی خطرے کے پیشِ نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دستہ متعین کیا تھا اور انہیں یہ ہدایت کی تھی کہ کسی بھی صورت میں یہ جگہ نہ چھوڑی جائے؛ لیکن جب قریش کا لشکر تتر بتر ہو گیا تو اس دستے نے گمان کیا کہ اب جنگ ختم ہو گئی ہے اور اپنے سردار کے منع کرنے کے باوجود بھاگتے ہوئے کفار کا مالِ غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے۔

جامِ شہادت

خالد بن ولید نے جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے، پہاڑی راستہ خالی دیکھا تو عقب میں گئے اور سو شہسواروں کو لے کر زوردار حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کا لشکر بے خبری میں اس ناگہانی حملہ سے گھبرا گیا، یہ حال دیکھ کر بھاگنے والے کفار بھی سنبھل گئے اور پلٹ کر حملہ کیا، اس طرح اسلامی لشکر دو اطراف سے حملوں کی زد میں آ گیا۔

اس ہنگامۂ دار و گیر میں جو صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ڈھال بن کر کھڑے ہو گئے ان میں حضرت عمرو بن جموحؓ اور ان کے بیٹے خلادؓ بھی تھے۔ بالآخر شہسوارانِ مکہ میں سے ''اسود بن جعونہ'' کا سامنا ہوا اور دونوں یکے بعد دیگرے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، دونوں کی شہادت کے درمیان چند لمحات سے زیادہ کا وقفہ حائل نہ تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرو بن جموحؓ کے ساتھ ان کے ایک وفادار غلام سلیمؓ بھی تھے، وہ بھی اپنے آقا کی معیت میں بڑی بہادری سے لڑے اور بالآخر رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۲۷، ۳۲۸)

آپ کی اہلیہ کا مثالی جذبہ

اس غزوہ میں حضرت عمروؓ کے برادرِ نسبتی (ان کی اہلیہ ہندؓ کے بھائی) حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ بھی رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ حضرت ہندؓ نے

اپنے شوہر، فرزند اور بھائی کی شہادت کی خبر سنی تو پوچھا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بخیریت ہیں؟ جب لوگوں نے اثبات میں جواب دیا تو کشاں کشاں آپ کی خدمت میں پہنچیں اور عرض کیا: ''كُلُّ مُصِيْبَةٍ بَعْدَكَ جُلَلٌ'' ''آپ سلامت ہیں تو سب مصیبتیں ہیچ ہیں''۔

دعا قبول ہوگئی

حضرت ہندؓ ایک اونٹ اپنے ساتھ لے گئی تھیں، اس پر اپنے شوہر، فرزند اور بھائی کی لاشیں لاد کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں؛ تاکہ خاندانی قبرستان میں ان کی تدفین کی جائے، راستے میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ملیں، جو چند دوسری خواتین کے ہمراہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر گیری کے لیے میدانِ احد کی طرف آ رہی تھیں۔

حضرت عائشہؓ نے ہندؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیریت دریافت کی۔ انھوں نے کہا: ''الحمدللہ! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ خیریت ہیں اور یہ لاشیں میرے شوہر، بھائی اور فرزند کی ہیں، جنھوں نے لڑائی میں شہادت پائی''۔ اتنے میں وہ اونٹ زمین پر بیٹھ گیا، ہر چند اس کو اٹھانے کی کوشش کی گئی؛ لیکن اس نے مدینہ کی طرف ایک قدم نہ اٹھایا۔ ام المومنینؓ نے فرمایا: شاید بوجھ زیادہ ہوگیا ہے، ہندؓ نے عرض کیا: نہیں ام المومنین! اس پر تو اس سے زیادہ بوجھ لادا جاتا ہے۔ بالآخر انھوں نے اونٹ کو اٹھا کر اس کا رخ احد کی طرف کیا تو وہ فوراً چل پڑا۔

حضرت ہندؓ تینوں شہیدوں کی نعشیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گئیں، اور سارا واقعہ گوش گزار کیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے شہیدوں کی تدفین میں مصروف تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہندؓ سے پوچھا: کیا ان میں سے کسی نے گھر سے چلتے وقت کچھ کہا تھا؟''، ہندؓ نے عرض کیا: ''ہاں! یارسول اللہ! میرے شوہر نے گھر سے چلتے وقت یہ دعا مانگی تھی کہ: الٰہی! مجھ کو شہادت نصیب فرمائیو اور مجھ کو ناکام و نامراد اپنے اہل وعیال میں واپس نہ لائیو''۔ ایک روایت میں ہے کہ اسی موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ: انصار میں کچھ لوگ ہیں جو کسی بات پر قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کردے، عمرو بن جموح ایسے ہی لوگوں میں سے تھے۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۲۸، ۳۲۹)

گہرے اور مخلص دوست

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہدا کو دفن کرتے وقت صحابۂ کرامؓ سے فرمایا: ''خَلُّوْهُمْ بِدِمَائِهِمْ وَجِرَاحِهِمْ، فَاِنَّ اللّٰهَ هِيْدُ عَلَيْهِمْ'' انہیں ان کے خون اور زخموں سمیت ہی دفن کردو، میں ان کا گواہ ہوں''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَامِنْ مُسْلِمٍ يُكْلَمُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَسِيْلُ دَمًا، اَللَّوْنُ كَلَوْنِ الزَّعْفَرَانِ، وَالرِّيْحُ كَرِيْحِ الْمِسْكِ'' جو مسلمان اللہ کی راہ میں زخمی ہوگا، وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ زخموں سے اس کا خون جاری ہوگا، اس خون کا رنگ زعفرانی اور اس کی خوشبو مشک کی خوشبو کی طرح ہوگی، پھر فرمایا: عمرو

بن جموح کو عبداللہ بن عمرو کے ساتھ دفن کرنا۔ یہ دونوں اس دنیا میں ایک دوسرے کے نہایت گہرے اور مخلص دوست تھے''۔ (صحابہؓ کے واقعات، ص: ۱۳۱، ۱۳۲)

اخلاق

جود وسخا عربوں کی قدیم میراث ٹھہری۔ حضرت عمروؓ میں جس درجہ تک یہ صفت موجود تھی اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی کی وجہ سے ان کو بنوسلمہ کا سردار بنایا تھا۔

ایک مرتبہ خاندانِ بنوسلمہ کے کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا کہ تمھارا سردار کون ہے؟ انھوں نے کہا: ایک بخیل شخص جد بن قیس ہمارا سردار ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بخل سے بدتر کوئی چیز نہیں؛ اس لیے تمھارا سردار سفید گھنگھریالی زلفوں والے عمرو بن جموح کو بناتا ہوں۔ بنوسلمہ کو آپ کے سردار بننے پر اس قدر مسرت ہوئی کہ انھوں نے آپؐ ''سیدالانصار'' کہنا شروع کردیا اور اس واقعے کے بارے میں فخریہ اشعار کہے، اس واقعہ کو انصار کا شاعر ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَالْحَقُّ قَوْلُهٗ		لِمَنْ قَالَ مِنَّا مَنْ تُسَمُّوْنَ سَيِّدَا
فَقَالُوْا لَهٗ جَدُّ بْنُ قَيْسٍ عَلَى الَّتِيْ		نُبَخِّلُهٗ فِيْهَا وَاِنْ كَانَ اَسْوَدَا
سَوَّدَ عَمْرَو ابْنَ الْجَمُوْحِ لِجُوْدِهٖ		وَحُقَّ لِعَمْرٍو بِالنَّدٰى أَنْ يَسُوْدَا
اِذَا جَاءَهُ السَّآئِلُ اَذْهَبَ مَالَهٗ		وَقَالَ خُذُوْهُ اِنَّهٗ عَائِدٌ غَدَا

فَلَوْ كُنْتَ يَا جَدَّ بْنَ قَيْسٍ عَلَى الَّتِيْ	عَلٰى مِثْلِهَا عَمْرٌو لَكِنْتَ الْمُسَوَّدَا

(سیر الصحابہ ۵ / ۱۰۲، ۱۰۳)

''سیر الصحابہ'' میں اصابہ کے حوالے سے مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نکاح فرماتے تو حضرت عمرو بن جموحؓ دعوتِ ولیمہ کرتے تھے۔

(سیر الصحابہ ۵ / ۱۰۳)

کرامت

ایک روایت میں ہے کہ چھ ماہ بعد حضرت عبداللہؓ کے فرزند حضرت جابرؓ نے اپنے والد کی لاش دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے قبر کھودی تو حضرت عمرو بن جموحؓ اور حضرت عبداللہؓ کی لاشوں کو بالکل تر و تازہ پایا اور ان پر ایک ایک کھجور پڑی ہوئی دیکھی۔ بعض روایات میں ہے کہ ان میں ایک شہید کو گہرا زخم تھا جس پر انھوں نے اپنا ہاتھ رکھ لیا تھا، اسی حالت میں انہیں دفن کیا گیا تھا، وہ ہاتھ ایسے ہی اس زخم پر رکھا ملا، لاش اٹھانے والے صاحب نے ان کا ہاتھ اس زخم سے علیحدہ کیا تو خون نکلنے لگا، جونہی ہاتھ چھوڑا گیا دوسرے ہی لمحہ میں وہ ہاتھ زخم پر آ گیا جیسے پہلے تھا۔ (اصحابِ رسول کی یادیں: ۸۰)

اس واقعہ کے ۴۶ / برس بعد ایک مرتبہ پھر شہدائے احد کی قبروں کو کھودنے کی نوبت آئی تو تمام شہدا کی لاشوں کو تر و تازہ دیکھا گیا۔

(خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۲۹)

بشارتِ جنت

علامہ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب ''الاستیعاب'' میں روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو بن جموحؓ کو جنت میں دیکھا تو کہا: ''وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّ مِنْکُمْ لَمَنْ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَأَبَرَّہٗ، مِنْھُمْ عَمرو ابنُ الجَموح. وَلَقَدْ رَاَیْتُہٗ بَطَأُفِی الْجَنَّۃِ بِعَرْجَتِہٖ'' اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! انصار میں کچھ لوگ ہیں جو کسی بات پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کردے۔ عمرو بن جموح ایسے ہی لوگوں میں سے تھے۔ اور میں ان کو جنت میں اسی لنگڑے پاؤں سے چلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں ان کا وہ پائے لنگ صحیح سالم پیر سے بدل دیا گیا تھا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہند کو- جو عمرو بن جموحؓ کی اہلیہ ہیں-، یہ خوشخبری دی کہ ان کے شوہر اور ان کے بھائی اور ان کا بیٹا جنت میں اللہ کی رضامندی کی نعمت سے مالا مال ہو رہے ہیں۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ یہ تھے: ''یَاھِنْدُ! قَدْ تَرَافَقُوْا فِی الْجَنَّۃِ جَمِیْعاً، عَمْرُو ابنُ الجموح وَابْنُکَ خَلَّاد، وَاَخُوْکَ عَبْدُاللّٰہِ. اے ہند! عمرو بن جموح، تیرا فرزند خلاد اور تیرا بھائی عبداللہ تمام کے تمام جنت میں ایک ساتھ رہ رہے ہیں۔ تو ہندؓ نے کہا: یَارَسولَ اللّٰہ! اُدْعُ اللّٰہَ عَسیٰ اَنْ یَجْعَلَنِیْ مَعَھُمْ''.

اے اللہ کے رسول! دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان کے ساتھ کر دے۔

(رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۵)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نِعْمَ الرَّجُلُ عَمْرُو بْنُ جَمُوْحٍ. ترجمہ: عمرو بن جموح کیا ہی بہترین آدمی ہیں۔

عمرو بن جموح کا پیغام امت کے نام

عمرو بن جموح کی زندگی پر غور کیا جائے تو ایک امتی کے لیے سب سے اہم پیغام یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے آپ کو عزیمت و قربانی کے راستوں پر ڈالنا چاہیے، رخصت اور عیش و آرام کو تلاشنے والے لوگ ہمیشہ قوم کی کشتی غرق کر دیتے ہیں۔ اگر بھنور میں پھنسی کشتی کو پار لگانا ہے تو پھر بجائے سائبانِ رخصت کا پناہ گزیں بننے کے عزیمت کے صحرا کا بے لوث مسافر بننا چاہیے۔

حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ

از قلم: رضوان آنندی۔ تمیم بمبوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ

آغازِ عہدِ رسالت میں حق پر ثابت قدم رہنا اور اسلام کو مضبوطی سے تھامے رکھنا جان جوکھوں میں ڈالنے کے مترادف تھا، اسلام لانا اور اس کا برملا اظہار کرنا باشندگانِ مکہ کو اپنا دشمن بنانا تھا، یہاں اسلام قبول کرنے کی خبر پہنچی اور وہاں شدائد وآلام کا ناقابلِ بیان سلسلہ شروع ہوگیا۔ ایسے سینکڑوں جاں باز دیوانے ہیں جن کے ساتھ داستانِ عزیمت کا ایک جہاں وابستہ ہے، ایسے ہی فداکاروں اور جاں بازوں میں سرِفہرست نام صبر وقربانی کے پیکر، مجسمۂ عزیمت حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کا آتا ہے جن کے نام کے ساتھ ہی دل ودماغ میں مصائب وآلام اور قربانیوں کا تصور ابھر آتا ہے۔ زیرِ نظر اوراق میں آپ ہی کی حیاتِ طیبہ پر طالبِ علمانہ روشنی ڈالی گئی ہے، خدا کرے کہ راقم السطور اور قارئین کے لیے مفید اور نفع بخش ثابت ہو۔ آمین

حیات وخدمات

نام ونسب

آپ رضی اللہ عنہ کا نام بلال اور کنیت ابوعبداللہ تھی، والد کا نام رباح تھا، جو مکہ کے قبیلۂ بنوجمح سے غلامانہ تعلق رکھتے تھے، والدہ کا نام حمامہ تھا۔ آپ حبشی النسل اور امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ (سیر الصحابہ ۲/ ۲۰۷۔ طبقات ابن سعد ۳/ ۱۶۵)

ولادت وبچپن

رباح اصلاً حبشہ کے باشندے تھے، اُس زمانہ میں حبشہ میں عام رواج بن چکا تھا کہ ہر کوئی حوادث سے تنگ آ کر کسی خوش حال مقام کی جانب نکل پڑتا تھا، چناں چہ آپ کے والد بھی اپنی زوجہ حمامہ کے ہمراہ ریگستانِ حجاز کی جانب نکل پڑے اور مکہ پہنچ کر قبیلۂ بنو جمح کی غلامی میں بود و باش اختیار کر لی۔

عام الفیل کے بارہویں سال ۵۸۳ء کے درمیان مکہ کے مقام سُراۃ میں رباح کے گھر اُس بچے کی ولادت باسعادت ہوئی، جسے دنیا نے ''بلال حبشی'' کے نام سے جانا، پرورش مکہ کے مشہور و معروف قبیلے بنی جمح میں ہوئی، جس کو آواز و غنا سے خصوصی لگاؤ اور خاص شغف تھا۔ بچپن مکہ کی گلیوں اور شعرا و ادبا کی محفلوں میں گذرا۔ زمانہ کے ساتھ ساتھ آپ کا نشو و نما ہوتا گیا۔

اسلام سے پہلے

آپ کو اللہ تعالیٰ نے نہایت سریلی آواز عطا فرمائی تھی، چوں کہ آپ امیہ بن خلف کے غلام تھے، لہٰذا جب بھی وہ شام کی جانب سفر کرتا تو آپ کو بھی ہمراہ لیتا، جب قافلہ تھک کر چور ہو جاتا تو آپ اپنی خداداد، خوشنما، مقناطیسی آواز کے ساتھ حدی خوانی اور نغمہ سرائی کے ذریعہ قافلہ کو گرماتے اور قافلہ پھر سے نشاط میں آ کر رواں دواں ہو جاتا۔

ایک مرتبہ جب کہ حضرت ابوبکرؓ بھی سفرِ شام میں ساتھ موجود تھے، قافلہ

نے تھک ہار کر ایک مقام پر پڑاؤ ڈالنا چاہا، تو حضرت بلالؓ نے اپنی حسین آواز کے ذریعہ قافلہ کو چاک و چوبند کر دیا، اور دیر تک قافلہ منزل کی جانب سے بڑھتا رہا۔ جب قافلے نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا تب حضرت ابوبکرؓ نے آپ سے فرمایا کہ: بلال! تمہاری آواز تو بڑی خوبصورت ہے، تمہارے نغمہ نے قافلہ کی تھکاوٹ کو دور کر دیا۔ آپ حضرت ابوبکرؓ کی اس تحسین پر مسکراتے ہوئے چل دیے اور یہی ایک جملہ آپ کی دوستی کا سبب بن گیا۔

آپؓ اپنے آقا کا خوب خیال رکھتے اور ہر دَم وفاداری کا ثبوت دیتے، سفر ہو یا حضر؛ ہر جگہ اپنے آقا کے طعام و قیام کا اہتمام فرماتے اور اس طرح غلامی ہی میں آپؓ نے اپنی زندگی کے ۲۸ رسال گزار دیے۔

(قبولِ حق کے بعد صحابہؓ کی داستانِ عزیمت، ص:۷۶)

حضرت بلال اپنے آقا کی دنیوی امور کے علاوہ مذہبی امور میں بھی خدمت انجام دیتے تھے۔ ایک مرتبہ شام کا سفر درپیش ہوا، امیہ نے جاہلیت کی رسم کے مطابق فال کھلوانے کا ارادہ کیا، چناں چہ اسی غرض سے اس نے حضرت بلال کو ہمراہ لیا اور کعبۃ اللہ کی طرف چل پڑا، راستے میں شرفائے مکہ کی ایک مجلس لگی ہوئی دیکھی تو اس نے حضرت بلال سے کہا کہ: تو جا کر فال لے لے، میں اس مجلس میں بیٹھتا ہوں۔ چناں چہ حضرت بلالؓ فال لینے کے قصد سے روانہ ہوئے۔ طریقۂ فال کچھ ایسا تھا کہ کعبہ میں ایک شخص مجاور بن کے بیٹھ جاتا، اس کے پاس

تیروں کا ایک تھیلا ہوتا، جس میں بعض تیروں پر ''ہاں'' اور بعض تیروں پر ''نا'' لکھا ہوتا پھر اسی تھیلے کو بت کے سامنے گھما کر اس میں سے تیر نکالا جاتا، اگر ''ہاں'' کا تیر نکلتا تو سفر کے لیے نیک شگون خیال کیا جاتا، اور اگر ''نا'' لکھا ہوا تیر نکلتا تو بدشگونی سمجھا جاتا۔

چناں چہ اسی رواج کے مطابق بلال نے بھی اس سے فال نکالنے کی درخواست کی تو جواب میں ''نا'' آیا، بلال نے کہا کہ ہم نے تو پوری تیاری کر لی ہے ہم تو جائیں گے۔ اس پر اس مجاور نے کہا کہ: دوبارہ فال لے لیجیے۔ چناں چہ دوسری مرتبہ کی کوشش کامیاب رہی اور جواب ''ہاں'' آیا، پھر دل کی تشفی و تسلی کے خاطر سہ بار فال نکالی گئی، تو اس مرتبہ بھی جواب میں ''ہاں'' آیا، اس پر وہ بڑے مسرور ہوئے اور خوشی خوشی اپنے آقا کے پاس گئے اور پورا واقعہ کہہ سنایا، امیہ بھی آپ کی اس حکمتِ عملی پر بڑا خوش ہوا۔

سفرِ شام اور قبولِ اسلام

حضرت بلال ؓ نے جس زمانہ میں آنکھیں کھولی اس وقت چاروں سمت کفر و شرک کی ضلالت اور ظلم و ستم کی اندھیریاں چھائی ہوئی تھیں، اور آپ ؓ کا آقا امیہ بن خلف بھی سخت مشرک بلکہ مشرکوں کا سردار تھا، حضرت بلال ؓ اگرچہ سیاہ فام حبشی تھے؛ تاہم آئینۂ دل صاف شفاف تھا۔

آپ ؓ کے اسلام لانے کا پس منظر یہ ہے کہ ایک مرتبہ شام کے سفر کے

دوران ایک جگہ قیام کی نوبت پیش آئی، اسی قیام میں حضرت ابوبکرؓ کو دیکھا کہ کہیں جلدی جلدی بھاگے جارہے ہیں، حضرت بلال نے دیکھا تو تعجباً پوچھا کہ: کیا بات درپیش ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ: میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور یہاں ایک راہب ہے جو خواب کی تعبیر بتلانے میں ماہر ہے، اس سے پوچھنے جارہا ہوں۔ کیا تم چلوگے؟ آپ نے منع کرنا مناسب نہ سمجھا اور ان کے ہمراہ ہوگئے، جب یہ دونوں راہب کے پاس پہنچے تو حضرت ابوبکرؓ نے اپنے خواب کے متعلق دریافت کیا، اس پر راہب نے کہا کہ: عنقریب مکہ میں ایک نبی کا ظہور ہوگا اور تم اس نبی کے دستِ راست ہوگے، شاید وزیر بنو اور جانشین بھی۔ حضرت بلالؓ نے پوچھا کہ یہ نبی کیا اور کون ہوتا ہے؟ راہب نے کہا کہ: وہ خداوندِ عالم کی جانب سے بھیجا ہوا اس کا رسول ہوتا ہے، حضرت بلالؓ نے تعجب سے پوچھا: کیا وہ مکہ کے بتوں کی جانب سے نہیں آئیں گے؟ راہب نے کہا کہ: وہ تو ان ہی بتوں کو توڑنے آئیں گے اور ایک خدا کی عبادت کی دعوت دیں گے۔ حضرت بلالؓ کو بڑا افسوس ہوا، بولے: کیا وہ بت معبود نہیں ہیں؟ راہب خاموش رہا، حضرت ابوبکرؓ اس کا منشا جان گئے اور وہاں سے اٹھ کر باہر نکل آئے۔ حضرت بلالؓ پر اس انوکھے قصہ کا گہرا اثر ہوا اور آپ ایک گہری سوچ میں ڈوب گئے، بس! یہی سے ان کی زندگی نے نیا موڑ لیا اور ان کے سامنے سوچ وفکر کے نئے دروازے کھل گئے۔

اِدھر قافلہ بہ عافیت مکہ واپس آ گیا، قافلہ کی اکثریت کعبہ کی طرف لپکی؛

تا کہ گھر جانے سے پہلے کعبہ کا طواف کریں، حضرت بلالؓ بھی لوگوں کے ساتھ طوافِ کعبہ اور بتوں کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول ہو گئے؛ لیکن آج بات کچھ اور تھی، دل پہلی سی کیفیت اور اخلاص سے عاری تھا، وہ پہلے ڈرتے ڈرتے گڑگڑاتے ہوئے بتوں سے مخاطب ہوتے؛ لیکن آج کوشش کے باوجود اپنے اندر وہ حالت نہیں پا رہے تھے، راہب کی گفتگو نے ان کے ذہن میں سوالات کے انبار لگا دیے تھے۔ حضرت بلال اسی مضطرب حالت اور منتشر سوچوں کے ساتھ اٹھے اور اپنے آقا امیہ کے گھر کی جانب چل پڑے۔ تجارت میں خاطر خواہ نفع ہونے کے سبب امیہ اور اس کے رفقا شاداں و فرحاں جشن میں مشغول تھے اور حضرت بلال اپنی ہی سوچ میں مستغرق تھے۔ دن گذرتے گئے اور رفتہ رفتہ ان کا دل بھی بتوں سے اچاٹ ہوتا رہا۔ (قبولِ حق کے بعد صحابۂ کرامؓ کی داستانِ عزیمت، ص: ۷۸، ۷۹)

تا آں کہ ایک رات حضرت ابوبکرؓ نے امیہ کے گھر سے قریب آ کر حضرت بلالؓ کو آہستہ سے آواز دی، حضرت بلالؓ بیدار ہو گئے، اندھیرے میں غور کیا تو حضرت ابوبکرؓ تھے، خیر خیریت کے بعد رات گئے آنے کی وجہ پوچھی، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: اُس نبی کی بعثت ہو چکی ہے جن کا انتظار تھا۔ حضرت بلالؓ نے کہا: وہ کون ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: محمد بن عبداللہ ہیں، جن کا تذکرہ کئی دنوں سے مکہ میں چل رہا ہے، مجھے تجسس ہوا، میں بھی ان کے ہاں پہنچا اور حقیقتِ حال دریافت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نبی ہوں اور میرے

بزرگ و برتر خدا نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ حضرت بلالؓ کا اشتیاق بڑھتا گیا اور وہ سوال پر سوال کرتے گئے، حضرت ابوبکر تسلی بخش جواب دیتے رہے۔ پھر کہا: بلال! تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت بلالؓ نے کہا: میں قریش کے بتوں سے ہرگز متأثر نہیں، سفرِ شام کے بعد سے میرا بھروسہ بھی ان سے اٹھ چکا ہے؛ لیکن یہ سوچ رہا ہوں کہ نیا دین اتنی جلدی نہیں اختیار کرنا چاہیے، چاہے وہ کتنا ہی صحیح کیوں نہ ہو۔ حضرت ابوبکرؓ نے تعجب سے کہا: بلال! اگر یہ بات کفارِ مکہ کہتے تو کچھ سوچا جا سکتا تھا، مگر تمہارا تو آبائی دین یہ نہیں، نہ جانے تمہارے آباواجداد کا دین کونسا رہا ہو؟ حضرت ابوبکرؓ کی اس بات سے آپ کو جھٹکا لگا کہ یہ تو سچ بات ہے، چناں چہ قدرے توقف کے بعد کلمۂ شہادت پڑھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا اور کہا بلال! میں کل شام اپنے گھر تیرا انتظار کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں موجود ہوں گے۔ اتنا کہہ کر وہاں سے چل دیے۔ حضرت بلالؓ وہیں کھڑے حضرت ابوبکرؓ کو دیکھتے رہے، یہاں تک کہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ (حوالۂ بالا، ص:۸۱)

دربارِ رسالت میں حاضری

اگلے دن وعدے کے مطابق حضرت ابوبکرؓ کے گھر پہنچے، حضرت بلالؓ پر عجیب کیفیت طاری تھی، آج وہ ''محمد بن عبداللہ'' کو ''محمد رسول اللہ'' کی حیثیت سے دیکھ رہے تھے۔ گھر میں داخل ہوتے ہی آپؐ کا پرتپاک استقبال ہوا، پھر

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو توحید و رسالت اور آخرت کی تعلیم دی اور کفر و شرک اور ظلم و زیادتی نہ کرنے پر بیعت لی اور ان کو حق پر جمے رہنے کی دعا دی اور فرمایا: آج تم بطور انسان اُن تمام لوگوں سے بہتر ہو جو بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں حضرت بلالؓ کے دل کو فراخ کرتی جا رہی تھی، ان کی بے اعتمادی اور احساسِ کمتری کافور ہوتی جا رہی تھی، تھوڑی دیر بعد اگرچہ حضرت بلالؓ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے؛ لیکن آپ کی پیاری پیاری باتوں اور نظرِ شفقت اثر کی وجہ سے جی تو یہ چاہ رہا تھا کہ آستانۂ رسالت ہی پر پڑے رہے۔ اس کے بعد کبھی کبھار چھپ چھپ کر دربارِ رسالت میں حاضری دیتے اور تعلیماتِ نبوی حاصل کرتے رہے۔ (حوالۂ بالا، ص؛ ۸۴)

ظلم و ستم کی داستانِ دلخراش

دن گذرتے گئے اور حضرت بلالؓ کا ایمان بڑھتا گیا بتوں کی نفرت دل میں جگہ پکڑتی گئی، اب ان بتوں کی جانب نظرِ التفات بھی نہ فرماتے۔ ایک دن جب کہ خانۂ کعبہ میں کوئی موجود نہ تھا، آپ بیت اللہ میں تشریف لے گئے اور دوگانہ نماز ادا کی، پھر ان بتوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کے بڑے بت ہبل سے کہا: اے عاجز بت! اس روز تو کہا تھا جب تیرا ہاتھ ٹوٹ گیا تھا اور تجھے سونے کا ہاتھ لگایا گیا، اسی دن مجھے سمجھ جانا چاہیے تھا کہ جو اپنے ہاتھ کو سنبھال نہ سکے وہ معبود کیسے ہوسکتا ہے؟ اگر کوئی تجھے پتھر مارے، گالی دے، برا بھلا کہے یا تھوک بھی

دے تو تُو کچھ نہیں کرسکتا، اگر تجھ میں کچھ طاقت ہے تو دکھلا، لے میں تجھ پر تھوکتا ہوں۔ یہ کہہ کر واقعتاً تھوک دیا۔ حضرت بلالؓ اِس طرح اپنی نفرت کا اظہار کر کے وہاں سے نکل گئے، لیکن انہیں پتہ نہ تھا کہ یہ سارا معاملہ ایک شخص دیکھ رہا ہے۔ وہ آدمی دوڑا ہوا امیہ بن خلف کے پاس آیا اور پوری داستان کہہ سنائی۔ اس پر امیہ لال پیلا ہو گیا اور حضرت بلالؓ کو کھوجتا ہوا آیا۔ اُس وقت حضرت بلالؓ معمول کے مطابق حجرہ میں بیٹھ کر قرآنِ کریم کی تلاوت میں مشغول تھے، جب امیہ کمرہ کے پاس آیا اور اس نے آپؓ کی تلاوت سنی تو غصہ سے بپھر گیا اور کمرہ میں جا کر حضرت بلال سے پوچھنے لگا کہ: یہ کیا ہے جس کو تم پڑھ رہے تھے؟ آپؓ نے فرمایا: یہ تو اللہ کا کلام ہے۔ امیہ سمجھ گیا کہ یہ وہی کلام ہے جو محمد لوگوں کو سنایا کرتا ہے۔ امیہ نے کہا: اے بلال! تو اپنے پرانے دین پر واپس آ جاؤ ورنہ میں تجھ کو کوٹھڑی میں بند کر دوں گا۔ حضرت بلالؓ نے جواب دیا: میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے رب پر ایمان لا چکا ہوں، تو جو چاہے کر لے اب میں اس پر ثابت قدم رہوں گا۔ امیہ نے آپؓ کو کوٹھری میں ڈالنے کے بجائے گلے میں رسّی ڈال کر سارے مکہ میں لوگوں کے تماشے کے لیے برملا سزا دینا شروع کر دیا۔ امیہ نے حضرت بلالؓ کے گلے کی رسّی مکہ کے اوباش قسم کے بچوں کے سپرد کر دی اور پورا دن اسی طرح مکہ میں سزا کے ساتھ گذرا۔

یہ دن حضرت بلالؓ کا اسلام لانے کے بعد پہلا دن تھا جس کو انہوں نے

سخت مظالم کے ساتھ برداشت کیا، اور دینِ حق کے لیے اپنے آپ کو گویا پہلے ہی دن سے قربانی کی راہ پر ڈال دیا۔ رات کے وقت اوباش بچوں نے حضرت بلالؓ کو امیہ کے سپرد کر دیا۔ دوسرا دن بھی اسی طرح مظلومانہ کیفیت میں بسر کیا۔ جوں جوں دن گذرتے مظلومیت بڑھتی جاتی اور ساتھ ہی حضرت بلالؓ کا ایمان بھی بڑھتا جاتا تھا۔

جب امیہ سزا دیتے دیتے تھک گیا تو اس نے اپنے شیطان بھائی ابوجہل سے کہا کہ: اس کالے کلوٹے غلام کو کیا کروں؟ تو ابوجہل نے مشورہ دیا کہ اسے اور کوئی سزا دی جائے؛ لیکن امیہ کے ذہن میں ایسی کوئی سزا سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بالآخر امیہ نے کہا کہ میں اس غلام کو قتل کر دوں گا، تو ابوجہل نے کہا کہ: قتل مت کرو، ورنہ دوسرے لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ لوگ شکست کھا گئے۔ چناں چہ یہ تدبیر سوچی گئی کہ حضرت بلالؓ کو تپتی ہوئی ریت پر برہنہ پشت لٹایا جائے اور سینے پر بڑی چٹان رکھ دی جائے؛ تاکہ حرکت نہ کر سکے۔ چناں چہ ایسا ہی کیا گیا۔

تاریخ نے اس منظر کو محفوظ کیا کہ آپ کی پشت عرب کی تپتی زمین پر جل رہی ہے، سینے پر بھاری چٹان ہے، جس سے نہ حرکت کر سکتے ہیں نہ سانس لے سکتے ہیں، مکہ کے لوگ بھی تماشا دیکھ رہے ہیں؛ مگر اس کے باوجود حضرت بلالؓ ہیں کہ ان کی زبان پر اَحد اَحد (اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے) کے پاکیزہ الفاظ جاری و ساری ہیں۔ غرض کہ حضرت بلالؓ پر ہر طرح کے مظالم ڈھائے گئے؛ مگر اس کے

باوجود اس عاشقِ رسول کی زبانِ مبارک سے احد احد کے علاوہ کچھ اور نہ نکل سکا۔

(صور من حیاۃ الصحابہ، ص: ۳۱۵۔ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۲۷۔ قبولِ حق کے بعد صحابۂ کرامؓ کی داستانِ عزیمت، ص: ۸۹، ۹۶)

ایک مرتبہ مشہور نصرانی عالم، حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی: ورقہ بن نوفل کا ادھر سے گذر ہوا اور انہوں نے حضرت بلالؓ کو سخت تکالیف میں دیکھا تو فرمایا: اے بلال! اَحد اَحد کہے جاؤ اس حالت میں مروگے تو ہم تمہاری قبر کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلۂ رحمت بنائیں گے۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۲۹۔ سیرتِ احمدِ مجتبیٰ ۱/ ۲۱۷)

حضرت بلالؓ کی آزادی

حضرت بلالؓ پر سردارانِ قریش نے ظلم کی انتہا کردی، مظالم کے یہ دل خراش منظر حضرت ابوبکرؓ بھی دیکھتے اور خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے۔ ایک مرتبہ جب حضرت ابوبکرؓ کا گذر اس جگہ سے ہوا، جہاں محبِّ رسول حضرت بلالؓ کو لوگوں نے تماشائی بنا رکھا تھا تو آپ سے دیکھا نہ گیا، آپؓ نے امیہ سے کہا کہ: ان کو سزا مت دو، مگر دشمنِ خدا نے حضرت ابوبکرؓ کی بات سُنی اَن سُنی کردی اور حضرت بلالؓ کو اسی حالت پر چھوڑے رکھا، تب حضرت ابوبکرؓ نے امیہ سے دوبارہ وہی بات کہی۔ امیہ یہ بات سن کر بھڑک اٹھا کہ یہ میرا غلام ہے۔ میں اسے جو چاہوں کرسکتا ہوں، آپ کو اس میں کیا دخل ہے، اگر آپ کو اس غلام پر رحم آتا ہے تو آپ اس غلام کو خرید لیجیے۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ سنتے ہی فوراً فرمایا: بولو! اس

غلام کی کیا قیمت لوگے؟ امیہ نے اس کے بدلے میں اتنی بڑی قیمت کا مطالبہ کیا جو اس جیسے غلام سے دو چند سہ چند تھی؛ مگر حضرت ابوبکرؓ فوراً اس بڑی قیمت کے ادا کرنے پر راضی ہو گئے۔ اور اپنا غلام فسطاس اور ۴۰/ اوقیہ نقدی دے کر حضرت بلالؓ کو خرید لیا۔ سودا مکمل ہو جانے کے بعد امیہ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ: اگر تم اس کالے کلوٹے خبیث غلام کے بدلے ایک اوقیہ بھی دے دیتے تو لات وعزّٰی کی قسم! میں اس کو بیچ دیتا۔ حضرت ابوبکر نے ایمان افروز جواب دیتے ہوئے فرمایا: اگر تم ان کی قیمت سو اوقیہ بھی لگاتے تو اللہ کی قسم! میں اس کو سو اوقیہ کے بدلے بھی ضرور خریدتا۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۳۰۔ تاریخِ اسلام عاشقی، ص: ۹۹)

پھر حضرت ابوبکرؓ، حضرت بلالؓ کی طرف لپکے اور سینے پر رکھی ہوئی چٹان ہٹائی، حضرت ابوبکرؓ نے محبت سے ان کو تھام لیا اور سہارا دیتے ہوئے دربارِ رسالت کی جانب چل پڑے۔

دونوں دربارِ رسالت میں پہنچے، حضرت ابوبکرؓ نے سارا حال کہہ سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت بھری نگاہوں سے حضرت بلالؓ کو دیکھا اور حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ: اپنے ساتھ مجھے بھی اس کارِ خیر میں شریک کرلو۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: حضور! میں نے بلال کو خرید کر اللہ کی خاطر آزاد کر دیا ہے۔

(رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۲۹۔ طبقات ابن سعد ۳/ ۱۶۵۔ قبولِ حق کے بعد صحابۂ کرامؓ کی داستان عزیمت، ص: ۹۷، ۹۸)

آزادی کے بعد

حضرت بلالؓ کے لیے آزادی فوری طور پر رہائی کا باعث تو بن گئی؛ مگر زندگی ایک نئی آزمائش کی سختیاں لے کر ان کے سامنے آئی، جس آزادی کے وہ خواب دیکھا کرتے تھے اس کی قیمت ادا کرنا انہیں مشکل لگ رہا تھا۔ چوں کہ حضرت بلالؓ کے پاس کوئی سرمایہ نہیں تھا، نہ پہننے کو کپڑے تھے نہ کھانے پینے کی چیزیں، نہ کوئی رشتہ دار تھا جس کا وہ سہارا لیتے، عین اسی موقع پر مسلمانوں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامنِ شفقت حضرت بلالؓ کی مدد کو آگے آیا، اور ان کے لیے کھانے، پینے اور رہنے کا انتظام ہو گیا۔ لیکن ظالم و جابر کافروں کا ظلم حد درجہ بڑھتا ہی گیا، اور بالخصوص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر طرح سے ستایا گیا اور اس وقت تو حد ہو گئی جب قریش نے آپ کا اور آپ کے خاندان والوں کا بائیکاٹ کر کے شعبِ ابی طالب میں محصور کر دیا۔ اُس وقت مسلمان زندہ رہنے کے لیے کچھ نوالوں کے بھی محتاج ہو گئے، بڑی مشکل سے جان و جسم کا رشتہ قائم رکھا گیا۔ ان تمام تکالیف میں حضرت بلالؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر شریک رہے۔ حضرت بلالؓ بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ کفار کے طعنے اور گالیاں، بدتمیزیاں اور ظلم برداشت کرتے رہے، اس طرح ظلم کے ۱۳ رسال گذر گئے۔ (قبولِ حق کے بعد صحابہؓ کی داستانِ عزیمت، ص: ۹۹، ۱۰۰)

ہجرتِ مدینہ

چناں چہ جب کفار کی سرمستیاں بڑھتی ہی گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ

کو مدینہ کی جانب ہجرت کا حکم فرمایا۔ یہ فرمان اگرچہ مسلمانوں کے لیے مشکل وقت سے چھٹکارے کی ایک نوید تھی؛ مگر اس میں بھی آزمائش کا ایک جہاں تھا۔ حضرت بلالؓ کے لیے اس میں دکھ و درد کی ایک کسک تھی، وہ یہ کہ آپؓ کا بچپن اسی مکّہ کی گلیوں اور کوچوں میں پروان چڑھا تھا، مکہ اللہ کا گھر تھا، رہ رہ کر یہ خیال آتا تھا کہ پتہ نہیں یہاں سے جانے کے بعد یہ آنکھیں کب اس کا دیدار کریں گی۔ بلا شبہ یہ ایک بہت بڑا دکھ تھا؛ مگر اسلام کے جیالوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر اسے برداشت کرنا بہت آسان و سہل تھا۔ اِدھر ہجرت کا حکم آیا اور اُدھر مہاجرین یکے بعد دیگرے مدینہ پہنچنے لگے۔

حضرت بلالؓ ایک مرتبہ طواف کر کے گھر جا رہے تھے کہ راستہ میں انہیں حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ملے۔ حضرت بلالؓ نے ان سے کہا: بھائیو! اب تو مکہ میں رہنا مشکل ہو چکا ہے، بس آج کل میں روانہ ہو جاؤں گا۔ حضرت عمارؓ نے کہا: کیا آپ کچھ دن انتظار نہیں کر سکتے؟ آپؓ نے کہا کہ: انتظار کا کوئی فائدہ نہیں، جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دے دیا تو انتظار کاہے کا؟ ہاں بھائی! بہترین نیکی وہی ہے جو جلدی کر لی جائے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اپنا فیصلہ سنایا کہ: بلال! تم تیار ہو تو میں بھی تمہارے ہمراہ چلوں گا۔ یہ سن کر حضرت عمارؓ بولے: ٹھیک ہے، تم دونوں تیار ہو تو میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔

تینوں نے مشورہ کر کے جگہ اور وقت مقرر کیا، اور وعدے کے مطابق تینوں مقررہ جگہ پہنچے اور بڑی خاموشی اور رازداری سے مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ دشوار گھاٹیوں اور پُر پیچ راہوں سے گذرتے ہوئے حفاظت کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے اور حضرت سعد بن خیثمہؓ کے مہمان ہوئے۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۳۰)

آپ بالکل ابتدائی ہجرت کرنے والوں میں سے تھے۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ: صحابہ میں سب سے پہلے ہمارے یہاں حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ تشریف لائے، یہ دو حضرات ہمیں قرآن پڑھاتے تھے، پھر اس کے بعد حضرت بلال، عمار اور سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم پہنچے۔

(رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۳۰)

مدینہ میں آپؓ کی بے قراری

مدینہ میں آپؓ عافیت کے ساتھ زندگی گزارنے لگے اور لوگوں کو دینِ حق کی دعوت دینے اور تعلیماتِ نبوی بتلانے میں مصروف ہو گئے؛ لیکن ہمیشہ زندگی میں ایک خلا سا محسوس ہوتا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبتِ بافیض سے محرومی کے سبب بے چینی اور اضطراب بڑھتا ہی جاتا۔ جب کچھ دن بعد حضرت عمرؓ ہجرت کر کے تشریف لائے تو ان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں دریافت فرمایا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ عافیت ہیں اور چند ہی دنوں میں ہجرت فرما کر مدینہ کو شرف بخشیں گے اس خوشخبری کا سننا تھا کہ تمام تر بے چینی کافور ہو گئی۔

اس کے بعد آپ کا یومیہ معمول بن گیا کہ دیگر صحابہؓ اور مدینہ والوں کے ساتھ صبح سویرے مکہ سے آنے والے راستے پر بیٹھ جاتے، اور دوپہر تک راستہ تکتے رہتے اور اگلے دن کی امید میں پھر لوٹ آتے، اسی انتظارِ شدید میں کئی دن گذر گئے۔ ایک دن جب کہ سخت گرمی پڑ رہی تھی، راستہ پر بیٹھے انتظار کر رہے تھے کہ آفتاب کی شعاعوں نے قیامت ڈھادی۔ چناں چہ سارے لوگ گھر واپس لوٹ آئے، ابھی گھر پہنچے ہی تھے کہ اچانک کانوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کی خبر پہنچی، چناں چہ آپ باہر نکلے اور دیوانہ وار اس راستہ کی طرف دوڑ پڑے اور دور ہی سے پہچان گئے اور زور سے پکارنے لگے: ''یہ لو! اللہ کے رسول آ گئے''، ''یہ لو! اللہ کے رسول آ گئے''، اور نعرہ لگا کر تیزی سے ان کی طرف دوڑے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نہایت گرم جوشی سے استقبال کیا۔

(قبولِ حق کے بعد صحابۂ کرامؓ کی داستانِ عزیمت، ص: ۱۰۲)

مواخاۃ

چند کمزور و نادار صحابہؓ کے علاوہ دیگر تمام صحابہؓ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ چکے تھے؛ لیکن مہاجرین مکہ میں اپنا گھر بار، مال و متاع سب کچھ چھوڑ آئے تھے، مدینہ میں ان کے پاس نہ رہنے کو گھر تھا، نہ کمائی کا کوئی ذریعہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ قدم رنجہ فرما کر سب سے پہلا جو کارنامہ انجام دیا وہ مواخاۃ والا عمل تھا۔ ہر ہر مہاجر صحابیؓ کو ایک ایک انصاری صحابیؓ کا بھائی قرار دیا گیا۔ چناں چہ حضرت

بلالؓ کو حضرت ابورویحہ عبداللہ بن عبدالرحمن خثعمی کا دینی بھائی بنادیا۔ حضرت ابورویحہؓ نے اپنا نصف مکان اور نصف مال حضرت بلالؓ کے سپرد کردیا۔

(طبقات ابن سعد، مترجم ۳/ ۱۶۶۔ خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۴۹)

طبقات میں ایک دوسری روایت یہ بھی منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلالؓ اور حضرت عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلبؓ کے درمیان مواخاۃ کروایا تھا۔ (طبقات ابن سعد، مترجم ۳/ ۲۷۰)

لیکن عام اصحابِ سیر نے اول الذکر کو راجح قرار دیا اور دلائل وقرائن بھی یہی کہتے ہیں۔

پہلے موذّن

مدینہ میں مسلمان بے خوف وخطر عبادات میں مصروف رہتے، اب شعائرِ اسلام اور دینِ متین کی تدوین وتکمیل کا سلسلہ شروع ہوا، مسجد تعمیر کی گئی اور نمازِ پنجگانہ باجماعت علی الاعلان ادا کی جانے لگی۔

ایک مرتبہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر کی نماز پڑھ کر صحابۂ کرامؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ بعض صحابہؓ حاضر ہوئے جن کی فجر کی نماز فوت ہوگئی تھی۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا کوئی ایسا طریقہ نہیں کہ نماز کے لیے ہم تمام اکٹھے ہوجائیں؛ تاکہ جماعت سے محرومی نہ ہو۔ چناں چہ مشورہ کیا گیا، کسی نے کہا: ناقوس بجایا جائے، کسی نے کہا کہ آگ جلائی جائے، مگر ان سب میں

غیروں کے ساتھ تشبّہ لازم آتا تھا، اس لیے ان کو رد کر دیا گیا، جب کوئی مناسب رائے سامنے نہ آئی تو مشورہ کو موقوف کر دیا گیا۔

دوسرے دن حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہؓ نے خواب دیکھا جس میں اذان کا طریقہ بتلایا گیا۔ آپؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پورا خواب بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خواب سے بہت خوش ہوئے، اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ: اے بلال! کھڑے ہو جاؤ اور اس خواب کو سچ کر دکھاؤ۔ اور حضرت عبداللہؓ کو حکم فرمایا کہ: تم بلال کے قریب کھڑے ہو جاؤ، اور آہستہ آواز سے اذان کے کلمات کہتے جاؤ اور بلال ان کو بلند آواز سے دہراتے جائیں؛ کیوں کہ بلال فطرتاً رفیع الصوت واقع ہوئے ہیں۔

انسانوں کو خداوندِ قدوس کی بارگاہ میں بلانے کے لیے اسی کائنات میں پہلی بار توحیدِ الٰہی کا شیریں بلاوا حضرت بلالؓ کی پُر کیف آواز سے بلند ہوا، پھر تو کیا تھا! مدینہ میں ایک سماں بندھ گیا، توحید کے متوالے بے چین ہو گئے۔ پھر تو یہ اذان ہر نماز کا حصہ بن گئی اور یہ سعادت حضرت بلالؓ کو حاصل ہوئی کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں سفر ہو یا حضر ہر موقع پر مؤذنِ خاص رہے۔

(اصحاب الرسول، ص: ۳۹۴۔ سیر الصحابہ ۲/ ۲۰۹)

غزوات میں شرکت

مکہ میں مسلمانوں نے بہ حکمِ خدا ظلم وستم برداشت کرتے ہوئے زندگی

بسر کی، لیکن مدینہ پہنچ کر ان کو تقویت ملی اور تمام لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا امیر تسلیم کر لیا۔

اُدھر مکہ والے لوگوں کو یہ کہتے پھرتے تھے کہ یہ مٹھی بھر مسلمان ہمارے باغی ہو گئے ہیں ہم ان کو بہت جلد مکہ واپس لے آئیں گے اور موقع بہ موقع سازشیں اور ریشہ دوانیاں کرتے، چناں چہ ان ظالم و جابر کفار کا غرور توڑنے کے لیے ۲ ھ میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم نازل فرمایا۔

جہاد کا حکم نازل ہونے کے بعد سب سے پہلا فیصلہ کن معرکہ جو مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ہوا، وہ بدر کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا مختصراً پس منظر یہ ہے کہ مسلمانوں کو کسی طرح پتہ چلا کہ کفارِ قریش کا ایک تجارتی قافلہ مدینہ سے ہوتا ہوا مکہ کو جانے والا ہے، تو مسلمان ان کے تعاقب کے لیے نکلے؛ مگر جلد ہی سب کو معلوم ہو گیا کہ ہمارا مقابلہ قافلہ سے نہیں؛ بلکہ ایک لشکر سے ہونے والا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۳۱۳/ صحابہؓ کو لے کر ان کے مقابلہ کے لیے نکلے تھے جن میں حضرت بلالؓ بھی تھے، وہی بلال جن پر مکہ میں ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے تھے آج وہ انتقام کے لیے بے تاب تھے، بالآخر اسلامی شیروں نے کفار پر پُرجوش حملہ کیا۔ اس موقع پر حضرت بلالؓ نے ایک کافر ''زید بن ملیص'' کو موت کے گھاٹ اتارا جو عمیر بن ہاشم العیدری کا غلام تھا۔ (فرسان النہار ۴/ ۳۹)

سامنے ایک ہزار کا لشکر تھا اور ادھر ۳۱۳ رنہتے مسلمان؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی

مدد و نصرت شاملِ حال رہی اور مسلمانوں کو غلبہ نصیب ہوا، ستّر مشرکین مارے گئے اور ستّر گرفتار ہوئے۔

جس وقت بھاگتے ہوئے کافروں کو مسلمانوں نے گرفتار کرنا شروع کیا تو حضرت بلالؓ کی نگاہیں امیہ کو ڈھونڈ رہی تھیں، جو اپنے آپ کو بچانے کی خاطر دیوانہ وار بھاگ رہا تھا۔ بالآخر اس نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کا قیدی بننا پسند کیا۔ حضرت عبدالرحمنؓ؛ امیہ کو قیدی بنا کر لے جا رہے تھے کہ اچانک حضرت بلالؓ کی نظر اس پر پڑی تو ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور دل میں انتقام کا جوش اٹھا، حضرت بلالؓ نے امیہ پر حملہ کیا؛ لیکن حضرت عبدالرحمنؓ ان کے وار کو بچاتے رہے، اور کہا: یہ میرا قیدی بن چکا ہے، اس کو چھوڑ دو۔ حضرت بلالؓ نے فرمایا: آج امیہ بچ گیا تو میری موت ہی ہے اور برابر حملہ کی کوشش کرتے رہے، جب کچھ بَن نہ پڑا تو آواز لگائی کہ: اسلام کا دشمن امیہ یہاں ہے۔ کچھ صحابہؓ امیہ کی طرف بڑھے اور تمام نے مل کر حملہ کیا۔ حضرت عبدالرحمن کو اپنی زبان کا پاس تھا وہ اپنے قیدی کو لپٹ گئے، مگر حضرت بلالؓ نے ایک انصاری سے نیزہ لیا اور موقع پا کر اس کے جسم کو زخمی کر دیا۔ امیہ کا بیٹا بھی قید میں تھا وہ حضرت عبدالرحمن کی اوٹ سے نکل کر بھاگا، ایک انصاری صحابیؓ نے اسے جہنم رسید کر دیا۔ امیہ یہ دیکھ کر واویلا مچانے لگا۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے امیہ سے کہا: اب تم خود ہی اپنی حفاظت کرو، میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ امیہ بھاگنے لگا، حضرت

بلالؓ نے اس کا پیچھا کیا۔ اپنے غلام کو تکلیف دینے والا، اسے تڑپتا دیکھ کر خوش ہونے والا اور بے رحمی سے زنجیریں مارنے والا سردار آگے آگے بھاگ رہا تھا اور حضرت بلالؓ اس کی موت بن کر قریب سے قریب تر ہو رہے تھے۔ جب فاصلہ کم ہوا تو اپنا نیزہ سیدھا کیا اور ایسا زوردار حملہ کیا کہ امیہ کی کمر میں گڑ گیا، امیہ زخم کی تاب نہ لا کر منہ کے بل زمین پر گر پڑا، اور سیدھا جہنم رسید ہو گیا۔

(رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۳۵، ۴۳۶۔ اصحاب الرسول: ۳۹۵، ۳۹۶)

بعض روایات میں امیہ کے قتل کا واقعہ کچھ یوں نقل کیا گیا ہے:

ابوجہل کے قتل کے بعد مشرکین کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ اپنی جان بچانے کے لیے بھاگنے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہوا کہ بھگوڑوں کا تعاقب کرو اور قیدی بناؤ، ہر مجاہد اپنے مقتول کا اسلحہ اتار لے۔ اسی موقع سے حضرت عبدالرحمن بن عوف زرہیں جمع کر رہے تھے کہ کسی نے آواز دی: یاعبدِ عمرو!، جواب نہ پا کر کہا: یاعبدِ الٰہ! تمہیں کچھ میرا بھی خیال ہے؟ میں زرہوں سے بہتر ہوں، کیا تمہیں دودھ کی ضرورت نہیں؟ آپ نے پلٹ کر دیکھا تو ان کا پرانا دوست امیہ بن خلف تھا۔ یہ سردارِ قریش دودھ دیتی گائے سے کم نہ تھا۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے بڑھ کر اس کا اور اس کے بیٹے علی کا ہاتھ پکڑ لیا؛ تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ دونوں ان کے اسیر ہیں۔ اتنے میں حضرت بلالؓ کی نظر پڑ گئی، وہ چیخ اٹھے: اے لوگو! یہ رأس الکفر امیہ ہے، آج اگر اسے زندہ چھوڑ دیا گیا تو کل پھر مجھے مصیبت میں ڈال دے گا۔

حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا: بلال! یہ میرے قیدی ہیں، جواب دیا: یہ بچا تو میں بچ نہ سکوں گا۔ حضرت بلالؓ کی آواز سن کر انصار مدد کے لیے ہر طرف سے دوڑ پڑے۔ حضرت عبدالرحمنؓ دونوں قیدیوں کو لے کر بھاگے، جب انصار قریب پہنچ گئے تو حضرت عبدالرحمنؓ نے امیہ کے بیٹے علی کو چھوڑ دیا کہ وہ خود اپنا دفاع کرے۔ اور خود امیہ کو لے کر آگے کی طرف بھاگے۔ انصار نے اسے تہہِ تیغ کر دیا اور دوبارہ امیہ کے تعاقب میں دوڑ پڑے۔ امیہ قدرے موٹا تھا، اس سے ٹھیک ٹھاک دوڑا نہیں جا سکتا تھا، جب یہ حضرات بالکل قریب پہنچ گئے تو حضرت عبدالرحمنؓ کو ایک تدبیر سوجھی، آپؓ نے امیہ سے کہا: اب تجھے بچانا بڑا مشکل ہے، تو زمین پر لیٹ جا اور خود اس کے اوپر پڑ گئے؛ تاکہ اسے بچا سکیں۔ انصار نے جب اوپر حضرت عبدالرحمنؓ کو لیٹا ہوا پایا تو ان کے نیچے سے تلواریں بھونکیں اور امیہ کا کام تمام کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت عبدالرحمنؓ کہا کرتے تھے کہ: اللہ بلال کا بھلا کرے ان کی وجہ سے میری زرہیں بھی گئیں اور قیدی بھی۔

(رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۳۵۔ سیرتِ احمدِ مجتبیٰ ۲/ ۲۴۲)

غزوۂ احد اور دیگر غزوات میں آپ کی شرکت

بدر کے بعد غزوۂ احد پیش آیا، غزوۂ احد کے مشکل حالات میں جن صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے حصار میں لے لیا اور کافروں کے حملوں سے آپ کی حفاظت کی، ان میں حضرت بلالؓ بھی تھے، جو اخیر وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

مدافعت کرتے رہے۔

چناں چہ احد کے موقع سے جس وقت مکہ کے مشہور شمشیر زن عبداللہ بن قَمیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت اس دشمنِ اسلام پر اپنے آپ کو کوقوت سے پھینکا، پھر ہم سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد جمع ہو گئے۔ ہم کل بارہ آدمی تھے، اور ہماری تلواریں خار پشت کے کانٹوں کی طرح اٹھی ہوئی تھیں۔

اسی طرح غزوۂ بنی قریظہ میں آپ اپنے بھائی خالد کے ساتھ پوری جوانمردی اور دلیری کے ساتھ شریک ہوئے،۔ اسی طرح خندق میں بھی آپ نے تن دہی سے خندق کھودی۔ (حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سو قصے، ص: ۴۷)

فتحِ مکہ

شرائطِ صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی کرنے پر ۸ھ میں فتحِ مکہ کا واقعہ پیش آیا، مسلمان لشکرِ جرار کی شکل میں مکہ والوں پر حملہ آور ہوئے اور مکہ کی مغرور اور اکڑی گردن والوں میں اتنی بھی ہمت نہ تھی کہ ان کا راستہ روک سکے۔

اور پھر وہ دن آ گیا کہ چشمِ فلک حیران تھی اور دنیا والے استعجاب کے سمندر میں غوطہ زن تھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ کی زیات سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سواری پر بیٹھ کر سات مرتبہ طواف کیا، پھر کعبۃ اللہ کے دروازے کو مقفل پا کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ

کو حکم فرمایا: عثمان بن طلحہ کو تلاش کرو اور ان سے کعبۃ اللہ کی چابی طلب کرو۔ عثمان بن طلحہ خاموشی کے ساتھ چابی لے کر حضرت بلالؓ کے ہمراہ دربارِ رسالت میں حاضر ہوا، پھر جب دروازہ کھولا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت بلالؓ، اسامہ بن زیدؓ اور عثمان بن طلحہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ کعبۃ اللہ کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے تھے اور حضرت بلالؓ پیچھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھی، بیت اللہ کو بتوں کی گندگیوں سے پاک کیا۔

پھر جب نمازِ ظہر کا وقت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ بامِ کعبہ پر چڑھ کر نغمۂ توحید بلند کرے۔ چناں چہ پھر آپؓ کعبہ کی چھت پر چڑھے اور اپنی شریں آواز سے پورے مکہ کو توحیدِ الٰہی اور رسالتِ نبوی کا پیغام سنایا۔ (اصحاب الرسول، ص: ۳۹۶، ۳۹۷۔ صور من حیاۃ الصحابہ، ص: ۳۲۱)

مشرکین نے حضرت بلالؓ کو کعبہ پر دیکھا تو بولے: اس حبشی غلام کو دیکھو! کہاں پہنچا ہے؟ اُس وقت قریش کے بڑے بڑے سردار مسجدِ حرام میں موجود تھے، لیکن کسی میں دم مارنے کی جرأت نہ تھی۔ حطیمِ کعبہ میں ابوسفیان بن حرب، عتاب بن اُسید اور حارث بن ہشام جیسے ذی مرتبت لوگ بیٹھے تھے، اتنے میں اذانِ بلالی سن کر عتّاب نے کہا: خدا نے میرے باپ اسید کی لاج رکھ لی کہ اس آواز کو سننے کے لیے دنیا میں باقی نہ رکھا۔ حارث بولا: اگر حق یہی ہے تو اسے مان لے۔ ابوسفیان نے کہا: بہ خدا! میں کچھ نہیں بولوں گا، کچھ کہوں گا تو یہ کنکریاں بھی

محمد کو خبر دیں گی۔ کچھ دیر بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا: جو کچھ تم نے کہا مجھے اس کا علم ہو گیا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ایک کی بات دہرائی، تینوں انگشت بدنداں ہو گئے، اب تو حق کھلے ہوئے انداز میں ان کے سامنے آ گیا، اسی وقت عتاب اور حارث نے کلمہ شہادت پڑھا اور عرض کیا: بیشک آپ کی ذات مہبطِ وحی ہے، آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (سیرتِ احمدِ مجتبیٰ ۳/۲۲۶)

غرض یہ کہ آپ تمام غزوات وسرایا میں شریک رہے، اور ہمیشہ جاں بازی اور دلیری کا ثبوت دیا۔

دیگر خدمات

حضرت بلالؓ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خزانچی اور مالی معاملات کے نگراں بھی تھے۔ چناں چہ اس پہلو سے بھی آپ کو بہت کچھ سیکھنے ملا، دنیا سے بے رغبتی، دشمن سے حسنِ سلوک اور معاملات کے لیے طریقۂ کار وغیرہ بہت سے امور ہیں جس کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؓ کو خصوصی طور پر تعلیم دی۔ اس کی کچھ جھلکیاں پیشِ خدمت ہیں:

صدقے کی ترغیب

مالِ غنیمت کا خُمس یعنی پانچواں حصہ بہ حکمِ الٰہی اللہ کے رسول کے لیے مختص تھا، اس خُمس کے محافظ حضرت بلالؓ تھے۔ ایک مرتبہ خُمس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سارا مال حقداروں میں تقسیم کر دیں۔ چناں چہ حضرت بلالؓ

نے ایسا ہی کیا، سوائے ایک بوری کھجوروں کے سارا مال فقرائے مدینہ پر تقسیم کر دیا۔ دوسرے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خمس کے متعلق دریافت فرمایا تو آپؓ نے کہا کہ: سب کچھ تقسیم کر دیا ہے، صرف ایک بوری کھجوروں کی مہمانوں کے لیے رکھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فہمائش کرتے ہوئے فرمایا: بلال! جہنم کی آگ سے ڈرو، مال خرچ کرتے رہا کرو، عرش والے سے کبھی کسی کمی کا اندیشہ نہ کرو۔ حضرت بلالؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہمیشہ کے لیے پلّے باندھ لیا اور زندگی بھر کا اصول بنا دیا کہ جو کچھ مال آئے اسے راہ خدا میں لٹا دو، عرش والا اور دے گا۔

(حیاۃ الصحابہ ۲ / ۱۹۲ بحوالہ حضرت بلالؓ کے سو قصے: ۴۸)

آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح میری اذان لوگوں کے دل و دماغ میں گونجتی ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ الفاظ میرے دل و دماغ میں ہمیشہ گونجتے رہیں گے، فرمایا: بلال! فقیر ہو کر مرنا نہ کہ غنی ہو کر، عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ کیسے ممکن ہے؟ ارشاد ہوا: جو رزق ملے اسے چھپا کر نہ رکھنا اور جو کچھ تم سے مانگا جائے اسے روک کر نہ رکھنا، پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ کیسے ممکن ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یا تو یہ چیز ہوگی یا آگ۔

حضرت بلالؓ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک مشرک سے قرض

حضرت بلالؓ سے ایک صاحب نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخراجات کی کیا صورت ہوتی تھی؟ حضرت بلالؓ نے فرمایا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ

جمع تو رہتا ہی نہیں تھا، یہ خدمت میرے سپرد تھی، جس کی صورت یہ تھی کہ کوئی مسلمان بھوکا آتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے ارشاد فرما دیتے، میں کہیں سے قرض لے کر اس کو کھانا کھلا دیتا، کوئی ننگا آتا تو مجھے ارشاد فرما دیتے، میں کسی سے قرض لے کر اس کو کپڑا پہنا دیتا۔ یہ صورت ہوتی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک مشرک مجھے ملا، اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے وسعت اور ثروت حاصل ہے تو کسی سے قرض نہ لیا کر، جب ضرورت ہوا کرے مجھ ہی سے قرض لے لیا کر۔ میں نے کہا: اس سے بہتر کیا ہوگا۔ اس سے قرض لینا شروع کر دیا۔ جب ارشادِ عالی ہوتا اس سے قرض لے آیا کرتا اور ارشادِ عالی کی تکمیل کر دیتا۔

ایک مرتبہ میں وضو کر کے اذان کہنے کے لیے کھڑا ہی تھا کہ وہی مشرک ایک جماعت کے ساتھ آیا اور کہنے لگا: او حبشی! میں اُدھر متوجہ ہوا تو ایک دم بے تحاشا گالیاں دینے لگا اور برا بھلا جو منہ میں آیا کہا اور کہنے لگا کہ: مہینہ ختم ہونے میں کتنے دن باقی ہیں، میں نے کہا: قریب ختم کے ہے، کہنے لگا کہ: چار دن باقی ہیں، اگر مہینہ ختم ہونے تک میرا سب قرضہ ادا نہ کیا تو تجھے اپنے قرضے میں غلام بناؤں گا، تو اسی طرح بکریاں چراتا پھرے گا جیسا پہلے تھا۔ یہ کہہ کر چلا گیا۔ مجھ پر دن بھر جو گذرنا چاہیے تھا وہی گذرا۔ تمام دن رنج و صدمہ سوار رہا، عشا کی نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تنہائی میں حاضر ہوا اور سارا قصہ سنایا اور عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! نہ آپ کے پاس اِس وقت ادا کرنے کا فوری انتظام ہے اور نہ

کھڑے کھڑے میں کوئی انتظام کرسکتا ہوں، وہ ذلیل کرے گا، اس لیے اگر اجازت ہوتو اتنے قرض اترنے کا انتظام ہونے تک کہیں روپوش ہوجاؤں، جب آپ کے پاس کہیں سے کچھ آجائے گا میں حاضر ہوجاؤں گا۔ یہ عرض کرکے میں گھر آیا، تلوار لی، ڈھال اٹھائی، جوتا اٹھایا، یہی سامانِ سفر تھا اور صبح ہونے کا انتظار کرتا رہا کہ صبح کے قریب کہیں چلا جاؤں گا۔ صبح قریب ہی تھی کہ ایک صاحب دوڑے ہوئے آئے کہ حضور کی خدمت میں جلدی چلو، میں حاضرِ خدمت ہوا تو دیکھا کہ چار اونٹنیاں۔ جن پر سامان لدا ہوا تھا۔ بیٹھی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خوشی کی بات سناؤں کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے قرضہ کی بے باقی کا انتظام فرمادیا۔ یہ اونٹنیاں بھی تیرے حوالے اور ان کا سب سامان بھی، فدک کے رئیس نے یہ نذرانہ مجھے بھیجا ہے۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور خوشی خوشی ان کو لے کر گیا اور سارا قرضہ ادا کرکے واپس آیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے مسجد میں انتظار فرماتے رہے۔ میں نے واپس آکر عرض کیا کہ: حضور! اللہ کا شکر ہے، حق تعالیٰ نے سارے قرضے سے آپ کو سبکدوش کردیا اور اب کوئی بھی چیز قرضہ کی باقی نہیں رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ: سامان میں سے بھی کچھ باقی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ: جی ہاں کچھ باقی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اسے بھی تقسیم ہی کردے؛ تاکہ مجھے راحت ہوجائے، میں گھر میں بھی اس وقت تک نہیں جانے کا؛ جب تک یہ تقسیم نہ ہوجائے۔ تمام دن گذر جانے کے بعد عشا کی نماز سے فراغت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

دریافت فرمایا کہ: وہ بچا ہوا مال تقسیم ہو گیا یا نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ: کچھ موجود ہے، ضرورت مند آئے نہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد ہی میں آرام فرمایا۔ دوسرے دن عشا کے بعد پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہو جی! کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ: اللہ جل شانہ نے آپ کو راحت عطا فرمائی کہ وہ سب نمٹ گیا۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ جل شانہ کی حمد و ثنا فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ڈر رہا کہ خدا نخواستہ موت آ جائے اور کچھ حصہ مال کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مِلک میں رہے۔ اس کے بعد گھروں میں تشریف لے گئے اور بیویوں سے ملے۔ (فضائلِ اعمال ۱/ ۵۳)

خرید و فروخت کی تعلیم

حضرت بلالؓ افلاس و ناداری کے باوجود جو کچھ میسر آتا اس کا ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضیافت کے لیے پس انداز کرتے۔ ایک دفعہ بَرنی کھجوریں جو نہایت خوش ذائقہ ہوتی ہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعجب سے پوچھا: بلال! یہ کہاں سے لائے؟ عرض کیا کہ: میرے پاس جو کھجوریں تھیں وہ نہایت ردّی اور خراب قسم کی تھیں، چوں کہ مجھے حضور کی خدمت میں اسے پیش کرنا تھا؛ اس لیے میں نے دو صاع ردی دے کر ایک صاع عمدہ کھجوریں حاصل کیں۔ ارشاد ہوا: اُف، اُف! ایسا نہ کیا کرو، یہ تو عین ربا ہے، اگر تمہیں خریدنا ہی تھا تو پہلے اپنی ردّی کھجوروں کو فروخت کرتے، پھر اس کی قیمت سے اس عمدہ کو خرید لیتے۔ (سیر الصحابہ: ۲/ ۲۱۳)

عصائی خدمت اور چندے کے ناظم

حضرت بلالؓ زمانۂ رسالت میں چندے اور اس کی تقسیم کے بھی ناظم تھے۔ طبقات کا بیان ہے کہ: نجاشی شاہِ حبشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین عصے بھیجے تھے، ایک تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لیے رکھ لیا، دوسرا حضرت علی بن ابی طالب اور تیسرا حضرت عمر فاروق کو عنایت فرمایا۔ حضرت بلالؓ اسی عصا کو لے کر عیدین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے آگے چلتے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لیے رکھ چھوڑا تھا، یہاں تک کہ وہ عیدگاہ میں آجاتے اور اسے آپ کے آگے گاڑ دیتے آپ اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے۔ (طبقات ابن سعد مترجم ۳/۲۷۱)

عیدین ہی کے موقع سے وہ قصہ پیش آیا جس میں یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے عیدالفطر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی پڑھی اور سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عثمان کے ساتھ بھی پڑھی، یہ سب حضرات پہلے نماز پڑھایا کرتے تھے اور بعد میں خطبہ دیا کرتے تھے۔ میں گویا اِس وقت بھی چشمِ تصور سے یہ منظر دیکھ رہا ہوں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے اتر رہے ہیں اور اپنے دستِ مبارک سے لوگوں کو ہٹا رہے ہیں اور صفوں کو چیرتے ہوئے عورتوں کے گروہ تک پہنچ گئے ہیں۔ آپ حضرت بلالؓ کی معیت میں ہیں، آپ نے عورتوں کے پاس جا کر سورۂ ممتحنہ کی مندرجۂ ذیل آیت تلاوت فرمائی: یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤی اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْـًٔا الخ. اے نبی!

جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں تو وہ آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھوں پیروں کے سامنے کوئی بہتان گھڑیں گی اور نہ دستور کے مطابق کسی کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی۔ تو آپ ان کی بیعت کرلیا کریں اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا اور بے حد رحم کرنے والا ہے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: کیا تم اس عہد پر قائم ہو؟ اس کے جواب میں ایک عورت نے -جس کو آپ نے اس وقت شناخت نہیں فرمایا تھا- یہ کہا: یارسول اللہ! ہم اس پر قائم ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: اگر ایسا ہے تو پھر صدقہ دو۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے کپڑا بچھا دیا اور کہنا شروع کیا: میرے ماں باپ حضور پر فدا ہوں لاؤ۔

عورتوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں بغیر نگینہ کی بڑی اور معمولی انگوٹھیاں ڈالنی شروع کیں۔ (بخاری، رقم: ۹۷۹، ۱۱۳۳)

وصالِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ ایام پہلے

۱۱ھ میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علالت بڑھ گئی تھی اس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ برابر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فجر کی نماز کے وقت بیدار فرماتے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ حسبِ معمول حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیدار کیا؛ مگر بیماری کی وجہ سے بدن

نڈھال ہو چکا تھا، دردِ سر کی بھی شکایت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: تم میری پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دیکھو، کہیں بخار تو نہیں؟ میں نے کہا: پیشانی گرم ہے، آپ آرام فرمائیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد جانے پر اصرار فرمایا، چلنے لگے تو ضعف ونقاہت کی وجہ سے قدم لڑکھڑانے لگے، میرا بازو تھام لیا، میں انہیں اپنے ساتھ لے کر چلنے لگا۔ چلتے چلتے اچانک رکے اور فرمانے لگے: بلال! تمہیں یاد ہے جب ہماری پہلی ملاقات ہوئی تھی اس دن بھی ہم ایسے ہی چل رہے تھے، لیکن اس دن میں نے تمہیں سہارا دیا تھا۔ یہ کہہ کر ہنس پڑے، میں نے بھی ہنستے ہوئے کہا: بائیس سال پہلے کی بات ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بلال! نہیں کل کی، کل کی بات ہے۔ (حضرت بلال کے سو قصے، ص: ۱۰۴)

آخری دیدارِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت بلالؓ فرماتے ہیں کہ: ایک رات جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گہری تاریکی میں جانے کا ارادہ کیا، میں اور حضرت علیؓ ساتھ ہو گئے کہ نقاہت کی وجہ سے گر نہ پڑیں، مگر ہم نے دیکھا کہ ان کے قدم مضبوطی سے پڑ رہے تھے، چلتے چلتے قبروں تک پہنچ گئے اور بلند آواز سے فرمانے لگے: اے قبر کے رہنے والو! تمہیں سلام! خوشی مناؤ، تم زندہ لوگوں سے بہتر ہو، جو صبح تمہیں جگاتی ہے وہ اِس صبح سے بہتر ہے جو زندہ لوگوں کو جگاتی ہے۔

گہری تاریکی کی وجہ سے روئے مبارک نظر نہیں آ رہا تھا؛ مگر آپ کے

کلمات کا ایک ایک حرف میرے دل پر نقش ہے۔ جنت البقیع سے واپس آئے تو حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ: گھر کی کتنی رقم ہے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ''سات درہم'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انہیں بھی خیرات کردو، میں اس رقم کے ساتھ اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف ایک بار مسجد تشریف لائے، میرے لیے یہ ان کا آخری دیدار تھا، صرف چند گھنٹوں کی زندگی باقی تھی، حضرت انسؓ - جو آپ کے قریب کھڑے تھے- فرماتے ہیں کہ: میں نے کبھی آپ کا چہرہ اتنا حسین نہیں دیکھا، آپ کا چہرہ دمک رہا تھا، بہت آہستہ آہستہ کلام فرمارہے تھے: ''اگر میری وجہ سے کسی کو کوئی دکھ پہنچا ہو تو وہ مجھے معاف کردے، قرآن ہدایت کا سرچشمہ ہے، اسے سینے سے لگا کر رکھنا''۔ جب آپ کو سہارا دے کر اٹھایا گیا تو آپ نے کھڑے ہو کر چاروں طرف نظر دوڑائی اور فرمایا: میں تم سے رخصت ہو رہا ہوں؛ لیکن یاد رکھنا تمہیں میرے پیچھے آنا ہے۔ (حضرت بلال کے سو قصّے، ص:۱۰۶، ۱۰۷)

وصالِ حبیب کے بعد پہلی اذان

۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ پیر کے دن وصالِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روح فرسا اور جاں گداز واقعہ پیش آیا، حضرت بلالؓ پر اس کا جس قدر صدمہ ہوا وہ ظاہر ہے، والضحیٰ کا وہ چہرۂ انور جو دل کے لیے سکون کا باعث تھا اور واللیل کی وہ زلفیں جو آنکھوں کو سرور بخشتی تھیں، اور وہ ذات جس کی ایک مسکراہٹ زمانے بھر کے غموں سے

بے نیاز کیے دیتی تھی؛ اب نہیں رہی، ظلم والم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، زندگی کا سب سے کاری زخم لگا، ایسا زخم جس کے گھاؤ کبھی نہ بھرنے تھے؛ حتی کہ خوبصورت اذان پر بھی اس کا بڑا گہرا اثر پڑا۔

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنازہ ہمارے گھر میں رکھا ہوا تھا، ہم سب ازواجِ مطہرات رو رہی تھیں اور اُس رات بالکل نہ سوئی تھیں، ہم آپ کو چارپائی پر دیکھ کر خود کو تسلی دے رہی تھیں؛ یہاں تک کہ آخرِ شب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دفن کر دیا گیا، اور قبر پر مٹی ڈالنے کے لیے ہم نے پھاؤڑوں کے چلنے کی آواز سنی، تو ہماری بھی چیخ نکل گئی اور مسجد والوں کی بھی، اور سارا مدینہ اس چیخ سے گونج اٹھا، اس کے بعد حضرت بلالؓ نے فجر کی اذان دی، جب انہوں نے اذان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لیا یعنی "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کہا تو ہم سب زور زور سے رو پڑے اور اس سے ہمارا غم اور بڑھ گیا۔

(البدایہ والنہایہ ۵/۲۷۱۔ بحوالہ حضرت بلال کے سو قصے: ۱۰۸)

صدمۂ فراقِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد حضرت بلالؓ حضرت عائشہؓ کے حجرے کے سامنے خاموش بیٹھے روتے رہتے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مفارقت کا ایسا صدمہ ہوا کہ پاؤں میں چلنے کی سکت نہ رہی، سراپا مجسمۂ غم بن کر رہ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ان کو اذان کا حکم دیا گیا تو انہوں نے اذان

دینے سے انکار کر دیا، اور فرمایا کہ اب میں کبھی اذان نہ دوں گا؛ کیوں کہ اب دل میں وہ سکت اور ہمت نہیں رہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامِ گرامی اتنی اونچی آواز سے لے سکوں، پہلے تو وہ سامنے نظر آتے تھے لیکن اب انہیں کہاں ڈھونڈوں!! یہ کہنا تھا کہ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ پڑا، جب صحابہؓ نے دیکھا تو وہ بھی زار و قطار رو پڑے، پھر صحابہؓ نے حضرت ابومحذورہؓ سے اذان کے لیے کہا، چناں چہ انہوں نے اذان دی۔ حضرت بلالؓ اندر سے ٹوٹ چکے تھے۔

ایک طوفانِ طلب روح میں پیدا کر کے	چُھپ گئے آپ کہاں حشر بپا کر کے

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا بلالؓ؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مفارقت میں اکثر افسردہ اور غمگین رہتے تھے، آپ مدینہ کی گلیوں میں یہ کہتے پھرتے تھے ”لوگو! تم نے کہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے، اگر دیکھا ہے تو مجھے پتہ بتادو“۔

ہر ظرف نہیں ہے اس قابل؛ بن جائے غمِ جاناں کا امیں
سینے سے لگا لو دیوانو! یہ درد بہ مشکل ملتا ہے

(سیدنا بلال، حکیم محمود ظفر، ص:۸۹۔ بحوالہ حضرت بلال کے سو قصّے، ص:۱۰۸)

دورِ صدیقی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے رحلت فرما جانے کے بعد آپؓ کی زندگی اجاٹ ہو چکی تھی، مدینہ کے در و دیوا، شجر و حجر اور وہاں کے باسی ہر کوئی نظر آ رہا تھا؛ لیکن وہ محبوب نظر نہیں آ رہا تھا جس نے ”یثرب“ کو ”مدینۃ النبی“ بنا دیا تھا، چناں

چہ آپ نے طے کرلیا کہ مدینہ سے باہر شام جا کر جہاد میں زندگی گزاروں گا۔

ایک روز حضرت بلالؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا: مجھے آپ نے خرید کر اللہ کے لیے آزاد کیا تھا یا اپنے لیے؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: بلال! میں نے تم کو اللہ کے لیے آزاد کیا تھا''۔ حضرت بلالؓ نے عرض کیا: ''میں نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ مومن کا اصل عمل اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے''۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: بلال! تم کیا چاہتے ہو؟ عرض کیا: میں اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا چاہتا ہوں؛ یہاں تک کہ شہید ہو جاؤں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: میں شام جا کر تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں، تم جانتے ہو کہ میں بہت کمزور ہو گیا ہوں، اور میری رحلت کا وقت قریب ہے، لہٰذا تم میری خاطر مدینہ میں رہو، مجھے اس عالمِ پیری میں اپنی رفاقت سے محروم نہ کرو۔

حضرت ابوبکرؓ مزاج شناس تھے وہ جانتے تھے کہ حضرت بلالؓ مدینہ کیوں چھوڑنا چاہتے ہیں؟ لیکن حضرت ابوبکرؓ کے لیے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادمِ خاص کو اپنے سے جدا کرنا گوارا نہ تھا، لہٰذا انہوں نے حضرت بلالؓ سے مدینہ ہی میں رہنے کی درخواست کی، حضرت ابوبکرؓ کے احسان اور ان کی شفقتوں کا خیال کر کے آپ نے مدینہ چھوڑنے کا ارادہ موقوف کر دیا، تاہم اذان نہ دینے کا عہد کرلیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: ٹھیک ہے، آپ اگرچہ اذان نہ دیجیے گا؛ مگر یہی فروکش رہیے۔

چناں چہ حضرت بلالؓ عہدِ صدیقی میں مدینہ ہی میں رہے، اکثر حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر رہتے، حضرت ابوبکرؓ بھی آپؓ کا بہت خیال فرماتے اور آپؓ بھی حضرت ابوبکرؓ کی خدمت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ اکثر دیکھا گیا کہ حضرت ابوبکرؓ کہیں تشریف لے جارہے ہیں اور آپؓ اپنا نیزہ لیے آگے آگے بطورِ خادم اسی طرح موجود ہیں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں رہا کرتے تھے؛ تا آں کہ حضرت ابوبکرؓ کی وفات ہوگئی۔

حضرت ابوبکرؓ کی وفات آپؓ کے لیے دوسرا بڑا غم تھا، ایک محسن کے چلے جانے کا غم ہلکا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ دوسرا بھی چل بسا، اب تو مدینہ میں رہ کر صبر کا دامن تھامے رکھنا دو چند اور بڑا مشکل ہوگیا۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۴۳ / ۴۴۴)

عہدِ فاروقی

جب حضرت ابوبکرؓ کے اس دنیا سے رحلت فرما جانے کے بعد حضرت عمرؓ نے خلافت کا منصب سنبھالا تو حضرت بلالؓ نے حضرت عمرؓ سے پھر وہی درخواست کی کہ میں جہاد کے مقدس عمل کے لیے شام جانا چاہتا ہوں۔ حضرت عمرؓ آپ کا بہت احترام فرماتے، آپ کو اپنا آقا و سردار کہتے۔ اسی احترام کی وجہ سے آپؓ نے حضرت بلالؓ سے کہا کہ: آپ مدینہ چھوڑ کر اپنی صحبت سے ہمیں محروم نہ فرمائیے؛ لیکن حضرت بلالؓ جانے کے لیے مُصر رہے، بالآخر حضرت عمرؓ نے شام جانے کی اجازت دے دی۔ وظیفے کے متعلق پوچھا کہ آپ کا وظیفہ کس کو دیا جائے؟ تو آپؓ نے

کہا کہ: میرے اسلامی بھائی ابورویحہ کو میرے حصے کا وظیفہ دے دیا جائے، جس اخوت کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے اور ان کے درمیان قائم کیا تھا، میں اس کو کبھی چھوڑ نہیں سکتا۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۴۳۱۔ خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص:۴۹)

بیت المقدس میں حضرت بلالؓ کی اذان

چناں چہ حضرت عمرؓ کی اجازت سے شام روانہ ہو گئے، اور جہاد میں شریک ہونے لگے، شام کی فتح کے بعد وہیں بود و باش اختیار کر لی۔ بیت المقدس کی فتح کے موقع سے آپ بھی وہاں حاضر تھے، صحابہؓ نے حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ اس تاریخی موقع سے حضرت بلالؓ سے اذان کی درخواست کی جائے، ان کی اذان سنے مدت ہو گئی ہے۔ مسلمانوں کی تمنا پر حضرت عمرؓ نے آپؓ کو بلایا اور فرمایا: بلال! اصحابِ رسول آپ کی اذان سننے کے خواہاں ہیں، حضرت بلالؓ نے کہا: میں عزم کر چکا ہوں کہ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کے لیے اذان نہیں دوں گا، لیکن آج محض آپ کے ارشاد کی تعمیل کے خاطر اذان دینے کی کوشش کرتا ہوں۔

اِدھر حضرت بلالؓ نے اذان دینا شروع کی اور اُدھر صحابہ کی آنکھوں کے سامنے عہدِ رسالت آ گیا، ہر کسی پر رقت طاری ہو گئی، ”اللہ اکبر، اللہ اکبر“ کی صدا سے لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ”أشهد أن لا إله إلا الله“ کی آواز گونجی تو آنسو بہہ پڑے، ہر کسی کی حالت بدلے جا رہی تھی۔ اور جب ”اشهد ان محمدا رسول الله“ کہا تو رونے کی وجہ سے ایک شور برپا ہو گیا، قریب تھا کہ

لوگوں کے دل پھٹ پڑتے۔ حضرت بلالؓ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی، حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ روتے روتے بے تاب ہو گئے، اور ان سب سے زیادہ حضرت عمرؓ رو رہے تھے، یہاں تک کہ ان کی ہچکی بندھ گئی۔ حضرت بلالؓ خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی خوب رلایا۔ حضرت بلالؓ نے چاہا کہ ادھوری ہی اذان ختم کر دیں؛ لیکن پھر بالآخر ہمت کر کے اذان مکمل کر دی، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے نماز پڑھائی۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۴۵)

محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار اور حضرت بلالؓ کی آخری اذان

جس زمانے میں حضرت بلالؓ شام ہی میں مقیم تھے، ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں: ''بلال! یہ خشک زندگی کب تک؟ کیا تمہارے پاس اتنا بھی وقت نہیں کہ ہماری زیارت کرو''۔ اس خواب نے حضرت بلالؓ کو تڑپا کر رکھ دیا، اس خواب سے عشق ومحبت کے مرجھائے ہوئے زخم پھر ہرے ہو گئے۔ اُسی وقت اٹھ کر مدینۂ طیبہ کی راہ لی، افتاں وخیزاں روضۂ اقدس پر حاضری دی اور مرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگے، روضے سے ہٹ کر دیکھا تو لوگوں کو ملاقات کے لیے منتظر پایا، حاضرین سے ملاقات کرتے رہے، حالانکہ آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھا، مضطربانہ جوش ومحبت کے ساتھ مدینہ کے لوگوں اور خصوصی طور پر جگر گوشگانِ رسول یعنی حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو اپنے سینے سے چمٹا چمٹا کر پیار کرتے رہے۔

مدینہ کے لوگوں کی شدید تمنا تھی کہ آج اتفاقاً بلال تشریف لائے ہیں، ایک اذان تو ضرور ہونی چاہیے، تاکہ زمانۂ رسالت کی کچھ یادیں تازہ ہو جائیں، لیکن کسی کو درخواست کرنے کی ہمت نہ ہوئی، آخر حضرت حسن وحسینؓ نے درخواست کی کہ: چچا جان! آج صبح کی اذان آپ دیں۔ اگرچہ آپؓ اذان نہ دینے کا ارادہ فرما چکے تھے؛ لیکن شہزادوں کی درخواست کہاں ٹالی جا سکتی تھی، صبح کے وقت بلند جگہ کھڑے ہو کر جونہی "اللہ اکبر، اللہ اکبر" کی صدا بلند کی تو پورا مدینہ گونج اٹھا، "أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه" نے اس کو اور بھی رقّت آمیز بنا دیا اور جب "اشهد ان محمداً رسول اللّٰه" کہا تو عورتیں تک بے قرار ہو کر گھروں سے نکل پڑیں، تمام عاشقانِ رسول کے رخسار آنسوؤں سے تر ہو گئے۔

مدینہ میں ایسا پُر اثر منظر کبھی دیکھنے کو نہ ملا، لوگوں کی آنکھوں کے آگے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ گھوم گیا، کہنے لگے: شاید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر مبعوث ہو گئے ہیں کتبِ تاریخ میں ہے کہ جس قدر اہلِ مدینہ اُس وقت روئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اس سے زیادہ کبھی نہیں روئے۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۴۵)

سفرِ آخرت

حضرت بلالؓ کی زندگی میں مختلف موڑ آئے، اپنی زندگی میں بڑے بڑے کارنامے بھی انجام دیے؛ لیکن اب وفات کا وقت قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا، وفات کے وقت آپ کی زبان پر آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے

ملاقات کی خوشی کی بنا پر یہ کلمات جاری تھے:

غداً نلقی الاحبة محمدًا و حزبه

''کل ہم اپنے دوستوں سے ملاقات کریں گے، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں سے''۔

جب آپؓ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو آپؓ کی اہلیہ محترمہ ''واویلاہ اور واحزناہ'' کہہ رہی تھیں، مطلب یہ ہے کہ ہائے میرے غم کا کوئی ٹھکانہ نہیں، لیکن آپؓ خوشی سے کہہ رہے تھے: ''واطرباہ'' واہ وا! میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ کل تو اپنے دوستوں سے ملاقات ہوگی، نبوت کا دیدار ہوگا۔

۲۰ھ میں اسلام کے پہلے مؤذن سیدنا حضرت بلالؓ اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر مبارک ۶۳ / سال تھی۔ انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون. (رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۴۵)

حلیۂ مبارک

ابن سعد کے بیان کے مطابق حلیہ یہ تھا: تیز رنگ، سانولے، دبلے اور لانبے تھے، سینہ آگے کو ابھرا ہوا تھا، بال بہت تھے، رخساروں پر گوشت بہت کم تھا، اور ان کے بال بہ کثرت کھچڑی تھے جن میں تغیر نہ ہوتا تھا۔ (طبقات ابن سعد مترجم ۳/ ۲۷۳)

ازواج واولاد

حضرت بلالؓ نے متعدد شادیاں کیں، آپ کی بیویاں عرب کے نہایت

شریف ومعزز خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ایک روایت کے مطابق ایک بیوی کا نام ہندالخولانیہ تھا جوقبیلۂ بنوزہرہ سے تھیں۔ایک بیوی کا تعلق انصار کے قبیلۂ خزرج کے خاندان عدی بن کعب سے تھا۔حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی سے خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کروایا تھا۔حضرت ابودرداءؓ کے خاندان میں بھی رشتۂ مصاہرت قائم ہوا تھا۔

طبقات کی روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو حضرت بلالؓ کی طرف متوجہ فرماتے تھے۔حضرت زید بن اسلمؒ سے مروی ہے کہ ابوالبکیر کے لڑکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے،ان لوگوں نے عرض کی کہ: فلاں شخص سے ہماری بہن کا نکاح کردیجیے،فرمایا کہ:تم لوگ بلالؓ کی طرف توجہ کیوں نہیں کرتے؟ وہ لوگ دوسری مرتبہ آئے اورعرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہماری بہن کا فلاں شخص سے نکاح کردیجیے،فرمایا:تم لوگ بلال کی طرف کیوں توجہ نہیں کرتے؟ وہ لوگ تیسری مرتبہ آئے اورعرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہماری بہن کا فلاں شخص سے نکاح کردیجیے،فرمایا کہ:تم بلال کی طرف سے کہاں جاتے ہو؟تم لوگ ایسے شخص سے جواہل جنت میں سے ہے؟ پھران لوگوں نے ان سے نکاح کردیا۔(طبقات ابن سعد،مترجم ۳/ ۲۷۳)

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ:کسی بیوی سے آپ کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔خدا کی شانِ حکمت تو دیکھئے کہ جس بلال کی کوئی نسبی اولاد نہیں،آج اسی بلال کی روحانی اولاد

مؤذنوں کی شکل میں دنیا کے چپے چپے پر پھیلی ''یادِ بلال'' کو تازہ رکھے ہوئے ہیں۔

خصوصیات اور فضائل ومناقب

آپؓ کا شمار ان ''سابقین اولین'' میں ہوتا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے رضامندی کا پروانہ دیتے ہوئے فرمایا: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ. (التوبہ:۱۰۰) ترجمہ: مہاجرین و انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہیں، اور اللہ نے ان کے لیے اپنے باغات تیار کر رکھے ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، یہی بڑی زبردست کامیابی ہے۔ (آسان ترجمۂ قرآن: ۳۴۴)

اسی طرح حضرت بلالؓ قرآنِ کریم کی بہت سی آیتوں کے مصداق تھے، جیسے اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کے متعلق فرمایا: اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ الخ. (التوبہ:۲۰) ترجمہ: جو لوگ ایمان لے آئے اور اللہ کے راستہ میں ہجرت کی اور اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کیا، وہ اللہ کے نزدیک درجہ میں کہیں زیادہ ہیں، وہی لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔ (آسان ترجمۂ قرآن: ۸۰۴)

بعض آیات کے شانِ نزول کے بارے میں لکھا ہے کہ سیدنا بلالؓ اور ان کے رفقا کے بارے میں نازل ہوئیں۔ چناں چہ قرآن مجید میں ہے: وَمِنَ

النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ. (البقرہ:۲۰۷) ترجمہ: اور لوگوں میں ایک شخص ایسا ہے کہ جو اللہ کی رضا جوئی کے بدلے اپنی جان کو فروخت کر دیتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: یہ آیت حضرت بلالؓ اور حضرت صہیبؓ وغیرہ کی شان میں نازل ہوئی، جنہوں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے عذاب جھیلے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ: ہم چھ آدمی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، مشرکین چاہتے تھے کہ ہم کسی طرح ان سے جدا ہو جائیں، ان چھ آدمیوں میں میرا نام بھی تھا، اور عبداللہ بن مسعود، بلال اور ایک بنی ہذیل میں سے، اور دو شخص کے نام میں بھول گیا ہوں۔ تب ہمارے بارے میں یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (الانعام:۵۲) ترجمہ: اور نہ دور کر ان کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام اور چاہتے ہیں اس کی رضا۔ (حضرت بلال کے سو قصے، ص:۱۲۰)

سب سے پہلے اسلام کا اظہار کرنے والے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ پہلے پہل جن حضرات نے اپنے اسلام کا برملا اظہار کیا؛ وہ سات لوگ تھے: ۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۲) حضرت ابوبکرؓ ۳) حضرت عمارؓ ۴) ان کی والدہ سمیہؓ ۵) حضرت صہیبؓ ۶) حضرت بلالؓ ۷) حضرت مقدادؓ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آپ کے عمِ بزرگ وار خواجہ ابوطالب کے ذریعہ بچاؤ کا سامان کر رکھا تھا، حضرت ابوبکرؓ کا دفاع ان کی

قوم کرتی تھی، اوران کے علاوہ باقی پانچوں حضرات کومشرک لوگ پکڑتے اورانہیں لوہے کی زرہ پہنا کر چلچلاتی دھوپ میں کھڑا کر کے تپاتے، ان میں سے کوئی بھی نہیں تھا جس نے مشرکین کی خواہش کے مطابق زبانی ہی سہی، ان کی کفریہ باتوں سے اتفاق نہ کرلیا ہو، سوائے بلال کے کہ انہوں نے راہِ خدا میں خود کو پوری طرح فنا کردیا تھا۔ چناں چہ لوگ انہیں پکڑتے اوراوباش لوگوں کے ہاتھوں میں تھما دیتے، بچے انہیں مکہ کی گلیوں میں گھسیٹتے اوران کی زبان ''احد، احد'' کی رٹ لگاتی رہتی۔ (طبقات ابن سعد ۳/۱۶۶)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی خوش الحانی اور مؤذن اول

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نہایت بلند اور دلکش آواز کے مالک تھے، پیچھے گذر چکا کہ زمانۂ جاہلیت میں امیہ بن خلف آپ کو اکثر شام کے سفر میں اپنے ساتھ رکھتا، تاکہ جب قافلہ تھک ہار کر نڈھال ہوجائے تو آپ ان کو اپنی خوش الحانی سے گرمائیں، آپ اپنی خوبصورت آواز سے ایسی حدی خوانی شروع کرتے کہ ہر ایک کی تھکن کافور ہوجاتی، سب نشاط میں آکر جھوم اٹھتے، حتی کہ اونٹوں پر بھی وجد طاری ہوجاتا۔ یہی وجہ تھی کہ جب اذان کا معاملہ پیش آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو ''مؤذنِ اول'' کے شرف سے نوازا، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں آپ رضی اللہ عنہ ہی سفر وحضر کے ''مؤذنِ خاص'' رہے۔ آپ کی اذان بادۂ توحید سے سرشار لوگوں کو بے چین کردیتی۔

اذان حبشہ والے لے گئے

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے اوصاف بیان فرما رہے تھے، اسی دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حکومت کی باگ ڈور قریش کے ہاتھ میں ہوگی، قضا کا شعبہ انصار میں پھلے پھولے گا اور اذان تو حبشہ والے لے گئے اور امانت اَزْدَ یعنی یمن والوں کی خاص صفت ہے۔ (سننِ ترمذی، رقم: ۳۸۷۱)

نماز نیند سے بہتر ہے

حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ حضرت بلالؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فجر کی نماز کے لیے بلانے کی غرض سے حاضرِ خدمت ہوئے تو بتایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرما رہے ہیں، آپؓ نے بہ آواز بلند کہا: ''اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کلمات سنے تو انہیں پسند فرمایا، اور اذانِ فجر میں شامل کرنے کا حکم فرمایا۔ چناں چہ اس کے بعد سے آپ کے یہ کلمات فجر کی اذان میں شامل کر لیے گئے۔ (سننِ ابنِ ماجہ، رقم: ۷۰۸)

میرا مؤذن بلال

سیدنا انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا: آپ کے پاس ان چیزوں سے عمدہ کوئی چیز نہ تھی جس کو آپ نے مجھے دے دیا۔ ایک میرا مؤذن بلال اور میری ناقہ جس پر میں اور آپ

کی صاحبزادی عائشہ نے ہجرت کی۔

(انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون ۲ / ۳۴، بحوالہ حضرت بلال کے سو قصے، ص: ۹۵)

اذان کا ثواب دخولِ جنت

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، حضرت بلال اذان کے لیے اٹھے اور اذان دی۔ جب وہ اذان دے چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ قَالَ مِثْلَ هٰذَا يَقِيْنًا دَخَلَ الْجَنَّةَ. جو شخص دل کے یقین کے ساتھ یہ کلمات کہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (سنن النسائی، رقم: ۶۶۸)

فضائلِ مؤذن

مؤذن کے بارے میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سے فضائل بیان کیے ہیں جن کے سب سے پہلے حقدار حضرت بلالؓ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے پیغامِ توحید کو بلند کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ میں سفر و حضر میں آپؓ ہی مؤذنِ خاص رہے، چناں چہ مؤذن کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ”مَنْ أَذَّنَ ثِنْتَيْ عَشَرَةَ سَنَةً وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَكُتِبَ لَهُ بِتَأْذِيْنِهِ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ سِتُّوْنَ حَسَنَةً وَبِإِقَامَتِهِ ثَلَاثُوْنَ حَسَنَةً“. جو شخص بارہ سال اذان کہے تو اس کے لیے جنت واجب کر دی جاتی ہے اور اس کے لیے ہر دن اذان کے بدلے میں ساٹھ نیکیاں اور اقامت کے بدلے میں تیس نیکیاں لکھی جاتی ہے۔ (رواہ ابن ماجہ والحاکم عن ابن عمر)

اسی طرح مؤذن کے بارے میں نبیٔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اَلْمُؤَذِّنُوْنَ أَطْوَلُ النَّاسِ أَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ". مؤذن قیامت کے دن لوگوں میں سب سے لمبی گردن والے ہوں گے۔ (أخرجہ مسلم وأحمد وابن ماجہ عن معاویۃ)

نیز نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اَلْمُؤَذِّنُ يُغْفَرُ لَهُ مَدَّ صَوْتُهُ وَأَجْرُهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ صَلّٰى مَعَهُ". مؤذن کی بخشش کر دی جاتی ہے جہاں تک اس کی آواز پہنچے، اور اس کو ان لوگوں کے بقدر ثواب ملے گا جو اس کے ساتھ نماز میں شریک ہو۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر عن أبی أمامۃ)

جنت میں قدموں کی آہٹ

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: ایک دن صبح کے وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو بلا کر فرمایا: اے بلال! تم ایسا کون سا عمل کرتے ہو کہ آج رات جب میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے اپنے آگے تمہارے قدموں کی آہٹ سنی۔ انہوں نے عرض کیا کہ جب بھی میرا وضو ٹوٹ جاتا ہے تو وضو کر کے دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھتا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم: ۱۰۸۱، بحوالہ رجال مبشرون بالجنۃ، ص: ۴۴۶)

بعض روایات میں ایک اور چیز کا اضافہ ہے کہ: کبھی میں نے دو رکعت پڑھے بغیر اذان نہیں دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: یہی وہ عمل ہے جس سے تم کو یہ رتبہ ملا۔ (فرسان النہار ۴/۳۸)

جنت کی خوشخبری

غرض یہ کہ آپ بے شمار اوصاف وخصوصیات کے حامل تھے، یہی وجہ تھی

کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بلالؓ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے تھے: ''رَجُلٌ مِنَ الْجَنَّةِ'' یہ جنتی شخص ہے۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۴۴۶)

صحابہؓ کی نظر میں آپ کی قدر و منزلت

حضرت سالمؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شاعر نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادے: بلال بن عبداللہ کی تعریف میں یہ مصرع کہا:

بِلَالُ عَبْدِ اللّٰهِ خَيْرُ بِلَالٍ

یعنی عبداللہ بن عمر کے بیٹے بلال بہترین بلال ہیں، جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ شعر سنا تو فرمایا: ''كَذَبْتَ لَا بَلْ بِلَالُ رَسُوْلِ اللّٰهِ خَيْرُ بِلَالٍ'' تو جھوٹ بولتا ہے؛ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلال بہترین بلال ہیں۔

(سنن ابن ماجہ، باب فضائل بلال:۱۴۹)

حضرت عمرؓ بھی آپ کا بڑا احترام فرماتے اور آپ کو اپنا آقا و سردار کہتے، چناں چہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے: ''اَبُوْبَكْرٍ سَيِّدُنَا اَعْتَقَ بِلَالَ سَيِّدِنَا'' ابوبکر ہمارے سردار تھے اور انہوں نے ہمارے سردار بلال کو آزاد کیا۔ اسی محبت اور احترام کا نتیجہ تھا کہ جب آپؓ کو حضرت بلالؓ کی وفات کی خبر پہنچی تو رو رو کر نڈھال ہو گئے اور بار بار فرماتے تھے: آہ ہمارا سردار بلال بھی ہمیں داغِ مفارقت دے گیا۔

(بخاری، مناقب بلال ابن رباح:۳۷۱، بحوالہ خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص:۵۴)

ایک روز حضرت ابوسفیان بن حربؓ اور سہیل بن عمرو بن حارثؓ اور کچھ دوسرے عرب سردار دربارِ خلافت میں حضرت عمرؓ کے آستانے پر کھڑے باریابی کے خواہاں تھے، اور ساتھ میں ایک جانب حضرت بلالؓ اور حضرب صہیب رومیؓ وغیرہ بھی حضرت عمرؓ سے ملاقات کے خواہش مند تھے۔ ان ''سابقین اولین'' کو تو باریابی کی اجازت مرحمت فرمادی گئی، مگر باقیوں کو اجازت نہ ملی، اور انہیں روک دیا گیا۔ اس واقعہ نے حضرت ابوسفیانؓ کو سخت صدمہ پہنچایا اور وہ مارے غصے کے اپنے رفقا سے کہنے لگے کہ: آج سے پہلے اتنا سخت دن کبھی نہیں گذرا، کہ عمر نے ان کو اجازت دے دی اور ہمیں روک دیا گیا۔ حضرت سہیلؓ جو بردبار اور انصاف پسند آدمی تھے، کہنے لگے: او میری قوم کے لوگو! قسم ہے اللہ کی! آج اگر تم غصہ ہوتے ہو تو اپنے اوپر ہی غصہ ہوؤ؛ اس لیے کہ جب پوری قوم کو مذہبِ حق یعنی اسلام کی طرف مدعو کیا گیا تھا تو وہ تم پر سبقت لے گئے اور تم صرف اپنی سوچ میں ڈوبے رہے، اُس دن کیا ہوگا جب قیامت کے دن وہ بلائے جائیں گے اور تم نظر انداز کردیے جاؤ گے''۔

شیر کا سلام حضرت بلالؓ کے نام

سیدنا انس بن مالکؓ بیان فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سفینہؓ کو جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تھے، حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس خط دے کر بھیجا، راستہ میں ان کو ایک شیر نظر آیا، جس سے وہ گھبرا گئے، بالآخر ہمت کر کے

حضرت سفینہؓ نے شیر سے کہا: میں صحابیٔ رسول ہوں، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط لے کر یمن جارہا ہوں۔ شیر دبے پاؤں پیچھے ہٹا، دہاڑا اور راستہ سے ایک طرف ہوگیا۔ پھر جب یمن سے لوٹے تو وہی شیر راستہ میں بیٹھا ہوا نظر آیا، حضرت سفینہؓ نے پھر وہی پہلے والی بات دہرائی، شیر نے پھر دہاڑ ماری اور دبے پاؤں ایک جانب ہولیا۔ جب حضرت سفینہؓ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ سنایا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جانتے ہو اس شیر نے پہلی مرتبہ کیا کہا تھا؟ وہ شیر کہہ رہا تھا کہ ابوبکر، عمر عثمان اور علی کیسے ہیں؟ اور تمہاری واپسی پر اس نے کہا: ابوبکر، عمر، عثمان، علی، سلمان، صہیب اور بلال کو میرا اسلام عرض کرنا۔

(التاریخ الکبیر لابن عساکر ۳/ ۳۱۴ بحوالہ حضرت بلال کے سو قصے، ص: ۳۷)

بلال کی ناراضگی میں خدا کی ناراضگی

ایک مرتبہ حضرت بلالؓ اور آپ کی اہلیہ حضرت ہندؓ کے مابین کسی بات پر اَن بَن ہوگئی، حضرت بلالؓ نے اپنی بات کو واضح کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حوالہ دیا، ان کی اس بات پر ان کی اہلیہ نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہیں کہا ہوگا۔ آپ کو اس سے بڑا رنج ہوا، اور گھر سے مسجد کی طرف چل دیے، جب مسجد پہنچے تو آپؐ کے چہرے پر رنج وغم کے آثار دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلال! کیا بات ہے؟ آپؓ نے پورے معاملہ کی وضاحت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بلالؓ کے گھر تشریف لے گئے، آپ کی اہلیہ نے خوش اخلاقی سے استقبال

کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ہند سے فرمایا: بلال تمہیں میرے حوالے سے جو کہتا ہے وہ صحیح اور درست ہوتا ہے، بلال کبھی کذب بیانی سے کام نہیں لیتا، اس کے ساتھ ہمیشہ محبت سے پیش آؤ، اور اس کو کبھی ناراض نہ کرو، اگر تم بلال کو ناراض کروگی تو اللہ تم سے کبھی راضی نہ ہوں گے۔ (حضرت بلال کے سو قصے، ص: ۶۴، ۶۵)

ایک مرتبہ ابوسفیان، حضرت صہیب، سلمان اور بلال رضی اللہ عنہم کے پاس سے گذرے (ابوسفیان ابھی تک حلقہ بگوشِ اسلام نہیں ہوئے تھے) انہوں نے ابوسفیان کو دیکھ کر کہا: اللہ کی تلواروں نے اللہ کے دشمنوں کی گردن میں ابھی تک اپنی جگہ نہیں بنائی! حضرت ابوبکرؓ نے سنا تو ناگواری سے کہا: تم یہ بات قریش کے ایک بڑے اور ان کے سردار کے بارے میں کہہ رہے ہو؟ پھر حضرت ابوبکرؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ بات بتلائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات کہہ کر تم نے ان کو غصہ دلایا ہے، اگر تم نے ان کو غصہ دلایا تو تم نے اپنے رب کو غصہ دلایا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ گھبرائے ہوئے آئے اور پوچھا: کیا عزیزو! تمہیں غصہ آیا تھا؟ تو انہوں نے فرمایا: نہیں بھائی! اللہ آپ کی مغفرت فرمائے، ایسی کوئی بات نہیں۔

(صحیح مسلم، باب من فضائل سلمان وصہیل وبلال، رقم: ۴۵۵۹)

صبر اور استقامت

اسلام لانے کے بعد آپؓ پر گوناگوں مصائب اور طرح طرح کے مظالم

ڈھا کر آپ کو آزمایا گیا، تپتی ہوئی ریت، جلتے ہوئے سنگ ریزوں اور دہکتے ہوئے انگاروں پر آپ کو لٹایا گیا، لیکن ان تمام مصائب و آلام کے باوجود آپ نے توحید کا پرچم ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ابوجہل آپؓ کو منہ کے بل سنگ ریزوں پر لٹا کر چکی کا پاٹ اوپر رکھ دیتا، آفتاب کی تمازت بے قرار کر دیتی تو کہتا: ''بلال! کیا اب بھی محمد کے خدا سے باز نہیں آئے گا؟'' لیکن اس وقت بھی زبانِ مبارک سے ''احد، احد'' کا نعرۂ توحید بلند ہوتا۔ (طبقات ابن سعد ۳/ ۱۶۵)

غزوۂ خیبر کا واقعہ

خیبر کی فتح کے بعد اسلامی لشکر مدینہ کی طرف روانہ ہو رہا تھا تو شہر کے قریب ہی لشکر نے پڑاؤ ڈالا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے اندیشہ ہے کہ نیند تمہیں نماز سے غافل نہ کر دے۔

حضرت بلالؓ کو اپنی شب بیداری پر اعتماد تھا، انہوں نے ذمہ لیا کہ میں شب بیداری کر کے صبح وقت پر اٹھا دوں گا، تمام لوگ سو گئے۔ حضرت بلالؓ شب بیداری کا ارادہ کر کے رات بھر جاگ کر ذکر و عبادت میں مشغول رہے، صبح صادق سے کچھ پہلے ستانے کی غرض سے اپنے کجاوے سے ٹیک لگا کر بیٹھے، اتفاقاً نیند نے ان پر غلبہ پالیا اور آنکھ لگ گئی اور ایسی غفلت طاری ہوگئی کہ طلوعِ آفتاب تک کوئی بھی بیدار نہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے بیدار ہو کر حضرت بلالؓ کو آواز دی اور فرمایا: ''بلال! تمہاری بیداری؟ حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ:

ہاں! رسول اللہ! آج کچھ ایسی غفلت طاری ہوگئی کہ اس سے پہلے کبھی ایسا اتفاق نہ ہوا۔ بعض روایتوں میں حضرت بلالؓ کا یہ قول منقول ہے کہ: جس ذاتِ باری تعالیٰ نے آپ کو سلائے رکھا اسی کے حکم سے مجھ غریب پر بھی نیند طاری ہوگئی۔ اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک! تم نے سچ کہا، اللہ جب چاہتا ہے، روحوں کو قبض کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے ان کو تم پر واپس کر دیتا ہے۔ بلال! اٹھو اذان دو اور لوگوں کو نماز کے لیے جمع کرو۔ (بخاری، رقم: ۵۱۵)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصاحبت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں ہو یا حضر میں؛ حضرت بلالؓ ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے اور چوں کہ آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ''مؤذنِ خاص'' تھے؛ اس لیے ہر وقت مسجد میں حاضر رہتے اور روزانہ صبح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیدار فرماتے، غزوات میں آپ کے قریب تر لوگوں میں ہوتے، سفر میں اکثر آپ ہی خادمِ خاص ہوتے، اور آپ ہی کا نیزہ سترے کا کام کرتا۔

ایک صحابیؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقامِ ابطح میں دیکھا، اُس وقت حضرت بلالؓ خدمت پر مامور تھے، چناں چہ حضرت بلالؓ آئے اور نیزہ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے چلنے لگے، یہاں تک کہ ایک جگہ پر اس نیزہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے گاڑا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ادا کی۔ (بخاری، ۳۳۶، ۳۴۶، ۳۵۵ بحوالہ حضرت بلال کے سو قصے، ص: ۴۵)

راست گوئی

ایک مرتبہ حضرت بلالؓ کے بھائی نے جو اپنے آپ کو عربی النسل ظاہر کرتے تھے، کسی کے یہاں نکاح کا پیغام بھیجا، انہوں نے انکار کر دیا کہ ہم آپ کو نہیں جانتے، اگر بلال اس کی تصدیق کر لے کہ آپ ان کے بھائی ہیں تو ہم رشتہ دینے پر راضی ہیں۔

حضرت بلالؓ نے تشریف لا کر کہا: صاحبو! میں بلال بن رباح ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، اس کی مذہبی اور اخلاقی حالت اطمینان بخش نہیں، تمہارا جی چاہے تو اپنی لڑکی اس سے بیاہ دو؛ ورنہ انکار کر دو۔ اس صاف گوئی سے ان لوگوں پر بہت اثر ہوا۔ انہوں نے کہا: بلال جس کے بھائی ہو اس سے رشتۂ مناکحت قائم کرنا ہمارے لیے باعثِ صد افتخار ہے۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص:۵۶)

اصلاحِ معاشرہ کی فکر

شام میں رہ کر بھی آپ بالکل گوشہ نشیں نہیں ہوئے تھے؛ بلکہ عام مسلمانوں یہاں تک کہ حکمرانوں پر بھی نظر رکھتے تھے۔ مؤرخ یعقوبی کا بیان ہے کہ اپنے قیامِ شام کے زمانے میں ایک مرتبہ حضرت بلالؓ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ امرائے شام پرندے کے گوشت اور میدے کی روٹی کے سوا کچھ کھانا جانتے ہی نہیں۔ حضرت عمرؓ نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ چیزیں وہاں بہت سستی ہیں؛ تاہم آپ نے تمام امرا سے اقرار لیا کہ وہ روزانہ فی کس دو روٹی زیتون کا تیل اور

سرکہ عام لوگوں میں تقسیم کریں گے اور مالِ غنیمت کی تقسیم بھی مساویانہ کریں گے۔

فقر و فاقہ

قبولِ اسلام کے بعد آپ کو اگرچہ امیہ کی قید اور مصائب و آلام سے چھٹکارا مل گیا؛ لیکن قیام و طعام کا مسئلہ ہر وقت ستاتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پریشانی کو بھی حل فرمادیا؛ لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ زہد و فقر میں ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شریک رہتے، اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فاقہ ہوتا تو آپ رضی اللہ عنہ بھی فاقہ سے ہوتے اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھ پہنچتا تو آپ رضی اللہ عنہ بھی دکھی ہوجاتے۔

ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے راستے میں مجھے جتنا ڈرایا دھمکایا گیا کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا گیا اور اللہ کی راہ میں مجھے جتنا ستایا گیا کسی اور کو نہیں ستایا گیا، اور ایک دفعہ تین رات دن مجھ پر اس حالت میں گذرے کہ میرے اور بلال کے لیے کھانے کے لیے کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھاسکے، سوائے اس معمولی چیز کو جو بلال اپنے بغل کے نیچے چھپائے ہوئے تھے۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۵۷)

تواضع و انکساری

صاحبِ طبقات کی روایت ہے کہ: لوگ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس آتے اور ان کی فضیلت اور اللہ نے انہیں خیر میں جو حصہ دیا تھا اسے بیان کرتے، تو آپ کہتے کہ میں تو ایک حبشی ہوں جو کل غلام تھا۔ (طبقات ابن سعد، مترجم ۳/ ۲۷۳)

پیغامِ بلالی

یہ تھی حضرت بلالؓ کی ذاتِ گرامی جنہوں نے غلامی کی حالت میں اسلام قبول کیا اور مصائب و آلام کو جھیلتے رہے؛ لیکن اسلام کا دامن نہیں چھوڑا اور اسی صبر و استقامت پر اللہ نے ان کو ''مؤذنِ اوّل'' بنا کر اور رسول کی صحبت میں رکھ کر ''جنتی'' ہونے کا شرف بخشا۔

بے شک آج حضرت بلالؓ اس دنیا میں نہیں رہے؛ لیکن ان کی یادیں تازہ ہیں، ان کے تذکرے زندہ ہیں، ان کی دی ہوئی اذانیں اب بھی فضائے عالم میں گونجتی ہیں، ان کی قربانیاں زبان زدِ عوام و خواص ہیں؛ لیکن ان کے مخالف جن کے پاس کامیابی کے سارے نقشے تھے مر گئے، گمنام ہو گئے، جن کی سرداری کے ڈنکے بجے ہوئے تھے اور جن کی ریاست کے غلغلے بلند تھے، آج انہیں کوئی جاننے والا نہیں ہے، سوائے مذمت و نفریں کے تاریخ کا طالبِ علم بھی ان کا تذکرہ نہیں کرتا۔ یہ سب عشقِ الٰہی و عشقِ رسول کا نتیجہ ہے، کوئی شخص خدا اور رسول کے لیے قربانی دے کر کبھی برباد نہیں ہو سکتا اور کوئی شخص ان کی نافرمانی کر کے کبھی آباد نہیں ہو سکتا۔ حضرت بلالؓ کی زندگی ہمیں یہی نکتہ سمجھا گئی، اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

اقبالؔ! کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے
رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے

حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ

از قلم: محمد زاہد عبد الغفار کوڈینار

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ

صفحۂ تاریخ پر بے شمار عشق ومحبت کی داستانیں ثبت ہیں؛ لیکن وارفتگی و شیفتگی اور جاں نثاری وجاں سپاری کی جو لازوال داستانیں احد کی وادی میں رقم کی گئیں، ان کی نظیر ملنا ناممکن ومحال ہے۔ عشق ومحبت کے ان خاکوں میں اپنے خونِ جگر سے رنگ بھرنے والے عاشقانِ نبوت کی فہرست میں ایک چمکتا، دمکتا اور جگمگاتا نام حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا ہے۔ ان اوراق میں آپ ہی کی حیاتِ طیبہ پر روشنی ڈالنے کی طالبِ علمانہ کوشش کی گئی ہے، خدا کرے کہ بندہ کی یہ حقیر سی کاوش دربارِ خداوندی میں قبولیت کا شرف پاوے، اور اِس گنہگار کا نام بھی ''مدحِ صحابہ'' کے دیوانوں میں شامل ہوجائے، آمین۔

نام ونسب

آپ کا نام سعد تھا، والد کا نام ربیع اور والدہ کا نام ہزیلہ تھا، آپ مدینۂ منورہ کے قبیلۂ خزرج کے خاندان بنوحارث بن خزرج (بنوحارثہ) سے تعلق رکھتے تھے، آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: سعد بن ربیع بن امر بن ابی زہیر بن مالک بن امرؤالقیس بن مالک (الاغر) بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر۔ والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: سعد بن ہزیلہ بنت عتبہ بن عمرو بن خدیج بن عامر بن حارث بن خزرج اکبر۔

اسلام سے پہلے آپ کا مقام

آپ کا شمار اپنے قبیلے کے نہایت متموّل اور خوشحال لوگوں میں ہوتا تھا۔ آپ اُن گنے چنے لوگوں میں سے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے، چوں کہ لکھنا پڑھنا زمانۂ جاہلیت میں بڑا کمال سمجھا جاتا تھا، جس کی وجہ سے آپ اپنے قبیلے میں بڑی قدر و منزلت کے مالک سمجھے جاتے تھے، دولت و ثروت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہایت صالح فطرت بھی عطا فرمائی تھی۔

قبولِ اسلام، بیعت اور شرفِ نقابت

۱۱ سنہ نبوی میں جب چھ سعید الفطرت خزرجیوں کے ذریعہ ہادیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتِ حق یثرب پہنچی اور وہاں اسلام کا چرچا ہونے لگا تو آپؓ نے بغیر کسی تأمل کے دعوتِ حق کو قبول کرلیا، ایمان و اسلام کی بے بہا دولت سے مالا مال ہوئے اور یوں آپ کو انصار کے ''سابقین اولین'' میں شامل ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ ''بیعتِ عقبۂ اولیٰ'' کے موقع سے مسلمان ہوئے، اس کے بعد آپ ان پچہتر نفوسِ قدسی میں بھی شامل رہے جنھوں نے ''بیعتِ عقبۂ کبیرہ'' میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ مقدس پیمانِ وفا باندھا تھا: ''اے اللہ کے رسول! قسم اس ربِّ ذوالجلال کی جس کے قبضے میں ہماری جان ہے، ہم ہر حال میں اپنی جانوں اور اپنے مالوں کے ذریعہ آپ کی حفاظت و مدد کریں گے۔ اس کے صلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب کو جنت کی

بشارت دی اور فرمایا کہ: میرا خون تمھارا خون ہے، اور میرا ذمہ تمھارا ذمہ، میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو، تم جس سے لڑو گے میں بھی اس سے لڑوں گا، اور تم جس سے صلح کرو گے میں بھی اس سے صلح کروں گا۔ ع

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

عقبۂ کبیرہ کی اسی بیعت کے بعد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہلِ یثرب سے مخاطب ہوئے کہ تم اپنے دینی امور کی حفاظت کے خاطر بارہ نقیب منتخب کرلو۔ چناں چہ شرکائے بیعت نے بہ اتفاقِ رائے بارہ نقبا کا انتخاب کیا جن میں نو قبیلۂ خزرج اور تین قبیلۂ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔ خزرجی نقبا میں حضرت سعد بن ربیعؓ کو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے ساتھ بنو حارثہ کا نقیب بنایا گیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے خاندان میں بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

رشتۂ مواخات میں اپنی مثال آپ

مکہ کے ظلم و ستم کی داستان جب اپنی حدود پار کرگئی اور خدا و رسول کے دشمنوں نے تکلیف و ایذا رسانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، تب رحمتِ خداوندی جوش میں آئی، اور بارگاہِ لم یزل سے مظلوم مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت مل گئی۔ یارانِ حق کے قافلے جوق در جوق مدینۂ منورہ کی جانب نکل پڑے، اخیر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے سفر و حضر کے رفیق، یارِ غار و کوثر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ رختِ سفر باندھا اور اپنے وطنِ عزیز کو مجبوراً خیر باد کہہ کر مدینۂ منورہ تشریف لے آئے۔

جب سوائے چند معذورین کے تمام مہاجرین مدینۂ منورہ پہنچ گئے، اور مسجدِ نبوی کی تعمیر مکمل ہونے کو آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سب سے بڑا اور اہم مسئلہ مہاجرین کی بازآبادکاری کا پیش آیا؛ کیوں کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کی خاطر اپنا سب کچھ لٹا کر بے سروسامانی کے عالم میں مدینۂ منورہ چلے آئے تھے۔ چناں چہ ہجرت کے پانچویں مہینے رجب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی رہائش گاہ پر مہاجرین اور انصار کو طلب فرمایا، انصار کھاتے پیتے گھرانوں کے صاحبِ استطاعت لوگ تھے، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ کی راہ میں دو دو شخص بھائی بھائی بن جاؤ۔ پھر دو دو کو بلا کر فرماتے گئے: ''یہ اور تم بھائی بھائی ہو، دونوں مل کر کام کرو اور مل کر کھاؤ پیو''۔

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں انصار نے تاریخی جذبۂ ایثار سے کام لیا، انھوں نے اپنی ہر شے کے دو دو حصے کر دیے اور آدھا اپنے مہاجر بھائی کو پیش کیا۔ اسی موقع پر پیش آنے والا حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا واقعہ تاریخِ ایثار و قربانی کے ماتھے کا ایسا جھومر ہے جس کی چمک آج تک ماند نہ ہوسکی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو- جو کہ عشرۂ مبشرہ میں سے تھے- حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا اسلامی بھائی بنا دیا۔ رشتۂ اخوت قائم ہونے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے خلوص و ایثار کا ایسا مظاہرہ کیا کہ تاریخ جس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ہجرت

کے بعد حضرت سعد بن ربیعؓ کے ہاں قیام فرمایا تھا۔ حضرت انسؓ اس بھائی چارگی کے رشتہ کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ: ہمارے ہاں عبدالرحمن بن عوف آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی سعد بن ربیع سے مواخات کی وہ (سعدؓ) دولت مند آدمی تھے، چناں چہ انھوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے کہا کہ: تمام انصار جانتے ہیں کہ میں نہایت متمول اور مالدار آدمی ہوں، میں اپنے مکان، باغ اور مال واسباب کا آدھا حصہ آپ کی نذر کرتا ہوں، اور میری دو بیویاں ہیں، انہیں دیکھ لو، ان میں سے جو تمہیں پسند آئے میں اس کو طلاق دے دوں گا، اور تم عدت کے بعد اس سے نکاح کر لینا۔ حضرت عبدالرحمنؓ اُس وقت اگرچہ نہایت غریب اور مفلوک الحال تھے؛ تاہم دل بہت غنی تھا، اطمینان سے پوری گفتگو سننے کے بعد کہا: بھائی! اللہ آپ کے مال ومنال اور اہل وعیال میں خوب خیر وبرکت عطا فرمائے۔ میں یہ سب نہیں چاہتا، آپ تو صرف مجھے بازار کا راستہ بتا دیجیے۔ راستہ معلوم کر کے خرید وفروخت شروع کر دی، خداداد صلاحیت سے تجارت ترقی کرنے لگی، اور چند ہی روز میں اللہ تعالیٰ نے انہیں خوشحالی عطا فرمائی اور ان کا شمار مدینہ کے بڑے بڑے تاجروں میں ہونے لگا۔

مذہبی بنیادوں پر بنائے جانے والے بھائی کے ساتھ ایسا حسنِ سلوک تاریخِ انسانیت میں نایاب ہے اور سچ پوچھئے تو خونی رشتوں میں بھی اس کی نظیر ملنا ناممکن ہے۔

غزوۂ بدر میں شرکت

۲ھ میں حق و باطل کا پہلا معرکہ پیش آیا، مسلمانوں کا لشکر تین سو تیرہ نفوسِ قدسیہ پر مشتمل تھا اور کافروں کی تعداد ایک ہزار تک پہنچی ہوئی تھی، اِدھر ہتھیاروں سے لیس اور وسائل سے آراستہ یہ لشکر اپنی مادی برتری پر اترا رہا تھا، اور اُدھر ہتھیاروں سے خالی، مگر ایمان و توکل سے مالا مال، سواریوں سے تہی دست مگر حوصلہ و شجاعت سے لبریز: جاں نثاروں کا لشکر لے کر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندگی بھر کے سرمائے کو جنگ میں جھونک چکے تھے۔ لڑائی شروع ہوئی، انفرادی مقابلوں میں شجاعانِ اسلام نے لات و منات کے پجاریوں کو خاک و خون میں تڑپا دیا، اجتماعی جنگ کا آغاز ہوتے ہی اسلامی شاہین کفر کے زاغوں پر جھپٹ پڑے، محمدی شیروں نے کفر کی لومڑیوں کو آڑے ہاتھوں لیا، کبر و نخوت کے ستّر پتلے ایک ایک کر کے جہنم رسید ہوئے اور ستّر قید کیے گئے، اور باقی سب ذلیل و خوار ہو کر الٹے قدم بھاگے۔ اس غزوہ میں حضرت سعدؓ کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ جانے کا شرفِ عظیم حاصل ہوا۔

مولانا سعید انصاری مرحوم نے اپنی کتاب ''سیرِ انصار'' حصۂ دوم میں لکھا کہ: ''غزوہ بدر میں حضرت سعدؓ کی شرکت سے تذکرے خاموش ہیں؛ لیکن طبقات ابن سعد (جلد ۳) میں حضرت سعدؓ کو واضح طور پر اصحابِ بدر میں شمار کیا ہے۔ مولانا ابوالقاسم رفیق رلماوری مرحوم نے اپنی مشہور کتاب سیرتِ کبریٰ (جلد ۲)

میں علامہ ابن سعد کی روایت کو درست قرار دیا ہے۔ اسی طرح قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ نے بھی ''رحمۃ اللعالمین'' میں آپ کو ''اصحابِ بدر'' میں شامل کیا ہے۔ نیز سیرۃِ مصطفیٰ میں مولانا ادریس کاندھلوی نے بھی ''اسمائے بدریین'' میں آپ کا نام درج کیا ہے۔ نیز آپؓ کے بدر میں شریک ہونے کی تائید وتصدیق حضرت ابوبکرؓ کے اِس قول سے بھی ہوتی ہے کہ ایک موقع پر آپؓ نے ایک صحابی سے فرمایا کہ: سعد وہ عظیم المرتبت شخصیت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بلندی عطا فرمائی اور انھوں نے بدر واحد میں شرکت کی، یہاں تک کہ اپنی جان قربان کر دی۔ بھلا اب آپ کے بدر میں شریک ہونے کے بارے میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش ہے؟

اصحابِ بدر کی فضیلت

صحیح بخاری میں حضرت رفاعہ بن رافع الزرقی کی روایت ہے کہ جبرئیلِ امینؑ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور پوچھا: آپ اہلِ بدر کو مسلمانوں میں کیسا سمجھتے ہو؟ فرمایا: سب سے افضل۔ حضرت جبرئیلؑ نے بتایا کہ: بدر میں حاضر ہونے والے فرشتوں کا بھی ملائکہ میں یہی درجہ ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو دیکھا اور فرمایا: اب تم جو چاہو کرو، میں تم کو بخش چکا ہوں۔ ایک اور موقع سے فرمایا کہ: تمھارے لیے جنت واجب ہوگئی۔

غزوۂ احد میں جاں نثاری

بدر کی شکست نے اہلِ مکہ کو نہایت ذلیل وخوار کر دیا، کوئی گھر ایسا نہ تھا جو

ماتم کدہ نہ بنا ہو، کسی کا بیٹا، تو کسی کا بھائی، کسی کا باپ تو کسی کا داماد، غرض ہر کسی کا کوئی نہ کوئی عزیز بدر کی بھینٹ چڑھ چکا تھا، بڑے بڑے سورماؤں کے خطرناک انجام نے کافروں کی نیند اڑا رکھی تھی، رشتہ داروں اور عزیزوں کی موت کی وجہ سے سینوں پر سانپ لوٹ رہے تھے، آہوں میں نفرتوں کا کالا دھواں اور انتقام کی آگ روشن تھی، دلوں میں عداوت کے شعلے بھڑک رہے تھے اور دماغ میں انتقام کی بجلیاں کوند رہی تھیں، اس کے نتیجے میں ایک سال بعد ۳ھ میں پھر ایک لشکر احد کے دامن میں حق سے ٹکرانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔

ایک بار پھر سے حق و باطل کا سامنا ہوا، چشمِ فلک نے دوبارہ حق و باطل کو میدانِ کارزار میں سرگرمِ قتال دیکھا، جس میں حضرت سعدؓ بھی شریک تھے، شمعِ نبوت کا یہ پروانہ بڑی جانبازی سے لڑا۔ چہرہ پر شوقِ شہادت عیاں ہے، تلواروں کے سائے تلے اعلائے کلمۃ اللہ کے خاطر جان وتن کا نذرانہ پیش کرنے کو بے تاب ہے، میدانِ کارزار اپنے شباب پر ہے، تلواروں کی چمک آنکھوں کو چندھیا دیتی ہے، نیزوں کی کھٹا کھٹ سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی، ہر کوئی اپنی بہادری کے جوہر دکھا رہا ہے۔ حضرت سعدؓ بھی سرگرمِ قتال ہیں کہ اتنے میں پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز فضا میں بلند ہوتی ہے کہ مجھ پر اپنی جان نثار کرنے کے لیے کون تیار ہے۔ یہ آواز حضرت سعدؓ کے پردۂ سماعت سے بھی ٹکرائی، آپ چکر کاٹ کر پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب آ گئے اور مضبوط دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔

سامنے سے تیروں کی بارش ہورہی ہے؛ مگر اس استقامت کے پہاڑ کا کیا کہنا، پیارے آقا کی خاطر اپنے جسم کو ڈھال بنا رکھا ہے، زخموں پر زخم کھائے جارہے ہیں، نیزوں کے وار سے جسم چھلنی ہوا جارہا ہے، خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان ہے کہ میں نے سعد کو احد کے دن اس طرح دیکھا کہ ان کے بارہ نیزے لگے تھے۔

شہادت ہے مقصود و مطلوبِ مؤمن

آخر کار شمعِ رسالت کا یہ پروانہ عشقِ رسول کے نشہ میں مخمور دشمن کے جمگھٹے میں جا گھسا؛ یہاں تک کہ زخموں سے چور چور ہوکر زمین پر گر پڑا۔ کل تک جس کے بدن پر پیرہن ہوا کرتا تھا، آج وہی جسم ردائے زخم اوڑھے ہوئے ایک گوشہ میں پڑا تھا۔ آخر کار جب معرکۂ بیم و رجا ختم ہوا، پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادھر اُدھر نظر دوڑائی، حضرت سعدؓ کہیں نظر نہ آئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن ثابتؓ (ایک روایت میں حضرت ابی بن کعب کا نام ملتا ہے) کو حکم دیا کہ سعد کو تلاش کرو، اور یہ ارشاد فرمایا کہ: اگر دیکھ پاؤ تو میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دریافت فرمارہے ہیں کہ اس وقت تم اپنے کو کیسا پارہے ہو؟ حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ: میں سعد کی تلاش میں میدانِ احد میں جا نکلا، میدان زخمیوں سے اور شہیدوں کی لاشوں سے بھرا پڑا تھا، کشتوں کے پشتے لگے ہوئے تھے، میں نے لاشوں کا گشت لگایا اور ان کا نام لے کر آواز دی، لیکن شہرِ خموشاں میں ہر جانب سناٹا چھایا ہوا تھا کوئی جواب نہ آیا، میں نے زخمیوں کے ہجوم میں

تلاش کیا؛ مگر آپ نظر نہ آئے۔ بالآخر تھک ہار کر میں نے یہ آواز دی کہ: سعد! تم کہاں ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے تمھارے پاس بھیجا ہے، پیارے آقا کا نام سنتے ہی جسم میں ایک توانائی محسوس کی، اور روح اور جسم کی تمام قوتوں کو یکجا کر کے کہا کہ میں اِدھر ہوں۔ حضرت زید بن ثابتؓ دوڑے دوڑے ان کے پاس پہنچے، کیا دیکھتے ہیں کہ چند نعشوں تلے دبے سعد آخری سانسیں لے رہے ہیں، زندگی کی کچھ ہی رمق باقی ہے۔ انھوں نے جلدی جلدی نعشیں ہٹا کر ان کو باہر نکالا اور پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلام و پیام پہنچایا، اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلام سنتے ہی جسم میں ایک قسم کا ارتعاش پیدا ہوا، آنکھیں کھول دیں، آنکھوں میں عاشقانہ چمک صاف دیکھی جاسکتی تھی، کچھ لمحے حضرت زید بن ثابتؓ کو تکتے رہے، آخری وقت تھا، دم توڑ رہے تھے، حضور کے پیام کے جواب میں اکھڑتے سانس کے ساتھ یہ عرض کیا کہ: پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرا بھی سلام پیش کر دینا اور یہ کہنا کہ: میں اِس وقت جنت کی خوشبو پا رہا ہوں۔ اور میرے انصاری بھائیوں کو بھی یہ پیغام پہنچا دینا کہ: اگر آج خدانخواستہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید کر دیے گئے یا انہیں کوئی تکلیف پہنچی، حال یہ کہ تم میں سے ایک آنکھ بھی دیکھنے والی موجود ہو (یعنی تم میں سے کوئی ایک بھی زندہ ہو) تو سمجھ لینا کہ اللہ کے یہاں تمھارا کوئی عذر قبول نہ ہوگا۔ تمہیں یاد ہونا چاہیے کہ ہم نے لیلۃ العقبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا ہو جانے کا حلف اٹھایا تھا۔ یہ کہا، ایک آخری ہچکی لی اور ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے اور یوں ع

عمر بھر کی بیقراری کو قرار آ ہی گیا

کسی دردمند شاعر نے اس قصہ کو اس طرح نظم میں پرویا ہے۔

ارشادِ مصطفی ہوا ہنگامِ ختمِ جنگ		کیا سعد بن ربیع سے کوئی باخبر ہے فرد
بے حد تلاش اور بہت جستجو کے بعد		زخمی سپاہیوں میں نظر آیا نیک مرد
دم توڑتا تھا، خوں میں نہایا ہوا تھا سعد		دل میں مگر تھا عشقِ رسولِ خدا بس
فرمایا: تھوڑی دیر کا مہمان ہوں میں بس		اے مہرباں! حضور کو پہنچا سلام جلد
پیغام قوم کو یہی بالاختصار ہے		باقی ہے روح جسم میں قائم ہے گر جسد
دشمن نہ آنے پائے رسولِ خدا کے پاس		روزِ حساب ہوگا ہر ایک عذر رد نہ رد

خدا رحمت کند

حضرت زید فرماتے ہیں کہ میں آنسو پونچھتے ہوئے رسول اللہ کی خدمت میں پہنچا اور جو دیکھا سب کہہ سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ محبت آمیز جملے سنے تو آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ سعد پر رحم کرے اور اس کو اپنے دامنِ رحمت میں جگہ دے کہ زندگی میں بھی اللہ اور اس کے رسول کا خیر خواہ اور وفادار رہا اور مرتے وقت بھی وفاداری کا ثبوت دے گیا۔

بنا کردند خوش رسمے کہ بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

خاک پوشی

اسی غزوے میں حضرت خارجہ بن زید بن ابی زہیرؓ بھی بڑی بہادری سے لڑے اور جامِ شہادت نوش کیا۔ وہ حضرت سعد بن ربیعؓ کے دادا عمرو بن ابی زہیر کے بھائی تھے، گویا اس رشتہ سے حضرت سعد ان کے پوتے ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ دادا اور پوتے (حضرت خارجہؓ وسعدؓ) کو ایک ہی قبر میں دفن کیا جائے۔

آپؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس قدر محبت تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپؓ نے دینِ اسلام کی بلندی اور پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی خاطر ''من آں بسمل کہ زیرِ خنجرِ خونخوارمی رقصم'' کا گیت گاتے ہوئے تاجِ شہادت پہن لیا۔ آخری وقت تھا، دم توڑ رہے تھے، قوم کو یہ وصیت نہ کی کہ میری بچیوں کی کفالت کرنا؛ بلکہ قوم کو یہی پیغام دیا کہ:

پیغام قوم کو یہی بالاختصار ہے
باقی ہے روح جسم میں قائم ہے گر جسد
دشمن نہ آنے پائے رسولِ خدا کے پاس
روزِ حساب ہوگا ہر ایک عذر رد نہ رد

شہیدِ عشق کا جسدِ مبارک

کتبِ سیر میں لکھا ہے کہ: حضرت امیر معاویہؓ نے نہرِ کظامہ جاری کرنا چاہا، راستے میں احد کا گنجِ شہیداں پڑتا تھا؛ اس لیے آپ نے مدینہ میں یہ اعلان

کروادیا کہ احد میں جس کا کوئی شہید ہو وہ حاضر ہو جائے، شہید کو منتقل کیا جائے گا، لوگ وہاں پہنچے، تو لوگوں نے شہدا کی لاشوں کو اسی طرح تر و تازہ پایا جس طرح دفنایا گیا تھا، کوئی تغیر نہ ہوا تھا۔ چوں کہ حضرت سعد بن ربیع اور حضرت خارجہ بن زیدؓ کی قبر کنارے پر تھی، چناں چہ وہ چھوڑ دی گئی اور اس پر دوبارہ مٹی ڈال دی گئی۔

اولاد و ازواج کے لیے میراث کی آیت کا نزول اور اس کا پس منظر

حضرت سعدؓ کی دو بیٹیاں تھیں، ان میں سے ایک کا نام ام سعد (بعض روایات میں ''امِ سعید'' نام ملتا ہے) تھا، جب آپؓ شہید ہو گئے تو ان لڑکیوں کے چچا نے آپؓ کے تمام مال و جائداد پر قبضہ کرلیا۔ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آیتِ میراث کا نزول ہوا۔ اسی قصہ کو امام ابوداؤد نے اپنی کتاب سننِ ابی داؤد میں تفصیلاً اس طرح ذکر کیا ہے: جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ باہر نکلے، اتنے میں ہمارا گذر ''سواف'' میں ایک عورت پر ہوا، وہ عورت اپنی دونوں لڑکیوں کو لے کر آئی اور کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! یہ دونوں لڑکیاں سعد بن ربیع کی ہیں، جو آپ کے ساتھ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے، ان لڑکیوں کا چچا ان کے پورے مال اور ان کی پوری میراث پر خود قابض ہو گیا ہے اور ان کے واسطے کچھ باقی نہیں رکھا، اس معاملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا فرماتے ہیں؟ خدا کی قسم! اگر ان لڑکیوں کے پاس مال نہ ہوگا تو کوئی شخص ان کو نکاح میں رکھنے کے لیے بھی تیار نہ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ تمھارے حق میں فیصلہ فرمادے گا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ: پھر سورہ نساء کی یہ آیت ''یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ الخ'' نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اس عورت اور اس کے دیور (لڑکیوں کا وہی چچا جس نے سارے مال پر قبضہ کرلیا تھا) کو بلاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑکیوں کے چچا سے فرمایا: لڑکیوں کو کل مال کا دو تہائی حصہ دو اور ان کی والدہ کو آٹھواں حصہ دو اور باقی جو بچے وہ تم خود رکھ لو۔ فقہائے عظام فرماتے ہیں کہ: یہ پہلا موقع تھا کہ ترکہ کی تقسیم عملی طور پر وجود میں آئی۔ کیا ہی خوش قسمت ہے وہ شخص جس کی بیٹی کے حق کی خاطر آسمان سے قرآن اتارا گیا۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوۡنَ عَلَی النِّسَاء کا پس منظر

اس آیت کا شانِ نزول کچھ اس طرح ہے کہ حضرت زید بن ابی زہیرؓ نے اپنی لڑکی حبیبہ کا نکاح حضرت سعد بن ربیعؓ سے کروایا تھا۔ ان کے درمیان آپس میں کچھ اختلاف اور رنجش ہوگئی جس پر شوہر نے ایک طمانچہ مار دیا، حبیبہؓ نے اپنے والد سے شکایت کی، والد ان کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ حبیبہ کو حق حاصل ہے کہ جس زور سے سعد بن ربیع نے طمانچہ مارا ہے وہ بھی اتنی ہی زور سے ان کو طمانچہ مارے۔

چناں چہ یہ دونوں (والد اور بیٹی) حکمِ نبوی سن کر چلے کہ اس کے مطابق حضرت سعد بن ربیع سے اپنا انتقام لیں؛ مگر عین اُسی وقت آیتِ مذکورہ نازل ہوئی

جس میں آخری درجہ میں کچھ قیودات کے ساتھ بغرضِ اصلاح مرد کے لیے عورت کو مارنے کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے، اور مرد سے قصاص یا انتقام لینے کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ آیت نازل ہونے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو بلوا کر حق تعالیٰ کا حکم سنایا اور انتقام لینے کا پہلا حکم منسوخ کر دیا گیا۔ کیا ہی بلند مقام و مرتبہ تھا آپ کا! آپؓ اللہ کے نزدیک کتنے محبوب و پسندیدہ تھے کہ آپؓ کی حمایت و تائید میں اللہ تعالیٰ نے قرآنی آیت نازل فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور آپ سے مشورہ کرنا

آپؓ اپنے جوشِ ایمان اور عشقِ رسول اور جذبۂ ایثار و خلوص کی بدولت تمام صحابہ کرامؓ میں بڑی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آپؓ سے بے پناہ محبت فرماتے تھے اور خاص خاص مواقع پر آپؓ سے مشورہ بھی فرماتے تھے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ غزوۂ احد سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکینِ مکہ کی جنگی تیاریوں کی خبر سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؓ سے بطور خاص گفتگو فرمائی۔

خوشا وہ شخص کہ صدیقؓ کو جس پر رشک آیا

حضرت سعد بن ربیعؓ کی شہادت کے بعد کا قصہ ہے کہ ایک صحابی حضرت ابوبکرؓ سے ملنے گئے، وہ کیا دیکھتے ہیں کہ صدیقِ اعظمؓ لیٹے ہوئے ہیں، اور ایک ننھی سی بچی ان کے سینے پر کھیل رہی ہے، آپؓ نہایت محبت سے بار بار اس کو چوم

رہے ہیں، وہ صحابی حیران رہ گئے کہ آخر یہ بچی کون ہے؟ اور آپؓ اس سے اتنی محبت کیوں کر رہے ہیں؟ انھوں نے تعجب خیز انداز میں حضرت ابوبکرؓ سے دریافت کیا کہ: ابوبکر! یہ بچی کون ہے؟ اور اس سے اتنی محبت کی کیا وجہ؟ آپؓ نے فرمایا کہ: یہ اُس شخص کی بیٹی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بلند مرتبہ عطا فرمایا، جس نے بدر واحد میں شرکت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا اور قیامت کے دن وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقیبوں میں شمار کیا جائے گا۔ صدیق اعظمؓ نے جس عظیم المرتبت شخصیت کی طرف اشارہ کیا وہ کوئی اور نہیں؛ بلکہ وہ حضرت سعد بن ربیعؓ ہی کی ذاتِ بابرکت تھی۔

حضرت ابوبکرؓ کا تعظیماً حضرت سعدؓ کی صاحبزادی کے لیے چادر بچھانا

حضرت ابوبکر صدیقؓ رشتہ میں حضرت سعد بن ربیعؓ کے پھوپھا ہوتے تھے؛ کیوں کہ ربیع کی چچازاد بہن حبیبہ بنت خارجہ بن زید حضرت ابوبکرؓ سے بیاہی گئی، آپؓ حضرت سعدؓ اور ان کی اولاد کو بہت مانتے تھے۔ چناں چہ ایک مرتبہ عہدِ خلافت میں حضرت سعد بن ربیعؓ کی صاحبزادی امِّ سعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپؓ نے ازراہِ تعظیم چادر بچھادی، اس موقع پر حضرت عمر فاروقؓ بھی موجود تھے، انھوں نے پوچھا: اے خلیفۂ رسول! یہ خاتون کون ہے؟ فرمایا: یہ اس شخص کی بیٹی ہے جو ہم دونوں سے بہتر تھا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: وہ کیسے؟ آپؓ نے فرمایا کہ: اس کے والد سعد بن ربیع ہیں جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں جنت

کی راہ لی۔اور ہم تم ابھی تک اس دارِفانی میں پھنسے ہوئے ہیں۔

فضائل ومناقب اوراوصاف وکمالات

زمانۂ جاہلیت میں بھی اپنی قوم کے سردار رہے،اور بحالتِ اسلام بھی۔

ایک طرف شجاعت و بہادری تھی تو دوسری طرف مال بھی بہت تھا،جس کی وجہ سے لوگوں کی خوب مدد کرتے تھے۔

اوس وخزرج کے اختلافات ختم کرنے اور آپس میں صلح کروانے کے لیے خوب کوشاں رہتے تھے۔

کبھی جھوٹ سے اپنی زبان کوخراب نہیں کیا۔

ہمیشہ ایثار سے کام لیتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے دفاع کرنے کے لیے ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔

مسافروں کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک فرمایا کرتے تھے۔

آپ اہلِ بدر میں سے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشیرِ خاص تھے۔

غیر معمولی سمجھداری،اصابتِ رائے ودرستگیٔ فکر،جاہلیت کی غلاظت سے صاف دامن اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے انتہا محبت وغیرہ جیسے بے شمار اوصاف کی بنا پر آپؓ کوتمام صحابہؓ عزت ومحبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بھی بے حد محبت فرماتے تھے۔

پیغامِ حیات

قارئینِ کرام! وہ کون سی چیز تھی جس نے آپؓ کو بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کی نگاہ میں محترم ومکرّم بنا دیا تھا، یہ آپ کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے انتہا محبت و وفاداری کا نتیجہ تھا کہ جس نے آپؓ کو مقبولِ خاص وعام بنا دیا۔ دم توڑتے وقت آپؓ نے جو پیغام دیا تھا وہ صرف انصار کے لیے نہ تھا؛ بلکہ ہر اس شخص کے لیے تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا دم بھرتا ہو، کہ جب جہاں، جس وقت بھی اعلائے کلمۃ اللہ اور حفاظتِ اسلام کی خاطر جان کا نذرانہ پیش کرنا پڑے تو ہم

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

کا ترانہ پڑھتے ہوئے بہ صد خوشی جسم وجاں کی حدود سے گذر جائیں۔

حضرت سعدؓ کی اسی بے حد محبت و وفاداری کا نتیجہ تھا کہ فخرِ موجودات، خیر الخلائق، سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا ہی میں آپؓ کو جنت کی بشارت سنا دی تھی۔ کون مسلمان ہے جو ان کی عظمت اور شان کا معترف نہ ہوگا، اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی آرزو نہیں کرے گا۔ اے اللہ! ہم سب کو سعد بن ربیعؓ کی طرح پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے حد محبت نصیب فرما اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما، آمین۔

مآخذ ومراجع:

① سننِ ابوداؤد ②معارف القرآن ③طبرانی ④بزار ⑤سیرتِ احمدِ مجتبیٰ ⑥سیرتِ مصطفیٰ ⑦خیر البشر کے چالیس جاں نثار ⑧سیر الصحابہ ⑨اعلام المسلمین ⑩طبقات ابن سعد، مترجم۔

نمبر ایک، تین، چار اور نو پر مذکور کتب سے استفادہ کرنے کے لیے استاذ محترم حضرت مفتی اویس صاحب مدظلہ کی عنایات وتوجہات حاصل رہیں۔

فجزاھم اللّٰہ احسن الجزاء۔

سید الشہداء

حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ

از قلم: محمد نعمان احمد آبادی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سید الشہد احضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ

یہ ایک مسلمہ اور نا قابلِ انکار حقیقت ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد سب سے افضل، مقدس اور پاکیزہ جماعت ہے، ان نفوسِ قدسیہ کی مدح سرائی اور نجومِ ہدایت کے پروانوں اور ماہِ رسالت کے فداکاروں کی ثنا خوانی، گلشنِ رسالت کی عطر بیز کلیوں کی داستاں سرائی اور باغِ نبوت کے مشکبار پھولوں کے ذکرِ خیر سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں ہے۔

درسگاہِ نبوت کے سند یافتہ افراد کے فضائل ومناقب، شمائل وخصائل، مقام ومرتبہ، عظمت وجلالت کا تذکرہ اور اِس باوقار جماعت اور قابلِ احترام طبقہ کی ظاہری وباطنی خوبیاں، اسلامی عقائد وعزائم اور دینی افکار وخیالات، پوری انسانیت کے لیے مشعلِ راہ بننے کے صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان ہی باکمال افراد میں سے ایک حضرت حمزہؓ کی ذات گرامی ہے جن کی حیاتِ مبارکہ کے کچھ نقوش پیشِ خدمت ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

نام ونسب اور ولادت

آپ کا نام حمزہ، والد کا نام عبد المطلب تھا، آپ کی کنیت ابو عمارہ اور ابو یعلیٰ تھی، ''اسد اللہ اور اسد الرسول'' آپ کا مشہور ومعروف لقب تھا۔ والد کی

جانب سے آپ کا پورا سلسلۂ نسب یہ ہے: حمزہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی۔

حضرت حمزہ کی ولادت کے سلسلے میں دو مختلف روایتیں ہیں: بعض اربابِ سیر نے لکھا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو سال قبل پیدا ہوئے اور بعض نے چار سال کا فرق بیان کیا ہے۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۲۲)

ذاتِ نبوی کے ساتھ آپؓ کی نسبتیں

آپؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی چچا تھے۔ اس مضبوط تعلق کے علاوہ آپ کو دو نسبتیں اور بھی حاصل تھیں:

ایک یہ کہ آپ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے یعنی ابولہب کی باندی ثویبہ نے دونوں کو دودھ پلایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امامہ بنت حمزہؓ سے شادی کرنے کی ترغیب دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ میرے دودھ شریک بھائی کی بیٹی ہے، میرا نکاح اس سے کیسے ہوسکتا ہے۔ ابن سعد نے بھی اس قسم کی روایتیں ذکر فرمائی ہیں۔ (طبقات ابن سعد، مترجم ۳/ ۱۸۴)

دوسری یہ کہ حضرت حمزہؓ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خالہ زاد بھائی تھے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ: حضرت آمنہ بنت وہب زہری، حضرت حمزہؓ کی والدہ: ہالہ بنت اہیب زہری کی چچازاد بہن تھیں۔

(سیر الصحابہ ۲/ ۱۸۸۔ خیر البشر کے چالیس جاں نثار: ۳۸)

قبولِ اسلام سے پہلے کی زندگی اور آپ کا حلیہ

حضرت حمزہؓ کو بچپن ہی سے تیر اندازی، شمشیر زنی اور پہلوانی سے بے انتہا دلچسپی تھی، جوان ہوئے تو قریش کے نامور بہادروں کی صف میں جگہ پائی؛ لیکن قبائل کے باہمی جھگڑوں میں بہت کم حصہ لیتے تھے۔ سیر و شکار کا آپؓ کو بے حد شوق تھا، چناں چہ زندگی کا بڑا حصہ اسی مشغلہ میں بسر ہوا۔

(صحابۂ کرام نمبر، سیارہ ڈائجسٹ، ص: ۱۶۳)

آپ کے قد کے متعلق طبقات کا بیان ہے کہ: آپ نہ بہت زیادہ بلند و بالا تھے اور نہ ہی نہایت پستہ قد۔ (طبقات ابن سعد، مترجم ۳/ ۱۸۳)

قبولِ اسلام سے پہلے کے خیالات

بعثت کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوتِ توحید دیتے ہوئے ایک لمبا عرصہ گذر چکا تھا؛ لیکن ابھی تک حضرت حمزہؓ نے مذہبِ اسلام کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی تھی، حالاں کہ حضرت حمزہؓ تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی چچا تھے۔ ہاں! وہ ان لوگوں میں سے تھے جو خواجہ ابو طالب کی طرح غیر جانبدار رہے، حضرت حمزہ کو ویسے بھی بت پرستی وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی، دوسرے لفظوں میں وہ ہرگز کوئی مذہبی شخص نہ تھے، ان کی ساری دلچسپیاں اس زمانہ کے رئیس زادوں والی تھیں۔ چناں چہ اس پس منظر میں ایک مرتبہ جب لوگوں نے ان سے آ کر کہا کہ: حمزہ! تمہیں خبر ہے کہ تمہارے محبوب اور دوست بھتیجے نے کیا گل کھلائے ہیں؟ تو انھوں

نے بات سننے سے ہی انکار کر دیا۔ کسی نے اگر انہیں باپ دادا کے نام پر بھڑکانے کی کوشش بھی کی تو ان کا جواب ہوتا: ''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جتنا میں جانتا ہوں اتنا کوئی نہیں جانتا، وہ تو ضعیفوں اور کمزوروں کا خیال کرنے والے ہیں، ان کا کام ہرگز آباواجداد کی بے عزتی کرنا نہیں ہوسکتا''۔

پھر وہ کہنے والے کی عقل کا ماتم کرتے: ''بھئی! تمہیں ہوش کے ناخن لینے چاہیے، کیا محمد اور ہمارے آباواجداد علیحدہ علیحدہ ہیں؟ اگر وہ تمھارے ہمارے بزرگوں کی شان میں کمی کر رہا ہے تو اپنے بڑوں ہی کی شان میں کمی کر رہا ہے نا!''

انہیں بھڑکانے والے یہ جواب سن کر اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے، ان کی حسرت ہی رہی کہ وہ ان کے منہ سے آپ کے خلاف کوئی بات نکلوائیں۔

(قبولِ حق کے بعد صحابہؓ کی داستانِ عزیمت، ص: ۴۳، ۴۴)

اسلام کے سایۂ عاطفت میں

ایک روز ایسا واقعہ پیش آیا جس نے آپؓ کے دل کی دنیا بدل دی۔ ہوا یہ کہ بعثتِ نبوی کے چھٹے سال ایک دن رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دارِ ارقم سے نکل کر کوہِ صفا کی طرف سے گذر رہے تھے، اتفاقاً ابوجہل اسی طرف آ نکلا، وہ خدا اور رسولِ خدا کا بڑا دشمن تھا، اس کے ہمراہ عدی بن حمراء اور ابن الاصداء بھی تھے۔ ابوجہل نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی اور بے تحاشا گالیاں بکنے لگا اور ساتھ ہی دینِ حق کے بارے میں ناشائستہ الفاظ

استعمال کیے، لیکن شہنشاہِ بطحیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبر وتحمل سے کام لیا اور ابوجہل کی کسی بات کا کوئی جواب نہ دیا؛ یہاں تک کہ وہ تھک ہار کر چلا گیا، اور محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی رنجیدہ ومغموم دل لیے گھر تشریف لے آئے۔

دور سے عبداللہ بن جدعان کی آزاد کردہ باندی کوہِ صفا پر اپنے گھر بیٹھی یہ سارا ماجرا دیکھ رہی تھی، حضرت حمزہؓ شکار سے واپس آتے ہوئے اس کے گھر کی طرف سے گذرے تو اس نے آپؓ سے مخاطب ہوکر کہا: اے ابوعمارہ! کاش تم یہاں ہوتے تو دیکھتے کہ عمرو ابن ہشام (ابوجہل) نے تمھارے بھتیجے کے ساتھ کیسا نازیبا سلوک کیا اور سخت گالیاں بھی دیں؛ لیکن تمھارے بھتیجے نے کوئی جواب نہیں دیا اور بے بسی کے ساتھ واپس چلے گئے۔

یہ سنتے ہی حضرت حمزہؓ کی حمیت اور غیرت جوش میں آ گئی اور وہیں سے ابوجہل کی تلاش میں نکل پڑے۔ حضرت حمزہؓ کا یہ معمول تھا کہ جب شکار سے واپس آتے تو سب سے پہلے حرم میں جاتے۔ اپنے اسی معمول کے مطابق پہلے حرم میں پہنچے، تو کیا دیکھتے ہیں کہ ابوجہل قریش کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا ہے، اسی وقت حضرت حمزہؓ قریب پہنچے اور اس کے سر پر اس زور سے کمان ماری کہ اس کا سر زخمی ہو گیا، اور کہا کہ: تو محمد کو گالیاں دیتا ہے، کیا تو نے میرے بھتیجے کو لاوارث سمجھ رکھا ہے؟

ابوجہل کو لہولہان دیکھ کر اس کے قبیلہ کے کچھ لوگ اس کی حمایت میں کھڑے ہو گئے اور چاہا کہ حضرت حمزہ پر حملہ کریں؛ لیکن ابوجہل نے خود ہی سب

کو روک دیا اور کہا کہ: آج میں نے ہی ان کے بھتیجے کو فحش گالیاں دی تھیں، حمزہ کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔

اس کے قبیلہ کے ایک آدمی نے حضرت حمزہؓ سے مخاطب ہو کر کہا: اے ابو عمارہ! کیا تم بھی صابی ہو گئے ہو؟ حضرت حمزہؓ فرمانے لگے: مجھ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقانیت اور صداقت خوب منکشف ہو گئی ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو فرماتے ہیں وہ سراسر حق ہے، میں کبھی اس سے باز نہ آؤں گا، تم سے جو ہو سکتا ہے کر لو۔

حضرت حمزہؓ کا جواب سن کر مخزومیوں نے ان سے لڑنا چاہا تو ابو جہل کو خدشہ پیدا ہوا کہ اس طرح بنو ہاشم اور بنو مخزوم کے درمیان رزم و پیکار کی ایسی آگ بھڑک اٹھے گی جو کسی کے بجھائے نہ بجھے گی۔ چناں چہ اس نے مخزومیوں سے کہہ دیا کہ: حمزہ سے کچھ تعارض نہ کریں۔

حضرت حمزہؓ جب وہاں سے روانہ ہوئے تو دل میں خیال آیا کہ جوشِ غضب میں محمد کے دین کو قبول کرنے کا اعلان تو کر دیا؛ لیکن اب کیا ہو گا؟ دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ ''میں نے قریش کا سردار ہوتے ہوئے محمد کا نیا دین قبول کر لیا، اور اپنے آبائی دین سے پھر گیا، یہ بڑی شرم کی بات ہے، اس سے تو مر جانا اچھا ہے''۔ اسی وسوسہ اور تردد کے عالم میں انھوں نے اللہ سے دعا کی: ''اے اللہ! یہ راستہ جو میں نے اختیار کیا ہے اگر اس میں کوئی بھلائی ہے تو میرے دل کو اس کی تصدیق

سے سکون و تسلی بخش؛ ورنہ جس چیز کے اندر میں مبتلا ہوں میرے لیے اس سے نکلنے کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۲۵)

ایک روایت میں ہے کہ ابوجہل کو زخمی کرنے کے بعد حضرت حمزہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ: اے برادر زادے! خوش ہو جاؤ، میں نے ابوجہل سے تمھارا بدلہ لے لیا ہے۔ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چچا جان! میں تو اس وقت خوش ہوتا جب آپ دینِ اسلام قبول فرما لیتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعوتِ حق کے بعد حضرت حمزہؓ کی پوری رات ایسی بے چینی و اضطراب میں گذری کہ ایک لمحہ کے لیے بھی آنکھ نہ لگی، علی الصباح حضرت حمزہؓ تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ عرض کیا۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خوب سمجھایا، اللہ کا خوف دلایا، اسلام کے محاسن و اوصاف اور ایمان کے فضائل بتلائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک ارشادات سن کر حضرت حمزہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے اور کہا: میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ صادق و برحق ہیں، اپنے دین کا خوب اظہار کیجیے، اب مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میرے اوپر آسمان سایہ فگن ہو اور میں اپنے پرانے دین پر قائم رہوں۔ (صحابۂ کرام نمبر، سیارہ ڈائجسٹ، ص: ۱۶۲)

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت

قبولِ اسلام کے بعد حضرت حمزہؓ کا بیشتر وقت دارِ ارقم میں سرورِ کائنات

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گذرتا تھا۔ اسلام قبول کرنے کے تیسرے روز حضرت عمرؓ نے آستانۂ نبوی پر دستک دی، ایک صحابیؓ نے دروازہ کی جھری سے جھانکا تو حضرت عمرؓ کو شمشیر بکف پایا، انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی، تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو تردد ہوا کہ معاملہ خون خرابے تک نہ پہنچے؛ کیوں کہ اُس وقت تک حضرت عمر نے اسلام قبول نہیں کیا تھا اور ان کا شمار اسلام کے مشہور دشمنوں میں ہوتا تھا، لیکن شیرِ خدا حضرت حمزہؓ نے بڑے جوش سے کہا کہ: کچھ مضائقہ نہیں، آنے دو، اگر نیک ارادہ سے آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کردوں گا۔ غرض وہ اندر داخل ہوئے اور کلمۂ توحید پڑھ کر اسلام لے آئے، جس پر مارے خوشی و مسرت کے خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ نے ایسا نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ دشت و جبل گونج اٹھے۔ (صحابۂ کرام نمبر، سیارہ ڈائجسٹ، ص: ۱۶۳)

حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے سے مسلمان مضبوط ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! کفار تو لات وعزّیٰ کی پوجا علانیہ کریں اور ہم اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت چھپ کر کریں، یہ کبھی نہیں ہوسکتا، اب تو بیت اللہ میں عام عبادت ہوگی۔ چناں چہ فیصلہ ہوا کہ دارِ ارقم سے نکل کر اِسی وقت صحنِ کعبہ میں کھلم کھلا نماز ادا کی جائے۔

جناب شاہ مصباح الدین شکیل لکھتے ہیں: اہلِ ایمان دارِ ارقم سے نکل کر بیت اللہ میں اس شان سے داخل ہوئے کہ ستاروں کے ہجوم کے درمیان ماہِ نبوت

تھا، دائیں جانب حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور بائیں جانب حضرت امیر حمزہؓ تلوار سونتے آگے آگے چل رہے تھے، اس منظر پر کفار کی آنکھوں کو یقین نہ آیا۔ حضرت عمرؓ نے آواز لگائی، خبردار! جس نے حرکت کی اس کا سر تن سے جدا کر دیا جائے گا۔ اور پھر امام الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پہلی بار حرمِ کعبہ میں مسلمانوں نے علانیہ نماز باجماعت ادا کی۔ (سیرتِ احمدِ مجتبیٰ ۱/۳۲۱)

شعبِ ابی طالب کی محصوری

بعثتِ نبوی کے سات سال بعد قریشِ مکہ نے مسلمانوں کا بائیکاٹ کیا اور مسلمان شعبِ ابی طالب میں محصور ہو کر رہ گئے، اس زمانہ میں مسلمانوں نے کیکر کے پتے کھا کر زندگی بسر کی، سخت مصائب جھیلے، فاقوں پر فاقے کیے۔ حضرت حمزہؓ بھی ان مظلوم محصورین میں شامل تھے۔ (صحابۂ کرام نمبر، سیارہ ڈائجسٹ، ص: ۱۶۳)

ہجرتِ مدینہ

جوں جوں اسلام کا دائرہ پھیلتا گیا توں توں مشرکین کا ظلم و ستم بھی بڑھتا گیا، یہاں تک کہ صبر کا پیمانہ چھلکنے لگا، بالآخر ہجرتِ مدینہ کا حکم نازل ہوا، محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کو ہجرت کا حکم فرمایا، ایک ایک کر کے صحابہؓ ہجرت کرنے لگے۔ اسی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آپؓ نے بھی علانیہ مدینہ کی طرف ہجرت کی اور مدینہ میں حضرت سعد بن خیثمہ کے مکان میں قیام فرمایا۔

(صحابۂ کرام نمبر، سیارہ ڈائجسٹ، ص: ۱۶۳)

البتہ واقدی نے لکھا ہے کہ آپؓ حضرت کلثوم بن ہدم کے مہمان بنے تھے۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۲۷)

''طبقات'' میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ مکہ کے عہدِ ستم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ کے درمیان عقدِ مواخاۃ قائم فرمایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ غزوۂ احد میں شرکت کے وقت حضرت حمزہؓ نے حضرت زیدؓ کو وصیت کی تھی۔ (طبقات ابن سعد، مترجم ۳/ ۱۸۳)

بلکہ جب بھی کسی جنگی مہم یا غزوے کے لیے تشریف لے جاتے تو حضرت زید ہی کو ہر قسم کی وصیت کر جاتے۔ (سیر الصحابہ ۲/ ۱۹۰)

اسلامی لشکروں کا امیر بنایا جانا

تاریخِ اسلام میں سب سے پہلا علَم حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا ہوا۔ ۱ھ رمضان شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیس سوار حضرت حمزہؓ کی امارت میں ساحلی علاقہ کی طرف بھیجے؛ تاکہ قریش کے اس قافلہ کا تعاقب کریں جو شام سے آ رہا تھا، اس قافلہ میں تین سو آدمی تھے اور ان میں ابوجہل بھی تھا۔ طرفین نے جنگ کے لیے صف بندی کی؛ لیکن مجدی بن عدی عمرو جہنی نے بیچ بچاؤ کر کے لڑائی روک دی، حضرت حمزہؓ بغیر کشت وخون کے واپس آ گئے۔

شاہ مصباح الدین شکیل نے اس پورے قصے کو قدرے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، ملاحظہ ہو:

مجاہد سفر پر روانہ ہونے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک نیزہ پر سفید کپڑا باندھا اور یہ پرچم سپہ سالار ابو عمارہ حضرت امیر حمزہؓ کو عطا فرمایا۔ پہلے جنگی پرچم کے ہاتھ میں آتے ہی ''اسد اللہ اور اسد الرسول'' جھوم اٹھے، یہ بہت بڑا اعزاز اور بہت بڑی سعادت تھی، بے اختیار رجزیہ اشعار زبان پر آئے:

۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر سب سے پہلے سرفروشی کے لیے جو شخص نکلا وہ میں ہوں، اس کے پرچم کُشا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ایسا پرچم اس سے پہلے ظاہر نہ ہوا تھا۔

۲) یہ پرچم ایسا ہے کہ عزت وشان والے معبود کی مدد اس کے ساتھ ہے وہ معبود جس کا ہر کام بہترین ہے۔

ان کا رخ عِیص کی طرف تھا، راستہ ساحلِ سمندر کی طرف کا اختیار کیا، عیص کے قریب سِیفُ البحر میں ان کی قافلہ والوں سے مڈبھیڑ ہوئی، ایک دوسرے کو آمنے سامنے دیکھ کر ٹھٹھک گئے، دشمن نے اپنی صفیں درست کیں تو تیس مجاہدوں نے بھی قطاریں باندھ لیں، ایک اور دس کا مقابلہ تھا، حضرت امیر حمزہؓ اور ان کے ساتھی اللہ اور اس کے رسول کے لیے سرفروشی کے جذبے سے سرشار تھے۔

علاقہ کے قبائلی سردار مجدی بن عمرو جہنی کو جب یہ خبر پہنچی تو دوڑا دوڑا آیا، اگر وہ بیچ بچاؤ نہ کرتا تو لڑائی چھڑ جاتی، وہ قریش کا قدیم حلیف تھا؛ لیکن مدینہ کی قربت کی وجہ سے مسلمانوں سے بھی بگاڑ نہیں چاہتا تھا، بڑی سمجھداری سے کہا: میرے

لیے قریش اور مسلمان دونوں برابر اور دوست ہیں۔ (آج کی زبان میں اس نے غیر جانبدارانہ پالیسی اختیار کی) ابوجہل نے جس کی جان کے لالے پڑے تھے، خاموشی سے مجدی کے فیصلہ کو قبول کر لیا اور مکہ کی راہ لی۔ مسلمانوں نے دشمن پر واضح کر دیا کہ ہم تجارتی شاہراہ پر کنٹرول کر سکتے ہیں، چناں چہ اب تمھارے کارواں ہماری زد میں ہیں۔ اور یہی جتلانا منشا تھا۔ حضرت امیر حمزہؓ نے مجدی کی بات مان کر اس سے غیر جانبداری کا معاہدہ کیا۔ یہ مدینہ سے باہر مسلمانوں کا پہلا سیاسی معاہدہ ہے، مجدی بن عمرو جہنی پہلا حکمراں تھا جس نے مدینہ کی مملکت کی آزادانہ اور خود مختارانہ حیثیت تسلیم کی۔ (سیرت احمد مجتبیٰ ۲ / ۱۵۳، ۱۵۵)

صفر ۲ھ میں خود خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ستّر صحابہؓ کے ہمراہ قریشی کارواں کا تعاقب فرمایا، اس غزوے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہؓ کو علَمبر دار بنا کر تمام فوج کی کمان ان کے ہاتھ میں دی تھی، لیکن چوں کہ قریش کا قافلہ آگے بڑھ چکا تھا؛ اس لیے جنگ وجدال کا موقع پیش نہ آیا، تاہم اس مہم کا سب سے زیادہ نتیجہ خیز اثر یہ تھا کہ ''ابوا'' میں بنوضمرہ سے ایک دوستانہ معاہدہ طے پا گیا، جس کی رو سے وہ اس بات کے پابند ہو گئے کہ نہ قریش کی مدد کریں گے اور نہ مسلمانوں کی مدد؛ بلکہ ہر حال میں غیر جانبدار رہیں گے۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۲۸)

اسی سال جمادی الاخریٰ میں غزوۂ ذوالعُشیرہ پیش آیا، اس میں بھی علَمبر داری کا طرۂ افتخار حضرت امیر حمزہؓ کے دستارِ فضل وکمال پر سجایا گیا، لیکن اس

مرتبہ بھی کوئی جنگ نہ ہو پائی؛ کیوں کہ قریش کا قافلہ کچھ دن پہلے ہی ذوالعشیرہ سے روانہ ہو چکا تھا اور صرف بنو مُدلج سے امدادِ باہمی کا ایک عہد نامہ طے پا گیا۔

(صحابۂ کرام نمبر، سیارہ ڈائجسٹ، ص: ۱۶۴)

جنگِ بدر میں آپؓ کی شجاعت و بہادری

غزوۂ بدر اسلامی غزوات میں سب سے پہلا اور فیصلہ کن غزوہ ہے، اس لیے کہ اسلام کی عزت وشوکت کا آغاز اور کفر وشرک کی ذلت ورسوائی کی ابتدا اسی غزوہ سے ہوئی۔

جمعہ ۱۷ رمضان ۲ھ کا سورج طلوع ہوا تھا کہ مجاہدین کو میدانِ جنگ میں صف آرائی کا حکم ہوا، عام لڑائی شروع ہونے سے پہلے مشرکوں کی صف میں سے عتبہ تلوار ہلاتا ہوا آگے بڑھا، اس کے ہمراہ اس کا بھائی شیبہ اور بیٹا ولید تھا، یہ تینوں زرہ پوش جوشِ انتقام میں اکڑ اکڑ کر مسلمانوں کی جانب قدم بڑھا رہے تھے، لشکروں کے درمیان آ کر انھوں نے دعوتِ مبارزت دی، لشکرِ اسلام میں سے تین جانباز انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم: عوف، معاذ اور معوذ نکلے، جب انہیں پتہ چلا کہ یہ تینوں انصار میں سے ہیں تو عتبہ نے پکار کر کہا: اے محمد! ہماری قوم میں سے ہمارے جوڑ کے بھیج۔

چناں چہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہ بن حارثؓ کو حکم دیا کہ: مقابلہ کے لیے نکلو۔ یہ مجاہد نکلے تو چہروں پر چوں کہ خَود تھی

اس لیے عتبہ نے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ تینوں نے اپنے اپنے نام بتلائے، سامنے سے جواب آیا: تم ہماری جوڑ اور برابر کے ہو۔ اس کے بعد جنگ شروع ہوئی تو عبیدہؓ عتبہ کے مقابل ہوئے اور علیؓ ولید کے مقابلہ میں نکلے اور حضرت حمزہؓ شیبہ کے۔ (بعض روایات میں حضرت حمزہ کا مقابل بجائے شیبہ کے عتبہ بتلایا گیا ہے۔) تینوں جانباز اپنے اپنے حریفوں پر جھپٹ پڑے، تلوار پر تلوار پڑ رہی تھی، پہاڑ سے پہاڑ اور دلاور سے دلاور ٹکرا رہا تھا کہ چند ہی ساعات میں حضرت حمزہؓ نے اپنے حریف کا کام تمام کر دیا، حضرت علیؓ نے ولید کو واصلِ جہنم کیا، حضرت عبیدہؓ اور عتبہ دیر تک لڑتے رہے؛ یہاں تک کہ دونوں زخموں سے چور ہو گئے، بالآخر عتبہ نے حضرت عبیدہؓ پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ ان کا پیر کٹ گیا، یہ دیکھ کر حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ عتبہ پر ٹوٹ پڑے اور اسے اپنے آخری انجام تک پہنچا دیا۔

عتبہ، شیبہ، اور ولید کو ہلاک ہوتے دیکھ کر قریش کا ایک نامور جنگجو طُعیمہ بن عدی غصہ سے بھرا ہوا، تھوک اڑاتا ہوا اور تلوار لہراتا ہوا میدانِ جنگ میں اترا، حضرت حمزہؓ نے آگے بڑھ کر اسے ایک ہی وار میں جہنم رسید کر دیا۔

ان لوگوں کے قتل کے بعد مشرکین نے مشتعل ہو کر عام ہلّہ بول دیا، عام جنگ شروع ہو گئی، صحابہؓ کفار سے دو بدو لڑنے لگے، ان کی تلواریں برقِ بے اماں بن کر کافروں کے سروں پر پڑ رہی تھیں۔ باوجود قلتِ تعداد اور بے سروسامانی کے انھوں نے اس شجاعت اور پامردی سے مقابلہ کیا کہ کفار دُم دبا کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

اس غزوہ میں ''اسداللہ واسدالرسول'' اس شان کے ساتھ مقابلہ کررہے تھے کہ جدھر جھک پڑتے تھے کفار کی صفیں درہم برہم کردیتے تھے، ان کے دستار پر شُتر مرغ کی کلغی تھی اور دونوں ہاتھوں سے تلوار چلا رہے تھے۔ اس دن ان کے ہاتھوں سے بہت سے مشرکین ہلاک وزخمی ہوئے، جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں، ابوقیس بن ولید بن مغیرہ جو خالد بن ولید کا بھائی تھا، اسود بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔ نیز آپؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے ساتھ مل کر ابن حجاج کو بھی موت کے گھاٹ اتارا تھا، عائذ بن سائب بن عویمر کو زخمی کیا تھا، جنگ کے بعد اسے قیدی بنایا، اسی حالت میں وہ مرگیا۔

(فرسان النہار ۲/۴۹۶)

بنومخزوم کے جنگجو اسود بن عبدالاسد بن ہلال کے قتل کی تفصیل یہ ہے کہ جب وہ میدانِ جنگ میں آیا تو بہ آواز بلند قسم کھا کر کہا کہ: آج میں مسلمانوں کے حوض کا پانی ضرور پیوں گا، اور اسے خراب کرڈالوں گا۔ حضرت حمزہؓ اس کی ڈینگ سن کر غصہ سے بے تاب ہوگئے اور شیر کی طرح اس پر جھپٹے، ان کے پہلے ہی وار سے اسود کی ٹانگ کٹ گئی، اور وہ زمین پر گر پڑا، لیکن ہمت کرکے پھر اٹھا اور گھسٹتا ہوا مسلمانوں کے حوض تک جا پہنچا، حضرت حمزہؓ بھی اس کے پیچھے پیچھے تھے، اسود نے حوض میں چھلانگ لگا کر اپنی قسم پوری کرنی چاہی؛ لیکن حضرت حمزہؓ نے آگے بڑھ کر اس کو قتل کردیا۔

بحمد اللہ مسلمانوں کو فتحِ مبین حاصل ہوئی، قریش کے ستّر آدمی قتل اور ستّر گرفتار ہوئے۔ حضرت حمزہ نے بھی اسود بن عامر کو قیدی بنایا تھا، جسے بعد میں طلحہ بن ابی طلحہ نے دو ہزار دینار بطور فدیہ ادا کر کے رہا کروایا۔

(خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۲۸، ۳۰)

حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کا بیان ہے کہ لڑائی کے بعد میں زرہیں جمع کر رہا تھا کہ کسی نے آواز دی: یا عبد عمرو! تمہیں میرا بھی کچھ خیال ہے، میں ان زرہوں سے بہتر ہوں۔ پلٹ کر دیکھا تو پرانا دوست امیہ بن خلف تھا، میں نے آگے بڑھ کر اس کا اور اس کے بیٹے علی کا ہاتھ پکڑ لیا؛ تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ دونوں میرے اسیر ہیں۔ اس دوران امیہ نے پوچھا کہ: وہ شخص جو شتر مرغ کے پَر لگائے کشتوں کے پشتے لگا رہا تھا کون ہے؟ جواب ملا: یہ ابو عمارہ امیر حمزہ ہیں۔ امیہ نے کہا: یہی وہ شخص ہے جس نے آج ہمیں سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ (سیرت احمد مجتبیٰ ۲/ ۲۴۲)

غزوۂ بنی قینقاع

یہود یانِ بنی قینقاع نہایت شجاع اور بہادر تھے، زرگری اور آہن گری کا کام کرتے تھے، رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینۂ منورہ تشریف لائے تو مسلمانوں کا بنو قینقاع سے یہ معاہدہ طے پایا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف دشمن کی مدد نہ کریں گے اور اگر باہر سے کسی نے مدینہ پر حملہ کیا تو وہ ساتھ مل کر دشمن کا دفاع کریں گے، مگر جلد ہی یہود یانِ بنو قینقاع نے عہد شکنی کی۔

غزوۂ بدر کی کامیابی ان کو ایک آنکھ نہ بھائی اور ان کے دلوں میں رشک وحسد کی آگ بھڑک اٹھی، اور وہ لوگ کہتے پھرتے تھے کہ: مسلمانوں کا مقابلہ ہمارے ساتھ ہوتا تو پتہ چلتا کہ جوانمردی کسے کہتے ہیں، اور جوانمرد کیسے لڑتے ہیں؟

چناں چہ کچھ ہی دن گذرے تھے کہ شوال ۲ ھ میں ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس کی بنیاد پر یہودیوں کو مسلمانوں کے ساتھ لڑنے اور عہد شکنی کرنے کا موقع ہاتھ لگا، وہ واقعہ درجِ ذیل ہے:

ایک مسلمان صحابیہؓ کسی کام سے یہودیوں کے محلے میں گئی، وہاں پر یہودیوں نے ان کے چہرے سے نقاب ہٹانا چاہا؛ لیکن انھوں نے انکار کر دیا، موقع پا کر ایک یہودی نے ان کے کپڑے کا کنارہ پشت سے باندھ دیا، جب وہ اٹھیں تو پیچھے سے کچھ حصہ برہنہ ہو گیا اس پر وہاں موجود یہودیوں نے قہقہہ لگایا، صحابیہؓ نے فریاد کی تو قریب سے گذرتا ہوا ایک مسلمان مدد کو پہنچا، جب اس نے یہ ماجرا دیکھا تو مشتعل ہو کر اس یہودی کو قتل کر دیا، یہودیوں نے اپنے بھائی کا بدلہ لینے کے لیے اس بیچارے مسلمان کو قتل کر دیا اور علانیہ سرکشی کی۔ جب رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہودیوں کی اس شرارت کا علم ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سمجھایا؛ لیکن انہیں اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا، اس لیے وہ باز نہ آئے، اور جنگ وجدال کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ بالآخر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کا اعلان کر دیا اور حضرت امیر حمزہؓ کو اسلامی فوج کا جھنڈا مرحمت فرمایا، جب مسلمان لڑائی کے لیے

روانہ ہوئے تو انھوں نے قلعہ میں داخل ہوکر دروازہ بند کر دیا، مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کیا، یہاں تک کہ پندرہ روز گذر گئے، بالآخران کی ہمت جواب دے گئی، ان پر رعب طاری ہوا اور ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے اور انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کو بے چوں و چرا قبول کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ: بنوقینقاع مدینہ کی سکونت ترک کر کے باہر چلے جائیں۔ (صحابۂ کرام نمبر، سیارہ ڈائجسٹ، ص:۱۶۵، ۱۶۶)

جنگِ احد میں آپؓ کی دلیری

بدر کی شکستِ فاش نے مشرکین وقریش کو ہلا کر رکھ دیا، ایک سال ہو چکا تھا مگر اپنی ذلت بھلا نہ پائے تھے، بالآخر اسی ذلتی وعداوت نے بدلہ لینے پر ابھارا، چناں چہ ۳ھ میں کفارِ مکہ جوشِ انتقام میں مدینہ پر چڑھائی کے ارادے سے نکلے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ: مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے یا باہر نکل کر؟ کچھ نوجوان کے سینوں میں شوقِ شہادت کے شعلے بھڑک رہے تھے، انہوں نے خوب کوش وخروش کے مظاہر کیا، اور مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کی رائے پیش کی اس وقت حضرت حمزہؓ نے روزہ رکھا ہوا تھا، ان نوجوانانِ اسلام کی ترجمانی کے لیے آپ آگے بڑھے اور کہا کہ: بہ خدا! جب تک میں مدینہ سے باہر جا کر کافروں کو نہیں ماروں گا اس وقت تک افطار نہیں کروں گا۔ (رجال مبشرون بالجنۃ، ص:۱۷)

بالآخر یہ طے پایا کہ مدینہ سے باہر جا کر ہی مقابلہ کریں گے، چناں چہ شہنشاہِ بطحیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کے ساتھ نکل کر کوہِ احد کے دامن میں ان کو روکا، اِدھر مسلمانوں کی تعداد سات سو تھی، اور اُدھر تین ہزار مشرکین ہتھیار اور ساز و سامان سے لیس تھے۔

مسلمانوں نے احد پہاڑ کو پیٹھ کے پیچھے رکھ کر اپنی صفیں مرتب کیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ عقب کی جانب بٹھا دیا کہ کفار پیچھے سے حملہ نہ کریں۔ اس موقع پر حضرت حمزہؓ ایک ایسے دستہ کے افسر مقرر ہوئے جس کا کوئی مجاہد زرہ پوش نہ تھا۔

قریش کا علَمبر دار طلحہ بن ابی طلحہ صف سے نکلا اور اس نے مسلمانوں کو للکارا: تم میں کوئی ہے جو میرے مقابلہ کے لیے آئے، یہ سننا تھا کہ حضرت علیؓ اس کی طرف چیتے کی طرح جھپٹے اور ایک ہی وار میں اسے جہنم رسید کیا۔ اس کے بعد عثمان بن ابی طلحہ رجز پڑھتا ہوا آگے بڑھا، حضرت حمزہؓ اس کے مقابل ہوئے اور اس کے شانہ پر اس زور سے تلوار ماری کہ کمر تک اتر آئی اور ساتھ ہی آپ نے نعرہ لگایا کہ: خبر دار! میں ساقیٔ حُجاج (عبدالمطلب) کا بیٹا ہوں۔

اسی طرح مشرکین کے چند علَمبر دار یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے ہاتھ مارے گئے، تو قریش نے عام ہلّہ بول دیا۔ اُس وقت حضرت حمزہؓ بڑے جوش وخروش سے لڑ رہے تھے اور دو دَستی تلوار چلا رہے تھے، اور کہتے جاتے تھے کہ:

میں اللہ اور اس کے رسول کا شیر ہوں۔ اسی دوران ایک مشرک سباع بن عبدالعزیٰ ان کے سامنے آ گیا، حضرت حمزہؓ نے اس سے مخاطب ہو کر کہا: او عورتوں کی ختنہ کرنے والی ام انمار کے بچے! کیا تو خدا اور اس کے رسول سے لڑنے آیا ہے؟ یہ کہہ کر اس زور سے حملہ کیا کہ ایک ہی وار میں اس کا کام تمام ہو گیا۔ گھمسان کا رن پڑنے لگا، حضرت حمزہؓ نے کفار کی صفوں کی صفیں الٹ دیں اور جس طرف جاتے لاشوں کی لاشیں گرا دیتے، غرض آپ نے تن تنہا ۳۱ کافروں کو واصلِ جہنم کیا۔

(خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۱، ۳۳)

آپؓ کی شہادت

جبیر بن مطعم کا وحشی نامی ایک غلام تھا، جس کو اس نے اپنے چچا طُعیمہ بن عدی کا انتقام لینے کے لیے حضرت حمزہؓ کے قتل پر مامور کیا تھا اور اس کے عوض اس کو آزاد کرنے کا وعدہ کر رکھا تھا، نیز ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے بھی انعام واکرام کا لالچ دے رکھا تھا۔ وحشی اسی فکر میں تھا کہ کس طرح حمزہؓ کا کام تمام کر دے، چناں چہ وہ ایک چٹان کے پیچھے حضرت حمزہؓ کا انتظار کر رہا تھا اور دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ کب وہ میری زد میں آوے اور میں انہیں قتل کر دوں۔ اتفاق سے سباع بن عبدالعزیٰ کے قتل کے بعد آپؓ کا گذر اُدھر سے ہوا تو اس نے تاک کر اپنا چھوٹا سا نیزہ پھینکا جو سیدھا ناف سے پار ہو گیا، آپ نے پلٹ کر حملہ آور کا پیچھا کرنا چاہا؛ لیکن سخت زخمی ہونے کی وجہ سے پیٹھ کے بل زمین پر گر پڑے، اور کچھ

ہی ساعت میں ان کی روح عالمِ بالا کی طرف پرواز کر گئی۔

ہندہ کی شرمناک حرکت

اس شیرِ خدا کی شہادت پر کفار نے خوشی و مسرت کے ترانے گائے اور ابو سفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے اپنے باپ کا بدلہ اس طرح لیا کہ ان کے ناک، کان کاٹ کر زیور بنائے، نیز سینہ چاک کر کے جگر نکالا اور چبا چبا کر نگلنا چاہا؛ لیکن حلق سے نیچے نہ اتر سکا تو تھوک دیا۔ اس کے بعد اس نے ٹیلے پر چڑھ کر چند اشعار کہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ: آج ہم نے بدر کا بدلہ لے لیا اور وحشی نے میرا سینہ ٹھنڈا کر دیا، جب تک زندہ رہوں گی اس کا شکریہ ادا کرتی رہوں گی۔

جب محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہندہ کی اس نازیبا حرکت کا علم ہوا تو پوچھا: ''کیا اس نے حمزہ کے جگر سے کچھ کھایا بھی ہے؟'' لوگوں نے عرض کیا: ''نہیں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اے خدا! حمزہ کے کسی جزو کو جہنم میں داخل نہ ہونے دینا۔

غم و حزن کے سائے

جنگ ختم ہوئی تو دیکھا گیا کہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ستّر جانبازوں کی لاشیں دور دور تک بکھری پڑی ہیں، خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی سخت زخمی ہو چکے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا کچھ خیال نہ تھا۔ جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا حضرت حمزہؓ کی مُثلہ کی ہوئی لاش پر تشریف لائے اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت غمگین ہوئے، لاش کی حالتِ زار دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل بھر آیا اور لسانِ رسالت پر یہ

الفاظ جاری ہو گئے: تم پر خدا کی رحمت ہو، مجھے معلوم ہے تم قرابت داروں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے، اور نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔ اگر مجھے صفیہ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی اور حضرت حمزہ کی بہن) کے رنج وغم کا خیال نہ ہوتا تو میں تمھاری لاش اسی طرح چھوڑ دیتا کہ اسے درندے، پرندے کھا جائیں اور تم قیامت میں ان ہی کے بطن سے اٹھائے جاتے۔ بہ خدا! مجھ پر تمھارا انتقام واجب ہے، میں تمھارے عوض ستّر کافروں کا مثلہ کروں گا۔

اسی اثنا میں حضرت جبرئیلؑ سورۂ نحل کی آخری آیتیں لے کر نازل ہوئے، جس میں یہ مذکور تھا کہ اگر تم سزا دو تو ویسی ہی سزا دو جیسی تمھیں تکلیف پہنچائی گئی اور اگر صبر کرو تو بیشک صبر کرنے والوں کے لیے صبر سب سے اچھا ہے، اور تم صبر کرو اور تمھارا صبر کرنا خاص اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ اس حکم کے نازل ہونے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: میں صبر کرتا ہوں اور انتقام نہ لوں گا۔

(خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۵)

چناں چہ تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفارہ ادا کر کے صبر اختیار کیا۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساری زندگی اس طرح روتے ہوئے نہیں دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی بلند آواز سے نہ روئے تھے، بس آنکھوں سے برسات کی جھڑی لگ جاتی اور سینہ ابلتی ہوئی ہانڈی کی مانند آواز دیتا؛ مگر اس دفعہ اپنے چچا، دوست، محسن اور حلیف کے جنازے پر کھڑے ہو کر اس

طرح روئے کہ ان کی آواز سنائی دی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں پہلی اور آخری مرتبہ ہوا تھا۔ (قبولِ حق کے بعد صحابہ کرامؓ کی داستانِ عزیمت، ص:۵۶)

خدا اور اس کے رسول کا شیر

ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ: جبرئیلؑ میرے پاس آئے اور مجھے خبر دی کہ ساتوں آسمان میں حضرت حمزہ کو ''اسد اللہ واسد الرسول'' (خدا اور اس کے رسول کا شیر) کہا اور لکھا جاتا ہے۔

معجمِ طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت حمزہؓ کو ''سید الشہداء'' کا خطاب عطا فرمایا کہ: حضرت حمزہؓ قیامت کے دن سارے شہیدوں کے سردار ہوں گے۔ (اصحابِ رسول کی یادیں، ص:۱۱۷)

آپؓ کی تجہیز وتکفین

حضرت صفیہؓ حضرت حمزہؓ کی حقیقی بہن تھیں، جب انہیں بھائی کی شہادت کا علم ہوا تو وہ مدینہ سے دیکھنے کے لیے نکلیں۔ جب رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلا کہ حضرت صفیہؓ آرہی ہیں تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ سے فرمایا کہ اپنی والدہ کو روکو، وہ حمزہ کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔ چناں چہ حضرت زبیرؓ نے اپنی والدہ کو منع کیا تو وہ بولیں: میں نے اپنے بھائی کا ماجرا سن لیا ہے، لیکن اللہ کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں ہے۔ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمادی، تو نعش مبارک پر آئیں، عزیز بھائی کو ٹکڑے

ٹکڑے دیکھ کر آنکھوں سے سیلِ اشک بہہ نکلا، لیکن زبان سے اِنا للّٰہ وِانّا الیہ راجعون کے سوا کچھ نہ نکلا، واپس جاتے وقت اپنے صاحبزادے کو دو چادریں دے گئیں کہ ان سے کفن کا کام لیا جائے۔

جب تجہیز و تکفین کا وقت آیا تو حضرت حمزہؓ کے پہلو میں ہی ایک انصاری کی لاش بے گور و کفن پڑی تھی، اس لیے انھوں نے دونوں شہیدانِ ملت میں ایک ایک چادر تقسیم کر دی۔ جو چادر حضرت امیر حمزہؓ کے حق میں آئی وہ اس قدر چھوٹی تھی کہ اس سے اگر سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور اگر پاؤں چھپاتے تو سر برہنہ ہو جاتا تھا، سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چادر سے چہرہ چھپاؤ اور پاؤں پر گھاس اور پتے ڈال دو۔ الغرض روتے دھوتے سید الشہداء کا جنازہ تیار ہوا۔

(خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۵)

جنازہ کی تیاری کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر مبارک اٹھایا تو صحابہ رو رہے تھے، فرمایا: تمہیں کیا چیز رلاتی ہے؟ کہا گیا کہ: یا رسول اللہ! ہم آج آپ کے چچا کے لیے ایک کپڑا بھی ایسا نہیں پاتے، جو انہیں کافی ہو جائے، فرمایا: ایک زمانہ ایسا ہوگا کہ لوگ کشت زاروں کی طرف نکلیں گے ان میں وہ کھانا، کپڑا اور سواری پائیں گے، اپنے اعزہ کو لکھیں گے کہ ہمارے پاس آ جاؤ، کیوں کہ تم ایسی زمین میں ہو جو بے گیاہ ہے، حالاں کہ مدینہ ان کے لیے زیادہ بہتر ہے اگر وہ جانتے ہوتے، جو اس کی سختی و شدت پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن ان کا شفیع

یا شہید ہوں گا۔ (طبقات ابن سعد، مترجم ۳/ ۱۸۷)

آپؓ کی نمازِ جنازہ اور تدفین

سب سے پہلے سید المؤمنین والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود حضرت حمزہؓ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور ان کی نعشِ مبارک کو اپنے سامنے ہی رہنے دیا، اس کے بعد ایک ایک کر کے شہدائے احد کے جنازے ان کے پہلو میں رکھے گئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیحدہ علیحدہ ہر ایک پر نماز پڑھائی۔ اس طرح اُس دن شیرِ خدا و رسول پر ستّر مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔ اس فضیلت میں صحابہؓ میں کوئی اور حضرت حمزہؓ کا سہیم و شریک نہیں۔ جنازہ کی نماز کے بعد غازیانِ دین نے سید الشہداء کو ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے ہمراہ اسی میدان میں سپردِ خاک کیا۔

(خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص:۳۶)

صاحبِ طبقات نے لکھا ہے کہ: آپؓ کی قبر میں حضراتِ شیخین اور حضرت علی و زبیر رضی اللہ عنہم اترے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی قبر پر بیٹھ کر فرمایا کہ: میں نے ملائکہ کو دیکھا کہ وہ حمزہ کو غسل دے رہے ہیں، اس لیے کہ وہ اس روز حالتِ جنابت میں تھے۔ (طبقات ابن سعد، مترجم ۳/ ۱۸۴)

شہدائے احد کے لیے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت

احد کی وادی کا مشاہدہ کرتے ہوئے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مُثلہ شدہ جاں نثاروں کے پاس پہنچے تو ان کے درمیان کھڑے ہو کر فرمایا: ''میں ان سب پر

گواہ ہوں، انہیں مع ان کے خونوں کے کفن دے دو۔ کوئی مجروح ایسا نہیں ہے جسے راہِ خدا میں زخمی کیا جائے اور وہ قیامت کے روز اس حالت میں نہ آئے کہ اس کا خون بہتا ہو، رنگ اس کے خون کا سا ہو اور خوشبو اس کی مشک کی سی۔ انہیں آگے کرو جو زیادہ قرآن جانتے تھے، پھر انہیں لحد میں رکھ دو"۔

مزار مبارک

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اصابہ میں لکھا ہے: ۴۰ھ میں حضرت امیر معاویہؓ کے حکم سے احد کی طرف سے نہر نکالی گئی تو کھدائی کے دوران شہدا کی لاشیں بالکل تر و تازہ حالت میں ملیں۔ اسی سلسلہ میں اتفاق سے حضرت حمزہؓ کے پاؤں میں بیلچہ لگ گیا تو ان کے پاؤں سے خون کے چھینٹیں اس طرح اڑے جیسے زندہ آدمی کو زخم لگنے سے خون نکلتا ہے۔ (صحابۂ کرام نمبر، سیارہ ڈائجسٹ، ص:۱۶۸)

حضرت فاطمہؓ کے متعلق مروی ہے کہ: وہ وقتاً فوقتاً حضرت حمزہؓ کی قبر مبارک کی زیارت کرتیں اور اس کی مرمت و اصلاح کیا کرتی تھیں۔

(طبقات ابن سعد مترجم ۳/ ۱۹۰)

رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حزن و ملال

نور الہدیٰ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سانحہ پر شدید قلق تھا، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینۂ منورہ تشریف لائے اور بنی عبد الاشہل کی عورتوں کو اپنے اعزہ و اقارب پر روتے ہوئے سنا تو شہنشاہِ بطحیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: افسوس! آج حمزہ پر کوئی رونے

والا بھی نہیں۔ انصار کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت اسید بن حضیرؓ نے جب یہ بات سنی تو انھوں نے اپنی عورتوں کو آستانۂ نبوی پر بھیج دیا، جنھوں نے سید الشہداء پر گریہ وزاری شروع کی، اسی حالت میں خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ لگ گئی۔ کچھ دیر کے بعد خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے تو دیکھا کہ وہ اب تک رو رہی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ: واپس جاؤ اور آج کے بعد پھر کسی مرنے والے پر نہ رونا؛ بلکہ صبر سے کام لینا۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۶، ۳۷)

حضرت حمزہؓ سے رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے پناہ محبت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ چند سال بعد حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی بن حرب اسلام قبول کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''تم اپنا چہرہ مجھ سے چھپا سکتے ہو تو چھپاؤ (کیوں کہ تمہیں دیکھ کر پیارے چچا حضرت حمزہؓ کا غم تازہ ہو جاتا ہے)۔

(خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۷)

حضرت حمزہؓ کے لیے جنت کی بشارت

امام حاکمؒ نے مستدرک میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: میں گذشتہ رات جنت میں داخل ہوا تو دیکھا کہ جعفرؓ ملائکہ کے ساتھ اڑ رہے ہیں، اور حمزہؓ ایک تخت کے اوپر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ (صحابۂ کرام نمبر، سیارہ ڈائجسٹ، ص: ۱۷۰)

حضرت حمزہؓ کے بارے میں نازل ہونے والی آیتیں

ابوالضحیٰ سے مروی ہے کہ انھوں نے اللہ کے اس قول ''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا، بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ''. (اوران لوگوں کو جواللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہرگز مردہ نہ سمجھے وہ زندہ ہیں، جنھیں ان کے پروردگار کے پاس رزق دیا جاتا ہے۔) کے متعلق کہا کہ یہ آیت شہدائے احد کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور یہ آیت ''وَيَتَّخِذَ مِنْكُمُ الشُّهَدَاءَ'' (تاکہ اللہ تم میں سے شہید بنائے) بھی انہیں کے بارے میں نازل ہوئی، اس روز ستّر مسلمان شہید ہوئے، چار مہاجرین میں سے: حمزہ بن عبدالمطلب، مصعب بن عمیر جو بنی عبدالدار کے بھائی تھے، شماس بن عثمان المخزومی اور عبداللہ بن جحش الاسدی رضی اللہ عنہم اور بقیہ انصار میں سے تھے۔

قیس بن عبادہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ابوذرؓ کو قسم کھاتے ہوئے سنا کہ یہ آیت ''هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' سے ''اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ'' تک بدر کے دن اِن چھ آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئیں: حمزہ بن عبدالمطلبؓ، علی بن ابی طالبؓ، عبیدہ بن الحارثؓ، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ۔ (طبقات ابن سعد، مترجم ۳/ ۱۸۸)

آپؓ کی ازواج اور اولاد

حضرت حمزہؓ نے متعدد اوقات میں متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ

ہیں:

(۱) بنت المتہ بن مالک، ان سے یعلی اور عامر دو لڑکے پیدا ہوئے۔

(۲) خولہ بنت قیس، ان سے عمارہ پیدا ہوئے۔

یعلی اور عمارہ ہی کی نسبت سے آپؓ کی کنیت ابو عمارہ اور ابو یعلیٰ ہوئی۔

(۳) سلمیٰ بنت عمیس، ان سے ایک لڑکی امامہ پیدا ہوئیں۔

یہ وہی امامہ ہیں جن کی پرورش کے سلسلے میں حضرت جعفرؓ اور حضرت زیدؓ اور حضرت علیؓ کے بیچ تنازع ہوا تھا، جس کا مفصل ذکر اگلے صفحے آ رہا ہے۔

عمارہ اور عامر دونوں لاولد فوت ہو گئے۔ یعلی سے چند اولادیں عمارہ، فضل، زبیر، عقیل محمد ہوئیں؛ لیکن وہ سب بچپن ہی میں فوت ہو گئیں۔ امامہؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ربیب حضرت عمر بن ابی سلمی مخزومی سے بیاہی گئیں، لیکن ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اس طرح حضرت حمزہؓ کا سلسلۂ نسل نہ بیٹوں سے چلا اور نہ بیٹی سے۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۳۸، طبقات ابن سعد، مترجم ۳/ ۱۸۲)

حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی کی تربیت کے متعلق تین صحابہؓ کے مختلف دعوے

ذی قعدہ ۷ھ میں رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرۂ قضا کے لیے مکۂ معظّمہ تشریف لے گئے، معاہدے کے مطابق تین دن کے قیام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے چلنے لگے تو حضرت حمزہؓ کی کمسن بچی امامہ ''یا عم! یا عم!'' کہتی ہوئی حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دوڑیں، حضرت علیؓ نے اس کو اٹھالیا، حضرت فاطمہؓ کے سپرد کر دیا کہ: یہ تمھارے چچا کی لڑکی ہے، میں اس کو اٹھالایا ہوں۔ اس کے بعد حضرت علیؓ، ان کے بھائی حضرت جعفرؓ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ نے حضرت امامہؓ کو اپنی آغوشِ تربیت میں لینے کے لیے خیرِ امم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں متفرق طور پر الگ الگ دعوے پیش کیے، حضرت علیؓ کہتے تھے کہ: امامہ میرے چچا کی لڑکی ہے، اس لیے میں پرورش کروں گا۔ حضرت جعفرؓ کہتے تھے کہ: وہ میری بنتِ عم ہے اور میری بیوی کی بھانجی ہے، اس لیے میں اس کی تربیت کروں گا۔ اور زیدؓ کہتے تھے کہ: وہ میرے دینی بھائی (عقدِ مواخات کی طرف اشارہ ہے) کی لڑکی ہے؛ اس لیے میں حقدار ہوں۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کے حق میں فیصلہ کیا؛ کیوں کہ ان کی زوجہ اسماء بنت عمیسؓ، امامہ کی حقیقی خالہ تھیں اور خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص:۳۹)

حضرت حمزہؓ کی زندگی کا ایک اور ورق

حضرت حمزہؓ ایک سپاہی مرد تھے، اس لیے مزاج قدرتاً تند و تیز تھا۔ صحیحین کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شراب کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے اس کے عادی تھے۔ ایک مرتبہ انصار کی ایک محفلِ ناؤنوش میں شریک تھے جس میں ایک خوش الحان مغنیہ گا رہی تھی، قریب ہی ایک حجرہ کے صحن میں دو فربہ اونٹنیاں بندھی تھیں، اس مغنیہ نے اونٹنیوں کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے چند اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ ہے: اے حمزہ! فربہ اونٹنیوں کے لیے آگاہ ہو جاؤ اور وہ اونٹنیاں صحن میں بندھی ہوئی ہیں ان اونٹنیوں کی کلیجیوں کو ان کے خون کے ساتھ نکال لو اور جلدی کرو ان کے جوہر کو پینے کے لیے خواہ ہانڈی کے اندر پکا کر یا بھون کر۔

یہ سن کر حضرت حمزہؓ نشہ کی حالت میں بے اختیار کود ے اور اونٹنیوں کی کوہانیں کاٹ ڈالیں اور پہلو چیر کر کلیجیاں نکال لائے۔ یہ اونٹنیاں حضرت علیؓ کی تھیں، انہیں اپنی اونٹنیوں کے اس طرح مارے جانے پر سخت صدمہ ہوا، آبدیدہ ہو کر بارگاہِ رسالت میں شکایت کی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زید بن حارثہؓ کو ساتھ لے کر اُسی وقت اُس محفلِ طرب میں تشریف لے گئے اور حضرت حمزہؓ کو اس حرکتِ بے جا پر ملامت فرمانے لگے، وہ اُس وقت ہوش میں نہیں تھے، گھور کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اور کہا: تم سب ہمارے باپ کے غلام ہو"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اندازہ ہو گیا کہ وہ اِس وقت اپنے آپے میں نہیں ہیں، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لے آئے، یہ ایک افسوسناک واقعہ تھا، جس پر حضرت حمزہؓ کو یقیناً تأسف ہوا ہوگا، اور انھوں نے اس کی تلافی بھی کی ہوگی؛ کیوں کہ وہ فطرتاً نہایت نیک طبع تھے۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۴۰، ۴۱)

آپؓ کی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک درخواست

ایک مرتبہ حضرت حمزہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے جبرئیلِ

امینؑ کی اصل صورت دکھا دیجیے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: آپ میں اتنی سکت نہیں کہ انہیں دیکھ سکیں؛ لیکن حضرت حمزہؓ نے دیکھنے کے لیے اصرار کیا۔

ایک دن حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے تو رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی نگاہ اٹھاؤ اور دیکھو، حضرت حمزہؓ نے نگاہ اٹھائی تو جبرئیلؑ کے پاؤں دیکھ کر ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص:۴۱)

آپؓ کے اخلاق

سیدنا حضرت حمزہؓ کے اخلاق میں سپاہیانہ خصائل نہایت نمایاں تھے، شجاعت، جانبازی، اور بہادری، آپ کے خصوصی اوصاف تھے، آپؓ کا مزاج قدرے تیز وتند تھا؛ لیکن ہمیشہ اپنے اعزہ واقارب کے ساتھ مصالحانہ برتاؤ کرتے اور صلہ رحمی کے ساتھ پیش آتے تھے اور نیک کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وفات کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی مُثلہ شدہ نعش کے پاس بیٹھ کر فرمایا تھا: خدا تم پر رحم کرے کہ تم قرابت داروں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے اور نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔

(خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص:۳۹)

حضرت حمزہؓ سے مروی ایک روایت

کتبِ حدیث میں حضرت حمزہؓ سے کتنی روایات مروی ہے اس کا تو علم نہ ہوسکا؛ تاہم طالب الہاشمی نے لکھا ہے کہ: ابن اثیر نے ''اسد الغابہ'' میں حضرت

حمزہ سے ایک حدیث بھی روایت کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر دعا میں یہ کلمہ ضرور کہا کر: وَاللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاسْمِکَ الْاَعْظَمِ وَرِضْوَانَکَ الْاَکْبَر. (خیر البشر کے چالیس جاں نثار، ص: ۴۲)

آپؓ کی دنیا سے بے رغبتی

مولانا روم نے مثنوی میں لکھا ہے کہ حضرت امیر حمزہؓ جوانی میں ہمیشہ زرہ پہن کر لڑا کرتے تھے؛ لیکن جب شباب کے بعد دائرۂ اسلام میں قدم رکھا تو زرہ پہننا بالکل ترک کر دیا اور جنگ میں اس طرح شریک ہوتے کہ سینہ سامنے سے کھلا ہوتا اور دونوں ہاتھوں سے تلوار چلاتے جاتے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ: جب آپ جوان تھے، مضبوط و طاقتور تھے، اس وقت آپ زرہ پہن کر لڑائی میں شامل ہوتے تھے اور اب جبکہ آپ بوڑھے ہو گئے ہیں تو آپ اپنی حفاظت کیوں نہیں کرتے؟ اور اپنی جان کو کیوں ہلاکت میں ڈالتے ہیں؟ ہم کو یہ پسند نہیں کہ آپ جیسا شیر اپنی بے احتیاطی کی بدولت دشمن کے ہاتھوں قتل ہو جائے۔

حضرت حمزہؓ نے ان کی باتیں سن کر فرمایا کہ: ''جب میں جوان تھا تو سمجھتا تھا کہ موت انسان کو دنیا کے عیش و آرام سے محروم کر دیتی ہے؛ اس لیے موت سے ڈرتا تھا، لیکن اب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے میرے دل کی دنیا بدل چکی ہے، اب مجھے اس دنیائے فانی سے کوئی لگاؤ نہ رہا اور موت مجھے جنت کی کنجی معلوم ہوتی ہے۔ زرہ وہ پہنے جس کے لیے موت وحشت ناک چیز ہو، جس کو آپ لوگ موت

کہتے ہیں وہ میرے لیے ابدی زندگی ہے''۔(خیر البشر کے چالیس جاں نثار،ص:۳۹،۴۰)

ہم اپنے اس مقالہ کو جناب طالب الہاشمی کے ایک اقتباس پر مکمل کرتے ہیں،تحریر فرماتے ہیں: سیدنا حضرت حمزہؓ کی بے مثل شجاعت اور جانبازی کو پیشِ نظر رکھ کر بعض لوگوں نے عجیب وغریب من گھڑت قصے ان سے منسوب کر دیے ہیں اور انہیں ''داستانِ امیر حمزہؓ'' کے نام دے کر بڑے مزے لے کر بیان کیا ہے، فی الحقیقت یہ تمام داستانیں لغویات اور خرافاتِ محض ہیں۔ایک جلیل القدر صحابی سے غلط باتیں منسوب کرنا یا انہیں پڑھنا اور سننا نہ صرف وقت ضائع کرنے؛ بلکہ خواہ مخواہ گناہ کمانے کا باعث ہے۔حضرت حمزہؓ کی عظمت اور جلالتِ قدر ایسی وضعی داستانوں کی ہرگز محتاج نہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ سیدنا حمزہؓ کی زندگی کے حقیقی واقعات ہی اتنے ولولہ انگیز ہیں کہ فرزندانِ اسلام کے خون کو تا ابد گرماتے رہیں گے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

از قلم: محمد شاداب احمد نگری۔ محمد رفیع اللہ بھاگلپوری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

سید المؤمنین، شفیع المذنبین، خاتم الانبیا، محمدِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی: جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیرت وصورت میں اپنا مشابہ بتایا، جن کی کفالت عمِّ رسول حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کی، جنہیں لسانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''ذو الجناح''، ''طیار'' اور ''ابوالمساکین'' جیسے القاب سے نوازا۔ قسمت کا دھنی، میدانِ جہاد میں اپنے دونوں بازو کٹوا کر دو پروں کے سہارے فرشتوں کے ساتھ جنت میں محوِ پرواز ہونے والا، عظیم المرتبت مجاہد، ایسا مجاہد کہ جب میدانِ جنگ میں اترے تو اپنی جان کی پرواہ نہ کرے۔ میدانِ جنگ میں اترتے ہی اپنے گھوڑے کے پیروں کو کاٹنے والا سب سے پہلا مجاہد، تاکہ واپس لوٹنے کا خیال تک نہ آوے۔ فیاضی اور سخاوت کا خوگر اور یتیموں ومسکینوں کا ایسا ہمدرد اور مددگار کہ جس کے انتقال پر بیواؤں کے مکانوں سے رونے کی آوازیں آتی ہوں۔ فصاحت وبلاغت اور ہمت وحوصلے کا وہ کوہِ گراں جس کی جرأت دیکھ کر عمرو بن عاص جیسا سیاست داں حیران وششدر رہ جائے، جس کی بہادری اور بے باکی دیکھ کر کفار کے چھکے چھوٹ جائے۔ کون ہے یہ شخصیت؟ ارے یہی تو ہیں جسے دنیا ''حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ'' کے نام سے یاد کرتی ہے۔

نام ونسب

نام: جعفر، کنیت: ابوعبداللہ، والد کا نام: عبدِ مناف (ابو طالب) اور والدہ کا نام فاطمہ بنتِ اسد بن ہاشم تھا۔ شجرۂ نسب یہ ہے: جعفر بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدِ مناف بن قصی القریشی الہاشمی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی اور حضرت علیؓ کے سگے بھائی تھے، عمر میں حضرت علیؓ سے تقریباً دس سال بڑے تھے۔

زمانۂ طفولیت، شباب اور نکاح

حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اپنے والد ماجد ابوطالب کے ساتھ خوشحالی کی زندگی بسر کررہے تھے، کہ اچانک ایک قحط سالی کی سیاہ چادر میں نمودار ہوئی جس نے ابوطالب ہی نہیں؛ بلکہ تمام اہلِ مکہ کی زندگی تنگ کردی، سوائے چند حضرات کے کہ جن کی زندگیاں قحط سالی میں بھی قدرے غنیمت تھی، جن میں سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے عمِّ بزرگوار عباس ابن عبدالمطلب بھی تھے۔ اس خشک سالی نے ابوطالب کی کمر توڑ کر رکھ دی، اہل وعیال کی کثرت اِس پر مُستزاد؛ پھر بھی انہوں نے ایسے پُرخطر ونازک حالات میں کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ابوطالب کا یہ حال دیکھا تو اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا کہ: اے عمِّ بزرگوار! میں چاہتا ہوں کہ آپ کے برادر

ابوطالب کی زندگی تنگ دستی اور خستہ حالی کی وجہ سے تنگ ہوگئی ہے؛ کیوں نہ ہم ان کی بدحالی کو خوشحالی میں تبدیل کر دیں، یعنی ان کی اولاد میں سے کچھ کی کفالت ہم اپنے ذمہ لے لیں، جس سے ان کا یہ بارِ گراں کچھ ہلکا ہوجائے۔ حضرت عباس ابن عبدالمطلب نے اس حسنِ تدبیر کو پسند کرتے ہوئے یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موافقت کی کہ: بے شک تم نے ایک کارِ خیر کی طرف دعوت دی ہے اور حسنِ سلوک پر اکسایا ہے۔ اس کے بعد ان دونوں حضرات نے ابوطالب کے سامنے اپنا خیر خواہانہ مشورہ پیش کیا۔ ابوطالب اپنے بھائی اور بھتیجے کی یہ رائے سن کر بڑے خوش ہوئے اور کہا کہ: عقیل کو میرے لیے چھوڑ دو، اور بقیہ کے متعلق جو چاہو فیصلہ کرو۔ چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنی ماتحتی میں لے لیا اور چچا عباسؓ نے حضرت جعفرؓ کو پرورش کے لیے منتخب کرلیا۔ اس کے بعد سے حضرت علیؓ برابر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے، تا آں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت اور دینِ حق و ہدایت دے کر مبعوث فرمایا۔ اور اِس طرف حضرت جعفرؓ بھی اپنے چچا عباس کے یہاں اپنی جوانی کی منزلیں طے کرتے رہے۔

قبولِ اسلام

آپ کے قبولِ اسلام کا مختصراً پس منظر یہ ہے: ایک روز کی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی کرّم اللہ وجہہ عبادت میں مشغول تھے کہ خاندانِ بنی ہاشم کے سردار ابوطالب نے اپنے محبوب اور فرماں بردار بھتیجے کے ساتھ اپنے لختِ

جگر، نورِ نظر: علی کو بارگاہِ صمدیت میں سجدہ ریز دیکھا تو ان کے قلب پر گہرا اثر پڑا، خود تو کفار کی لعنت و ملامت کی بنا پر اس دولتِ عظمیٰ سے محروم رہے؛ لیکن اپنے صاحب زادے جعفر پر نظرِ شفقت کرتے ہوئے کہا: جعفر! تم بھی اپنے چچازاد بھائی محمد کے ساتھ خدائے واحد کی بندگی میں مشغول ہوجاؤ۔

حضرت جعفرؓ موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں کھڑے ہوکر نماز میں مشغول ہوگئے۔ پھر کیا تھا کہ آپؓ کو خدائے لم یزل ولا یزال کی عبادت و بندگی میں ایسا لطف محسوس ہوا کہ آپ دنیا کی تمام لذتیں بھول گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر ہمیشہ ہمیش کے لیے اسلام کے پرستاروں میں داخل ہوگئے۔ آپؓ کے قبولِ اسلام سے پہلے تقریباً اکتیس یا بتیس اشخاص مشرف بہ اسلام ہوئے تھے، آپؓ حضرت عبداللہ ابن جحشؓ کے بعد دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ طبقات کی روایت ہے کہ: حضرت جعفرؓ دارِارقم کی تربیت گاہ بننے سے پہلے اسلام لائے تھے۔

آپ جب مکمل جوان ہوگئے تو اسماء بنت عُمیس سے آپ کا نکاح ہوا، جس وقت آپؓ کو اسلام کی خوبیوں کا ادراک ہوا تو آپ دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے، اس ذہن سازی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افہام وتفہیم کا خاص کردار رہا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت نے ایمان واسلام میں چار چاند لگادیے۔ آپ نے اور آپ کی رفیقۂ حیات نے وہ تمام مصائب اور تکلیفیں جھیلیں جن سے ابتدائی

زمانے کے مسلمانوں کو پالا پڑا تھا، انہوں نے ہر اذیت پر صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا؛ کیوں کہ ان کو یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ جنت تک پہنچنے کے لیے ان خاردار وادیوں اور دشوار گزار گھاٹیوں کو عبور کرنا ناگزیر ہے۔

ہجرتِ حبشہ کی اجازت

آپؓ اور آپ کی رفیقۂ حیات کو طرح طرح سے دھمکایا اور ڈرایا، نہ ماننے پر سخت سے سخت سزائیں بھی دیں اور تکلیف واذیت پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی، جتنا بس میں تھا سب کچھ کر بیٹھے؛ لیکن چوں کہ آپؓ کا ایمان پہاڑوں سے زیادہ مضبوط اور مستحکم تھا؛ اس لیے آپؓ کے پائے ثبات بھی ذرہ برابر بھی لغزش نہ آسکی۔

جب مسلمانوں پر پابندیاں اور سختیاں عائد ہونے لگیں اور مصائب و آلام کا یہ سیلاب بڑھتا گیا، بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکستہ دلی کے ساتھ صحابہؓ کو حبشہ ہجرت کر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی یہ چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مستقل تکلیف کا باعث تھی کہ ان پاکیزہ اور نیک ہستیوں کو صرف اِس جرم میں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور پیغمبر کی رسالت کا اعلان کیا ہے، ناحق اور ظالمانہ طور پر ستایا جارہا ہے۔

حبشہ کی طرف روانگی

ہم اس موقع سے حبشہ کی کارگزاری کا اکثر حصہ حضرت ام سلمہؓ کے

حوالے سے پیش کرتے ہیں، فرماتی ہیں کہ: جب حبشہ کی طرف دوسرا قافلہ روانہ ہوا، جو کل ۸۳ / افراد پر مشتمل تھا، ان ہی میں سے ایک حضرت جعفرؓ بھی تھے جن کی سرکردگی میں یہ مقدس قافلہ روانہ ہوا، ہم حبشہ پہنچے اور وہاں چین وسکون کی زندگی بسر کرنے لگے، ہمیں کسی قسم کا کوئی خوف وخطرہ نہ تھا، ہر طرح کی آزادیاں ہمیں میسر تھیں۔

کفارِ مکّہ کی بے چینی

قریشِ مکہ کو جب پتہ چلا کہ ہم حبشہ پہنچ کر امن وسکون سے زندگی بسر کررہے ہیں تو وہ غصے سے تلملا اٹھے اور انہوں نے حبشہ کے حکمران نجاشی کو بدظن کرنے اور ہمیں وہاں سے نکلوانے کی سازش رچی اور نجاشی کو ورغلانا چاہا۔ اس گھٹیا مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کفارِ مکّہ نے سرزمینِ عرب کے مشہور ومعروف سیاست داں عمرو بن عاص اور اس کی معاونت کے لیے عبداللہ بن ابی ربیعہ کو وافر مقدار میں قیمتی تحائف دے کر حبشہ روانہ کیا اور ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کی کہ نجاشی سے ملاقات کرنے سے پہلے اعیانِ حکومت اور مذہبی رہنماؤں کو تحائف دے کر اپنا ہم نوا بنالینا۔

عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ حبشہ میں

چناں چہ عمرو بن عاص اپنے ساتھی عبداللہ بن ابی ربیعہ کے ہمراہ مکہ سے حبشہ کی طرف روانہ ہوئے اور حبشہ پہنچتے ہی پہلے وہی کام انجام دیا جس کا انہیں کفارِ

مکّہ نے مکلف بنایا تھا۔ عمائدینِ سلطنت اور امرا و حکام سے ملنے کے بعد جب انہیں یقین ہو گیا کہ اب میدان بالکل صاف ہے اور شاہی دربار کی اہم شخصیات وقت آنے پر ہماری بھرپور حمایت کریں گی تب نجاشی کے دربار میں جانے کا فیصلہ کیا۔

نجاشی شاہِ حبشہ کے دربار میں

ایک روز یہ دونوں خراماں، خراماں، شاداں و فرحاں، خوشی سے جھومتے اور وفورِ مسرت سے اپنے کندھے مٹکاتے شاہی دربار میں حاضر ہوئے، حبشہ کا حکمراں نجاشی اس وقت پورے جاہ و جلال کے ساتھ تختِ شاہی پر جلوہ افروز تھا، یہ دونوں شاہی آداب بجالاتے ہوئے اس کے سامنے سجدہ ریز ہوئے، بادشاہ نے خوش ہو کر شرفِ باریابی عطا کیا، ایک کو نجاشی کے دائیں اور دوسرے کو بائیں جانب بٹھا دیا گیا، دونوں نے ادب و احترام کا مظاہرہ کرتے ہوئے جھک کر کہا:

عمرو بن عاص کا نجاشی کو پھسلانا

بادشاہ سلامت! ہماری قوم نے یہ تحائف آپ کے لیے بھیجے ہیں انہیں قبول فرما کر ہماری عزت افزائی کریں، نجاشی نے سر کو جنبش دیتے ہوئے قبولیت کا شرف بخشا۔ انہوں نے موقع کو غنیمت جان کر کورنش بجالاتے ہوئے کہا:

''ہماری دوسری مؤدبانہ التماس یہ ہے کہ ہم چوں کہ دل و جان سے زیادہ آپ کو عزیز جانتے ہیں، آپ کی قدر و منزلت اور محبت و عقیدت ہمارے رگ و پے میں رچ بس چکی ہے؛ اس لیے آپ کے محبوب ملک کی خیر و بھلائی کو عزیز از جان

سمجھتے ہوئے آپ کے علم میں یہ بات لانا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ہماری قوم کے چند تخریب کار افراد آپ کے پیارے اور پُرامن ملک میں پناہ گزیں ہوئے ہیں، ہمارے آبائی مذہب سے روگردانی کر کے راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے پچھلے دنوں یہاں پہنچے ہیں۔ ہمارا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ ان سے باز پرس کریں اور انہیں قرار واقعی سزا دیتے ہوئے ملک سے نکل جانے کا حکم صادر فرمائیں۔ ہماری رائے میں انہیں یہاں سے نکال دینا ملک وملّت کے لیے بہت بہتر ہوگا؛ ورنہ یہ لوگ یہاں بھی وہی فتور، انارکی اور دنگا فساد بپا کر دیں گے جیسا انہوں نے ہمارے علاقے میں بپا کر رکھا ہے، ان کی تخریب کاری کی وجہ سے آج ہمارے ہاں عزیز واقارب باہم دست وگریباں ہیں۔ امید ہے کہ آپ ہماری مخلصانہ تجویز کو اہمیت دیتے ہوئے ان ناعاقبت اندیشوں کو یہاں سے نکل جانے کا حکم صادر فرمائیں گے''۔

نجاشی کی عقلمندی

نجاشی نے عمرو بن عاص کی سحر انگیز گفتگو سن کر اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے وزیروں اور سرداروں کی طرف نظر کی، چونکہ کفارِ مکّہ کے قاصدوں نے انہیں پہلے ہی سے کچھ تحفے تحائف دے کر اپنا ہم نوا بنا رکھا تھا اور کہہ رکھا تھا کہ جس وقت ہم نجاشی کے دربار میں اپنا معاملہ پیش کریں گے تو آپ لوگ بھی ہماری تائید کرنا، اسی بنا پر انہوں نے فوراً قریشی سفیروں کی تائید کرتے ہوئے کہا:

''عالی جاہ! یہ دونوں بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، کیوں کہ انہوں نے جو غلط

رویہ اپنایا ہے اس کے متعلق وہی لوگ خوب جانتے ہیں، اس لیے ان کو واپس بھیج دیں؛ تاکہ وہ لوگ ان کے بارے میں جو مناسب سمجھیں فیصلہ کریں''۔

نجاشی کو درباریوں کی یہ بات پسند نہیں آئی، اس نے سخت غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! جب تک میں ان کو بلا کر ان باتوں کے متعلق پوچھ نہیں لیتا جن پر وہ عمل کرتے ہیں، انہیں کسی کے حوالے نہیں کرسکتا، اگر وہ باتیں جو یہ دونوں ان کے بارے میں کہہ رہے ہیں، درست ہوئیں تو میں انہیں ان کے سپرد کردوں گا؛ لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا تو میں اُس وقت تک ان کی حمایت وحفاظت سے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا جب تک وہ یہاں رہیں گے، اور جب تک وہ یہاں رہنا چاہیں گے انہیں مکمل آزادی حاصل ہوگی اور میری طرف سے ہر قسم کی سہولیات مہیا کی جائیں گی''۔

مہاجرین نجاشی کے دربار میں

حضرت ام سلمہؓ اپنے بیان کا سلسلہ آگے بڑھاتے ہوئے فرماتی ہیں:

نجاشی نے ہم لوگوں کو ملاقات کے لیے طلب کیا، ہمارے پاس نجاشی کا ایک قاصد یہ خبر لایا کہ بادشاہ سلامت آپ لوگوں کو بلا رہے ہیں۔ نجاشی کے پاس جانے سے پہلے ہم لوگ ایک جگہ جمع ہوئے اور ہم نے آپس میں کہا کہ:

''بادشاہ ہم سے ہمارے دین کے بارے میں ضرور پوچھے گا، اس موقع پر ہمیں نہایت راستی وصفائی سے بالکل واضح طور پر وہ باتیں اس کے سامنے رکھ دینی

چاہئیں جن پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔ اور ہاں! بادشاہ کے سامنے ہم سب لوگوں کی نمائندگی صرف جعفر بن ابوطالب کریں گے، ان کے سوا دوسرا کوئی نہیں بولے گا''۔ یہ طے کر کے ہم لوگ دربار کی طرف روانہ ہوئے۔

جب ہم لوگ بادشاہ کے دربار میں پہنچے تو دیکھا کہ اس نے اپنے درباریوں کو بلا رکھا ہے، جو اپنی اپنی نشست گاہوں پر اپنا مخصوص درباری لباس پہنے، سروں پر ٹوپیاں رکھے، سامنے کتابیں کھولے بیٹھے ہیں۔ پھر ہم لوگ بادشاہ کی طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ پہلے ہی سے بادشاہ کے بغل میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

نجاشی شاہی تخت پر اپنے پورے جاہ وجلال کے ساتھ جلوہ افروز تھا، اور سارے سیاسی و مذہبی رہنما اور اعیانِ حکومت دست بستہ حاضر تھے، سارے دربار میں سناٹا چھایا ہوا تھا، گویا ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ان حضرات کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ وفد کے سربراہ حضرت جعفرؓ آگے بڑھے، اسلامی سلام عرض کیا اور اپنی حالت پر کھڑے رہے؛ حالانکہ شاہی دربار کے آداب میں سے ایک بہت بڑا ادب یہ تھا کہ بادشاہ کے سامنے سجدہ ریز ہو کر تعظیم بجالائے، لیکن اس کے بر خلاف حضرت جعفرؓ بالکل بھی نہیں جھکے۔

حضرت امِّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ: ہماری یہ ادائے قلندرانہ دیکھ کر سب درباری چیں بہ جبیں ہو کر ہماری طرف ترچھی نگاہوں سے دیکھنے لگے اور منتظر تھے

کہ حکم سنایا جائے: ''ان کی گردنیں قلم کردی جائیں''! کہ یکا یک ایک گرجدار آواز ہمارے پردۂ سماعت سے ٹکرائی کہ ''تم نے شاہی آداب کے خلاف کیوں کیا؟'' تم دربار کے آداب کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے بادشاہ کے سامنے سجدہ ریز کیوں نہیں ہوئے؟ اس آواز سے ماحول میں ارتعاش پیدا ہوا۔

حضرت جعفرؓ نے آگے بڑھ کر جرأت مندانہ جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''شاہا! ہم صرف بارگاہِ ایزدی ہی میں سجدہ ریز ہوتے ہیں اور ربِ ذوالجلال کے علاوہ کسی اور کے سامنے سجدہ کرنے سے، کسی دوسرے کو پوجنے سے ہمیں منع فرمایا گیا ہے''۔ پوچھا گیا: تمہارا اور اِن کا معاملہ کیا ہے؟ حضرت جعفر موقع ہی کی تلاش میں تھے، موقع پاتے ہی حکمت وبصیرت اور ہمت وحوصلے کے ساتھ آپؓ نے اسلام کی حقانیت کو بادشاہ کے سامنے ایسے واشگاف الفاظ میں بیان فرمایا جس کو تاریخ کے اوراق اب تک اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں، وہ الفاظ یہ تھے:

شاہا! ہم بتوں کے پجاری تھے، مردار کھایا کرتے تھے، حلال وحرام کے درمیان ہمیں کوئی تمیز نہیں تھی، ہم پڑوسی کا کوئی خیال نہیں رکھتے تھے، اور نہ ان کے حق کی کوئی پرواتھی، بے دھڑک فحاشی کا ارتکاب کرتے، رشتہ داری کے تقدس کو پامال کرنا ہماری گھٹی میں شامل تھا، ہمارا ہر قوی کمزور کو کھا جاتا تھا، معمولی باتوں پر برسوں تک لڑتے جھگڑتے رہنا، ناحق کسی کے مال کو غصب کرنا اور کسی کا خون

بہانا، جھوٹ بولنا، بے داغ عورتوں پر تہمتیں باندھنا ہمارے لیے باعثِ فخر تھا۔ گویا یونہی ہماری زندگیاں گھٹا ٹوپ اندھیروں میں حیران و پریشان گذر رہی تھیں، ہر قسم کی برائیاں ہمارے اندر پائی جاتی تھیں، کہ ربِّ کائنات نے ہم پر اپنا رحم فرمایا اور ہمارے درمیان اپنے فرماں بردار اور نیک بندے کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا، جن کے خاندان اور ان کی صداقت و دیانت اور پاکدامنی کو ہم پہلے سے جانتے تھے، انہوں نے ہمیں سمجھایا کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور بتوں کی پوجا پاٹ سے کنارہ کشی اختیار کرلیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ ہمیں سچ بولنے، امانت کے ادا کرنے، صلہ رحمی اختیار کرنے، پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے کا حکم دیا اور حرام کا ارتکاب کرنے، ناحق خون بہانے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے سے بڑی سختی کے ساتھ منع فرمایا۔ چناں چہ ہم آپ کی صداقت و امانت پر یقین لاتے ہوئے اسلام کے گرویدہ ہوگئے، ہم آپ پر ایمان لے آئے اور ہم نے صدقِ دل سے آپ کی پیروی کو اپنے لیے سعادت سمجھا، ہم نے اللہ کی عبادت کرنی شروع کردی۔ سردارانِ قریش کو ہمارا یہ انداز اچھا نہ لگا تو انہوں نے ہمیں اللہ کی عبادت سے باز رکھنے اور بتوں کی دوبارہ پوجا پاٹ کرنے کے لیے پورے جتن کر ڈالے۔ جب ہم نے ان کی بات کو ٹھکراتے ہوئے توحید کو اپنے سینے سے لگائے رکھنے کا اعلان کیا تو پوری قوم ہماری دشمن بن گئی اور انہوں نے ہمیں دینِ اسلام سے

برگشتہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور ایڑی چوٹی کا زور لگایا؛ تاکہ ہم دوبارہ بتوں کے پجاری بن جائیں اور کفر کی تاریکی میں کھو جائیں، مگر ہم نے ان کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ انہوں نے ہمارے اوپر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھانے شروع کر دیے، ہم پر زیست کے تمام راستے تنگ کر دیے۔ ہم مجبور ہو کر اپنا وطن چھوڑ کر آپ کے پاس پہنچے، ہم نے آپ کی عدل گستری، انصاف پسندی اور ہمدردی کا چرچا سنا ہے، ہمیں امید ہے کہ آپ کے زیرِ انتظام اس ملک میں ہمیں ہر طرح کا تحفظ میسر ہوگا اور ہم پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں ہوگا''۔

نجاشی کو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی یہ باتیں بہت اچھی لگیں تو اس نے آپؓ دریافت کیا کہ: تمہیں اُس نورانی پیغام کا کچھ حصہ یاد ہے جس نے تمہاری زندگیوں کی کایا پلٹ دی؟

حضرت جعفرؓ کا قرآن سنانا اور نجاشی کا متأثر ہونا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کو جاری رکھتے ہوئے فرماتی ہیں:

حضرت جعفرؓ نے بادشاہ کے کہنے پر ایسے پُرسوز انداز میں سورۂ مریم کی تلاوت فرمائی جس سے سامعین پر وجد طاری ہو گیا، نجاشی کے دل پر قرآنی آیات کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ وہ زاروقطار رونے لگا، اسے دیکھ کر دربار میں موجود ہر فرد کی آنکھیں نم ہو گئیں، نجاشی کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی، پادریوں کے سامنے انجیلِ مقدس کے کھلے ہوئے نسخے آنسوؤں سے بھیگ گئے، دربار میں رونے

والوں کی چیخ وپکار سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

نجاشی نے اپنے پادریوں، سیاسی رہنماؤں اور داعیانِ حکومت سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''یہ پیغام جو آج ہم نے سنا ہے اور اور وہ پیغام جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا گیا، دونوں کا ماخذ اور اصل ایک ہی معلوم ہوتا ہے، یہ دونوں روشنیاں ایک ہی نور کے منبع سے پھوٹتی دکھائی پڑتی ہیں''۔

عمرو بن عاص کی زردروئی

اس کے بعد نجاشی عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ سے مخاطب ہوا اور کہا: تم لوگ واپس جاسکتے ہو، خدا کی قسم! میں مہر ووفا اور صدق وصفا کے ایسے مجسموں کو کسی بھی قیمت پر تمہارے حوالے نہیں کرسکتا۔ پھر بڑے سوزِ قلب سے کہنے لگا کہ: اگر حکمرانی کا بار میرے کندھوں پر نہ ہوتا تو میں خود اس نبیٔ آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دربار میں حاضری دے کر اُن کے غلاموں میں شامل ہوجاتا۔

عمرو بن عاص مہاجرین کی اس سرخروئی کی تاب نہ لا سکے اور غصہ میں آگ بگولہ ہوگئے اور دربار سے باہر نکل کر عبداللہ بن ربیعہ سے بڑے طیش میں کہا: میں کل پھر بادشاہ کے پاس آؤں گا اور اس کو ان لوگوں کے متعلق ایک ایسی بات بتاؤں گا جو بادشاہ کے دل کو ان کے خلاف غضب وغصے سے بھر دے گی، میں اس کو اس بات پر آمادہ کرکے چھوڑوں گا کہ وہ مکمل طور پر ان کو ختم کردیں اور ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔ جس پر عبداللہ بن ربیعہ نے یہ کہتے ہوئے عمرو بن

عاص کے بھڑکتے شعلہ کو ٹھنڈا کرنا چاہا: اے عمرو! اللہ کے لیے ایسا ہرگز مت کرنا، یہ لوگ اگرچہ ہمارے مخالف ہیں؛ مگر ہیں تو ہمارے ہی قریبی عزیز واقربا۔

مگر عمرو بن عاص نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا:

چھوڑو اس بات کو، اور رہنے دو، ان سے اتنی ہمدردی مت جتاؤ، دیکھنا! کل میں بادشاہ کے دربار میں ایسی بات بتاؤں گا جس کی وجہ سے ان کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسک جائے گی اور بادشاہ ان سے سخت ناراض ہوکر ان کو ہمارے حوالے کر دے گا، میں بادشاہ سے کہوں گا کہ ان سے عیسیٰ بن مریمؑ کے متعلق دریافت کیا جاوے، کہ عیسیٰ بن مریمؑ کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے؟

دوبارہ نجاشی کے دربار میں حاضری

اگلے روز عمرو بن عاص شاہی دربار میں حاضر ہوا، کامیابی کا گیت اس کی زبان پر جاری تھا، وہ اپنی ناقص عقل میں یہ خیال باندھے ہوئے تھا کہ آج تو کامیابی ضرور میرے قدم چومے گی، لیکن کسے پتہ تھا کہ آج دوگنی ذلت اٹھانی پڑے گی۔

عمرو بن عاص نجاشی کے دربار میں کھڑے ہوکر بڑی ہی لجاجت اور عاجزی وانکساری کے ساتھ کہنے لگا:

''عالی جاہ! یہ لوگ جن کو آپ نے اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے، اور جن کی حمایت کا بارِ عظیم آپ نے اپنے کندھوں پر لے رکھا ہے، یہ صرف ہمارے ہی دشمن نہیں؛ بلکہ آپ کے دین سے بھی بغض رکھتے ہیں، یہ فقط ہمارے ہی معبودوں

کونہیں جھٹلاتے ؛ بلکہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے متعلق بہت سخت اور نہایت ناپسندیدہ بات کہتے ہیں، یہ لوگ عیسیٰ بن مریم کے بارے میں آپ لوگوں کے برخلاف عقیدہ رکھتے ہیں، لہٰذا ہماری رائے ہے کہ آپ ان لوگوں کو بلوایئے اور اس بات پر ان سے باز پرس کیجیے''۔

پریشانی اور مشورہ

حضرت امّ سلمہؓ کا سلسلۂ بیان آگے بڑھتا ہے، فرماتی ہیں:

جب ہم لوگوں کو اس معاملہ کی اطلاع ملی تو ہمیں بڑی فکر ہوئی اور ہم لوگ غم سے نڈھال ہوگئے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین ہمارے پیروں کے نیچے سے کھسک گئی ہو۔ پھر ہم نے اس مسئلے پر غور کرنے کے لیے باہم مشورہ کیا کہ اگر بادشاہ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں پوچھا تو ہمیں کیا جواب دینا چاہیے؟ بڑے غور وفکر کے بعد یہ بات طے پائی کہ: ہم ان کے متعلق وہی بات کہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتائی ہے، اس معاملے میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیم سے سرِ مو انحراف نہیں کریں گے، چاہے اس کے نتیجے میں ہمارا جو بھی حشر ہو، اور ساتھ ہی یہ بات بھی طے پائی کہ بادشاہ کے سامنے اس مرتبہ بھی جعفر بن ابی طالب ہی ہماری نمائندگی کریں گے۔

حق وصداقت کا اعلان

پھر جب بادشاہ کے طلب کرنے پر ہم اس کے دربار میں پہنچے تو دیکھا کہ

اس کے درباری آج بھی حسبِ معمول اپنی اپنی نشست گاہوں پر اپنی مخصوص علامات کے ساتھ جلوہ افروز ہیں، جب ہم نے بادشاہ کی طرف نظریں اٹھائیں تو عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی کو بھی بادشاہ کی بغل میں بیٹھا ہوا پایا، جب ہم بالکل بادشاہ کے روبرو ہوئے تو بادشاہ نے سلسلۂ کلام کا آغاز کرتے ہوئے کہا:

''تم لوگ عیسیٰ بن مریم کے بارے میں کیا کہتے ہو؟''

''ان کے بارے میں ہم وہی بات کہتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو بتائی ہے''۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

''وہ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟'' نجاشی نے پوچھا۔

جعفر نے کہا: ''وہ کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ؛ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا کلمہ ہیں، جو اس نے کنواری مریم بتول کی طرف القا کیا تھا''۔

حضرت جعفر کی یہ بات سن کر نجاشی نے اپنے ہاتھ کو زمین پر مارتے ہوئے کہا: ''خدا کی قسم! عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بات بتائی ہے اُن کی حیثیت ایک بال کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہے''۔

درباریوں کا پھنکاریں مارنا اور عمرو بن عاص کی رسوائی

نجاشی کے منہ سے یہ باتیں سن کر اس کے پاس بیٹھے ہوئے درباری غصے سے پیچ و تاب کھانے اور پھنکاریں مارنے لگے، ان کی یہ حالت دیکھ کر نجاشی نے پھر کہا: ''تم چاہے لاکھ پھنکاریں مارو؛ لیکن حقیقت یہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں''۔

پھر اس نے ہماری طرف التفات کرتے ہوئے کہا:

''جاؤ! تم لوگ بے خوف وخطر اور اطمینان کے ساتھ رہو، جو شخص بھی تم کو گالی دے گا یا برا بھلا کہے گا اس کو تاوان ادا کرنا پڑے گا، اور جو تم سے کسی قسم کا تعرض کرے گا اسے سزا بھگتنی پڑے گی۔ خدا کی قسم! مجھے تو یہ بھی منظور نہیں ہے کہ تم میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچائی جائے اور اس کے عوض مجھے سونے کا پہاڑ مل جائے''۔

پھر نجاشی نے عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے آدمیوں کو حکم دیا: ''ان کے ہدیے انہیں واپس لوٹا دو، مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں''۔

حضرت ام سلمہؓ اپنی سرگزشت کا آخری ورق پلٹتی ہیں:

''اس کے بعد عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ وہاں سے خائب وخاسر واپس لوٹ گئے اور ہم لوگ عزت اور آرام کے ساتھ نجاشی کے یہاں رہنے لگے''۔

نامۂ مبارک اور نجاشی کا اسلام

مؤرخین اور سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ اسی موقع سے نجاشی۔ جس کا نام اصحمہ تھا، حضرت جعفر کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہوا اور بعد میں اس کے انتقالِ پُرملال پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غائبانہ نمازِ جنازہ بھی پڑھی؛ بلکہ شاہ مصباح الدین شکیل نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجاشی کے نام ایک خط بھی تحریر فرما کر حضرت جعفرؓ کے ہاتھوں روانہ کیا تھا جس کا جواب بھی نجاشی نے خدمتِ

اقدس میں ارسال کیا تھا، اس موقع پر شاہ مصباح الدین شکیل کی سیرتِ احمد مجتبیٰ میں لکھی گئی تحریر ہدیۂ ناظرین ہے:

حبشہ سے مسلمانوں کا پہلا رابطہ رجب ۵ سنہ نبوت میں ہوا، جب کہ مکّہ کے ستائے ہوئے مہاجرین نے یہاں پناہ لی، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شاہِ نجاشی کو ایک خط لکھا جو تعارفی نوعیت کا تھا اور حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کے ذریعہ روانہ کیا گیا، خط ملاحظہ فرمائیں:

''محمد رسول اللہ کی طرف سے نجاشی اصحم، بادشاہِ حبشہ کے نام:

میں اس خدا کی تعریف لکھتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو بادشاہ مقدس سلامتی والا، امان دہندہ اور سلامت رکھنے والا ہے اور میں اقرار کرتا ہوں کہ مریم کے بیٹے عیسیٰؑ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں جن کو پاک اور بُرائی سے محفوظ مریم بتول کی طرف ڈالا گیا تو وہ خدا کی روح اور پھونک سے حاملہ ہوئیں، جیسا کہ خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا۔ میں تجھے خدائے وحدہٗ ولاشریک لہ کی طرف بلاتا ہوں اور یہ کہ تو میری اتباع کرے اور مجھ پر نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لائے؛ کیوں کہ میں خدا کا رسول ہوں اور میں تجھے اور تیرے لشکروں کو خدائے عزوجل کی طرف بلاتا ہوں، میں نے تجھے پیام پہنچادیا اور بہی خواہی کی ہے، اب تم میری بہی خواہانہ نصیحت کو قبول کرو۔

میں نے تیرے پاس اپنے چچازاد بھائی جعفرؓ کو بھیجا ہے جس کے ہمراہ

چنداور مسلمان بھی ہیں، جب وہ تیرے پاس آئیں تو ان کی مہمان نوازی کر اور تکبر چھوڑ دے، سلام اس پر جو ہدایت چلے''۔

جب نامۂ مبارک نجاشی کے دربار میں پڑھا گیا تو وہ احتراماً اپنے تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا، والا نامہ کو عقیدت سے دونوں ہاتھوں میں لے کر اپنی آنکھوں سے لگایا۔ اللہ کی وحدانیت اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کی گواہی دی، حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی اور اس خط کا جواب بھی روانہ کیا جو ذیل میں نقل کیا جارہا ہے:

والا نامے کا جواب

محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نام

نجاشی کی طرف سے

اے اللہ کے نبی! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں، اُس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت دی ہے، امابعد: اے رسول اللہ! آپ کا خط میرے پاس پہنچا، آپ نے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا ہے تو آسمان اور زمین کے رب کی قسم! حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اس پر ذرہ بھر اضافہ نہیں کیا اور وہ ایسے ہی ہیں جو آپ نے فرمایا۔

آپ نے جو دعوت بھیجی ہے اسے ہم نے جان لیا۔ آپ کے چچازاد بھائی اور ان کے ساتھی آئے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ میں

نے آپ کے چچا زاد بھائی کے ہاتھ پر آپ کی بیعت کی اللہ رب العالمین کے واسطے، میں آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہوں اور آپ اگر حکم دیں تو خود بھی حاضر ہوسکتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سچ ہے۔ والسلام

شاہِ نجاشی نے ہاتھی دانت کا ایک ڈبہ طلب کیا، ان دونوں خطوط کو اس میں حفاظت سے رکھا، کہا کہ: جب تک یہ ہمارے درمیان رہیں گے حبشہ تمام آفات سے محفوظ رہے گا۔ (سیرتِ احمدِ مجتبیٰ کی تحریر پوری ہوئی۔)

حضرت جعفرؓ نے نہایت امن واطمینان کے ساتھ نجاشی کے یہاں دس سال گزارنے کے بعد ۷ھ میں مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ حبشہ چھوڑ کر مدینہ کا رخ کیا۔

حبشہ سے مدینہ کی طرف ہجرت اور مواخاۃ

حبشہ کے حکمراں نجاشی نے بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ عمرو بن امیر الخمری کے ہمراہ سولہ افراد کو دو کشتیوں میں سوار کیا، جن میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہما بھی تھیں۔

ابن ہشام، امام شعبی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ: حضرت جعفر بن ابی طالبؓ فتحِ خیبر کے دن شاہِ امم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب انہیں دیکھا تو گلے لگایا اور شفقت بھرے انداز

میں دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی کو چوما اور بڑی محبت کے ساتھ یہ ارشاد فرمایا: ''مجھے نہیں معلوم کہ دونوں میں کس بات کی مجھے زیادہ خوشی ہے؟ آیا خیبر کی فتح کی یا جعفر کی آمد کی؟''۔

طبقات میں ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کی پیداوار سے پچاس وسق کھجور سالانہ حضرت جعفرؓ کو عطا فرمائی تھی۔

طبقات میں محمد بن اسحاق سے نقل کیا گیا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کے درمیان عقدِ مواخاۃ قائم فرمایا؛ لیکن یہ صحیح نہیں؛ اس لیے کہ مواخات تو حضور کی تشریف آوری کے بعد بدر سے پہلے ہوئی، بدر کے بعد آیتِ میراث نازل ہوئی اور مواخاۃ منقطع ہوگئی جب کہ حضرت جعفر اس زمانے میں حبشہ میں مقیم تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی حضرت جعفر بن ابی طالبؓ سے ملاقات

بخاری شریف میں ایک روایت منقول ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم یمن میں قیام پذیر تھے، جب ہمیں پتہ چلا کہ رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت اختیار کر کے مدینۂ منورہ پہنچ چکے ہیں، تو ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شوق دل میں سمائے ہوئے نکل کھڑے ہوئے، میری قوم کے پچاس افراد شریکِ سفر تھے، جن میں میرے دو حقیقی بھائی: ابوبردہ اور ابورہم بھی تھے۔ ہم یمن سے ایک کشتی میں سوار ہوئے، اس نے ہمیں حبشہ کے ساحل پر

پہنچایا، ہم وہاں اتر گئے، حبشہ میں ہماری ملاقات حضرت جعفر بن ابی طالبؓ سے ہوئی۔ فتحِ خیبر کے بعد ہم سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مستفیض ہوئے، ہم سے ملاقات کرتے ہوئے بعض احباب نے کہا: ''اے کشتی والو! ہمیں ہجرت کے حوالے سے تم پر سبقت حاصل ہے''۔

حضرت عمرؓ اور حضرت اسماءؓ کی گفتگو

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی رفیقۂ حیات اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ایک روز میں ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ملنے گئیں تو وہاں حضرت عمر بن خطابؓ بھی اپنی بیٹی سے ملنے کے لیے تشریف لائے۔ انہوں نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: یہ خاتون کون ہے؟ آپؓ کے دریافت فرمانے پر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یہ اسماء بنت عمیس ہیں، یہ سن کر حضرت عمرؓ فرمانے لگے: اچھا یہ وہی خاتون ہے جو سمندر کے راستے حبشہ سے آئی ہیں!

پھر پوچھا: کیا یہ جعفر بن ابی طالب کی بیوی ہیں؟

حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ: میں نے خود جواب دیا، ہاں ہاں! میں وہی ہوں۔ سیدنا عمر بن خطابؓ نے فرمایا: ''حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والو! آگاہ رہنا، ہمیں ہجرت کے حوالے سے تم پر سبقت حاصل ہے، اور ہمیں رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زیادہ قرب حاصل رہا ہے، اس لیے ہمیں تم پر فوقیت حاصل ہے، تم تو حبشہ میں

امن وسکون کی زندگی بسر کرتے رہے اور ہم نے نہ جانے کتنی تکلیفیں برداشت کیں اور ہم نے تمہارے جانے کے بعد بھی وہی اذیتیں سہیں جن کو تم اور ہم ہجرتِ حبشہ سے پہلے جھیل رہے تھے، اس وجہ سے ہمیں تم پر فوقیت حاصل ہے''۔

یہ تلخ انداز دیکھ کر حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا غصے سے آگ بگولہ ہوگئیں، اور ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب رہے، جو تم میں سے بھوکا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے کھانا کھلاتے، تمہیں علم کے زیور سے آراستہ کرتے، لیکن ہم بھی آپ سے کسی طرح پیچھے نہیں، کیونکہ دور دراز علاقوں میں رہائش اختیار کرنے کا حکم ہمیں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی دیا تھا، ہم آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے محض اللہ کی رضا کے حصول میں وہاں رہے، نہ ہمارا وہاں جانا اپنی مرضی سے تھا اور نہ ہی وہاں کا قیام کرنا اپنی مرضی سے تھا، کتنے دن رات ہم خوف وہراس میں مبتلا رہے، آپ کو شاید اس کا احساس نہیں ہے اور آج آپ اپنی ہجرت کو فوقیت دے رہے ہیں اور ہماری ہجرت کو درخور اعتنا ہی نہیں سمجھتے''۔

حضرت اسماءؓ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت

پھر فرمانے لگیں: اللہ کی قسم! جب تک میں یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں نہ لے آؤں اس وقت تک کچھ کھاؤں پیوں گی نہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے آپ کی خدمتِ اقدس

میں یہ ساری باتیں پیش کرتے ہوئے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا واقعی ہماری ہجرت کو کوئی اہمیت حاصل نہیں؟

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تسلی بخش جواب

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہا کی بات پوری توجہ سے سن کر جواب ارشاد فرمایا: ''اے کشتی والو! خوش رہو، تمہیں دو ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا ہے، اور اُنہیں صرف ایک ہجرت کا اعزاز حاصل ہوا ہے''۔

حضرت اسماء بن عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''ابوموسیٰ اشعری اور ان کے تمام ساتھی مجھ سے یہ حدیث سننے کے لیے وفورِ شوق سے میرے پاس آئے؛ کیوں کہ رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ''اے کشتی والو! تمہیں دو ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا ہے، اور انہیں صرف ایک ہجرت کا'' ان سب کے لیے بلاشبہ یہ بہت بڑا اعزاز تھا جس سے انہیں اس قدر خوشی ہوئی جیسے ہفت اقلیم کی دولت ان کے ہاتھ لگ گئی ہو۔

عمرۃ القضا اور یتیم کی کفالت

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں:

ذی قعدہ ۶ ھ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرہ کے لیے اپنے صحابہؓ کے ہمراہ مکہ کی جانب روانہ ہوئے؛ لیکن قریش نے مذہبی عداوت کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عمرہ ادا کرنے سے روک دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع اپنے صحابہؓ کے صلح کر

کے مقامِ حدیبیہ سے واپس تشریف لے آئیں۔

صلح میں ایک شرط یہ تھی کہ آئندہ سال صرف تین دن کے لیے مکۂ مکرمہ میں مسلمانوں کو قیام کی اجازت ہوگی۔ چناں چہ دوسرے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ہمراہ مکۂ مکرمہ تشریف لائے، جس میں حضرت جعفرؓ، حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ بھی تھے، معاہدے کے مطابق جب تین دن مکمل ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے کوچ کرنے لگے، حضرت حمزہؓ کی یتیم بیٹی نے دل آویز انداز میں کہا: چچا جان! ازراہِ کرم مجھے بھی اپنے ہمراہ لیتے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایما پر حضرت علیؓ نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور لے جا کر حضرت فاطمہؓ کے سپرد کی دیا، مدینۂ منورہ پہنچے تو حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کے مابین اس بچی کی کفالت کے متعلق ایک تنازع پیدا ہوا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمانے لگے: اس بچی کی کفالت میں کروں گا، اس لیے کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔

حضرت جعفرؓ نے فرمایا: اس بچی کی کفالت کا زیادہ حقدار میں ہوں؛ اس لیے کہ اس کی خالہ (اسماء بنتِ عمیس، بچی کی والدہ کا نام سلمٰی بنتِ عمیس ہے) میرے عقد میں ہے۔

حضرت زید بن حارثہؓ فرمانے لگے: نہیں نہیں! اس کی کفالت کی ذمہ

داری مجھے سپرد کی جائے، کیوں کہ یہ میرے اسلامی بھائی حمزہ کی بیٹی ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکمت بھرا فیصلہ

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے حضرت جعفرؓ کے حق میں فیصلہ دیا اور یہ ارشاد فرمایا: ''خالہ چوں کہ بمنزلۂ ماں کے ہوتی ہے، لہٰذا یہ بچی جعفر کے گھر میں پرورش پائے گی''۔

اس پر حضرت جعفرؓ اٹھے اور ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد گھومنے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ: حبشی لوگ خوشی کے موقع سے اپنے بادشاہ کے ساتھ یہی سلوک کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تینوں جاں نثار صحابہؓ کی دلجوئی کرتے ہوئے حضرت علیؓ سے کہا: ''تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں''۔ حضرت جعفرؓ سے فرمایا: ''تم سیرت وصورت اور فطرت وخصلت میں میرے مشابہ ہو''۔ اور حضرت زید بن حارثہؓ سے کہا: ''تم ہمارے بھائی اور دوست ہو''۔

(حضرت زید بن حارثہؓ نے اپنے بھائی کی بیٹی ہونے کا اس لیے دعویٰ کیا تھا کہ ہجرت کے بعد مدینۂ طیبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مواخات کا نظام قائم کرتے ہوئے حضرت حمزہؓ کو آپؐ کا دینی بھائی قرار دیا تھا)۔ تینوں جلیل القدر صحابہؓ اپنے بارے میں یہ تأثرات سن کر وفورِ مسرت سے جھوم اٹھے۔ اس فرمانِ نبوی میں حضرت جعفرؓ کے متعلق یہ اشارہ کہ ''تم میرے ساتھ سیرت وصورت میں مشابہت رکھتے ہو''

بلاشبہ ان کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے، جس پر وہ جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔

حضرت جعفر بن ابی طالبؓ میں وہ تمام اوصاف بدرجۂ اتم پائے جاتے تھے جن کا کسی بھی کامیاب قائد یا جرنیل میں ہونا ضروری ہے۔ بروقت فیصلہ کرنا، حاضر جوابی سے کام لینا، فصاحت و بلاغت کے دریا بہانا، دشمن کے سامنے کھڑے ہوکر جرأت مندانہ انداز میں گفتگو کرنا، ایک کامیاب جرنیل کی علامت ہوتی ہے، ان خوبیوں سے حضرت جعفرؓ پوری طرح متصف تھے۔

حزب اللہ کی روانگی

مدینۂ منورہ میں حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کا زمانۂ قیام بہت مختصر رہا، کیوں کہ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ شاہِ روم ہرقل کے گورنر شرحبیل بن عمرو غسّانی نے دربارِ رسالت کے اسلامی سفیر حضرت حارث بن عمیرؓ کو بڑی بے دردی سے قتل کر دیا ہے۔ یہ خبر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑا دلی رنج ہوا، آپ نے تین ہزار مجاہدین کا لشکر تیار کیا، اور حضرت زید بن حارثہؓ کی سرکردگی میں بلادِ شام میں رومیوں کے ساتھ معرکہ آرائی کے لیے روانہ فرمایا۔ ساتھ ہی یہ ہدایت بھی فرمائی کہ اگر میدانِ کارزار میں زید بن حارثہ شہید ہوجائے تو جعفر بن ابی طالب کو امیرِ لشکر بنالینا اور اگر وہ شہید ہوجائے تو عبداللہ بن رواحہ امیرِ لشکر کے فرائض انجام دیں گے، لیکن اگر عبداللہ بن رواحہ بھی جنگ میں کام آجائیں تو مجاہدین اپنی صوابدید سے ساتھ جس کو چاہیں اپنا امیر منتخب کرلیں۔

معرکہ کا آغاز

یہ لشکر شام کے سرحدی علاقے بلقا میں پہنچ کر موتہ کے مقام پر خیمہ زن ہوگیا۔ شاہِ روم ہرقل ایک لاکھ افراد پر مشتمل رومی فوج لے کر میدان میں اترا ہوا تھا، اور مزید ایک لاکھ افراد حلیف قبائل سے اس کی معاونت کے لیے جمع ہوگئے، جس میں لخم، جذام اور قضاعہ وغیرہ عیسائی قبائل کے جنگجو شامل تھے۔ اس دو لاکھ کے عظیم لشکر کا مقابلہ کرنے والی مسلمانوں کی فوج صرف تین ہزار مجاہدین پر مشتمل تھی، آخر کار جب دونوں فوجوں میں مڈبھیڑ ہوئی اور جنگ کی چکی اپنی پوری رفتار سے چلنے لگی تو حضرت زید بن حارثہؓ بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔

حضرت جعفرؓ کی شجاعت اور شہادت

حضرت زیدؓ کے گرتے ہی حضرت جعفرؓ نے آگے بڑھ کر جھنڈا تھام لیا، اور اپنی گھوڑی (شقراء) سے کود پڑے، اور تلوار سے اس کی ٹانگیں کاٹ دیں؛ تاکہ ان کے بعد دشمن اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں اور جھنڈا لے کر یہ رجز پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں دور تک گھستے چلے گئے: ''آہا! کتنی عمدہ ہے یہ جنت، کتنا خوش آئند ہے اس کا قرب اور کیسا ٹھنڈا ہے اس کا پانی۔ رومیوں کا عذاب قریب آ گیا ہے، یہ سب کافر اور بعید النسب ہیں، جب ان سے مڈبھیڑ ہوگئی ہے تو لازم ہے کہ میں ان کے اوپر کاری ضرب لگاؤں''۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت جعفرؓ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا تو ان

کے پاس شیطان آیا، اور دنیا کی دلفریبیاں اور رنگینیاں دکھا کر زندگی کی لالچ دلائی اور موت سے ڈرایا، حضرت جعفرؓ نے کہا کہ: اِس وقت جب کہ ایمان، مؤمنین کے قلوب میں جڑ پکڑ چکا ہے تو مجھے دنیا کی آرزو دلاتا ہے، جا یہاں سے بھاگ جا۔ یہ کہہ کر آگے بڑھے اور معرکۂ کارزار میں کود پڑے۔

وہ دشمن کی صفوں میں ہر طرف چکر لگاتے اور اپنی شمشیرِ خاراشگاف کے جوہر دکھاتے پھر رہے تھے کہ ایک ناہنجار فوجی کی ایک کاری ضرب نے ان کے دائیں ہاتھ کو کاٹ کر الگ کر دیا، انہوں نے جھنڈے کو بائیں ہاتھ میں تھام لیا، مگر دشمن نے تلوار کا دوسرا وار کیا اور ان کا بایاں ہاتھ بھی کٹ کر جدا ہو گیا، اب انہوں نے جھنڈے کو اپنے دونوں بازوؤں کے حلقے میں لے کر سینے سے چمٹا لیا، مگر جلد ہی تیسری ضرب نے ان کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیے، اس طرح یہ حق پرست، شیرِ خدا، بطلِ جلیل نقدِ جاں ہار گیا۔ (اِنَّا للّٰہ وانا إلیہ راجعون)

عہدِ گل ختم ہوا ٹوٹ گیا سازِ چمن
اڑ گئے ڈالیوں سے زمزمہ پردازِ چمن

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ: میں بھی اس معرکہ میں شریک تھا، ہم نے حضرت جعفر کی نعش کو دیکھا تو اس پر نوے سے زیادہ زخم لگے ہوئے تھے، اور کمال کی بات یہ ہے کہ پیٹھ کی جانب ایک بھی زخم نہ تھا، سارے زخم سینے کی جانب لگے ہوئے تھے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جاں بازوں کی شہادت کا غم

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعۂ وحی اپنے تینوں سالاروں کے شہید ہوجانے کی خبر پہنچی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور آپ رنج اور صدمے سے نڈھال ہوگئے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعزیت کے لیے اپنے چچا زاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ان کی زوجۂ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ان کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف ہیں، وہ روٹی کے لیے آٹا گوندھ کر رکھ رہی تھیں، اور بچوں کو نہلا دھلا کر تیل وغیرہ لگا کر صاف ستھرے کپڑے پہنا کر تیار کر چکی تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اہلِ خانہ کو تسلی دینا

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں اپنے گھر کے آنگن میں اپنے بچوں کو نہلا دھلا کر بیٹھی ہی تھی کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر تشریف لائے، میں نے حزن و ملال کے سائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور پر پھیلے ہوئے دیکھ لیے، جو آپ کے اندرونی کرب کی غمازی کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح رنجیدہ دیکھ کر میرے دل میں مختلف اندیشے اور وسوسے سر ابھار رہے تھے، مگر اس وقت میں جعفر کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی سوال اس لیے نہیں کرنا چاہتی تھی کہ مبادا! مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے کوئی ناپسندیدہ بات سننی پڑ جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کے بعد مجھ سے فرمایا کہ: جعفر کے بچوں کو

میرے پاس لاؤ۔ میں نے انہیں آواز دی تو وہ خوشی سے چہکتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دوڑ پڑے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچنے کے لیے ایک دوسرے کو دھکا دے رہے تھے، ان میں سے ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ وہ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا، ان کے اوپر جھک گئے اور انہیں چومنے لگے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے بے تحاشہ آنسو جاری تھے، جب میں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا آپ کو جعفر کے متعلق کوئی غمناک خبر موصول ہوئی ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! جعفر اللہ کی راہ میں شہید ہو گیا ہے۔ یہ خبر سن کر مجھ پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور میں زار و قطار رونے لگی۔

رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری تسلّی کے لیے خوشخبری دی کہ جعفر کو اللہ تعالیٰ نے جنت میں بہت اونچا مقام عطا کیا ہے۔ اسے دو بازوؤں کی جگہ دو پر عطا کر دیے گئے، جن کے ذریعہ وہ پرواز کر کے جنت میں جہاں جانا چاہتا ہے چلا جاتا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لے گئے اور ازواجِ مطہرات سے فرمایا کہ: آلِ جعفر کا خیال رکھنا، آج وہ ہوش میں نہیں ہیں۔

حضرت فاطمہؓ کو بھی اپنے عمِّ محترم کی مفارقت کا شدید غم تھا، شہادت کی خبر سن کر بادیدۂ تر ''واعماہ واعماہ'' کہتی ہوئی بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئیں، آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: بے شک! جعفر جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا چاہیے۔

بشارتیں اور دعائیں

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک عرصے تک شدید غم طاری رہا جس کا ازالہ خوابوں اور بشارتوں سے کیا گیا:

بعض روایات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان منقول ہے کہ: رات میں نے خواب میں جعفر کو دیکھا، وہ فرشتوں کے جھرمٹ میں تھے، ان کے جسم کے ساتھ دائیں بائیں دو پَر تھے اور وہ دونوں آگے سے قدرے خون آلود تھے، ان پَروں کے ذریعے فرشتوں کے ہمراہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں، پرواز کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح شہادت کے بعد انہیں ''ذوالجناحین'' کا لقب عطا ہوا، اور جنت میں محو پرواز ہونے کی بنا پر انہیں ''الطیار'' کہا گیا۔

طبقات ابن سعد میں حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ سے نقل کیا گیا ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آلِ جعفر کو تین دن کی مہلت دی اس کے بعد ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: میرے بھائی پر آج کے بعد نہ رونا، پھر فرمایا کہ: میرے بھائی کے بچوں (عبداللہ، محمد اور عوف) کو میرے پاس لاؤ، ہمیں اس حالت میں لایا گیا گویا ہم عاجز و کمزور تھے، فرمایا: میرے پاس حجام کو بلا لاؤ، حجام بلایا گیا تو آپ نے ہمارے سر منڈوائے اور فرمایا کہ: ''محمد'' تو ہمارے چچا ابی طالب کے مشابہ ہیں ''عبداللہ'' میری فطرت و خصلت کے مشابہ ہیں۔ پھر آپ نے میرا ہاتھ

پکڑ کے اٹھایا اور تین مرتبہ فرمایا کہ: اے اللہ! تو جعفر کے اہل میں ان کا خلیفہ ہو جا اور ''عبداللہ'' کے ہاتھ کے معاملات میں برکت دے۔ اس کے بعد ہماری والدہ آئیں اور ہماری یتیمی بیان کر کے آپ کو غمگین کرنے لگیں، فرمایا: تم ان لوگوں پر تنگدستی کا اندیشہ کرتی ہو، حالاں کہ میں دنیا و آخرت میں ان کا ولی ہوں۔

آپؓ کے فضیلت و اوصاف اور خصوصیات

آپؓ کو اللہ تعالیٰ نے منفرد خصوصیات و امتیازات سے نوازا تھا۔ آپؓ بیک وقت تین بڑے امتیازات کے حامل تھے:

(۱) خاندانِ نبوت کا شرف

(۲) اسلام قبول کرنے میں سبقت کی عظمت

(۳) اور اللہ کی راہ میں شہادت کا بلند مرتبہ

عبداللہ بن جعفرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جعفر کو ''ابوالمساکین'' کے نام سے پکارا کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں نے جعفر کو دیکھا کہ وہ جنت میں فرشتوں کے ہمراہ محوِ پرواز ہیں''۔

حضرت عبداللہ بن عُمر رضی اللہ عنہما اُن کے صاحبزادے کو سلام کرتے تو کہتے: السلام عليك يا ابن ذي الجناحين.

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے

جعفر! تو سیرت وصورت میں میرے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، تو میرے خاندان کا ایک فرد ہے''۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ بنی عبدِ مناف میں سے پانچ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی غیر معمولی مشابہت رکھتے تھے کہ کمزور نگاہ والوں کو ان میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں التباس ہوجایا کرتا تھا، ان پانچ میں سے ایک حضرت جعفر بن ابی طالب تھے۔

حضرت جعفرؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص رفقا میں شامل تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ: تم سے پہلے جس قدر نبی گذرے ہیں ان کو صرف سات رفیق دیے گئے تھے؛ لیکن میرے رفقائے خاص کی تعداد چودہ ہیں ان میں سے ایک جعفر بھی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن جعفر فرماتے ہیں کہ: بعض اوقات میں حضرت علیؓ سے کچھ مانگا تو وہ انکار کردیتے؛ لیکن جب اپنے والد جعفر کا واسطہ دیتا تو بغیر کچھ دیے نہ رہتے۔

حضرت جعفرؓ کا مقام حضرت اسماء کی نظر میں

طبقات میں ہے کہ حضرت اسماء بنت عُمیسؓ نے جب حضرت علیؓ سے نکاح کیا تو حضرت اسماء کے دو بیوٹوں: محمد بن جعفر اور محمد بن ابی بکر؛ ہم باہم فخر کرنے لگ، ہر ایک نے کہا کہ: میں تم سے زیادہ بزرگ اس لیے کہ میرے والد تمہارے والد سے بہتر ہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ: میں تمہارے درمیان فیصلہ

کرتا ہوں، اتنے میں حضرت اسماء بول اٹھیں: میں نے عرب کے کسی جوان کو نہیں دیکھا جو جعفر سے بہتر ہو اور نہ کسی ادھیڑ کو دیکھا جو ابوبکر سے بہتر ہ، حضرت علی نے کہا کہ: تم نے ہمارے فیصلے کے لیے کے لیے کچھ نہیں چھوڑا۔

عمر شریف اور ازواج واولاد

شہادت کے وقت آپ کی عمر شریف تقریباً اکتالیس برس تھی۔

بیویوں کی صحیح تعداد معلوم نہ ہوسکی، آپ کی بیوی اسماء سے تین صاحبزادے ہوئے: (۱) عبداللہ (۲) محمد (۳) عوف۔ ان میں سے صرف عبداللہ بن جعفرؓ سے آپ کی نسل چلی، بقول ابن سعد: مذکورہ بالا تینوں صاحبزادے ملکِ حبشہ میں بہ زمانۂ ہجرت پیدا ہوئے۔ ان تینوں کے دو اخیافی بھائی یحییٰ بن علی بن ابی طالب اور محمد بن ابی بکر ہوئے، والدہ ان کی اسماء بنتِ عمیس تھیں۔

سخاوت وفیاضی

سیر الصحابہ میں ہے: حضرت جعفرؓ نہایت کشادہ دست وفیاض تھے، غربا ومساکین کو کھانا کھلانے میں ان کو خاص لطف محسوس ہوتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو ''ابوالمساکین'' کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: میں اکثر بھوک کے باعث پیٹ کو پتھروں سے دبائے رہتا تھا اور آیت یاد بھی رہتی تو لوگوں سے پوچھتا پھرتا شاید اس بہانے کوئی مجھ کو اپنے گھر لے جائے اور کچھ کھلائے؛ لیکن میں نے حضرت

جعفرؓ کو مسکینوں کے حق میں سب سے بہتر پایا، وہ ہم لوگوں (اصحابِ صفہ) کو اپنے گھر لے جاتے تھے اور جو کچھ ہوتا تھا سامنے لاکر رکھ دیتے تھے؛ یہاں تک کہ بعض اوقات گھی یا شہد کا خالی مشکیزہ تک لا دیتے اور اس کو پھاڑ کر ہمارے سامنے رکھ دیتے اور ہم اس کو چاٹ لیتے تھے۔

مآخذ و مراجع:

① صحابہ کے واقعات ② جرنیل صحابہ ③ تحفۃ القاری ④ فضائل اعمال ⑤ سیر الصحابہ ⑥ زندگیاں صحابہ کی ⑦ رجال مبشرون بالجنۃ ⑧ طبقات ابن سعد مترجم ⑨ حیاۃ الصحابہ ⑩ سیرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''الدین'' کی کہانی خود اُس کی زبانی

ازقلم: محمد اسامہ بن مظہر جھارکھنڈی (مدیر الدین)

میری تاریخ کا ایک جھروکا

آج سے برسوں پہلے ڈابھیل کی سرزمین پر محسنِ قوم وملّت: حضرت مولانا احمد حسن بھام سملکی رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ ایک چھوٹے سے ادارے میں میرا جنم ہوا، جس دور میں؛ میں نے آنکھیں کھولیں، اُس دور میں چوں کہ خود میرے اپنے ہی علاقے میں ضلالت وگم راہی اور شرک وبدعات کا بازار گرم تھا؛ اس لیے میں نے اپنی تمام تر خدمات کا میدانِ عمل اپنے ہی علاقے کو بنایا۔ نیز اپنی دعوت کو مؤثر اور ثمر آور بنانے کے لیے فرمانِ باری: ﴿وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِہٖ﴾ کے بہ موجب اپنی مادری زبان (گجراتی) ہی میں مَیں نے اپنی خدمات کا آغاز کیا۔

مگر کہتے ہیں نا کہ: ''زندگی میں ہزاروں نشیب وفراز آتے ہیں'' ایک عرصے کے بعد جب میرا شہرہ ملک وبیرونِ ملک پھیلنے لگا اور میری خدمات کا دورِ شباب شروع ہونے لگا تو پھر نہ جانے تاریخ کے تھپیڑوں نے مجھے کس گوشۂ خمول میں پہنچادیا کہ گویا میرا وجود ہی ختم ہوگیا۔

لیکن اس کے باوجود میں گوشۂ خمول میں بیٹھ کر آہیں بھرتا رہا کہ:

شاید کوئی آ نکلے خوشبو کی تمنا میں
صحرائے محبت میں کچھ پھول کھلا جاؤں

بالآخر اُس سمیع ومجیب پروردگار نے میری راتوں کی آہیں سن لیں اور جس ''احمد'' کے گھر میں میرا جنم ہوا تھا، اُسی کے ہم نام ایک دوسری ''احمد'' نامی شخصیت (حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم) کے ہاتھوں میری نشأۃِ ثانیہ عمل میں آئی؛ لیکن اِس نشأۃِ ثانیہ کے موقع پر میں نے ماحول کو سازگار سمجھتے ہوئے اپنی محدود زبان کے بجائے ایک عالمی زبان -جس میں اِس وقت آپ میری کہانی پڑھ رہے ہیں- کا انتخاب کیا اور اب کی بار میں نے اپنی خدمات کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے تن مَن دَھن کی بازی لگانی شروع کردی۔

میرے اغراض ومقاصد اور کچھ دل کی دھڑکنیں

قبل ازیں کہ میں اپنے کارنامے آپ کو دِکھلاؤں، مناسب ہی نہیں؛ بلکہ ضروری سمجھتا ہوں کہ میں اپنا ہدف ومقصد مختصر ٹوٹی پھوٹی زبان میں آپ کے گوش گذار کرتا چلوں:

تو سنیے! میں اور آپ جس دور سے گذر رہے ہیں وہ انتہائی پُرفتن دور ہے، جس میں مغربی تہذیب نے لوگوں کی ذہنیت پر اپنا ڈیرا ڈال رکھا ہے، مسلم معاشرے سے دین کا جنازہ نکل چکا ہے، ہر کسی کے قول وفعل اور اخلاق وکیرکٹر میں، چال ڈھال اور نشست وبرخاست میں مغربی تمدن کی جھلکیاں نظر آرہی ہیں،

مسلمان اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت سے نا آشنا نظر آ رہا ہے، اسلام اور احکامِ اسلام کے تئیں مسلمانوں کی طرف سے بے رخی، سنتِ نبوی کے حوالے سے ان کی بے التفاتی کا مظاہرہ ہو رہا ہے، اخلاقِ کریمانہ سے مسلمان تہی دامن ہو چکے ہیں اور ان کے دل و دماغ پر اسلامی ابوابِ معاشرت و معاملات کو بالائے طاق رکھ کر زندگی گزارنے کا جنون سوار ہے۔

ایک طرف تو مسلمانوں کی دینی پستی اور شریعتِ اسلامیہ سے دوری کا یہ عالم ہے، تو دوسری طرف آپ چہار دانگ عالم پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں، تو معلوم ہوگا کہ اسلام اور اہلِ اسلام پر ہر طرف سے کس طرح یورشیں ہو رہی ہیں، دشمنانِ اسلام کس طرح سے اسلام کا حلیہ بگاڑ رہے ہیں اور اِس کے صاف وشفاف چہرے کو مسخ کرنے کے درپے ہیں۔

ہم اور آپ اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ دشمنانِ اسلام نے ہر زمانے میں مسلمانوں کو ان کے مذہب وشریعت سے دور کرنے اور اسلام کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے طرح طرح کے حربے استعمال کیے، زمانے کو سامنے رکھ کر نئے نئے طریقے ایجاد کیے، مختلف طرح کے جال ڈالے اور غلط راہوں کو مزین اور خوش نما بنا کر اس طرح پیش کیا کہ سادہ لوح مسلمان ان کے شکنجے میں آ کر ان ہی راہوں پر چل پڑے اور پوری اسلامک سوسائٹی ان کے پھندے میں پھنس گئی۔

مغربی اقوام کا پھندا: میڈیا

ایسے وقت میں ہمیں یہ غور کرنا چاہیے کہ انھوں نے مسلمانوں میں بدعقیدگی، مذہبی بیزاری، بے حیائی اور فحاشیت وعریانیت کے یہ زہریلے عناصر کن راہوں سے داخل کیے؟ آخر انھوں نے کونسا طریقہ اختیار کیا جس سے وہ پوری دنیا پر چھا گئے اور اس کو اپنا غلام بنالیا؟ چنانچہ جب ہم دنیا کے حالات پر غائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو یہ بات کھل کر عیاں ہوجاتی ہے کہ اِن سب کے پیچھے جو روح کارفرما ہے وہ ''میڈیا'' کی ''سوہانِ روح'' ہے۔

اس ''میڈیا'' نے جہاں ایک طرف یہ کارنامے انجام دیے کہ دور دراز رہنے والے انسانوں کو اپنے متعلقین سے قریب کردیا، جس کے ذریعے عالمِ انسانی کے ایک گوشے سے اڑی خبر آن کی آن پورے عالم میں پھیل جاتی ہے؛ قدرتی آفات، زمینی حوادث، سیاسی اکھاڑ پچھاڑ اور کھیل وتفریح کا کوئی بھی چھوٹے سے چھوٹا یا بڑے سے بڑا واقعہ کائنات میں رونما ہوتا ہے تو آناً فاناً ساری دنیا میں پھیل جاتا ہے۔ وہیں دوسری طرف میڈیا نے یہ سہولت بھی پیدا کردی ہے کہ آپ اس کے ذریعے اپنے خیالات ونظریات کو پوری دنیا میں عام کرسکتے ہیں، ملکی اور عالمی پیمانے پر جب اور جس وقت چاہیں آسانی سے من پسند فضا قائم کرسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی اقوام نے جب دنیا پر غلبہ حاصل کرنے اور اس کو اپنا غلام بنانے کا خواب دیکھا، تو سونے کے ذخائر - چاہے وہ سرخ سونا ہو یا سیاہ (پیٹرول) - پر

قبضہ کو مرکزی اور بنیادی حیثیت دینے کے بعد دوسرا درجہ انھوں نے ''میڈیا'' کو دیا۔ پھر میڈیا کے سرکش گھوڑے پر سوار ہوکر اس کی باگ ڈور کو اپنے قابو میں کیا اور دنیا کے ذہن وفکر اور دماغ پر حکم رانی کرنے میں وہ کام یاب ہوگئے۔

اس کے بعد یورپی اور مغربی اقوام نے اس میڈیا کے توسط سے جہاں سنیما، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ جیسے ہتھیار استعمال کرکے امتِ مسلمہ پر یلغاریں کیں، وہیں انھوں نے بہت بڑی خدمات اخبار ورسائل سے بھی لیں؛ یہی وجہ ہے کہ اگر آپ جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اخبارات کی دنیا پر یہودی ساہوکاروں کی اجارہ داری ہے اور وہ ان کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈے کرنے میں لگے ہیں۔ صحافت کے اسٹیج سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف خوب گل کھلا رہے ہیں، اور نئی نسل کے ذہن ودماغ کو مسموم کرنے کی بھرپور کوشش کررہے ہیں۔ مسلم پرسنل لاء (مسلمانوں کے عائلی قوانین) میں دخل اندازی کرکے نوجوان نسل کے ذہن میں اسلام کے تئیں شکوک وشبہات پیدا کرتے رہتے ہیں۔

لہٰذا ایسی فضا میں - جب کہ دشمنانِ اسلام اخبار ورسائل وغیرہ کے توسط سے ہمارے گھروں، آنکھوں اور دلوں تک میں گھس آئے ہیں اور بہ راہِ راست اسلام پر حملہ آور ہیں - ہمیں ان کی سازشوں اور دقیقہ سنجیوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے؛ تاکہ ان کے پیدا کردہ شکوک وشبہات کا بہ آسانی ازالہ ہوسکے۔

آمدم برسرِ مطلب

قارئینِ کرام! مجھے اِس بات سے بالکل اِنکار نہیں کہ ''شعبۂ تقریر وتحریر'' میں سے خدمتِ دینِ متین کے میدان میں تقریر وخطابت کا بھی اپنا ایک مقام رہا ہے، فنِ خطابت نے اِس سلسلے میں جو رول ادا کیا اور دلوں میں جو انقلاب برپا کیا، اُس سے کسی کو مجالِ انکار نہیں؛ تاہم سکے کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ جس طرح خطابت اور تقریر نے زلزلے پیدا کیے اور ذہن ودماغ کو گرما کر اُنھیں جھنجھوڑا، اِسی طرح تحریر وقلم نے بھی اِس راہ میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ دور جانے کی ضرورت نہیں، جنگِ آزادی کی تحریک ہی کو دیکھ لیجیے! جہاں ایک طرف ''ابوالکلام آزاد'' اور ''عطاء اللہ شاہ بخاری'' جیسے خطبا ومقررین کی شعلہ بیانیوں سے لوگوں کی رگوں میں آزادی کی لہر دوڑی اور انگریزی اقتدار کے خلاف بغاوت کا سیلاب اُمنڈنے لگا، وہیں ''البلاغ'' اور ''الہلال'' جیسے بیسیوں اخبارات ورسائل نے ملک کے گوشے گوشے میں پھیل کر بدیشی اقتدار کی مخالفت کے تئیں جو روح پھونکی اور جو ذہنی وفکری انقلابی کارنامے انجام دیے، تاریخ سے ادنیٰ مناسبت رکھنے والے کے لیے وہ مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے، تاریخ کا ہر طالبِ علم اِس بات سے بہ خوبی واقف ہے کہ اِن ہی رسائل کی بڑھتی ہوئی سحر انگیزیوں کو دیکھ کر انگریزوں نے بہت سے رسائل پر پابندی لگوادی تھی۔

محترم قارئین! یہ تو تھے میرے گھرانے کے متضاد ومتناقض شاخسانے

اور افسانے۔لیکن خود میرا اپنا کیا رول اور کردار رہا؟ میں کس کے سائے میں پَل کر جوان ہوا؟ اِس وقت کس کی توجہات اور سرپرستی کا محور بنا ہوا ہوں؟ میرے لڑکھڑاتے قدموں کو کس نے سنبھالا دیا؟ میرے نونہالوں نے مجھے کتنی رفعت اور بلندی عطا کی؟ اور اِس سال مجھے اپنی عمر کے کونسے مرحلے میں لاکر کھڑا کیا؟

آج تک میری قلمی جولان گاہ سے قلم کاروں کی ایک کھیپ تیار ہوئی ہے، جن کا شمار اور جن کی تحریروں کی جھلکیاں پیش کرنا اِس وقت مجھ جیسے ناتواں کے لیے ''جوئے شیر لانے کے مترادف'' ہے۔بس اتنا بتائے دیتا ہوں کہ سالِ رواں میری گود میں تقریباً چالیس قلم کار تیار ہوئے، جن کی قلمی کاوشوں سے مجھے اب تک پچیس بار سجایا گیا، یعنی: تادمِ تحریر ساٹھ مضامین پر مشتمل پچیس شمارے منظرِ عام پر آئے۔ نیز میرے بہت سے مضمون نگاروں کے مضامین کئی اخبارات ورسائل کی بھی زینت بن چکے ہیں۔الحمد للہ! میرے بہت سے قلم کاروں نے بیش تر مضامین موقع وایام کی مناسبت سے بھی تحریر کیے، مثلاً ''ماہِ صفر میں ہونے والی بدعات ورسومات''، ''جامعہ کے دوموقر استاذ کے سانحۂ ارتحال'' اور ''ویلین ٹائن ڈے (یومِ عاشقاں)'' جیسے خصوصی موضوعات پر بڑی دلچسپی کے ساتھ خامہ فرسائی کی، جن سے شائقین نے لطف اٹھایا اور طالبین فیض یاب ہوئے۔

اپنی خدمات پیش کرنے والے اپنے تمام محبوب قلم کاروں کی حوصلہ افزائی کے لیے میں نے اُنھیں گراں قدر انعامات سے بھی نوازا، ویسے حقیقی منعم تو

میرا پروردگار ہے جس کے خزانے ہر قسم کی کمی ونقصان سے پاک ہیں، یقیناً جس میں جتنا اخلاص تھا اُس نے اتنا ہی انعام بارگاہِ الٰہی سے حاصل کر بھی لیا ہوگا۔

میرے نونہالوں کی اِسی مشق وتمرین کا نتیجہ ہے کہ میرے (الدین کے) پلیٹ فارم سے ہر سال وقیع تحقیقات پر مشتمل مضامین کو ایک سال نامے کی شکل میں شائع کیا جاتا ہے۔ چناں چہ اب تک میرے پلیٹ فارم سے تین سالنامے منصۂ شہود پر آکر خراجِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ اَب میرے محبوبین کا یہ چوتھا سالنامہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اخیر میں مَیں اپنے اُن محسنین کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے قدم قدم پر میرا ساتھ دیا اور میرے ''سالنامے'' کی تیاری میں غیر معمولی دل چسپی دکھائی۔ خصوصاً مربی ومشفقی حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری -ادام اللہ فیوضہم علینا- کا ممنون ومشکور ہوں جن کا سایۂ عاطفت مجھ پر رہا، نیز حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کا بھی شکر گذار ہوں، جنھوں نے ہر موڑ پر میرا تعاون کیا۔ اِسی طرح محبوب الطلبا حضرت مفتی ابوبکر صاحب پٹنی دامت برکاتہم کا بھی نہاں خانۂ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی توجہات وعنایات کی بارشیں ہر وقت مجھ پر برستی رہیں۔

بارگاہِ لم یزل میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے تمام مضمون نگار، کاتبین، معاونین اور اساتذۂ کرام کو اپنی شایانِ شان بدلہ عنایت فرمائے اور مجھے ''دن دُگنی رات چوگنی'' ترقی عطا فرمائے۔ آمین

الدین کے سالانہ مسابقے میں شرکت کرنے والے طلبہ کے اسمائے گرامی

عربی ہفتم		۱۵	ثناءاللہ ایم پی
۱	محمد اسامہ جھارکھنڈی	۱۶	طفیل بمبوی
۲	جنید سورتی	عربی پنجم	
۳	صابر ظہیر سورتی	۱۷	سلمان اورنگ آبادی
۴	ثوبان بمبوی	۱۸	احمد بمبوی
۵	سلمان پالن پوری	۱۹	قاسم مولی پوری
عربی ششم		۲۰	عبداللہ بلساڑی
۶	ثاقب نوادوی	۲۱	محمد پٹنی
۷	زکریا بھوپالی	۲۲	یاسر دساڑا
۸	احمد پالن پوری	۲۳	معاویہ پالنپوری
۹	محمد عمر بمبوی	۲۴	محمد شہراوی
۱۰	محفوظ بمبوی	۲۵	مظہر شہراوی
۱۱	عبدالرحیم کشمیری	عربی چہارم	
۱۲	امان اللہ امریلی	۲۶	لقمان احمد آبادی
۱۳	ثمیر موڈاسا	۲۷	شہزاد اورنگ آبادی
۱۴	الیاس ہتھوڑوی	۲۸	سلطان ہمت نگری

۲۹	سلمان کوکنی
۳۰	تمیم بمبوی
۳۱	رضوان آنندی
۳۲	ابوذر کوکنی
۳۳	زبیر بیڑ
۳۴	سعد بمبوی
۳۵	اشرف کرناٹکی
۳۶	سعد احمد آبادی
۳۷	احمد بھوپالی
۳۸	یاسین بورسدی
۳۹	شمس الزماں کشمیری
۴۰	ابوذر آنندی
۴۱	عزیر احمد آبادی
۴۲	رزین احمد آبادی

عربی سوم	
۴۳	محمد اطہر بمبوی
عربی دوم	
۴۴	رفیع اللہ بھاگل پوری
۴۵	شاداب احمد نگری
۴۶	نعمان احمد آبادی
۴۷	زاہد کوڈیناری
۴۸	محمد حنظلہ دھولیوی
۴۹	لطف الرحمٰن انکلیشوری
۵۰	الیاس بوٹادوی
۵۱	ثناء اللہ امریلی